تاریخ کے سنہری واقعات

مؤلف
مولانا ارسلان بن اختر میمن

تاریخ کے سنہری واقعات

مرتب
مولانا ارسلان بن اختر میمن

جن احباب کو اس کتاب سے فائدہ ہو تو وہ احقر کے مرحوم بھائی حافظ محمد اکبر (عمر ۲۶ سال) کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

مکتبہ ارسلان اُردو بازار، کراچی۔
فون: 0333-2103655

خط وکتابت کا پتہ: نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی۔ فون: 2722080

نام کتاب .... تاریخ کے سنہری واقعات

ترتیب وتزئین .... مولانا محمد ارسلان بن اختر میمن

اشاعت اوّل .... اپریل 2007ء

ملنے کا پتہ:

کراچی: کتب خانہ مظہری گلشن اقبال نمبر 2، کراچی۔ فون: 4992176 نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی۔
بیت القرآن اردو بازار، کراچی۔ صدیقی ٹرسٹ نزد لسبیلہ چوک۔ اقبال بک ڈپو (اقبال نعمانی صدر)۔
اسلامی کتب خانہ نزد بنوری ٹاؤن۔ دارالاشاعت اردو بازار، کراچی۔ علمی کتاب گھر اردو بازار، کراچی۔

لاہور: مکتبہ رحمانی غزنی اسٹریٹ اردو بازار، لاہور۔ ادارہ اسلامیات انارکلی بازار، لاہور۔
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور۔

راولپنڈی: مکتبہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔

فہرست مضامین

ہماری تاریخ اور اس کی حقیقت

جب سیرت کا یہ حال ہے تو تاریخ کا کیا حال ہوگا؟

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ذرا اپنی تاریخ کی حقیقت اور اس کے ماخذ ملاحظہ فرمالیجئے۔

''بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی، یہ سب بنی امیہ کے نہایت سخت دشمن تھے، اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ اس لئے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں تاریخوں میں داخل ہوگئیں، کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جب کہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق وتنقید جس سے افسانہ وحقائق میں پورا پورا امتیاز ہو سکے، مشکل تھی۔

گو بہت سی بے سروسا پا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مسترد ہوگئی، پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لئے تراشے گئے تھے، اس میں داخل ہوگئے۔ تاہم زمانہ مابعد میں جب تنقید کا معیار بلند ہوا تو بڑی حد تک اس قسم کی راویتیں ناقابل اعتبار قرار پائیں، چنانچہ ابن خلدون میں اس قسم کے افسانے نہیں ملتے۔

مولانا ندوی رحمہ اللہ کی ان سطور پر ہمارے تبصرہ سے پہلے آپ مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ کا ارشاد پڑھ لیجئے:

''تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل وکمال، ثقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں، ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے...... بعض محدثین (سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ یہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، لیکن علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''میزان الاعتدال'' میں لکھا ہے:

''ان میں فی الجملہ تشیع تھا، لیکن مضر نہیں۔''
تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل، ابن الاثیر، ابن خلدون، ابوالفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کی مختصرات ہیں۔''

یخ یا کیا؟

جب ہماری ساری تاریخ کا سرچشمہ ہی طبری ہے اور طبری رحمۃ اللہ علیہ گو خود بہت بلند ضیت ہین، امام ہیں، صاحب فضل وکمال ہیں، ہر طرح سے قابل اعتماد ہیں، ان کی تسیر التفاسیر خیال کی جاتی ہے، لیکن بایاں ہمہ یہ بھی تو حقیقت ہے جو مولانا معین الدین رحمۃ یہ نے فرمائی ہے کہ:

مؤرخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لئے تراشے گئے تھے، اس میں ہو گئے۔

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ملاحظہ فرمالیجئے، لکھتے ہیں:

ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی ات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا، یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں، اس لئے جو کچھ رتے ہیں، اور راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں، لیکن ان کے بہت سے رواۃ الروایۃ اور غیر مستند ہیں۔

اپنے رواۃ و مشائخ سے متعلق امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ آپ تحریر فرماتے ہیں: اور رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف مصریوں کی روانگی کے سبب کے یں بہت سی باتیں ذکر کی ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر گزر چکا ہے۔

ومنها ما اعرضت عن ذكره كراهة من ذكره لبشاعته

اور بعض کے ذکر سے میں نے اعراض کیا ہے، کیونکہ ان کی قباحت و شناعت کی وجہ سے مجھے ان کے ذکر سے گھن آتی ہے۔

تاریخ یا مادۂ تاریخ:

تو درحقیقت طبری وغیرہ تاریخوں کی روایات تاریخ نہیں، البتہ ایسا مواد ضرور ہے جس سے تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے

علامہ محب الدین الخطیب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بلاشبہ اسلامی تاریخ کی تدوین بنو امیہ کے زوال اور (بنوعباس کی) سلطنت کے قیام کے وقت...... جن کو بنو امیہ کے محاسن و مفاخر کا ذکر اذکار تک نہیں بھاتا تھا...... شروع ہوئی، تاریخ اسلامی کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی۔

(۱)...... ایک گروہ وہ تھا جو اعداء بنو امیہ کے تقریب کے پیش نظر اشعار کہتا اور کتابیں تالیف کرتا تھا۔

(۲)...... دوسرا گروہ وہ تھا جو اپنے زعم باطل میں یہ سمجھتا تھا کہ دین کامل نہیں ہوتا اور نہ اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے، جب تک حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور تمام بنوعبد شمس، (بنوامیہ) (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی شہرت کو داغدار نہ کردیا جائے۔

وطائفة ثالثة من اهل الانصاف والدين كالطبري وابن عساكر وابن الاثير وابن كثير رأت ان من الانصاف ان تجمع اخبار الاخباريين من كل المذاهب والمشارب، كلوط بن يحيٰى الشيعى محترق وسيف بن عمر العراق المعتدل

(۳)...... اور تیسرا گروہ اہل انصاف واہل دین کا تھا، جیسے طبری وابن عساکر وابن اثیر اور ابن کثیر (رحمہم اللہ) ان کے نقطۂ نظر میں انصاف یہ تھا کہ ہر مذہب ومشرب کے اہل اخبار مثلاً جلے بھنے شیعہ (ابومخنف) لوط بن یحییٰ اور معتدل قسم کے سیف بن عمر عراقی کی خبریں جمع کردی ہیں اور شاید ان میں سے بعض ارباب اقتدار کی رضاجوئی کے پیش نظر اس پر مضطرب و مجبور ہوگئے ہوں، اور ان میں سے اکثر نے اپنی خبر کے راویوں کے نام ذکر کردیئے ہیں تاکہ ہر خبر کے راوی پر بحث کرکے اس (کی صحت یا عدم صحت) پر بصیرت حاصل کی جاسکے۔

وقد وصلت الینا هذا التركة لاعلیٰ انها هی تاریخنا بل علیٰ انها مادة عزیزة للدرس والبحث یسترخ منها تاریخنا

اور بالیقین (بد قسمتی سے) امت مسلمہ کو یہی (ذخیرۂ رطب ویابس) ترکہ میں ملا، یہ ہماری تاریخ نہیں، بلکہ یہ بحث ومطالعہ کے لئے ایک وافر وکثیر مواد ذخیرہ ہے، جس سے ہماری تاریخ کا استخراج کیا جاسکتا ہے اور یہ ہوسکتا ہے اور آسان ہے۔ جب کوئی ان خبروں کے ضعف اور قوت کا لحاظ کرلے اور اسے وہ نور بصیرت حاصل ہو، جس سے وہ حقیقت واقعیہ کو افسانہ سے الگ کرسکے اور صحیح خبروں کو فضولیات سے جدا کرسکے جو ان پر چھائی ہوئی ہیں اور کتب احادیث کی طرف رجوع اور ائمہ امت کے ارشادات کے مطالعہ سے یہ مہم آسان ہوسکتی ہے، اور وقت آگیا ہے کہ ہم اس فریضہ کو لے کر اٹھ کھڑے ہوں، جس کی ادائیگی میں اب تک ہم نے غفلت وتاریخ کی ہے۔ بہت زیادہ غفلت وتاخیر اور بنی امیہ کی تاریخ کو اغیار کی سیاہ کاریوں سے بچانے کے لئے ہمارے زمانہ میں سب سے پہلے العلامۃ الہندی الکبیر شیخ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جاگے، ان کے بعد ذہین اور صاحب بصیرت مصنفین نے حقائق کا مطالعہ کیا تو ان کو اور دوسرے لوگوں کو نور کی ایک جھلک نظر آئی۔

ولایبعد اذا استمر هذا الجهاد فی سبیل الحق ان یتغییر فهم المسلمین لتاریخهم، ویدر کو اسرار ماوقع فی ماضیهم من معجزات

اگر راہِ حق میں یہ جہاد جاری رہا تو کچھ بعید نہیں کہ تاریخ سے متعلق مسلمانوں کا ذہن وفہم ٹھیک ہوجائے اور وہ اپنے ماضی کے اعجازی کارناموں کے اسرار وحقائق کو سمجھ سکیں۔

علامہ خطیب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان حقائق سے مملو ولبریز ہے، یہ حقیقت ہے کہ "حقیقت کے خرافات میں کھوجانے" کے وجوہ وعلل میں سیاسی اغراض اور پولیٹیکل مقاصد کو بڑا دخل ہے، بد قسمتی سے ہماری تاریخ کی تدوین ہی ایک ایسے دور میں ہوئی، جس سے عدل وانصاف اور توازن واعتدال کی توقع ہی فضول ہے لہذا یہ "ہماری تاریخ" ہماری تاریخ نہیں، البتہ بحث ومذاکرہ کے لئے کثیر مواد ضرور ہے، جس سے تاریخ "برآمد" کی جاسکتی ہی، مگر بہت بڑے

''جہاد'' کے بعد جس کا بفضلہٖ تعالیٰ آغاز ہو چکا ہے۔

حقیقت وافسانہ میں امتیاز

جب تک نور بصیرت، روشنی، ضمیر اور جہد مسلسل سے کام نہ لیا جائے گا۔ حقیقت وافسانہ میں امتیاز نہیں ہو سکے گا اور یہ امت روایات میں کھوئی ہی رہے گی۔ اب تک ملت کی بدقسمتی سے عموماً یہ امتیاز کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ہاں بعض اللہ کے بندے جن کو قسام ازل نے اپنی ذہنی وفکری صلاحیتوں سے بہرہ وافر عطا فرمایا تھا، انہوں نے تحقیق وتنقید سے کام لے کر ''حقیقت'' کو الگ چھانٹ لیا اور ''خرافات'' کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔

محترمہ مولانا عامر عثمانی بجا لکھتے ہیں:

ہمارے قدیم ترین تاریخ نگاروں نے ابومخنف اور ہشام جیسے...... قصہ گویوں کی روایتوں سے ضخیم کتابیں تیار کیں اور پھر اس فاسد وکاسد سرچشمے سے نہروں پر نہریں پھوٹتی چلی گئیں۔ بعد میں آنے والوں کی بڑی تعداد نے ان ہی نہروں کو مأ صافی سمجھا، ذہن وبصیرت کے اعتبار سے جو متوسطین سے کچھ اوپر تھے، انہیں اس پانی کا گدلا پن ضرور نظر آیا۔ مگر انہوں نے بھی اسی کو نتھار کر پی لیا اور نہیں محسوس کیا کہ اس میں صرف ریت ہی نہیں ہے، اس کی ہر بوند میں زہر بھی حل ہو چکا ہے۔

ہاں جو اعلیٰ بصیرت وفراست کے حامل تھے اور نقد ونظر کی خداداد صلاحیتیں لے کر پیدا ہوئے تھے، انہوں نے سہل انگاری کو راہ نہیں دی، جو گھونٹ پیا تجزیہ وتحلیل کی ایسی چھلنیوں سے چھان کر پیا کہ ساری سمیت باہر رہ گئی۔

مچھر کا خون

تابعی محدث یزید بن حبیب ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو مصر کا گورنر ابن سہیل ان کی عیادت کے لئے آیا۔ درمیان گفتگو میں گورنر نے یہ مسئلہ پوچھا کہ جس کپڑے پر مچھر کا خون لگ گیا ہو وہ کپڑا پہن کر نماز جائز ہے نہیں؟

امام ممدوح گورنر کا یہ سوال سن کر غصہ میں بھر گئے اور انتہائی غضب میں ہو کر حقارت کے

ہ اس کی طرف سے منہ پھیرلیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جب گورنر چلنے لگا تو اس کی طرف قہر
ی نظروں سے دیکھ کر فرمایا کہ تو روزانہ خدا کی بندوں کا خون ناحق بہاتا رہتا ہے اور آج
ر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلا ہے۔ (ابن خلکان ج۲ص ۱۶۳)

بہ:

ظالم و بدکار اور فساق و فجار کی تنبیہ کے لئے ان کے سوالوں کا اس طرح جواب دینا اور
ف ان کی بداعمالیوں پر انہیں جھڑک کر جھنجھوڑ دینا اکثر علمائے سلف کا طریقہ رہا ہے چنانچہ
رت عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ حج کے ایام میں ایک کوفی ان
، یہ مسئلہ پوچھنے آیا کہ احرام کی حالت میں مچھر مارنا جائز ہے یا نہیں؟
تو آپ نے انتہائی غضب و جلال میں آ کر یہ فرمایا کہ آج یہ کوفی مچھر مارنے کا فتویٰ
ئے چلے ہیں، کل جب ان ہی کوفیوں نے جگر گوشہ رسول ﷺ اور فرزند بتول حضرت امام
ن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کربلا میں خون بہا تو اس وقت یہ لوگ مجھ سے کیوں نہیں مسئلہ پوچھنے
لئے آئے تھے؟ (بخاری شریف)

دور حاضر کے علمائے کرام کو بھی یہی طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے کہ اکثر مالدار لوگ اپنی
کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے علمائے کرام سے کبھی کبھی تقویٰ اور تقدس مالی کے مسائل
ا کرتے ہیں تو علمائے کرام کو چاہئے کہ بالکل نڈر ہو کر یہ کہہ دیں کہ گڑ کھانا اور گل گلوں سے
ز کرنا یہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو منہ چڑانا ہے:

بڑے پاک صورت بڑے نیک سیرت؟
نیاز آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

مکھی کیوں پیدا کی گئی

ایک دن خلیفہ بغداد ابوجعفر منصور اپنے تخت شاہی پر انتہائی متکبرانہ انداز کے ساتھ بیٹھا
تھا اور ایک مکھی بار بار اس کی ناک پر بیٹھتی رہی۔ وہ بار بار اڑاتا رہا، جب تنگ آ گیا تو اس
جھلا کر ابن سلیمان مفسر سے پوچھا کہ آخر مکھی پیدا کرنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی؟

اس حق گو عالم حقانی نے برجستہ جواب دیا کہ خالق عالم نے متکبروں کا غرور گھمنڈ توڑنے
ے لئے مکھی پیدا فرمائی ہے۔ خلیفہ منصور یہ جواب سن کر خاموش رہ گیا اور حیرت سے ابن
یمان کا منہ تکنے لگا۔ (ابن خلکان ج ۲)

خلیفہ کے نام پراسرار خط

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ جب خلیفہ عبدالملک کے سفیر کی حیثیت سے قیصر روم کے دربار
ں پہنچے تو ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کے بعد قیصر روم بہت متاثر ہوا۔
اس عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کے سفیر کو ایک وسیع النظر عالم دین، ایک نکتہ رس
است دان اور امت مسلمہ کا ایک خیر خواہ ترجمان پایا۔
اس پر قیصر روم نے پوچھا ''کیا آپ شاہی خاندان سے ہیں؟''
امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر سا جواب دیا ''نہیں میں ایک عام عرب ہوں۔''
بہت دنوں کے بعد جب امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ واپس خلیفہ عبدالملک کے پاس جانے لگے
قیصر روم نے انہیں خلیفہ کے نام چند خطوط دیئے اور آخر میں ایک سفید لفافہ دیتے ہوئے کہا کہ
ب آپ تمام خطوط پیش کر دیں تو آخری خط یہ دے دیجئے گا۔
امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے جو کچھ سلطنت روم میں دیکھا تھا اسے
یثیت سفیر زبان بیان کیا اور ایک ایک کر کے قیصر روم کے تمام خطوط بھی خلیفہ عبدالملک کے
طالعہ کے لئے پیش کر دیئے پھر اس بند لفافے کی باری آئی تو انہوں نے اسے بھی خلیفہ کے
امنے رکھ دیا۔
خلیفہ عبدالملک نے یہ آخری تحریر پڑھی تو کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر امام شعبی رحمۃ
ند علیہ کی جانب دیکھا اور کہا ''کیا آپ جانتے ہیں کہ اس خط میں کیا لکھا ہے؟''
امام شعبی رحمۃ اللہ نے نفی میں جواب دیا۔ خلیفہ عبدالملک نے خط امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ
ے ہاتھ میں دے دیا۔ ''لیجئے پڑھ لیجئے۔''
امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خط خود اُن کے بارے میں
ا۔ لکھا تھا۔ ''مجھے اس قوم پر حیرت ہے جس نے ایسے انسان کو چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کو اپنا

ادشاہ بنا رکھا ہے۔"
امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔"شاید قیصر روم نے یہ بات اس لئے لکھی ہے کہ انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ بہر حال اس خط کے بارے میں مجھے معلوم ہوتا تو میں اسے لے کر نہ آتا۔"
خلیفہ عبدالملک نے مسکراتے ہوئے کہا۔"آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ اس خط کے لکھنے کا مقصد سمجھ گئے ہیں؟"
امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔"نہیں امیر المومنین۔"
خلیفہ نے کہا۔"قیصر نے یہ خط اس لئے لکھا ہے کہ وہ آپ جیسی قابل قدر شخصیت کو ہمارے درمیان نہیں دیکھنا چاہتے اور اس لئے یہ پیرایہ اختیار کیا ہے کہ ہم آپ کو ایک خطرہ محسوس کرتے ہوئے ختم کرادیں۔"
یہ بات قیصر روم تک پہنچی تو اس نے کہا۔"خلیفہ عبدالملک نے ٹھیک سمجھا۔ میرا یہی مقصد تھا۔"
لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ یہ مقصد پورا نہیں ہوا، کیونکہ یہ علم و دانش اور صلاحیتوں کی قدردانی کا دور تھا۔ انہیں خاک میں ملانے کا دور نہ تھا۔

ہم موت کو کیوں پسند نہیں کرتے؟

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک بہت سے مصاحبین اور علماء کے ساتھ حج کے ارادہ سے مدینہ منورہ پہنچا اور حصول برکت کے خیال سے ایک ہفتہ قیام کے ارادہ کرلیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے، اسی طرح انسانی قلوب کو بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ قلوب کی صفائی کے لئے نیک صحبت ضروری ہے، قلوب کا یہ زنگ آخرت سے غفلت اور ذکر اللہ سے بے لطفی کی علامت ہے۔ خلیفہ نے اپنے رفقاء سے پوچھا۔"کیا مدینہ منورہ میں ایسی کوئی شخصیت ہے جس کی تعلیم و صحبت سے ہم استفادہ کریں؟"
لوگوں نے کہا، امیر المومنین مدینہ منورہ میں سب سے بڑے عالم شیخ سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت پائی ہے اس وقت ان کی حیثیت امام

فتدا کی ہے، اقطاع عالم سے علماء ومحدثین ان کی خدمت میں آیا کرتے ہیں کثرت ہجوم کی
۔ سے وہ کہیں ملاقات وغیرہ کے لئے باہر نہیں جاتے مسجد نبوی شریف ان کی مستقل قیام گا
ہے امیر المومنین کی یاد فرمائی پر ممکن ہے وہ تشریف لائیں۔
خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنا قاصد روانہ کیا، اس نے نہایت ادب واحترام سے
بفہ کا پیام پہنچایا اور زحمت فرمائی کی دعوت دی۔
شیخ سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ قاصد کے ہمراہ روانہ ہوئے خلیفہ نے اپنے محل میں
ٰخ کا نہایت عزت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور ناز ومحبت میں اس طرح
ایت کی:

ماھذا الجناء یااباحازم
ابوحازم ایسی بے رخی کیوں؟
شیخ سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب سے فرمایا، کیسا ظلم ...... کیسی بے رخی؟
سلیمان بن عبدالملک نے کہا، میری آمد پر اہل شہر ملاقات کے لئے آئے، لیکن جناب
نے زحمت نہ فرمائی؟
شیخ نے فرمایا، امیر المومنین بے رخی تو اس وقت سمجھی جائے گی جب آپ کی تشریف
ری کا مجھ کو علم ہوتا اور پھر ملاقات نہ کرتا، آپ کی تشریف آوری کا آج ہی علم ہوا، جبکہ آپ
نے خود یاد کیا، میں آپ کی یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں۔
خلیفہ نے شرمندہ ہو کر اپنے ارکان دولت سے کہا، شیخ کی معذرت صحیح ہے، حقیقت یہی
ہے کہ میں نے الزام دینے میں عجلت کی، براہ کرم معاف فرمادیں۔
شیخ نے خلیفہ کی معذرت قبول کی۔ پھر خلیفہ نے کہا، جناب سے چند امور دریافت کرنے
ہیں۔ اجازت ہو تو عرض کروں؟
شیخ نے فرمایا، ارشاد ہو۔
خلیفہ نے کہا، یہ کیا بات ہے کہ ہم موت کو پسند نہیں کرتے؟
شیخ نے فرمایا، یہ اس لئے کہ ہم نے اپنی دنیا آباد کر لی ہے اور آخرت کو ویران کر رکھا
ہے۔ لہذا آبادی سے ویرانی کی طرف جانا پسند نہیں آتا۔

خلیفہ نے کہا، بے شک یہی بات ہے پھر کہنے لگا، جناب ہم کس طرح جانیں کہ آخرت
ں ہمارا کتنا ذخیرہ موجود ہوگا؟
شیخ نے فرمایا، اپنی زندگی کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش کرو، تمہیں معلوم ہوجائے گا۔
خلیفہ نے کہا، کس آیت میں اس کا ذکر ہے؟
شیخ نے فرمایا:

ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم

(سورہ انفطار، آیت نمبر ۱۳، ۱۴)

''نیکی کرنے والے نعمتوں والی جنت میں ہوں گے اور گناہ کرنے والے دہکتی آگ میں۔''
خلیفہ نے کہا، اگر ایسا ہی ہے تو اللہ کی رحمت کہاں رہی؟
شیخ نے فرمایا:

رحمۃ اللہ قریب من المحسنین (سورہ اعراف، آیت نمبر ۵۶)

''اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔''
خلیفہ نے کہا، قیامت کے دن اللہ کے حضور کیسے حاضری ہوگی؟
شیخ نے فرمایا، نیک لوگ تو اس طرح آئیں گے جیسے طویل سفر کے بعد آدمی خوشی خوشی اپنے گھر آتا ہے اور گناہگار اس طرح جیسا بھگوڑا غلام اپنے آقا کے پاس زبردستی لایا جاتا ہے۔
اس مرحلہ پر خلیفہ رو پڑا، اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور آواز بند ہوگئی۔ خلیفہ نے کہا، جناب پھر ہماری اصلاح کی کیا صورت ہے؟
شیخ نے فرمایا، اپنی شان و عزت کو ترک کردو اور اچھے اخلاق و تواضع سے اپنے آپ کو زینت دو۔
خلیفہ نے کہا، یہ مال و دولت جو ہمارے یہاں ہیں، اس میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

شیخ نے فرمایا، جب تم حق کے مطابق اس کو حاصل کرو اور اس کو اس کے محل میں خرچ کرو اور اس کی تقسیم میں انصاف سے کام لو، انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

خلیفہ نے کہا، جناب یہ بتایئے کہ سب سے بہتر انسان کون ہے؟

شیخ نے فرمایا، وہ جو تقویٰ اور پاس ولحاظ کرنے والا ہو۔

خلیفہ نے کہا، سب سے بہتر کونسی بات ہے؟

شیخ نے فرمایا، جس شخص سے خوف وشبہ نہ ہو، اس کو حق بات سنانا۔

خلیفہ نے کہا، وہ کونسی دعا ہے جو جلد پوری ہو جاتی ہے۔

شیخ نے فرمایا، نیک آدمی کی دعا نیک آدمی کے لئے۔

خلیفہ نے کہا، بہترین صدقہ کیا ہے؟

شیخ نے فرمایا، غریب کا وہ صدقہ جو مصیبت زدہ فقیر کو ملے۔

خلیفہ نے کہا، عقلمند انسان کون ہے؟

شیخ نے فرمایا، وہ شخص جو عبادت الٰہی پر قادر ہوا اور اس پر عمل کیا، پھر دوسروں کو اس کی طرف رہنمائی کی۔

خلیفہ نے کہا، اور بے وقوف کون ہے؟

شیخ نے فرمایا، وہ شخص جو اپنے گناہگار دوست کی ناجائز خواہش پوری کرتا ہو، گویا اس نے اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے لئے فروخت کر دیا۔

خلیفہ نے کہا، جناب کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں تاکہ ہم آپ سے استفادہ کریں اور آپ بھی ہم سے نفع پائیں؟

شیخ نے فرمایا، امیر المومنین اللہ کی پناہ! ایسی کوئی تمنا نہیں ہے۔

خلیفہ نے کہا، ایسا کیوں؟

شیخ نے فرمایا، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں آپ کی دولت وریاست کی طرف مائل نہ ہو جاؤں۔ پھر مجھ کو اللہ حیات وموت کا دہرا مزہ چکھائے۔

خلیفہ نے کہا، اگر ایسا ممکن نہیں تو پھر آپ اپنی شخصی ضروریات کا اظہار فرمائیں؟

شیخ نے اس پر سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

خلیفہ نے اپنی گزارش پھر دوہرائی، جناب آپ بے تکلیف اپنی حاجت ظاہر فرمائیں،
نی ہی بڑی کیوں نہ ہو؟
شیخ نے فرمایا، سنو میری اول و آخر یہی حاجت ہے کہ آپ مجھے اندیشۂ نار جہنم سے
ں اور جنت میں داخلہ دلوادیں؟
خلیفہ نے کہا، یہ اختیار تو میرے بس کا نہیں ہے۔
شیخ نے فرمایا، تو پھر آپ سے اور کوئی حاجت نہیں ہے۔
خلیفہ نے کہا، میرے لئے دعائے خیر فرمادیں۔
شیخ نے فرمایا، اے اللہ آپ کا بندہ سلیمان بن عبدالملک آپ کے مقبول بندوں میں
ں ہے تو اس کو دنیا و آخرت کی بھرپور سعادت نصیب فرما اور اگر اس کا شمار آپ کے مردود
ں میں ہے تو اس کی اصلاح فرما، اس کو اپنی مرضیات کی توفیق دے۔
حاضرین میں ایک شخص بول پڑا، اے شیخ امیر المومنین کی شان میں آپ کی جرأت بہت
ئی ہے نصیحت و وصیت میں امیر المومنین کا پاس و ادب ملحوظ نہ رکھا۔ آپ نے امیر المومنین
شمنان خدا کی فہرست میں شامل کیا اور ان کی اصلاح کی دعا کی۔
شیخ نے فرمایا، برادرزادے آپ نے انصاف سے کام نہ لیا، اللہ تعالیٰ نے خود علماء امت
، یہ عہد لیا ہے کہ وہ ہر ہر جگہ کلمۂ حق ظاہر کردیا کریں۔

لتبيننه للناس ولا تكتمونه (سورہ آل عمران، آیت ۱۸۷)

پھر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، امیر المومنین گزشتہ امتوں
ں جو لوگ تھے وہ اسی صورت میں خیر و عافیت میں رہے، جبکہ ان کے امیر لوگ علماء کرام کے
ں دین حاصل کرنے میں ذوق و شوق سے کام کرتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد کم ظرف و
ے لوگ علم دین حاصل کرنے لگے اور انہوں نے اہل دنیا سے دنیا طلبی کی اور اس کے لئے
ں کی خدمت میں اپنی آمدورفت جاری رکھی تو امیر لوگ علماء سے بے نیاز ہوگئے، جس کے
جے میں خود ذلیل و خوار ہوئے اور اللہ کی نظر و کرم سے محروم بھی، اگر یہ علماء اہل دنیا کی دولت و
نمت سے بے نیاز رہتے تو امت کے یہ امراء ان کے علم و عمل کے محتاج ہونے اور ان کی
مت میں اپنی حاضری کو سعادت سمجھتے، لیکن ایسا نہ ہوا۔ علماء نے امراء کی رضا و خوشنودی

ی، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اس طرح دنیا میں اہل علم کی قدر دانی جاتی
ی، اور لوگ آخرت سے غافل ہو گئے۔
خلیفہ نے کہا، بے شک! شیخ نے سچی بات کہی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء
خلیفہ نے کہا، براہ کرم اپنی نصیحت میں اور اضافہ کیجئے۔ اللہ کی قسم، علم و حکمت کی یہ باتیں
ں نے کسی سے نہیں سنیں۔
شیخ نے فرمایا، اگر آپ میں قبول حق کی صلاحیت ہے تو یہ مختصر باتیں ہدایت و نصیحت کے
لئے کافی ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر میں اپنا تیر بے نشانہ کیوں چلاؤں؟
خلیفہ نے کہا، اللہ کی قسم میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ آپ کی نصیحت قبول کر لوں۔
شیخ نے فرمایا، تو پھر ٹھیک ہے سنو اپنی آخری نصیحت عرض کرتا ہوں۔ اللہ کی عظمت و
جلال کا ہر وقت استحضار رکھو اور اس بات سے دور رہو کہ وہ تم کو ایسے عمل میں دیکھے جس کو وہ
پسند نہیں کرتا اور اس بات سے بھی بچو کہ وہ تم کو بے عمل سمجھے۔ اس نصیحت کے بعد شیخ سلمہ بن
دینار رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کیا اور رخصت ہو گئے۔

نام محمد کو میں بغیر وضو نہیں لے سکتا

دہلی کے سلطان التمش کے ایک غلام کا نام محمد تھا۔ سلطان اپنے غلام کو ہمیشہ محمد کہہ کر
پکارتا تھا۔ ایک دن سلطان نے محمد کی بجائے کسی دوسرے نام سے پکارا تو غلام خوف سے
کانپ اٹھا اور کہا، حضور آج کونسی غلطی ہو گئی جو غلام کو نام لے کر نہیں پکارا؟
تو سلطان نے کہا، نہیں بھئی کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ دراصل آج میرا وضو نہیں ہے اور بغیر
وضو میں نے بھی اس پاک ذات کا نام نہیں لیا۔ اس لئے آج کیسے لیتا۔

کشتیاں جلا ڈالو

نامور اسلامی جرنیل طارق بن زیاد نے جب ہسپانیہ پر حملہ کیا تو ساحل سمندر پر ہی حکم
دے دیا کہ جن کشتیوں پر ہم بیٹھ کر آئے ہیں، وہ تم سب کی سب جلا ڈالو۔

طارق بن زیاد کے ساتھی بولے کہ اگر کشتیاں جلا دی تو ہسپانیہ سے افریقہ تک کیسے
یں گے؟

تو طارق بن زیاد نے بڑا ایمان افروز جواب دیتے ہوئے کہا:

''ہم مسلمان ہیں اور ساری دنیا ہمارا وطن ہے ہم صرف افریقہ کو نہیں
پورے یورپ کو اسلامی تہذیب وتمدن میں رنگ دیں گے۔''

آپ کے جواب سے خوش ہو کر تمام اسلامی لشکر نے کشتیوں کو آگ لگادی اور قوت
ی سے کفر کے ظلمت کدے کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اس کے بعد مسلمانوں نے ہسپانیہ
رے آٹھ سو سال تک حکومت کی۔

اے منتصر باللہ تو بھی فانی! تیری حکومت بھی فانی

علی بن یحییٰ منجم کہتے ہیں کہ عباسی خاندان کے خلیفہ منتصر باللہ نے ایک مرتبہ ایک مجلس
ند کی اور حکم دیا کہ اس میں دیباج کے زرتار قالین بچھائے جائیں۔ چنانچہ قالین بچھائے
ان میں سے ایک قالین کے بیچ میں ایک بڑا سا دائرہ تھا۔ جس میں ایک شہسوار کی تصویر تھی،
کے سر پر تاج تھا اور دائرے کے گرد فارسی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

جب منتصر مجلس میں آ کر بیٹھا اور حاضرین جمع ہو گئے تو اس نے دائرے کو دیکھ کر قریب
ے ہوئے ایک سردار سے پوچھا۔ ''یہ کیا لکھا ہے؟''

وہ سردار اسے نہ پڑھ سکا، پھر اس نے دربار میں تمام حاضرین سے یہی سوال کیا، لیکن
بھی اسے صحیح سے نہ پڑھ سکا۔

منتصر نے ایک غلام کو حکم دیا کہ کسی فارسی جاننے والے کو بلا کر یہ عبادت پڑھواؤ۔

تھوڑی دیر میں ایک شخص نے آ کر اس عبارت کو پڑھا، لیکن پڑھ کر دم بخود رہ گیا۔ منتصر
وچھا۔ ''کیا لکھا ہے؟''

''کچھ نہیں امیر المومنین!'' اس نے کہا۔ ''ایرانیوں کی حماقت ہے۔''

منتصر نے کہا۔ ''مجھے بتاؤ تو کیا لکھا ہے؟''

وہ بولا۔ ''امیر المومنین اس کے کچھ معنی نہیں۔''

منتصر کو غصہ آ گیا اور اس نے سختی کے ساتھ اس عبارت کا ترجمہ سنانے کا مطالبہ کیا۔
اس شخص نے کہا۔ اس میں لکھا ہے کہ "میں شیرویہ بن کسریٰ بن ہرمز ہوں۔ میں نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا اور اس کے بعد چھ ماہ سے زیادہ میری سلطنت قائم نہ رہ سکی۔"
منتصر کا چہرہ متغیر ہو گیا اور وہ اٹھ کر زنان خانے میں چلا گیا اور اس کی سلطنت چھ ماہ سے زائد قائم نہ رہی۔ (تاریخ بغداد للخطیب ص ۱۲۰ و ۱۲۱ ج ۲)

امام شعبی اور حجاج

حجاج بن یوسف ثقفی کی عادت تھی کہ وہ علماء کو دربار میں بلا کر سوالات کرتا اور علماء کے کسی جواب کا بہانہ بنا کر ان کو قتل کر دیتا۔ چنانچہ ہزاروں علمائے حق کو اس ظالم نے شہید کر دیا۔ جب یہ عراق کا گورنر بن کر آیا تو اس نے امام شعبی کو دربار میں طلب کیا۔
امام موصوف حجاج کے دربار میں ڈرتے ہوئے تشریف لے گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ کی جان کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ مگر امام موصوف جب دربار میں پہنچے تو حجاج سے آپ کا حسب ذیل مکالمہ شروع ہوا:

حجاج کہیے؟ امام شعبی! علوم قرآن میں آپ کا مبلغ علم کہاں تک ہے؟

امام شعبی: اس علم میں تمام اکابر علمائے عراق کا میں "استاذ" ہوں۔

حجاج: علم فرائض میں بھی آپ کی کچھ معلومات ہیں؟

امام شعبی: اس علم میں بھی مجھے پوری پوری مہارت حاصل ہے

حجاج: کیا "علم الانساب" میں بھی آپ کو کچھ دخل ہے

امام شعبی: اس علم کا تو میں اتنا ماہر ہوں کہ اس فن میں میرا فیصلہ "قول فیصل" کی حیثیت رکھتا ہے۔

حجاج: اچھا یہ بتایئے کہ آپ کو شعر و شاعری سے بھی لگاؤ ہے؟

امام شعبی: میں شعر و ادب کا چلتا پھرتا دیوان ہوں۔ جس شاعر کا کلام آپ چاہیں میں سنا سکتا ہوں اور ہر ایک کے کلام کا عیب و ہنر بھی بتا سکتا ہوں۔

امام شعبی کے ان علمی کمالات کو سن کر حجاج حیران رہ گیا اور اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے

م وا کرام سے مالا مال کر کے آپ کو "ہمدان" کا حاکم مقرر کر دیا۔ (مستطرف ج اص ۲۱)

ہارون الرشید اور سونے کا محل

کہیں پڑھا یا سنا ہے کہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے اپنے محل سے دیکھا کہ بہلول دانا ہ کے کنارے بیٹھے ریت کے گھروندے بنا رہے ہیں اور یہ آواز لگاتے جاتے ہیں۔ "پانچ ینار میں جنت میں ایک گھر۔"

زبیدہ نے لونڈی کے ہاتھ پانچ سو دینار بھیج دیئے۔

جواب دیا کہ زبیدہ سے کہہ دینا کہ اسے جنت میں ایک گھر دے دیا اور دینار دجلہ میں ا دیئے۔

رات کو ہارون الرشید نے خواب دیکھا کہ جنت میں زبیدہ کو ایک خوبصورت مکان ہے صبح سب پوچھا تو زبیدہ نے واقعہ بیان کر دیا۔ دوسرے روز بھی بہلول دانا روندے بنا رہے تھے۔ ہارون الرشید پانچ سو دینار لے کر خود پہنچا کہ مجھے بھی جنت ایک گھر چاہیے۔

جواب ملا، دیکھنے کے بعد گھر نہیں ملا کرتا۔

ہارون نے کہا، اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے دینار دریا میں ڈال کر اللہ کی نعمت کو کیوں برباد یا؟

جواب دیا، تو تو اپنی عیش کوشیوں میں مصروف ہے، تجھے خبر بھی نہیں کہ تیری سلطنت میں ساحلی علاقہ ایسا بھی ہے جہاں قحط کا تسلط ہے۔ ایک ایک مچھلی ایک ایک دینار نگلے گی۔ یہ سو مچھلیاں قحط زدہ مقام تک پہنچیں گی جہاں مچھیروں نے جال ڈال رکھے ہیں۔ ایک ایک ایک ایک مچھیرے کے جال میں آئے گی۔ پانچ سو آدمیوں کو ایک ایک مچھلی بھی ملے گی یک ایک دینار بھی۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید اپنی تمام تر برائیوں کے ساتھ روزانہ سو رکعت پڑھتا تھا اور ایک سال حج پر جاتا تھا، دوسرے سال جہاد پر۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کی ہارون الرشید کو نصیحتیں

خلیفہ ہارون الرشید حج کو جاتے ہوئے کوفہ میں چند روز ٹھہرے، پھر جب وہاں سے کوچ کیا تو اس کی شاہانہ سواری نہایت شان وشوکت سے حضرت بہلول مجذوب کے پاس سے گزری۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے ہارون الرشید کو دیکھا تو آگے بڑھ کر کہا، اے امیر المومنین! مجھ سے ایک حدیث سنتے جاؤ۔ سنو! "حضرت عبداللہ عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال حضور ﷺ حج کو تشریف لے گئے تو منیٰ میں آپ کی سواری اس صورت میں گذری کہ آپ ایک اونٹ پر سوار تھے اور آپ کے نیچے ایک سادہ سا کجاوہ تھا اور حضور کی یہ سواری بغیر کسی دنیوی دبدبہ کے گزری۔ پس اے ہارون الرشید اتم بھی بغیر کسی تکبر و دبدبہ کے انتہائی تواضع سے گزرو۔"

یہ حدیث سن کر ہارون الرشید رونے لگا، کہا اے بہلول! کچھ اور امر بالمعروف کی تلقین کرو۔

بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اے امیر المومنین! جس شخص کو اللہ نے مال و جمال عطا فرمایا ہو اور وہ شخص مال میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرے اور جمال میں عفت قائم رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مقبولوں میں شامل کر لیتا ہے اور اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

ہارون الرشید نے کہا احسنت یا بہلول...... پھر کہا اے بہلول! اگر تم پر کسی کا کچھ قرض ہو تو بتائیں تا کہ میں ادا کر دوں۔

اس کے جواب میں حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، بادشاہ! قرض قرض کے ساتھ ادا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تم اپنے نفس کے مقروض ہو۔ بہتر ہے کہ آپ کے نفس پر جو خدا کا قرض ہے اس کی ادائیگی کی فکر کرو۔ میرے قرض کا فکر نہ کرو۔

ہارون الرشید نے کہا، اچھا آپ کے نام کوئی جاگیر کر دوں تا کہ تمہاری گزر اوقات آسان ہو جائے۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی جانب منہ اٹھایا اور کہا، اے امیر المومنین!
ں اور آپ دونوں ہی خدا کے بندے ہیں، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا ایک بندے کو یاد رکھے
ر دوسرے کو فراموش کردے۔

ہارون الرشید اور سفر آخرت

حضرت بہلول مجذوب صفت بزرگ تھے۔ ایک دن وہ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس
ئے وہ ان سے مزاح بھی کیا کرتے تھے۔ ان سے کہنے لگے، بہلول یہ چھڑی آپ کو دے رہا
ں، اس کو جو سب سے زیادہ بے وقوف نظر آئے اس کو دے دینا۔

بس وہ جانے لگے تو چھڑی بھی لے لی اور اس کو کہیں رکھ دیا۔ پھر بڑے عرصے کے بعد
ون الرشید جب سخت بیمار ہوئے تو وہ چھڑی لے کر ان کی عیادت کے لئے گئے اور سلام کے
پوچھا، امیر المومنین کیا حال ہے؟

فرمایا، کیا پوچھتے ہو، لمبا سفر ہے

حضرت بہلول نے پوچھا، کہاں کا سفر ہے؟

فرمایا، آخرت کا سفر ہے۔

پوچھا، پھر واپسی کب ہوگی؟

کہنے لگے، بھلا اس سفر سے کوئی واپس ہوا ہے۔

پوچھا، تو آپ نے کتنے حفاظتی دستے آگے روانہ کئے ہیں؟

فرمایا، اس سفر میں کوئی ساتھ نہیں جاتا۔ خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔

اس پر حضرت نے وہ چھڑی ہارون الرشید کو پیش کرتے ہوئے فرمایا، آپ کی یہ امانت
ں ہے۔ مجھے آپ کے سوا کوئی زیادہ بے وقوف نظر نہیں آتا۔ آپ جب چھوٹے سفر پر
تے تھے تو کئی دن پہلے تیاریاں ہوتی تھیں، حفاظتی دستے آگے چلتے اور اتنے لمبے سفر میں کوئی
یں کی۔

یہ سننا تھا کہ ہارون الرشید رو پڑے اور کہنے لگے، ہم آپ کو دیوانہ سمجھتے تھے، مگر آپ جیسا
دانا نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت بہلول سے کسی نے پوچھا، حضرت مہنگائی بہت ہو گئی ہے، دعا فرمائیں کہ یہ کم ہو جائے۔

فرمایا، اللہ کی قسم، مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کا ہم پر یہ حق ہے کہ اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کریں اور اس پر ہمارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں رزق دے۔ جب یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے تو مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

عالمگیر اور غریب بڑھیا کی مدد

ملک اور رعایا کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے واقعہ نگاری وار پرچہ نویسی کے صیغوں کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے ہوئی۔ اس کے بعد ہر عادل خلیفہ اور بادشاہ نے اس محکمہ کو نہ صرف باقی رکھا، بلکہ وسعت بھی دی۔

اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ میں بھی یہ محکمہ معتبر ومحتاط حکام کے سپرد تھا۔ جس کی وجہ سے برصغیر ہندوستان کے کونے کونے کی خبر عالمگیر کو پہنچتی رہتی تھی اور معمولی سے معمولی واقعہ کا بھی اسے علم ہوتا رہتا تھا۔ وہ اپنے تمام عمال کی کارگزاریوں کی نگرانی انہیں پرچہ نویسوں کے ذریعے کرتا تھا۔ اس نے شاہی جاہ وجلال، شان وشوکت اور ناز ونعم کی بجائے اپنی زندگی رعایا کی خدمت اور راحت رسانی کے لئے وقف کر رکھی تھی۔

۱۰۸۵ھ میں عالمگیر حسن ابدال کے سفر پر روانہ ہوا۔ راستہ میں اسے ایک باغ میں قیام کرنا پڑا، اس باغ کی دیوار کے نیچے ایک بڑھیا کا رہائشی مکان اور ایک پن چکی تھی جو باغ کے پانی سے چلتی تھی۔ مغل اعظم کے قیام کے دوران میں سرکاری ملازمین نے باغ کا پانی روک لیا۔ جس کی وجہ سے چکی چلنی بند ہو گئی۔

اورنگزیب کے پرچہ نویس (خفیہ پولیس) نے فوراً اس واقعہ کی اطلاع اورنگزیب کو پہنچائی۔ انہوں نے اسی وقت پانی کھلوا دیا۔

رات کو جب کھانے پر بیٹھے تو دو قاب کھانے کے اور پانچ اشرفیاں ابوالخیر کو دیں کہ یہ اس بڑھیا کو دے آؤ اور میری طرف سے معذرت کرو کہ افسوس ہمارے آنے کی وجہ سے تم کو تکلیف ہوئی۔ تم معاف کرو۔

صبح کو پالکی بھیج کر آپ نے بڑھیا کو بلوا کر حرم میں بھیجا۔ عالمگیر کو پتہ چلا کہ بڑھیا کی دو
ن بیاہی لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ تو دو سو روپے اور عنایت کئے۔ بیگمات نے بھی اسے
و جواہر سے مالا مال کر دیا۔

دو تین دن کے بعد آپ نے بڑھیا کو پھر بلوایا اور لڑکی کی شادی کے لئے دو ہزار روپے
ایت کئے بیگمات و شہزادوں نے اس بڑھیا پر اشرفیوں کی بارش کی۔ اس طرح چند دنوں میں
بڑھیا امیر بن گئی۔

اورنگزیب کے ملازموں کے ہاتھوں اس بڑھیا کو جو تکلیف پہنچی، اس کی تلافی کے لئے
وں نے خود بھی معافی مانگی اور نقصان سے کئی گنا زیادہ معاوضہ بھی ادا کیا۔ لیکن اِس دور کے
باب اختیار سے ایسے حسن اخلاق کی توقع محض فریب نفس ہوگا۔ اول تو مظلوموں اور ستم
یدوں کی فریادیں وہاں تک رسائی ہی نہیں حاصل کر سکتیں اور اگر وہ درو دیوار کو چیرتی ہوئی
ن کے گران گوش تک پہنچ بھی جائیں تو دادرسی کے امکانات مفقود ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ
اوضہ میں انعام و اکرام ملے۔

حضرت طاؤس نے سلیمان بن عبدالملک سے فرمایا، اے امیر المومنین۔ جہنم میں ایک
ویں کے کنارے پر سے ایک چٹان کو گرایا گیا تو ستر سال تک اس میں گرتی رہتی، تب جا کر
ں کی انتہاء کو پہنچی۔ کیا آپ کو معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے وہ کس کے لئے تیار کی ہے؟
کہا، معلوم نہیں۔

فرمایا، ہلاکت ہے اللہ نے جس کے لئے اسے تیار کیا ہے (اس کے لئے ہلاکت ہے)
ں کو اللہ نے اپنے حکم میں شریک کیا (یعنی حکمران بنایا) لیکن اس نے ظلم کرنا شروع کر دیا۔

طاؤس فرماتے ہیں یہ بات سن کر سلیمان بن عبدالملک رو پڑے۔ (حلیۃ الاولیاء)

حسن بن یحییٰ الخشنی فرماتے ہیں، جہنم میں کوئی گھر ایسا نہیں نہ کوئی گھات کی جگہ نہ طوق نہ
ی نہ زنجیر مگر جو اس کا مستحق ہے اس پر اس کا نام لکھا ہوا ہے

احمد (ابن ابی الحواری) کہتے ہیں، میں نے یہ بات ابو سفیان کو بتائی تو وہ رو پڑے۔ پھر
مایا، تیرے لئے ہلاکت ہو، اس کا کیا حال ہوگا جو اس سب کا مستحق ہو۔ طوق اس کے گلے
ں، بیڑیاں اس کے پاؤں میں، زنجیر اس کی گردن میں ڈال کر اسے آگ میں ڈالا جائے،

پھر اسے لوٹ مار کی جگہ پھینک دیا جائے (تو اس لوٹ مار کی جگہ جہنم میں جو بلا جسے چاہے، اسے کاٹ کھائے، ڈس لے، جلائے اور قسم وقسم کی تکلیف پہنچے) اللہ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھیں۔ (آمین)

نیک شہزادہ

عباسی خلفاء میں ہارون الرشید جس پایہ اور دبدبہ کا خلیفہ ہوا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ تاریخوں نے اس کے حالات وطرز خلافت کے واقعات کو اپنے دامن میں محفوظ کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اسی نامور خلفیہ کا لڑکا احمد سبتی گزرا ہے جس نے ناز ونعمت سے پرورش پانے کے بجائے زہد وتقویٰ اور صبر وقناعت کی زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی اور شان وشوکت پر لات مار کر اور تاج شاہی کو ٹھکرا کر خلق اللہ سے بے نیاز ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی اور اپنے مولیٰ کی عبادت میں لگ گیا۔ اس نے خلافت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، باوجود یہ کہ اس پر قدرت رکھتا تھا۔

اس گوشہ نشین امیر زادہ زاہد تارک الدنیا کے حالات مستند ومعتبر مؤرخین مثلاً ابن خلکان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلامہ محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی اپنی تصانیف میں شاندار طریقے پر بیان فرمائے ہیں۔ احمد مذکورہ ہارون رشید کا بیٹا ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا جس سے ہارون کی محبت ہو گئی تھی اور اس سے نکاح کر لیا تھا۔ حاملہ ہونے کے بعد ہارون نے اس کو بصرہ کی طرف روانہ کر دیا اور نشانی کے طور پر ایک بیش قیمت یاقوت کی انگوٹھی اور بہت سی نفیس اشیاء دے کر اسے ہدایت کی کہ جب مجھے خلافت مل جائے تو تم اپنے بچے کے ساتھ بغداد آ جانا۔ چنانچہ احمد پیدا ہوا اور ادھر ہارون کو خلافت سونپی گئی۔ مگر ماں بیٹے میں سے کوئی بھی ہارون کے پاس نہیں آیا۔ بلکہ دونوں چھپ کر زندگی بسر کرنے لگے۔ خلیفہ کو جب یاد آیا تو اس نے ان کو بہت تلاش کرایا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ ماں کا انتقال ہو گیا اور احمد جوان ہو کر اپنے ہاتھ سے گارے مٹی وغیرہ کا کام کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا یہ کام بھی وہ صرف ہفتے کے دن کرتا تھا جس کو عربی میں یوم السبت کہتے ہیں۔ اس لئے اس کا نام احمد سبتی مشہور ہو گیا۔ ایک دن کی محنت ومزدوری کی رقم سے احمد ایک ہفتہ گزارا کرتا اور

دن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یکسوئی سے لگا رہتا۔ اسی حالت میں احمد برسوں تک رہا۔
تو د یہ کہ وہ امیر المؤمنین کا لڑکا تھا اور مزدوری کے لئے اب بغداد میں آ گیا تھا۔ اسے بھی
وم تھا کہ میں خلیفہ کا بیٹا ہوں مگر کبھی کسی سے تذکرہ مناسب نہیں سمجھا۔

ایک صاحب کے مکان میں مزدوری کرتے کرتے بیمار ہو گیا اور حالت خراب ہو گئی۔
ب وقت قریب آیا۔ انگوٹھی نکال کر صاحب خانہ کو دی اور کہا کہ یہ انگوٹھی خلیفہ کو دے کر کہنا کہ
ں نے انگوٹھی دی ہے اس نے بعد سلام یہ کہا ہے کہ اے خلیفہ! اس نشے میں کہیں تم کو موت نہ
ائے۔ پھر تو شرمندہ ہوگا اور اس وقت ندامت کچھ کام نہ دے گی اور یاد رکھو کہ پروردگار عالم
حضور میں پیش ہونا ہے وغیرہ وغیرہ، بیش بہا نصیحتیں سنائیں۔ بہر حال صاحب خانہ کا بیان
کہ احمد کو دفن کرنے کے بعد بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ کے سامنے پیشی ہوئی۔

خلیفہ نے سوال کیا کہ کیسے آئے ہو؟

میں نے انگوٹھی پیش کر دی اور عرض کیا۔ حضور ایک شخص نے یہ انگوٹھی دی ہے کہ خلیفہ کو
ے دینا اور میری طرف سے سلام عرض کرنے کے بعد چند کلمات کہہ دینا۔ جب خلیفہ نے
ی دیکھی تو فوراً پہچان گیا۔ پوچھا کہ وہ آدمی کہاں ہے؟

میں نے کہا کہ وہ انتقال کر گیا ہے اور سلام اور چند باتوں کو آپ تک پہنچانے کی وصیت
ہے اور اس کے زہد و تقویٰ و عبادت و قناعت وغیرہ کا پورا حال کہہ سنایا۔ سنتے ہی خلفیہ بے
ی کے عالم میں زمین پر گر پڑا اور لوٹنے لگا۔ اور کہنے لگا: اے میرے پیارے بیٹے! بے شک
نے مجھ کو نصیحت کی اور زار و قطار رونے لگا۔ پھر قاصد کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ تم نے
کو دفن کر دیا اور کہاں دفن کیا؟

میں نے کہا: بے شک میں نے اس کو مقبرہ عبداللہ بن مالک میں دفن کر دیا۔

خلیفہ نے کہا: کیا تم اس کی قبر پہچانتے ہو؟

میں نے کہا: ہاں!

خلیفہ نے فرمایا کہ اچھا تم شام کو آنا۔

میں شام کو حاضر ہوا۔ خلیفہ میرے ساتھ قبرستان گیا اور تمام رات اپنے چہرہ اور داڑھی کو
کی قبر پر ملتا تھا اور رو رو کر کہتا تھا۔ میرے پیارے بیٹے! تم نے مجھ کو خوب نصیحت کی۔

قاصد کو بھی خلیفہ کی گریہ وزاری پر رونا آ گیا۔ جب صبح ہونے لگی تو خلیفہ سے کہا کہ اب صبح ہو رہی ہے واپس چلئے۔

اس محبت وخدمت کے صلہ میں خلیفہ نے قاصد یعنی صاحب خانہ کو دس ہزار درہم دیا اور اس کے اہل وعیال کی کفالت کے لئے پروانہ لکھ دیا۔

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صفوۃ الصفوۃ میں اس واقعہ کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے جس میں اختصار ہے۔

ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں بہت ہی مختصر لکھ کر ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حوالہ دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صالح نوجوان پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے اور اس کی روح کو ابدی نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے۔

قرآن وحدیث میں طب کے رہنما اصول

ہارون الرشید کا زمانہ تھا۔ بادشاہ کے پاس ایک عیسائی پادری آیا جو بڑا اچھا معالج اور حکیم بھی تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اسے موقع دیا گیا۔ اس نے کہا کہ میں دین کا علم بھی رکھتا ہوں اور حکمت کا علم بھی جانتا ہوں، آپ سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ آپ جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تمام اصول زندگی موجود ہیں، کیا قرآن مجید میں انسان کی صحت کے متعلق بھی کوئی اصول بتایا گیا ہے۔

ہارون الرشید نے اپنے پاس موجود علماء سے کہا کہ آپ اس کے سوال کا جواب دیں۔ چنانچہ ایک عالم ''علی بن حسین'' کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرمایا، جی ہمیں قرآن مجید میں جسمانی صحت کے بارے میں ایک بڑا **Golden Rule** (سنہری اصول) بتایا گیا ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ سنہری اصول کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

کلوا واشربوا ولا تسرفوا (الاعراف:۳۱)

''تم کھاؤ، پیو مگر اسراف نہ کرو۔''

یعنی Over Eating (بسیار خوری) نہ کیجئے بلکہ جتنی ضرورت ہے اتنا کھایئے اور پھر
کے گیت گایئے۔ یہ جو Over Eating (زیادہ کھانے) سے منع کیا گیا ہے یہ ایک ایسا
رین اصول ہے کہ اگر انسان اس پر عمل کرے تو اس کو زندگی میں بیماریاں آنے کے چانسز
ت کم ہو جاتے ہیں۔
وہ حکیم یہ سن کر کہنے لگا کہ میں حکیم ہوں اور میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ یہ ایک بہترین
ول ہے۔
اس نے پھر کہا، کیا تمہارے نبی علیہ السلام نے بھی روحانی تعلیمات کے ساتھ ساتھ
مانی صحت کے باری میں بھی کوئی اصول بتایا ہے کہ آدمی اپنے جسم کی صحت کا خیال کیسے رکھ
تا ہے؟
وہ عالم کہنے لگے، جی ہاں، اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ نے ہمیں جسمانی صحت کے
ے میں بھی بڑا انمول اصول بتا دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث پاک Ouote (بیان)
ی، جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:
''معدہ تمام بیماریوں کی بنیاد ہے، تم جسم کو وہ دو جس کی اس کو ضرورت ہے اور پرہیز
ج سے بہتر ہے۔''
جب عیسائی حکیم نے علی بن حسین کی زبان سے قرآن وحدیث میں موجود طب کے یہ
نما اصول سنے تو وہ کہنے لگا،
''تمہاری کتاب اور تمہارے رسول ﷺ نے جالینوس کے لئے کوئی طب نہیں
ھوڑی''......اللہ اکبر......!!!
آج ڈاکٹر لوگ Confirm (تصدیق) کرتے ہیں کہ ہماری Eating habits
کھانے کی عادات) ہی ہماری بیماریوں کو Decide (ڈیسائیڈ) کر رہی ہوتی ہیں۔ مثلاً
......اگر ہم بہت زیادہ چینی کھائیں گے تو شوگر کے مریض بن جائیں گے۔
......اگر بہت ہی زیادہ Creamy (ملائی دار) اور Juicy (رس بھری)
زیں کھائیں گے تو کولیسٹرول لیول ہائی کر بیٹھیں گے۔
......اور اگر بہت ہی زیادہ چٹ پٹی چیزیں کھائیں گے تو السر اور بلڈ پریشر

کے مریض بن جائیں گے۔

اس لئے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ معدہ تمام بیماریوں کی بنیاد ہے۔یہیں سے بیماریاں شروع ہوتی ہیں۔

بے مثال ایثار

ابراہیم نخعی اور ابراہیم تیمی، یہ دونوں حضرات تبع تابعین کے اعلیٰ طبقہ میں ہیں۔ ظالم حجاج بن یوسف نے جس طرح ہزاروں علماء وفضلاء کو جیل خانہ میں سڑایا اور ہزاروں کو شہید کیا یا کرنا چاہا۔ان میں ابراہیم نخعی بھی تھے کہ حجاجی سپاہی آپ کی تلاش میں پھرتے اور آپ اس وجہ سے روپوش رہتے۔ ایک روز کسی مخبر نے سپاہیوں کو خبر دی کہ فلاں جگہ ابراہیم ہیں، وہاں اتفاق سے دوسرے ابراہیم جوان ہی کے ہم عصر ہیں اور ابراہیم تیمی کے نام سے موسوم ہیں، موجود تھے۔

سپاہی ان کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ ابراہیم کون ہیں اور کہاں ہیں۔ ابراہیم تیمی جانتے تھے کہ یہ لوگ میری تلاش میں نہیں بلکہ ابراہیم نخعی کی طلب میں ہیں، لیکن آپ نے محیر العقول ایثار سے کام لیا کہ ابراہیم نخعی کا پتہ دینے کے بجائے یہ کہہ کر خود گرفتار ہو گئے کہ میرا ہی نام ابراہیم ہے۔

اور حجاج کے حکم سے دیناس نامی جیل خانہ میں قید کر دیئے گئے جس میں نہ دھوپ سے بچنے کے لئے کہیں سایہ تھا اور نہ سردی سے بچاؤ کی کوئی صورت۔ پھر اس میں بھی دو دو آدمیوں کو ایک زنجیر میں جکڑا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم تیمی اس قید کی شدت سے اس درجہ لاغر کمزور ہو گئے کہ ان کی والدہ ان سے ملنے جیل خانہ میں آئیں تو دیکھ کر پہچانا نہیں، آخر کار اسی جیل خانہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔لوگوں نے آپ سے عرض بھی کیا کہ جب سپاہی آپ کی طلب میں نہ تھے تو آپ بہ اختیار خود کیوں گرفتار ہو گئے فرمایا کہ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ ابراہیم نخعی جیسے امام وقت کو لوگ گرفتار کریں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحجاج بن یوسف کا مکالمہ

غلامان محمد میں کسی سے کم نہ تھا کوئی
نحیف و بھوکے پیاسے تھے مگر سیدم نہ تھا۔ کوئی
سما سکتی ہے کیونکر جب دنیا کی ہودل میں
بسا ہو جب کہ نقش حب محبوب خدا دل میں

حجاج بن یوسف ثقفی جور و ستم کا پتلہ جدال و قتال کا دلدادہ تشدد وشقاوت کا مجسمہ کو فہ و بصرہ اور بابلستان جس کی خون ریزی سے لرزاں ہے۔ تقریباً ستر ۷۰ ہزار ناحق و بے قصور مقتولوں کے ن کا مرتکب ہو چکا ہے۔ عالم اس کی بے دادگری سے ہراساں ملک کا ہر خورد وکلاں اس ظلم سے گریزاں ہے ایک روز پایہ تخت عراق میں ہمراہ چند رفقاء ہمنوا کسی کلام خاص میں نول ہے۔ ۹۵ھ اس کی زیست کا آخری سال ہے۔ لیکن ستمگر گرفت خدا سے بے خبر نال ہے۔

دفعۃً اس کے دربار خونبار میں حضرت سیدنا سعید بن جبیر الاسدی الکوفی (تابعی) پیکر ا۔ ملک فقر کے شاہنشاہ کو لایا گیا۔ سعید بن جیر درخشندہ رو فرخندہ خو پر نہ حجاج کا رعب نہ ت دربار کارگر تھی۔ اور نہ خطرہ جان نہ خوف نقصان یہ کامل ایمان بے گمان ولم یخش لـلّٰـه کا نشان بن کر پیش حجاج ہوا۔ سیدنا سعید کو دیکھتے ہی چشم سرخ کی نگاہ وتند چہرہ زرد دن پھلائی اور کڑک کر کہا۔

حجاج: سعید قتل کے لئے تیار ہو جاؤ۔

ابن جبیر: و من یقتل مؤمنا متعمداً فجزاء ح جمتم الایہ حجاج! جس طرح ج مجھے قتل کرے گا۔ اسی طرح آخرت میں میں تجھے قتل کروں گا۔ کما تدین تدان میں تیار ا تو بھی تیار

کب موت سے ڈرتے ہیں غلامان محمد
یہ اپنے غلاموں پہ ہے احسان محمد
ہو جائے اگر سر میرا دو ٹکڑے اے حجاج
پر ہاتھ سے چھوٹے گا نہ دامان محمد

حجاج:۔اگر تو چاہے تو تجھے معاف کردوں ورنہ قتل کردوں۔

ابن جبیر:۔میری معافی اور قتل تیرے ہاتھ میں نہیں اگر قتل ہو گیا، تو منشاء رحمان۔اگر بچ گیا تو اللہ کا احسان ہوگا نعم ماقیل:

ہونٹوں میں وہی عشق کا پیغام رہے گا
جو کام تھا وہ کام ہے وہ کام رہے گا
اللہ کی قسم مرکے بھی ہم زندہ رہیں گے
قاتل تیرے سر پہ مگر الزام رہے گا

حجاج:۔(آگ بگولہ ہو کر) اسے لے جاؤ قتل کرو......(جلادوں سے)۔

جلاد سیدنا ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تخت حجاج سے قتل گاہ کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور حضرت سیدنا سعید بن جبیر دروازہ دربار عبور کرتے وقت تبسم کناں ہیں۔حجاج نے یہ حالت فرحت حکم قتل کے بعد دیکھ کر تعجب کیا۔اور مستی اشکبار میں مستغرق ہوتے ہوئے واپس لانے کا حکم دیا۔واپس لائے گئے۔

حجاج (دبدبہ دکھاتے ہوئے) سعید! اس بے موقع تبسم کا کیا مطلب؟

ابن جبیر:

ہے خندم از لطف یزدان پاک
کہ مظلوم رفتم نہ ظالم بخاک

اللہ تعالیٰ کی عنایت و احسان پر ہنس رہا ہوں کہ دنیا سے میں مظلوم ہو کر جا رہا ہوں۔ظالم ہو کر نہیں۔

حجاج:۔آخر کون سی چیز ہے کہ تجھے ہنسا رہی ہے۔

ابن جبیر:۔تجھ جیسے متبر کی جرأت اور پھر اللہ تعالیٰ کا حلم اس تعجب اور تحیر نے مجھے

یا ہے۔

حجاج:۔(جلادوں سے) اسے یہاں میرے سامنے لٹا کر قتل کرو۔ چند بے رحم جلادوں نہایت بے رحمی سے حضرت ابن جبیر کو لٹایا۔

ابن جبیر:۔(زمین پر گرتے ہوئی منہ قبلہ رو کرتے ہوئے:

وجهت وجهي للذی فطرت السموات والارض حنيفاً وما انا من المشرکين.

حجاج:۔اس کو جکڑ لو تا کہ منہ بسوئے قبلہ نہ کر سکے۔

آپ جکڑے گئے۔اور قبلہ سے منہ پھرا کر گرائے گئے۔

ابن جبیر:۔(نیچے آتے ہی)۔

حجاج:۔اسے اوندھا کر کے خنجر چلانا۔منہ کے بل کٹے گئے۔

ابن جبیر:۔(منہ کے بل ہوتے ہوئے)

منها خلقنا کم وفيها نعيد کم ومنجا نخرجکم تارةً اخرىٰ.

حجاج (نہایت بے دردی کے ساتھ) قتل کر دو۔

ابن جبیر:۔انی اشهد ان لآاله الاالله وحده لا شريک له وان محمداً ورسوله.

حجاج! میری بات کا گواہ رہ بروز قیامت ان شاء اللہ تجھے ملوں گا۔

گردن پر خنجر رکھا گیا۔

ابن جبیر:۔(دعا کناں ہوئے) اللهم لاتسلط علیٰ احد يقتله بغدی۔اے اللہ ظالم حجاج کو میرے قتل کرنے کے بعد اور کسی پر قتل کرنے کی طاقت نہ دینا۔

یہ دعا زیر لب تھی۔کہ خنجر چلایا گیا۔اور روح قصر عنصری سے پرواز کر گئی۔

کشتگان خنجر تسلیم را!

ہر زمان از غیب جائے دیگر است

۔انا لله وانا اليه راجعون.

بعد قتل سیدنا ابن جبیر رضی اللہ عنہ حجاج اپنے باقی ماندہ دن ہمیشہ یہی پکارتا رہتا۔ مالی لسعید بن جبیر.

ابن جبیر نے ۲۹ شعبان ۹۵ ھ میں وصال فرمایا۔ ان کی شہادت کے ۱۵ یوم بعد عین ی دن حجاج کو درد پیٹ نے دیوانہ کیا۔ مخبوط الحواس ہو کر چلانے لگا۔ طبیب بلایا گیا۔ اس نے حجاج کے جسم کو خوب ٹٹولا۔ مگر مرض کا پتہ نہ لگا آخر اس نے ایک غلیظ بدبودار گوشت کا ٹکڑا بذریعہ دھاگہ اس ظالم کے پیٹ میں لٹکایا۔ تا کہ مرض کی تفتیش کرے۔ چند منٹ بعد سے پیٹ سے باہر نکالا۔ تو وہ خون آلودہ تھا۔ طبیب نے کہا۔ یہ دنیاوی مرضوں کا مریض ہیں۔ آسمانی بلاؤں کا مبتلا ہے۔ شفا ناممکن ہے۔

فی الجملہ اسی مرض درد شکم میں حجاج بن یوسف نہایت بری طرح موت کے گھاٹ اترا۔

اللہ کے لئے کوڑے کھانے والا ولی

مسئلہ خلق قرآن پر امام احمد کو رقہ سے بغداد لایا گیا، چار چار بیڑیاں ان کے پاؤں میں ڑی تھیں۔ تین دن تک ان سے اس مسئلہ پر مناظرہ کیا گیا، لیکن وہ اپنے اس عقیدہ سے نہیں ہٹے۔ چوتھے دن والئی بغداد کے پاس ان کو لایا گیا۔ اس نے کہا کہ احمد تم کو اپنی زندگی ایسی دو بھر ہے، خلیفہ تم کو اپنی تلوار سے قتل نہیں کرے گا لیکن اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر تم نے اس کی ت قبول نہ کی تو مار پر مار پڑے گی اور تم کو ایسی جگہ ڈال دیا جائے گا ثانی کبھی سورج نہیں آئے گا۔ اس کے بعد امام کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا، اور ان کو اس انکار واصرار پر ۲۸ کوڑے گائے گئے، ایک تازہ جلاد صرف دو کوڑے لگاتا تھا، پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا تھا، امام احمد ہر کوڑے پر فرماتے تھے۔

میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت سے کچھ پیش کرو تو میں اس کو ان لوں۔

امام احمد نے اس واقعہ کو خود تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

''میں جب اس مقام پر پہنچا جس کا نام باب البستان ہے تو میرے لئے سواری لائی گئی ور مجھ کو سوار ہونے کا حکم دیا گیا۔ مجھے اس وقت کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا، اور میرے پاؤں

ں بوجھل بیڑیاں تھیں، سوار ہونے کی کوشش میں کئی مرتبہ اپنے منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ ر کسی نہ کسی طرح سوار ہوا اور معتصم کے محل میں پہنچا، مجھے ایک کوٹھڑی میں داخل کر دیا گیا، دروازہ بند کر دیا گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور وہاں کوئی چراغ نہیں تھا، میں نے نماز کے ئے مسح کرنا چاہا اور ہاتھ بڑھایا تو پانی کا ایک پیالہ اور طشت رکھا ہوا ملا، میں نے وضو کیا اور نماز ی، اگلے دن معتصم کا قاصد آیا اور مجھے خلیفہ کے دربار میں لے گیا۔ معتصم بیٹھا ہوا تھا، قاضی مناۃ ابن ابی داؤد بھی موجود تھا اور ان کے ہم خیالوں کی ایک بڑی جمعیت تھی۔ ابوعبدالرحمٰن افعی بھی موجود تھے، اسی وقت دو آدمیوں کی گردنیں بھی اڑائی جا چکی تھیں۔ میں نے ابو دالرحمٰن الشافعی سے کہا کہ تم کو امام شافعی سے مسح کے بارے میں کچھ یاد ہے؟

ابن ابی داؤد نے کہا کہ اس شخص کو دیکھو اس کی گردن اڑائی جانے والی ہے اور یہ فقہ کی بق کر رہا ہے۔

معتصم نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ، وہ برابر مجھے پاس بلاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس ، بہت قریب ہو گیا۔ اس نے کہا بیٹھ جاؤ، میں بیڑیوں سے تھک گیا تھا اور بوجھل ہو رہا تھا، ڑی دیر کے بعد میں نے کہا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے۔

خلیفہ نے کہا کہو! میں نے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول نے کس چیز کی ف دعوت دی ہے؟

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت کی طرف۔

میں نے کہا تو میں اس کی شہادت دیتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ آپ کے جد امجد ابن س کی روایت ہے کہ جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ں نے ایمان کے بارے میں آپ سے سوال کیا۔ فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ ایمان کیا ہے۔ ں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ فرمایا اس بات کی گواہی کہ اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور مال ت میں سے پانچویں حصہ کا نکالنا۔

اس پر معتصم نے کہا کہ اگر تم میرے پیش رو کے ہاتھ میں پہلے نہ آ گئے ہوتے تو میں تم تعرض نہ کرتا۔ پھر عبدالرحمٰن بن اسحٰق کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا

کہ اس آزمائش کو ختم کر۔

امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ اکبر اس میں تو مسلمانوں کے لئے کشائش ہے۔

خلیفہ نے علماء حاضرین سے کہا کہ ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، پھر عبدالرحمٰن سے کہا کہ ان سے گفتگو کرو (یہاں امام احمد اس مناظرہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔)

ایک آدمی بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا، دوسرا بات کرتا، اور میں اس کا جواب دیتا۔

معتصم کہتا، احمد! تم پر خدا رحم کرے، تم کیا کہتے ہو، میں کہتا امیر المومنین! مجھے کتاب اللہ یا سنت رسول میں سے کچھ دکھائیے تو میں اس کا قائل ہو جاؤں۔

معتصم کہتا کہ اگر یہ میری بات قبول کرلیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو آزاد کردوں، اور اپنے فوج و لشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پر حاضر ہوں۔ پھر کہتا احمد! میں تم پر بہت شفیق ہوں اور مجھے تمہارا ایسا ہی خیال ہے، جیسے اپنے بیٹے ہارون کا، تم کیا کہتے ہو؟

میں وہی جواب دیتا کہ مجھے کتاب اللہ یا سنت رسول میں سے کچھ دکھاؤ تو میں قائل ہوں۔ جب بہت دیر ہوگئی تو وہ اکتا گیا اور کہا جاؤ، اور مجھے قید کردیا اور میں اپنی پہلی جگہ پر واپس کردیا گیا۔

اگلے دن پھر مجھے طلب کیا گیا، اور مناظرہ ہوتا رہا اور میں سب کا جواب دیتا رہا۔ یہاں تک کہ زوال کا وقت ہوگیا۔ جب اکتا گیا تو کہا کہ ان کو لے جاؤ، تیسری رات کو میں سمجھا کہ کل کچھ ہو کر رہے گا، میں نے ڈوری منگوائی اور اس سے اپنی بیڑیوں کو کس لیا اور جس ازار بند سے میں نے بیڑیاں باندھ رکھی تھیں اس کو اپنے پائجامہ میں پھر ڈال لیا کہ کہیں کوئی سخت وقت آئے اور میں برہنہ نہ ہو جاؤں۔

تیسرے روز مجھے پھر طلب کیا گیا۔ میں نے دیکھا دربار بھرا ہوا ہے۔ میں مختلف ڈیوڑھیاں اور مقامات طے کرتا ہوا آگے بڑھا۔ کچھ لوگ تلواریں لئے کھڑے تھے، کچھ لوگ کوڑے لئے، اگلے دونوں دن کے بہت سے لوگ آج نہیں تھے۔ جب میں معتصم کے پاس پہنچا تو کہا بیٹھ جاؤ، پھر کہا ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو۔

لوگ مناظرہ کرنے لگے۔ میں ایک کا جواب دیتا، پھر دوسرے کا جواب دیتا۔ میری ز سب پر غالب تھی۔ جب دیر ہوگئی تو مجھے الگ کر دیا اور ان کے ساتھ تخلیہ میں کچھ بات ۔پھر ان کو ہٹا دیا اور مجھے بلا لیا۔ پھر کہا احمد! تم پر خدا رحم کرے۔ میری بات مان لو۔ میں تم کو نے ہاتھ سے رہا کروں گا۔

میں نے پہلا جواب دیا، اس پر اس نے برہم ہو کر کہا کہ ان کو پکڑو اور کھینچو اور ان کے ر اکھیڑ دو۔ معتصم کرسی پر بیٹھ گیا اور جلادوں اور بیڑیاں لگانے والوں کو بلایا۔ جلادوں ، کہا آگے بڑھو۔ ایک آدمی آگے بڑھتا اور مجھے دو کوڑے لگاتا۔ معتصم کہتا زور سے ۔ ے لگاؤ۔ پھر وہ ہٹ جاتا اور دوسرا آتا اور دو کوڑے لگاتا۔ انیس کوڑوں کے بعد پھر صم میرے پاس آیا اور کہا کیوں احمد اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔ بخدا مجھے تمہارا بہت ل ہے۔

ایک شخص نے مجھے اپنی تلوار کے دستے سے چھیڑتا اور کہا کہ تم ان سب پر غالب آنا ہتے ہو دوسرا کہتا کہ اللہ کے بندے! خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے کوئی کہتا کہ امیرا ین! آپ روزے سے ہیں آپ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں۔ معتصم پھر مجھ سے بات تا اور میں اس کو وہی جواب دیتا۔ وہ پھر جلاد کو حکم دیتا کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ۔

امام کہتے ہیں کہ پھر اس اثناء میں میرے حواس جاتے رہے۔ جب میں ہوش میں تو دیکھا کہ بیڑیاں کھول دی گئی ہیں، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے تم اوندھے منہ گرا دیا، تم کو روندا، احمد کہتے ہیں کہ مجھ کو کچھ احساس نہیں ہوا۔''

روز ۱۰۰ کوڑے:

اس کے بعد احمد بن حنبل کو گھر پہنچا دیا گیا۔ جب سے وہ گرفتار کئے گئے، رہائی کے وقت ، اٹھائیس مہینے ان کے حبس میں گزرے۔ ان کو ۳۳۔۳۴ کوڑے لگائے گئے۔ ابراہیم ابن ب جو سپاہیوں میں سے تھے کہتے ہیں کہ میں نے احمد سے زیادہ جری اور دلیر نہیں دیکھا۔ کی نگاہ میں ہم لوگوں کی حقیقت بالکل مکھی کی سی تھی۔

محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے احمد کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو چیخ مار کر بھاگتا۔

ایک صاحب جو واقعہ کے وقت موجود تھے، بیان کرتے ہیں کہ امام روزے سے تھے۔ میں نے کہا بھی کہ آپ روزے سے ہیں اور آپ کو اپنی جان بچانے کے لئے اس عقیدہ کا اقرار کر لینے کی گنجائش ہے۔

لیکن انہوں نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ ایک مرتبہ پیاس کی بہت شدت ہوئی تو پانی طلب کیا۔ آپ کے سامنے برف کے پانی کا پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے اس کو ہاتھ میں لیا اور کچھ دیر اس کو دیکھا۔ پھر بغیر پیئے واپس کر دیا۔

جاؤ تاریخ کی ورق گردانی کر کے دیکھو، امام صاحب کو ہر روز سو کوڑے لگائے جاتے ہیں، آپ کا جرم کیا ہے؟ چوری یا ڈاکہ نہیں ڈالا، بلکہ جرم اور قصور یہ ہے کہ احمد یہ کیوں کہتا ہے کہ یہ قرآن رب کا کلام ہے اللہ ذوالجلال کی قسم ہے میرے امام کو ہر روز کوڑے لگائے جاتے ہیں، جسم کی چمڑی اترتی جا رہی ہے، روزانہ کوڑے لگتے ہیں، جلاد مار مار کر تھک گئے ہیں، لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پھر بھی یہی نعرہ لگاتے ہیں۔

القرآن کتاب اللہ

لوگو یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، کسی انسان کی نہیں۔

کہتے ہیں ایک دن جلاد کوڑے مار رہا ہے اور میرے امام کے جسم سے خون بہہ رہا ہے۔

ڈاکو کی امام احمد بن حنبلؒ کو نصیحت:

وجود خلیفہ اور علماء کا اصرار ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلق قرآن کا فتویٰ دیں۔ حضرت احمد بن حنبل کے مسلسل انکار پر حکم ہوتا ہے کہ ان کے بدن پر درے لگائے جائیں۔ امام کے بدن پر درے کے نشانات پڑ رہے ہیں لیکن زبان پر یہ الفاظ ہیں:

”اے خلیفہ یاد رکھ اس دن کو جب تو منصف اعظم کے دربار میں کھڑا ہوگا بالکل ایسے ہی جیسے آج میں تیرے سامنے کھڑا ہوں پھر تو میرے اس خون کا کیا جواب دے گا۔“

مخالفین نے خلیفہ کو اور بھڑکا دیا ہے۔ کوڑے پڑنے کی رفتار تیز تر ہوگئی ہے۔
لیکن احمد بن حنبل فرمارہے ہیں:
"قرآن کلام اللہ ہے اور غیر مخلوق ہے۔"

شدت تکلیف سے اب امام پر بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے ہیں، جیسے ہی ہوش آتا ہے خلیفہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے لیکن انکار پر پھر کوڑوں کی بارش ہونے لگتی ہے لیکن حق ستقامت کا یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹلنے کا نام نہیں لیتا ہے۔

اس بار جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو قید و بند سے آزاد پایا۔ گھر لائے گئے تو ستو پیش کیا یا۔ مگر روزہ سے تھے۔ اس لئے نوش نہیں فرمایا۔ راوی کا بیان ہے کہ اتنے میں ظہر کا وقت گیا پورا بدن لہولہان تھا۔ لیکن اس کے باوجود نماز باجماعت ادا کی۔

کہتے ہیں اسی جیل کے اس کمرے میں اس ملک کا بہت بڑا نامور ڈاکو ہے، اس سے قات ہوگئی وہ پوچھتا ہے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی دن گزر گئے ہیں آپ کو ڑے لگتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں، مجھے یہ بتاؤ کہ آپ اس جیل میں کیسے آگئے ہیں آپ تنے اچھے آدمی ہیں، قرآن کے حافظ، عالم، محدث، اور فقیہ ہیں۔ آپ کو یہ سزا کیوں ا جارہی ہے؟

میرے امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، بادشاہ اور مولویوں نے اعلان کردیا ہے کہ آن اللہ کا کلام نہیں اور میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ رب کا کلام ہے، مجھے اس جرم کی پاداش سزا دی جارہی ہے، یہ میرا قصور ہے اس لئے مجھے کوڑے لگتے ہیں۔

وہ ڈاکو کہتا ہے، میری ایک بات سن لو، میں ڈاکو ہوں اور میں اقبال جرم کرتا ہوں مہارے سامنے مانتا بھی ہوں پھر جیل میں آجاتا ہوں، پھر میری رہائی ہوتی ہے پھر جاکر لہ ڈالتا ہوں پکڑا جاتا ہوں مجھے کوڑے لگتے ہیں، پھر ضمانت ہوتی ہے باہر جاتا ہوں پھر جا ڈاکہ ڈالتا ہوں میں کوڑے کھاتا ہوں جیلوں میں آتا ہوں لیکن ڈاکے کو نہیں چھوڑتا، میری زر گئی ہے، مار بھی کھاتا ہوں لیکن برائی سے پھر بھی باز نہیں آتا، اے امام تم تو حق پر ہو کہیں ے کھا کر حق نہ چھوڑ دینا۔

امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اللہ ذوالجلال کی قسم ہے وہ ڈاکو تھا لیکن مجھے

یسا سبق دے گیا کہ اس سبق نے میری زندگی کو رنگ دیا اور مجھے ہمالیہ کی چٹان بنا دیا، مجھے پختہ
قر بنا دیا اور پھر ایسی چٹان بنایا کہ زلزلے آئے، آندھیاں آئیں، طوفان آئے لیکن کوئی
لزلہ اور طوفان میرے پائے ثبات میں تزلزل پیدا نہ کر سکا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو
کوڑے پڑتے ہیں جسم کی چمڑی اتر جاتی ہے لیکن امام نے حق کا دامن نہیں چھوڑا حکمرانوں کو
خوش کرنے کے لئے۔ ارباب اقتدار کو راضی کرنے کے لئے تمہارے امام نے اپنا سر نہیں
جھکایا۔ تمہارے امام نے قصیدہ خوانی نہیں کی۔

تمہارے اماموں نے حکمرانوں کی قدم بوسی نہیں کی۔

بلکہ اللہ کے قرآن کی آن اور شان کے لئے امام نے کوڑے کھائے ہیں لیکن قرآن کی
شان پر آنچ نہیں آنے دی۔ آج بھی اہل حدیث کے ایک ایک فرزند نے اس بات کا تہیہ کر
رکھا ہے کہ!

جان جا سکتی ہے...... گلا جا سکتا ہے...... جیلوں میں جا سکتے ہیں...... مقدمات میں آ سکتے
ہیں...... لیکن قرآن وسنت پر آنچ نہیں کرنے دیں گے۔

عاشق کا جنازہ بڑی دھوک دھام سے نکلا:

حتیٰ کہ مار کھاتے کھاتے حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیل میں ہی
وفات پا گئے۔

دو امام ہیں جن کا جنازہ جیل سے نکلا، ایک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جنہوں نے
ظالم اور جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہا، جیل میں موت آئی ہے لیکن اپنے موقوف سے باز
نہیں آئے۔ دوسرے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آج دنیا سے جا رہے ہیں۔

اور سیرت کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت امام بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (یہ بغداد
میں فوت ہوئے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عراق میں فوت ہوئے ہیں، کوفے کے
رہنے والے تھے) جیسے مرد قلندر کا جنازہ اٹھایا جا رہا ہے، جنازے کی تعداد اتنی ہے کہ پورے
بغداد کی گلیوں میں لوگ سماتے ہی نہیں، اور دس ہزار یہودی اور عیسائی امام صاحب کا جنازہ
دیکھ کر مسلمان ہو گئے اس طرح کی قربانیاں، دین حق کی وجہ سے گلا کٹوانے والے، اللہ کی

لتائی کی علمبرداری کی پاداش میں، ماریں کھانے والے، میرا رب ان کو ایسا سرخرو کرتا ہے،
ب ایسا سر بلند کرتا ہے کہ دنیا مٹانے پر آ جائے تو رب چڑھانے پر آ جاتا ہے۔

صاحبزادہ کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت میرے والد کے جسم پر ضرب کے نشان تھے۔

ابوالعباس الرقی کہتے ہیں کہ احمد جب رقہ میں محبوس تھے تو لوگوں نے ان کو سمجھانا چاہا اور
ا بچاؤ کرنے کی حدیثیں سنائیں۔

انہوں نے فرمایا کہ حضرت خباب کی حدیث کا کیا جواب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ
لے بعض بعض لوگ ایسے تھے جن کے سر پر آرا رکھ کر چلا دیا جاتا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے
تے نہیں تھے۔

یہ سن کر لوگ ناامید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ وہ اپنے مسلک سے نہیں ہٹیں گے اور سب کچھ
داشت کریں گے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حجاج کی گستاخی

یہ قصہ علی بن زید بن جدعان نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک بار حضرت انس رضی اللہ
الیٰ عنہ حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس تشریف لائے جو نہایت ظالم و جابر تھے۔

اس بے ادب (حجاج) نے آپ کو یہ دیکھ کر ناشائستہ الفاظ کہے: "خبیث کہیں کا بوڑھا
کر فتنوں کی آگ بھڑکاتا ہے۔ کبھی ابوتراب کی طرف ہو جاتا ہے اور کبھی ابن زبیر رضی اللہ
الیٰ عنہ کی جانب جھک جاتا ہے اور کبھی ابن الاشعث کا دم بھرنے لگتا ہے اور کبھی ابن الجارود
ے گیت گانے لگتا ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی دن میں تیری گوہ کی طرح کھال
رلوں گا اور تجھ کو اس طرح اکھاڑ دوں گا جس طرف درخت سے گوندا اکھاڑ لیا جاتا ہے اور تجھ
ا اس طرح جھاڑ دوں گا جس طرح درخت سلم (کانٹے دار ایک درخت جس کے پتوں سے
غت دی جاتی ہے) کے پتے جھاڑ دیئے جاتے ہیں۔ ایسے شریر لوگوں نے جو بخیل بھی ہیں
منافق بھی مجھ کو بڑا تعجب آتا ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج کے یہ ناشائستہ الفاظ سن کر اس سے پوچھا آپ
س کو کہہ رہے ہیں؟ حجاج نے بے ساختہ کہا "ایاک اعنی اصم اللہ صداک" یعنی

میرا خطاب تجھ ہی سے ہے خدا تجھ کو غارت کرے۔ (نعوذ باللہ)

علی بن یزید کہتے ہیں کہ جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجاج کے پاس سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا کہ بخدا اگر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں اس (حجاج) کو جواب دیتا۔ اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج کے ساتھ پیش آنے والے اس پورے واقعہ کا حال لکھ کر خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا۔ اس پر عبدالملک بن مروان نے حجاج کے نام ایک خط لکھا اور اس کو اسماعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر مولیٰ بن مخزوم کے ہاتھ اس کے پاس روانہ کیا۔

اسماعیل خط لے کر حجاج کے پاس پہنچے مگر پہلے وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کے ساتھ حجاج کا یہ رویہ خلیفہ کو بہت ناگوار گزرا مگر بطور ناصح مشفق میں آپ سے کہتا ہوں کہ خلیفہ کی نگاہ میں جو حجاج کی قدر و منزلت ہے وہ کسی کی نہیں۔

امیر المومنین نے حجاج کو لکھا ہے کہ وہ آپ کے پاس آئے مگر میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ آپ خود حجاج کے پاس تشریف لے جائیں۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ آپ سے معذرت کرے گا اور جب آپ اس کے پاس سے واپس ہوں گے تو وہ آپ کے مرتبہ کو پہچانے گا اور اس کی نگاہ میں آپ کی وقعت ہوگی۔

اس کے بعد اسماعیل حجاج کے پاس گئے اور اس کو خلیفہ کا خط دیا۔ اس کو پڑھ کر حجاج کا چہرہ متغیر ہوگیا اور وہ اپنے چہرے سے پسینہ پونچھنے لگا اور کہنے لگا اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو معاف کرے میں نہیں سمجھتا کہ امیر المومنین کا خیال میری طرف سے اس قدر بگڑ جائے گا۔

اسماعیل کا بیان ہے کہ اس کے بعد اس نے وہ خط میری جانب پھینک دیا اور وہ یہ سمجھا کہ گویا میں اس خط کو پڑھ چکا ہوں۔ پھر کہنے لگا کہ مجھ کو اس کے (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پاس لے چلو۔

میں نے کہا کہ اللہ آپ کی اصلاح فرمائے وہ خود آپ کے پاس تشریف لائیں گے۔ آپ کو ان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ پھر میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ حجاج کے پاس تشریف لے چلیں۔ چنانچہ آپ اس کے پاس پہنچے تو وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوگیا اور کہنے لگا اے ابوحمزہ! آپ نے امیر المومنین کے پاس میری

بت کرنے میں جلدی کی میں نے جو آپ کے ساتھ برتاؤ کیا تھا وہ کسی دشمنی یا کینہ کی وجہ
ہیں تھا بلکہ یہ اس وجہ سے تھا کہ اہل عراق نہیں چاہتے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غلبہ اور اس کی
ن قائم رہے۔ آپ کے ساتھ اس طرح پیش آنے کی وجہ یہ تھی کہ عراق کے منافقین اور
ن کو یہ معلوم ہو جائے کہ جب میں سیاست کے بارے میں آپ جیسی ہستی کو نہیں بخشا تو
وگوں کی میرے سامنے کیا حقیقت ہے؟ اب میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، آپ مجھ
راضی ہو جائیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تاوقت یہ کہ عام وخواص میں اس بات کی
ت نہ ہوگی اور میرے کانوں نے آپ کی زبان سے اپنے کو شریر نہیں سن لیا اس وقت تک
نے امیر المومنین کو خط نہیں لکھا۔ آپ نے ہم کو اشرار گردانا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام
میں ہم کو انصار فرمایا ہے۔ آپ نے ہم کو بخیل کہا حالانکہ ہم اپنے پر دوسروں کو ترجیح دینے
لے ہیں۔ آپ نے ہم کو منافق کہا حالانکہ ہم وہ لوگ ہیں وہ جو دار السلام (مدینہ) میں
رین کی آمد سے قبل قرار پکڑے ہوئے ہیں آپ نے اپنے زعم میں مجھ کو اہل عراق کے
س امر کا ذریعہ بنانا چاہا کہ وہ آپ کے ان افعال کو جو اللہ کے نزدیک حرام ہیں حلال سمجھنے
ں حالانکہ آپ کے اور ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ حاکم ہے وہ نیک کام سے راضی اور برے
سے ناراض ہوتا ہے۔ بندوں کی سزا و جزا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ برائی کا بدلہ برائی
ور نیکی کا بدلہ نیکی سے دیتا ہے۔ خدا کی قسم نصاریٰ مشرک و کافر ہونے کے باوجود اگر کسی
نص کو دیکھ لیتے ہیں کہ جس نے ایک دن ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت کی ہو تو وہ
ں بے پناہ تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی مگر
نے میرے اس خدمت کا بالکل لحاظ نہیں کیا۔ ہم کو آپ کی طرف سے کوئی بھلائی نہ ملے
ہم اس پر شکر ادا کریں گے اور اگر برائی پہنچے گی تو اس پر صبر کریں گے یہاں تک کہ اللہ
ہمارے لئے خلاصی کی کوئی صورت پیدا کر دے۔"

علی بن زید کہتے ہیں کہ خلیفہ نے حجاج کے پاس جو خط روانہ کیا تھا اس کا مضمون یہ تھا:
"اما بعد! تو وہ شخص ہے جو اپنے معاملات میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ اے انگور کی گٹھلی
، والی عورت کے لڑکے! خدا کی قسم میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تجھ کو اس طرح بھنبھوڑ دوں گا

جس طرح شیر لومڑیوں کو بھنبھوڑ دیتا ہے اور تجھ کو ایسا خبطی بنا دوں کہ تو اس وقت کی آرزو کرنے لگے جس وقت کہ تو اپنی ماں کے پیٹ سے زحمت کے ساتھ نکلا تھا۔ جو برتاؤ تو نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا ہے مجھے اس کی اطلاع مل گئی ہے۔ میرا خیال میں اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو امیر المومنین کا امتحان لے اور اگر امیر المومنین میں غیرت کا مادہ نہ ہو تو اس سے اگلا قدم اٹھاؤں۔ تجھ پر اور تیرے آباؤ اجداد پر جو آنکھوں سے چوندھے اور جن کی پلکیں ملی ہوئی اور پنڈلیاں باریک تھیں خدا کی لعنت ہو، کیا تو اپنے آباؤ اجداد کی شخصیت کو جوان کو طائف میں حاصل تھی بھول گیا ہے کہ وہ کس قدر ذلیل اور کمینے تھے اور اپنے ہاتھوں سے زمین میں لوگوں کے لئے کنوئیں کھودتے تھے اور اپنی پشتوں پر پتھر لاد کر لاتے تھے۔ جس وقت میرا یہ خط تیرے پاس پہنچے اور تو اس کو پڑھ چکے تو سب کام چھوڑ کر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت کدہ پر جا کر ان سے معذرت کر، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں ایک ایسا شخص تجھ پر تعینات کر دوں گا جو تجھ کو کمر کے بل گھسیٹ کر ان کے دولت کدے پر لے جائے گا اور وہی تیرے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ یہ نہ سمجھنا کہ امیر المومنین کو تیرے حالات سے آگاہی نہیں ہے۔ ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا۔ تجھ کو چاہئے کہ میرے خط سے روگردانی نہ کرے اور فوراً حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معذرت کرے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور آپ کے صاحبزادے کا اکرام کرے ورنہ میں تجھ پر ایسا شخص مسلط کر دوں گا جو تیرا ڈھکا ہوا پردہ کھول دے گا اور تیرے دشمنوں کو تجھ پر ہنسنے کا موقع فراہم کر دے گا۔" والسلام

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات بمقام بصرہ ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں ہوئی۔

بصرہ میں وفات پانے والے آپ سب سے آخری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

کندھوں پر شیر

اس واقعہ کے راوی عبداللہ بن ابان ثقفی ہیں وہ فرماتے ہیں مجھے حجاج بن یوسف نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرنے پر مامور کیا۔ حکم یہ تھا کہ ان کو حجاج کے سامنے کسی بھی حالت میں حاضر کیا جائے۔ میرا اپنا گمان یہ تھا کہ وہ حجاج کے سامنے پیش ہونا یا

ملنا گوارا نہیں کریں گے۔ خیر میں نے اپنا گھوڑا لیا اور ان کے گھر جا پہنچا۔ وہ مجھے اپنے گھر دروازے پر ہی مل گئے۔ میں نے کہا: آپ کو امیر یاد کرتا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

کہنے لگے: کون سا امیر؟

میں نے کہا: ابو محمد حجاج۔

فرمانے لگے: اللہ اس کو ذلیل و رسوا کرے۔ میں نے اس سے زیادہ کسی کو ذلیل نہیں ما۔ اس لئے کہ عزت والا وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے اور ں ورسوا وہ ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے اور گناہوں میں زندگی گزارے۔ اور تیرا جو ی ہے اس کی حالت یہ ہے کہ:

"قد بغى وطغى واعتدى وخالف كتاب اللّٰه والسنة واللّٰه! لينتقم اللّٰه منه"

"اس نے اللہ کے ساتھ بغاوت، سرکشی اور تجاوز کیا ہے اور کتاب وسنت کی خلاف ورزی کی ہے۔ اللہ اس سے ضرور انتقام لے گا۔"

میں نے کہا: زیادہ باتیں نہ کریں بلکہ میرے ساتھ سیدھے امیر کے پاس چلیں وہ آپ کو ہا ہے۔

چنانچہ ہم دونوں حجاج بن یوسف کے دربار میں آئے۔ حجاج نے ان کو دیکھ کر پوچھا:

"أنت أنس بن مالك"

"تم انس بن مالک ہو۔"

انس بن مالک نے جواب دیا: ہاں۔

حجاج نے کہا:

"أنت الذى تادعو علينا وتسبتنا"

"آپ وہی ہیں جو مجھے گالیاں دیتے ہیں اور میرے لئے بددعا کرتے ہیں۔"

انس بن مالک: ہاں۔

حجاج: آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

انس بن مالک:

"لانک عاص لربک مخالف لسنة نبیک صلی اللّٰہ علیه وسلم وتعز أعداء اللّٰہ وتذل أولیاء اللّٰہ"

"کیوں کہ تم اللہ کی نافرمانی کرتے ہو۔ اللہ کے رسول کی مخالفت کرتے ہو۔ تم دشمنان اسلام کو تو عزت واحترام دیتے ہو مگر اولیاء اللہ کو رسوا کرتے ہو۔"

حجاج غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟

انہوں نے فرمایا: مجھے تو معلوم نہیں۔

حجاج نے کہا: میں آپ کو نہایت برے طریقے سے قتل کر دوں گا۔

حضرت انس نے اس وقت یہ تاریخی کلمات ارشاد کیے:

"لو علمت أن ذلک بیدک لعبدتک من دون اللّٰہ"

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ تمہارے بس میں ہے تو میں اللہ کو چھوڑ کر تمہاری پوجا کرتا۔"

حجاج نے کہا: ایسا میرے بس میں کیوں نہیں ہے؟

حضرت انس نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے ایک ایسی دعا سکھائی ہے کہ جو شخص اس دعا کو ہر روز صبح کے وقت پڑھے گا:

"لم یکن لأحد علیه سبیل."

"کوئی اس پر غلبہ نہ پا سکے گا۔"

اور آج صبح میں نے یہ دعا پڑھی ہے۔

حجاج نے کہا: پھر وہ دعا مجھے بھی سکھا دیں۔

حضرت انس نے فرمایا:

"معاذاللّٰہ أن أعلمه لأحد مادمت أنت فی الحیاة"

"اللہ کی پناہ! میں تمہاری زندگی میں کسی کو یہ دعا نہیں سکھاؤں گا۔"

حجاج نے حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔

اس کا ایک درباری بولا: اے امیر! ایک رات سے ان کی تلاش تھی، بڑی مشکل سے ان
اش کیا۔ اب ان کو کیسے چھوڑ دیں؟

حجاج نے کہا:

"لقد رأيت على عاتقه أسدين سظيمين فاتحين
أفواههما"

''میں نے ان کے کندھوں پر دو بڑے بڑے شیروں کو منہ کھولے ہوئے
دیکھا۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو انہوں نے
بھائیوں کو یہ دعا بتادی تھی۔ (از عبدالمالک)

ذہین بچہ

خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خدمت میں جب ایاس بن معاویہ بحیثیت امیر کارواں
، تو اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی اور ان کے پیچھے ان کی قوم کے چار بڑے شیوخ
تھے۔

خلیفہ نے اس قافلے کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور گویا ہوا: افسوس ان لوگوں پر!
ن میں کوئی بزرگ نہیں تھے جن کو اس قافلے کا امیر بنایا جاتا اور اس چھوکرے پر اُسے ترجیح
اتی؟

پھر خلیفہ ایاس بن معاویہ کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا: تمہاری عمر کیا ہے؟

ایاس بن معاویہ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ امیر کی عمر دراز کرے، میری عمر اتنی ہی ہے جتنی
بن زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس وقت تھی جب رسول اکرم ﷺ نے انہیں ایک
اسپہ سالار بنا کر بھیجا تھا اور جس میں جلیل القدر صحابی ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی

خلیفہ عبدالملک بن مروان کو ایاس بن معاویہ کے جواب سے بڑی خوشی ہوئی اور اس کے

چہرے پر بشاشت کی آثار نمایاں ہو گئے۔ چنانچہ گویا ہوا:

"تقدم، بارک الله فیک"

''آؤ، میرے قریب آؤ! اللہ تمہیں برکت سے نوازے!''

انوکھی بھول

اشعب سے کہا گیا: تم نے بہت سے لوگوں کی صحبت اختیار کی اور ان سے علم حاصل کیا، کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم ہمارے ساتھ بھی بیٹھتے اور جو کچھ سیکھا ہے، بیان کرتے؟

چنانچہ ایک روز وہ لوگوں کے درمیان بیٹھا، لوگوں نے حدیث پوچھی تو اشعب نے حدیث بیان کرنا شروع کی: میں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے ابن عباس سے اور ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی:

"خلتان لا یجتمعان فی مؤمن"

''دو عادتیں ایک مومن میں یکجا نہیں ہو سکتیں۔''

اتنی حدیث سنا کر اشعب خاموش ہو گیا۔

لوگوں نے پوچھا: ''خلتان'' ''(دو عادتیں) کون سی ہیں؟''

اشعب نے کہا: ''نسی عکرمة واحدة ونسیت انا الاخری''۔

''ایک عکرمہ بھول گئے اور ایک میں بھول گیا۔''

تین تمنائیں:

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایک دن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے دو بھائی عروہ بن زبیر اور مصعب بن زبیر، عبدالملک بن مروان کے ساتھ حرم مکی میں اکٹھے ہوئے۔ گفتگو شروع ہوئی، ہر ایک نے دوسرے سے کہا: حرم میں بیٹھے ہیں، اپنی اپنی تمنا اور خواہش پیش کریں۔

مصعب بن زبیر کہنے لگے: میری تمنا ہے کہ میں عراق اور شام پر حکومت کروں۔ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی سکینہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی عائشہ سے

ں کروں۔ ان دونوں کا تعلق قریشی گھرانے سے تھا۔ عزت وشرف کے ساتھ ساتھ
ورتی کی دولت سے بھی مالا مال تھیں۔
عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہنے لگے: میری خواہش ہے کہ مجھے خلافت ملے اور
ن شریفین پر میری حکومت ہو۔ عبدالملک بن مروان کہنے لگے: میری تمنا اور خواہش ہے کہ
میر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گدی سنبھالوں اور دنیا پر میری حکومت ہو۔
اب عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی باری آئی۔ عرض کرنے لگے: جن چیزوں کی تم
منا اور خواہش کی ہے، ان میں سے کسی کی بھی مجھے خواہش نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ
ش کرتا ہوں کہ مجھے دین کے علم سے بہرہ ور فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے مجھے جنت عطا
ئے۔
اس بات کو زیادہ دیر نہیں گزری تھی، تینوں نے جو جو خواہش اور تمنا حرم مکی میں کی تھی،
ا ہوئی۔ مصعب بن زبیر شام اور عراق کے والی بنے اور ان کی شادی سکینہ بنت حسین اور
ہ بنت طلحہ سے ہوگئی۔
عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی خلیفہ بنے۔ حجاز، عراق، مصر اور شام کے گرد و نواح
ان کی حکومت قائم ہوئی۔ دمشق بھی فتح ہوا چاہتا تھا مگر قدرت کو منظور نہ تھا اور پھر بنو امیہ
شمکش ہوگئی، اور آپ جام شہادت نوش کر گئے۔
پھر تاریخ نے وہ دن بھی دیکھا جب عبدالملک بن مروان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ
عنہ کی گدی پر بیٹھے اور تمام اسلامی حکومت ان کے قبضے میں تھی۔ ایک دن انہوں نے
ت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا۔ حرم کا واقعہ یاد آیا اور لوگوں سے کہنے لگے کہ
ی جنتی شخص کو دیکھنا ہو وہ عروہ کو دیکھ لے اور یقیناً ان کی خواہش اور تمنا ہم سے زیادہ بہتر
ضل تھی۔
حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ پھر شام سے
شکر عبداللہ بن زبیر کی مخالفت میں نکلا اور نواسہ رسول کو شہید کرنے کے بعد کعبۃ اللہ پر
باری کا گناہ بھی انہیں کے نامہ اعمال میں درج ہوا۔
آخری معرکہ سے ذرا پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت اسماء کی خدمت میں حاضر

ئے اور عرض کیا امی جان دشمن نے مجھے امان دینے کی پیش کش کی ہے۔ آپ کی کیا

ئے ہے؟

انہوں نے فرمایا:

بیٹا اگر تم سمجھتے ہو کہ تم حق پر ہو اور حق کی ہی تم نے دعوت دی تو تم بھی اپنے شہید ساتھیوں

کی طرح حق کے لئے اپنی جان قربان کردو اور اگر تمہارا مقصد دنیا کی طلب تھا تو افسوس تم پر کہ

تم نے اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرا دیا۔

بیٹا عبداللہ باپ حضرت زبیر ماں اسماء (جو ہجرت رسول کے وقت باوجود کم سن ہونے

کے غار میں چھپے ہوئے پیغمبر اسلام اور اپنے والد بزرگوار حضرت ابوبکر کے ساتھ رابطہ رکھتی

تھیں) اپنی جان خدا کی راہ میں دینے میں باقی کیا کمی رہ گئی تھی۔ آخر میں انہوں نے کہا۔

امی جان مجھے موت کا ڈر نہیں لیکن یہ ڈر ضرور ہے کہ میرے دشمن میرے قتل کے بعد میرا

"مثلہ" بنائیں گے اور میری لاش کو پھانسی پر لٹکائیں گے۔

حق گو ماں بولی: بیٹا جب بکری ذبح ہو گئی تو اسے کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ

اللہ کو سونپا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نہایت بہادری اور جواں مردی سے لڑے اور بالاخر شہید

ہو گئے۔ شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے آپ کا سر عبدالملک کے پاس شام بھجوا دیا اور جثہ

کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ جب کئی دن گزر گئے تو حضرت اسماء اپنے لخت جگر کی لاش دیکھ کر فرمانے

لگیں۔

کیا اس شہسوار کے سواری سے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟

پھر حجاج حضرت اسماء کے پاس گیا اور کہا دیکھا تم نے میں نے اللہ کے دشمن یعنی

تمہارے بیٹے کا کیا حال کیا۔ اسماء نے کہا تم نے نہیں دیکھا کہ میرے بیٹے نے تمہاری کیا

درگت بنائی ہے۔ حجاج نے حیران ہو کر پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا تم نے اس کی دنیا خراب

کی اس نے تمہاری آخرت خراب کردی۔ رسول اللہ نے کہا تھا بنو ثقیف میں سے ایک سیاہ کار

اور ظالم شخص پیدا ہوگا۔ وہ تم ہو۔

بہادر ماں کی بیٹے کو نصیحت

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بیٹے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو
دت کے لئے تیار کیا اور فرمایا بیٹا تیری شہادت مجھے پسند ہے، اگر تو اللہ کے نام پر مر رہا ہے
ں میں غم کیا بات ہے؟

کہنے لگے اماں! پھر مجھ سے گلے مل لے میری آج واپسی نہیں ہوگی، جب گلے ملنے
، ان کی والدہ نابینا ہو چکی تھیں، جب ہاتھ گلے کو لگایا تو دیکھا حضرت عبداللہ نے زرہ پہنی
ا ہے، کہنے لگیں بیٹا! ایک طرف تو اللہ کے نام پر مرنا چاہتے ہو اور دوسری طرف زرہ پہنی
ا ہے، یہ زرہ کیوں پہنی ہے؟ اسے اتارو۔

بیٹے نے کہا، اے میری ماں مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں میری لاش کی بے حرمتی نہ کردیں، اس
، میں نے زرہ پہنی ہوئی ہے۔

فرمایا ارے میرے جگر کے ٹکڑے، سن لے...... الشاة المذبوحة لا
لمها السلخ ...... جب بکری ذبح ہو جاتی ہے، پراس کی کھال کھینچو، اس کے ٹکڑے کرو،
ی کو کیا پرواہ؟ جب تو اپنے رب کے پاس پہنچ جائے گا، تو تیرے جسم سے جو مرضی کریں
، اس کی کیا پرواہ ہے؟ اپنے ہاتھ سے بیٹے کی زرہ اتروائی، ایک کرتے اور دھوتی میں روانہ
، اب دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر اللہ کا شیر میدان میں نکلا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طاقت

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے جوان تھے کہ اکیلے ہزاروں کے سامنے
ے ہو جاتے تھے، اور لوگ ان کو کہا کرتے تھے، کہ عبداللہ انسان نہیں ہیں، عبداللہ تو جن
، اس لئے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنا خون حضرت عبداللہ ابن زبیر کو دیا تھا اور کہا تھا کہ
سے دفن کر کے آؤ، تو حضرت عبداللہ نے وہ جا کر پی لیا تھا۔

جب واپس آئے تو آپ نے پوچھا، بھئی وہ دفن کر دیا۔

کہا جی ایسی جگہ دفن کیا ہے ثانی کوئی دیکھ سکے گا ہی نہیں۔

فرمایا...... لعلک شربت......ارے کہیں تو نے پی تو نہیں لیا۔
عرض کرنے لگے، یارسول اللہ میں نے پی لیا ہے۔
کہا بس تیرے اوپر دوزخ حرام ہوگئی، تو اس کی طاقت تھی، کہ ایسی جوان تھے جن کی جوانی کو دیکھ کر لوگ رشک کرتے تھے، ماں اپنے جوان بیٹے کو اپنے ہاتھ سے مرنے کے لئے بھیج رہی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

جب چاروں طرف سے تلواروں کا مینہ برسا تو ایک پتھر سر پر لگا اور اس سے خون کا فوارہ چھوٹا تو پاؤں پہ آ کر خون گرا تو فرمایا۔

ولسنا علی الاعقاب تدمی قلومنا
ولکن علی الاقدام تقتر الدماغ

ہم وہ نہیں ہیں جو اللہ کے راستے سے بھاگ جائیں اور ان کی پشت پر زخم آئیں، ہم وہ ہیں جو سینے پر زخم کھا کر اپنے پاؤں کو خون سے رنگین کرتے ہیں، ہم کبھی پشت نہیں دکھاتے، اور جو گرے تو اوپر سے تلواروں کا مینہ پڑا تو فرمایا: اسماء......اے میری ماں......ان قتلت لاتبکیلی......اے اسماء تیرے پاس میرے قتل کی خبر آنے والی ہے، میرے پہ مت رونا......لا یبق الاحسبی و دینی......میں دنیا پر نہیں مرا۔

اعتراف دشمن

حجاج نے دس ہزار فوج کے ساتھ عبداللہ ابن زبیر پر حملہ کیا تھا۔ ساتھی انہیں اکیلا چھوڑ گئے۔ وہ تن تنہا مسجد میں آ کر مقابلہ کرنے لگے سارا دن مقابلہ کرنے کے باوجود ۷۳ سالہ شجاع پر قابو نہ پا سکے دوسرے روز بھی ہزاروں پر ایک کا پلڑا بھاری دیکھ کر حجاج للکارا کہ ''او بزدلو۔ شرم کرو۔ وہ اکیلا تم ہزار دو ہزار۔''
خود پتھر مار کر ان کی پیشانی زخمی کر دی۔ ان کی تلوار نے بھی تیزی سے سروں کی فصل کاٹنی شروع کی۔ حجاج گھبرایا۔ اور یکبارگی حملہ کا حکم دیا۔ شامیوں نے تیروں کی بوچھاڑ سے اس شیر

ر کر شہید کر دیا۔ سر کاٹ کر امام حسینؓ کی طرح تیرے پر چڑھایا۔ حجاج نے انہیں یوں خراج ن ادا کیا کہ "تم اکیلے ایک ہزار سے لڑ کر جیت سکتے تھے مگر یہاں دس ہزار آدمی تھے۔" ،عدی اکثریت کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا۔ اور ہزاروں پر بھاری نکلتا ہے۔

حجاج کا وقت آخر قریب آ گیا تو حضرت حسن بصری اس کے پاس آئے اور فرمایا میں ع کرتا تھا کہ نیکو کاروں کو نہ ستا۔ مگر افسوس میری تم نے ایک نہ سنی۔

حضرت ابو منذر یعلی تشریف لے آئے۔ اور فرمایا:

خدا اپنے ان بندوں پر رحم کھاتا ہے جو رحم دل اور نیک نفس ہوتے ہیں اس کی مخلوق سے ، کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون و ہامان کا ساتھی تھا کیونکہ سیرت بگڑی ہوئی تھی، راہ حق سے کٹ گیا تھا۔ تو نے نیک انسان قتل کر کے ان کی ت فنا کر ڈالی۔ تابعین کی جڑیں کاٹ کر ان کا پاک درخت اکھاڑ ڈالا۔ تو نے خالق کی نی کی۔ تو نے نہ اپنا دین بچایا نہ دنیا ہی پائی۔ مروان کو عزت دی مگر اپنا نفس ذلیل کیا۔ ان ر آباد کیا۔ اپنا گھر ویران کیا۔ آج تیرے لئے نہ نجات ہے نہ فریاد۔ تو آج کے دن سے تھا۔

خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار

خلیفہ ولید حج کرنے کے بعد مدینہ گیا۔ خلیفہ نے مسجد میں جانے کا ارادہ کیا۔ حکم ہوا سب سجد سے باہر نکل جائیں۔ سعید بن مسیب ایک بزرگ نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا اور لگے۔

یہ عجیب خلیفہ آیا ہے جو خانہ خدا میں بھی بندگان خدا کو نہیں بیٹھنے دیتا۔

خدا ترس خلیفہ

خلیفہ ہشام بن عبدالملک نہایت خدا ترس سادہ مزاج اور غرور و تمکنت سے پاک تھا اور ی کو فوراً تسلیم کر لیتا تھا۔ ایک دفعہ وہ ایک معزز آدمی کو گالی دے بیٹھا۔ اس شخص نے بگڑ خلیفہ وقت ہو کر گالی دیتے ہو۔

ہشام سخت شرمندہ ہوا اور اسے کہنے لگا۔
تم مجھ سے اس زیادتی کا بدلہ لے لو۔
وہ بولا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی آپ کی طرح یہ نامناسب حرکت کروں۔
ہشام بولا کچھ مال بطور جرمانہ قبول کرلو۔
وہ بولا عزت کے بدلے مال لینا مجھے منظور نہیں۔
بالآخر ہشام نے درخواست کی خدا کے واسطے معاف کردو۔
وہ شخص کہنے لگا ہاں یہ منظور ہے۔ میں خدا کے واسطے اور تمہارے واسطے تمہیں معاف کرتا ہوں۔

دریا پر چلنے والے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت اسلامیہ کو وسعت دینے کے لئے اطراف واکناف میں لشکر کشی فرمائی۔ عراق کے اکثر شہر مفتوح ہو چکے ہیں۔ حضرت اسعد بن ابی وقاص کی قیادت میں اسلامی فوج فتح پر فتح کرتے آگے بڑھ رہی ہے۔ یہاں تک کہ پایہ تخت ایران کے قریب ۱۶ھ میں بہرہ شہر کا محاصرہ ہوا۔ ایرانیوں نے اپنی جان بچانے کے لئے بہرہ شہر کو چھوڑ کر مدائن میں بھاگے۔ درمیان میں دجلہ حائل تھا۔ بھاگتے ہوئے ایرانیوں نے تمام پل توڑ دیئے اور کشتیاں بھی ساتھ لے گئے اور مدائن میں قیام پذیر ہو گئے۔
حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دجلہ کے کنارے پہنچے تو نہ تو کوئی پل باقی تھا کہ اس کے ذریعہ دجلہ کو پار کرتے اور نہ ہی کوئی کشتی موجود تھی۔ آپ نے فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

”برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کرلو تو میدان صاف ہے۔“

ان کو دیکھ کر سب کی ہمت بڑھی۔ اس وقت دریا اپنی طغیانی پر تھا۔ سیلابی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ پانی جوش مار رہا تھا اور سیاہ ہو گیا تھا۔ مسلمان دریا کے کنارے پہنچ کر دشمن کی چالاکی پر متحیر تھے۔ دوسری طرف دشمن صف بہ صف مسلمانوں کے بے بسی پر اندر ہی اندر خوش ہو رہے

۔کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ پیش قدمی کر لے۔

ایک بہادر نے لوگوں کو ڈانٹا کہ ایک بوند پانی تو ہے اس سے کیا ڈرتے ہو:

وما کن لنفس ان تموت الا باذن اللّٰہ کتاباً موجلا

حضرت سعد نے حضرت عاصم ابن عمر ابن الخطاب کو ایک حصہ کی قیادت سونپ دی تھی
قعقاع ابن عمرو کو دوسرے حصہ کی قیادت بخش دی تھی۔ ان تمام بہادران اسلام نے دریا
رنے کی ٹھان لی۔ سب نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تمام اصحاب کو حکم دیا کہ:۔

نستعین باللّٰہ ونتوکل علیہ. حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل
ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم.

پڑھتے ہوئے چلو۔

سب سے پہلے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا۔ پھر تو تمام
ان کود پڑے اور اس طرح باتیں کرتے ہوئے دریا کو پار کیا جیسے خشکی پر چل رہے ہوں۔
خالیٰ کے وعدوں پر اتنا اعتماد اور وثوق تھا کہ اس میں تخلف کی سوچ بھی نہیں سکتے
۔کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی سلامتی اور فتح وظفر کے لئے دعا مانگی
۔ایک متنفس بھی ضائع نہ ہوا۔ صرف غرقدۃ البارقی اپنے گھوڑے سے پھسل کر دریا میں
ے۔ لیکن فوراً ہی قعقاع ابن عمر نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کھینچا اور وہ پھر اپنی
گئے۔ نہ تو کسی شخص کی کوئی چیز ضائع ہوئی اور نہ کوئی نقصان کسی کو پہنچا۔ صرف مالک ابن
کا لکڑی کا پیالہ پانی میں گر پڑا۔ اس کو بھی پانی کی موجوں نے کنارے لگا دیا جس کو مالک
الیا۔

ایرانی یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھ رہے تھے اور جب فرط حیرت سے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو یہ
رچلانے لگے کہ یہ جنوں کا کارنامہ ہے۔

''دیواں آمدند، دیواں آمدند'' یعنی جنات آ گئے، جنات آ گئے۔

تھا بھی یہ عجیب وغریب قصہ۔ بقول علامہ ابن کثیر، گھوڑوں کا جسم تک نہ بھیگا۔ جب
چلتے گھوڑے تھک جاتے تھے تو قدرت خداوندی سے پانی میں ٹیلا پیدا ہو جاتا تا کہ وہ اوپر

کر ذرا آرام کرلیں۔

وكان يوما عظيما وامراً هائلا وخطبا جليلا وخارقا باهراً ومعجزة لرسول الله صلى الله عليه وسلم خلقها الله لاصحابه لم ير مثلها في تلك البلاد ولا في بقعة من البقاع.

حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شانہ بشانہ دریا پار کررہے تھے اور کہتے جاتے تھے:

حسبنا الله ونعم الوكيل والله لينصرن الله وليه وليظهرن الله دينه وليهزمن الله عدوه ان لم يكن في الجيش بغي او ذنوب تغلب الحسنات

یعنی ”اللہ تبارک تعالیٰ ضرور اپنے دوستوں کی مدد کرے گا اور اپنے دین کو غالب اور دشمنوں کو شکست دے گا۔ جب تک فوج میں بغاوت وگناہ عام نہ ہوجائے۔“

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تائیدی کلمات کے ساتھ فرماتے جاتے تھے۔ خدا کی قسم! جس طرح خشکی مسلمانوں کے لئے اتباع بنادی گئی ہے اسی طرح دریا بھی۔ یہ جس طرح دریا میں چل رہے ہیں اسی شان سے باہر بھی نکلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(البدایہ والنہایہ ج ص ۶۵) (الفاروق ص ۷۰۔ طبری ج ۳ ص ۱۷۳)۔ فتوح البلدان ص ۲۶۳)۔

سچ فرمایا ہے علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے:

دشت تو دشت تھی دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

ہوا پر حکومت

اسلامی فتوحات کا سیل عظیم فارس تک پہنچا۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ دوم نے فارس کے لئے حضرت ساریہ بن زخیم کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔

حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی تھے جو زمانہ جاہلیت میں لوٹ مار کرنے
الے تھے اور اس قدر تیز دوڑنے والے تھے کہ تیز رفتار گھوڑے سے بھی آگے نکل جاتے
تھے۔ مگر اسلام قبول کرنے کے بعد اچھی خوبیوں کے مالک ہو گئے۔

جب وہ فارس پہنچے تو وہاں دشمن کے انبوہ کثیر سے مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کے سامنے ایک
ہم معاملہ پیش ہو گیا۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک صحرا
ں ہوں اور اسی جگہ ایک پہاڑ ہے اور دشمن کثیر تعداد میں جمع ہیں۔ پھر مسلمان اچھی طرح
قابلہ کر کے ان کو شکست دے سکتے ہیں۔

حضرت کے قلب میں اس خواب کے بعد زبردست بے چینی تھی۔ دوسرے ہی دن
گوں کو جمع ہونے کے اعلان فرمایا ور خطبہ دیا۔ تو اس میں وہاں کی کیفیت جو خواب میں دیکھی
ی بیان فرمانی شروع کی۔ اور اسی خطبہ کے دوران بلند آواز سے **یاساریۃ الجبل!**
ساریۃ الجبل! تین مرتبہ فرمایا۔ لوگ یہ نئی بات سن کر حیرت میں ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اللہ کی طرف سے
سکتا ہے کہ ہماری یہ آواز پہنچائی جائے۔

چنانچہ یہی ہوا کہ اسی وقت یہ آواز حضرت ساریہ کے کانوں میں پہنچی۔ بعض روایتوں
ں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہوئے یہ آواز لگائی۔

خدا تعالیٰ کے حکم سے یہ آواز ہزاروں میل کے فاصلے پر ٹھیک اسی وقت پہنچی۔ حالانکہ
جودہ سائنسی دور کے لئے سوائے وائرلیس کے دوسرا ذریعہ سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ اس طرح
ن کی آن میں بغیر کسی ظاہری آلہ کے آواز اتنی دور اسی وقت پہنچ سکے۔

ساریہ نے اس آواز کی راہنمائی میں اپنی فوج کو پہاڑ پر پہنچا دیا۔ اس پہاڑ کا جائے وقوع
ا تھا کہ اس پر صرف ایک راستہ سے دشمن جا سکتا تھا مگر مسلمان وہاں پہلے سے موجود تھے۔
۔ پہاڑ پر نہ چڑھتے تو دشمن اپنی کثیر التعداد فوج کی مدد سے مسلمانوں کو ہر چہار جانب سے گھیر
تے۔ تب مقابلہ مشکل ہوتا۔ مگر اس صورت میں مسلمانوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا۔ دشمن پسپا
ئے۔ مسلمان مظفر و منصور ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت حاصل ہوا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ میں یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ مسلمان حیرت

سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ یہ کیا قصہ ہے۔ مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ دریافت کرتا۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ بعد نماز لوگوں نے
دریافت کیا۔ ماذا لک الکلام۔

واللّٰہ ماالعتت لہ الاشئی العنی علیٰ لسانی. (ابن کثیر)

اصابہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

وقع فی خلالی من المشرکین ھزموا اخواننا وانھم لمرون بجبل فان عدلوا الیہ قاتلوامن وجھب واحدوان جاوزو ھلکوا فخرج منی ما تزعمون انکم سمعتموہ.

یہ قلبی واردات یا کشفی صورت تھی کہ عین وقت پر وہاں کا منظر حضرت کے سامنے کر دیا گیا اور ساتھ ہی تدبیر بھی بتادی گئی۔ الحمد اللہ کہ اس آواز نے یہی کیا جس کی امید تھی۔
ایک ماہ کے بعد قاصد نے فتح کی خوشخبری سنائی اور یہ بھی بتایا کہ جمعہ کے دن ایک غیبی آواز نے فتح کی صورت پیدا کردی۔ ورنہ ہم لوگ نشیب میں تھے۔ اور اچھی طرح دشمن کی زد میں آ گئے تھے مگر پہاڑ پر پہنچ کر سب مامون و محفوظ ہو گئے اور پھر مقابلہ میں دشمن کو شکست فاش ہوئی۔
(اصابہ ج ۳ ص ۵۴۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۷ ص ۱۳۹)

وہ جن کے حکم پر دریا چل پڑا

۲۰ھ میں حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصر پر فوج کشی کی درخواست کی۔ حضرت نے بادل نخواستہ منظور فرمالیا۔ ورنہ بعض وجوہ کی بنا پر آپ اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔
بہر حال حضرت عمرو ابن العاص کی تقدیر میں فاتح مصر ہونا تھا۔ مصر اور اسکندریہ دونوں ہی فتح ہو گئے۔ مگر فاتح مصر کے سامنے ایک عجیب و غریب قصہ پیش ہوا۔
قصہ یہ تھا کہ اہل مصر کی زراعت و خوراک کا انحصار نیل کی طغیانی پر تھا۔ جب نیل میں طغیانی آتی اور اس کا پانی بلند ہو کر ان کے کھیتوں میں پہنچ جاتا تو کاشت کی سہولتیں میسر آتیں۔ ورنہ قحط کا سایہ پڑ جاتا تھا۔ اس کے لیے ایک شیطانی حرکت اہل مصر کرتے تھے۔ بغیر

کے نیل میں جوش نہ آتا تھا۔ وہ یہ کہ ایک دوشیزہ اس کے ماں باپ کو راضی کر کے لاتے
رہ عمدہ کپڑے اور بیش قیمت زیور سے آراستہ کر کے مہینہ کی کسی تاریخ کو دریائے نیل میں
یتے اور نیل بدستور جوش میں آجاتا۔

مصر میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو اہل مصر حضرت عمرو ابن العاص کے پاس آئے
قعہ بیان کیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟

بھلا حضرت عمرو ابن العاص اس شیطانی حرکت کی اجازت کب دے سکتے تھے۔ صاف
فرمایا کہ اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔

کچھ روز تک انہوں نے نیل کی سیلابی کا انتظار کیا۔ مگر نیل نے مکمل خاموشی اختیار کر رکھی
۔ نہ کم نہ زیادہ بالکل اپنی جگہ پر رہا۔ یہاں تک کہ وہاں کے باشندوں نے جلاوطن ہونے
انی۔

فاتح مصر نے دربار خلافت میں صورت واقعہ تحریر فرمایا کہ اس بارے میں ہدایت طلب

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا۔ یہ قبیح فعل تو بالکل غلط ہے۔ میں ایک رقعہ بھیج رہا
س کو نیل میں ڈال دینا۔ رقعہ کھول کر پڑھا گیا تو اس میں یہ لکھا تھا۔

من عبداللّٰہ عمر امیر المومنین الی نیل اھل مصر۔ اما بعد۔ فان کنت تجری من قبلک و امرک فلا تجر فلا حاجۃ لنا فیک وان کنت تجری بامر اللّٰہ الواحد القھار وھو الذی تجریک۔

بس اس واقعہ میں یہی چند الفاظ لکھے تھے۔ جب یہ رقعہ نیل میں ڈال دیا گیا تو لوگوں
یکھا کہ دوسرے ہی دن نیل ۱۶ ہاتھ اونچا ہوگیا اور اہل مصر کی دلی آرزو برآئی اور ہمیشہ
لئے اس مصیبت سے نجات مل گئی۔

فالحمدللّٰہ علی ذالک (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۰)

بظاہر تو حضرت امیر المومنین کا فرمان چند سادہ الفاظ کا مجموعہ ہے مگر کون سا جادو ان الفاظ
ا ہوا تھا جس نے نیل کو اپنی روش چھوڑنے پر مجبور کیا۔

دیکھئے یہی تو فرمارہے ہیں نیل کو مخاطب کر کے کہ:

''اے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو نہ بہہ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے نہ تجھ سے کچھ کہنا ہے اور اگر تو اللہ واحد قہار کے حکم سے بہتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے کہتا ہوں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔''

حقیقت یہ ہے کہ خدا پرستی و توحید خالص نے شرک کی جڑ کاٹ دی۔

اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹانا

واقعہ کربلا ظہور پذیر ہو چکا۔ شہید کربلا اپنی اپنی حق گوئی اپنی شجاعت اپنی بے خوفی اور سلام کی تجدید کے لئے اپنی قربانی دے چلے۔ اہل بیت اللہ کے نام پر اپنا سب کچھ لٹا کر پا باز نجیر ہو گئیں۔ ایک قیامت تھی جو رسول خدا کے خاندان پر بیت گئی۔ نومولود بچے سے لے کر حضرت امام حسین تک سبھی راہ حق میں شہید ہو گئے۔

ایک حکم تھا جس کی تعمیل کر دی گئی۔

ایک فرض تھا جو ادا کر دیا گیا۔

ایک قربانی تھی جو اس شان سے دی کہ سابقہ تمام قربانیاں اس کے آگے دب گئیں۔ ایک مخفی راز تھا جو عیاں ہو گیا۔

حق گوئی کا ایک شعلہ رقصاں تھا جو کربلا میں ظاہر ہوا اور قیامت تک حق و صداقت کے راستوں کو منور کرتا رہے گا۔

اس قیامت صغریٰ کے بعد شہید کربلا کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا وہ شقی القلب حضور کے دندان مبارک پر چھڑی مارنے لگ گیا۔ صحابی رسول حضرت زید بن راقم تڑپ اٹھے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگ گئی اور کہنے لگے۔

واللہ میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اکرم ﷺ کو ان ہونٹوں کا بوسہ لیتے دیکھا ہے۔ ہٹا لے اپنی چھڑی۔

ابن زیاد کہنے لگا تم سٹھیا گئے ہو اگر مجھے تمہاری ضعیفی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ حضرت زید نے اس کو بددعائیں دیں اور اس کی مجلس سے اٹھ گئے۔

حضرت بی بی زینب نے ابن زیاد کو مخاطب کر کے کہا، تو نے میرے سردار کو قتل کر دیا۔ میرا ندان مٹا ڈالا میری شاخیں کاٹ دیں۔ میری جڑ اکھیڑ دی۔ اس سے تیرا کلیجہ ٹھنڈا ہو سکتا ہے ہو جائے۔ یزید کے دربار پہنچ کر فرمانے لگیں:

"اے یزید دختران رسول کو تو قید کرتا ہے حالانکہ اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی۔ تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ بادشاہی پر مغرور ہو گیا ہے اور اس زعم میں جو جی چاہتا ہے منہ سے نکال دیتا ہے۔"

انوکھی کہانی، عبدالملک بن مروان کو ہدایت بن گئی

عبدالملک بن مروان کو ایک رات نیند نہیں آتی تھی۔ اس نے اپنے قصہ گو دربار ی کو یا۔ اور کہا کہ کوئی کہانی سناؤ۔ قصہ گو نے عرض کیا۔ آج ایک انوکھی کہانی سناتا ہوں۔ اور پھر ن کرنا شروع کیا۔ کہ ایک تھا بصرہ کا الو اور ایک تھا موصل کا الو۔ ایک دن موصل کے الو نے رے کے الو سے کہا۔ کہ وہ اپنی بیٹی اس کے بیٹے سے بیاہ دے۔

بصرے کے الو نے جواب دیا کہ میں اس شرط پر اپنی بیٹی تمہارے بیٹے کو دیتا ہوں اگر تم یں اجڑے ہوئے سو گاؤں دینا منظور کرو۔

موصل کے الو نے جواب دیا کہ میں اتنی جلدی تو اتنے برباد گاؤں مہیا نہیں کر سکتا۔ ہاں ا کرو۔ خدا ہمارے بادشاہ عبدالملک کو سلامت رکھے یہ اگر ایک سال بھی ہم پر حاکم رہ گیا تو ے سو اجڑے ہوئے گاؤں بڑی آسانی سے دے سکوں گا۔

عبدالملک یہ سن کر چونکا اور سمجھ گیا اور اسی وقت اپنے مظالم سے باز رہنے کا عہد کر لیا۔
(حیوۃ الحیوان ص ۱۳۵ جلد ۱)

مہمان نوازی کی برکت سے جنگ ٹل گئی

کرمان کا ایک بادشاہ نہایت مہمان نواز تھا جو پردیسی آتا، تین روز شاہی مہمان رکھا

تا۔ایک مرتبہ عضد الدولہ نے کرمان پر چڑھائی کردی اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔اس موقع پر بھی دشاہ نے اپنی روایت برقرار رکھی وہ دن کو جنگ کرتا اور رات کو دشمن کے لشکر کے لئے کھانا بھیجتا یہ روش دیکھ کر عضد الدولہ نے اس سے کہلوایا کیا بات ہے تم دن کو میری سپاہیوں کو قتل کراتے ہو اور رات کو انہیں کھانا کھلاتے ہو۔کرمان کے بادشاہ نے جواب بھیجوایا دشمن سے نگ کرنا ضروری ہے اور مسافروں کو کھانا کھلانا فرض۔تمہارے سپاہی بیک وقت دشمن بھی ں اور مسافر بھی۔لہذا جس طرح ان سے جنگ کرنا لازمی ہے اسی طرح ان کی خاطر کرنا ی لازمی ہے۔عضد الدولہ نے ایسے دشمن سے جنگ کرنا فضول سمجھا اور محاصرہ اٹھالیا۔

بے فائدہ کاموں میں وقت ضائع کرنے پر سزا

ہارون رشید کے دربار میں ایک شخص حاضر ہوا وہاں اس نے ایک تماشا دکھانے کی جازت حاصل کی اور صحن کے بیچوں بیچ ایک سوئی گاڑ دی اور پھر کچھ فاصلے پر جاکے اس نے یک سوئی پہلی سوئی کی طرف پھینکی۔یہ سوئی سیدھی گڑی ہوئی سوئی کے ناکے میں چلی گئی لوگ ش عش کر اٹھے۔

ہارون رشید نے حکم دیا کہ اس شخص کو ایک دینار انعام دیا جائے اور دس درے مارے جائیں۔انعام کی وجہ اس کی ذہانت اور مشاقی ہے اور سزا کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنا ذہن اور وقت ایسے فضول کام میں صرف کیا۔

بنو امیہ کے آخری تاجدار کی بیوی

خلیفہ محمد مہدی کے محل میں

ایک مرتبہ خلیفہ مہدی کی بیوی خیزران اور دوسری خواتین شاہی محل میں بیٹھی تھیں کہ خادم نے آکر اطلاع دی کہ ایک شریف مگر بدحال عورت دروازے پر کھڑے ہے،اندر آنے کی جازت چاہتی ہے،لیکن اپنا نام اور کام نہیں بتاتی،خیزران نے خادم سے کہا کہ اس سے کہوا ندر آجائے،عورت اندر آگئی۔وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں تھی،لیکن بشرہ پر شرافت کا جمال

ال تھا، خیزران نے پوچھا بہن تم کون ہو؟

اس نے کہا میں مروان بن محمد (آخری اموی خلیفہ) کی بیوی مزنہ ہوں، زمانہ نے مجھے حالت کو پہنچادیا ہے، میرے جسم پر تم یہ جو پرانے کپڑے دیکھ رہی ہو یہ بھی میرے نہیں ہیں نگے کے ہیں گو زمانہ نے ہم کو اس نوبت کو پہنچادیا ہے لیکن اب بھی ہماری شرافت کا وقار ہم کو لوگوں سے ملنے کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے ہم تمہارے پاس آئے ہیں کہ ہماری جو ت بھی ہو تمہارے پردہ میں ہو۔

مزنہ کی باتیں سن کر خیزران کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، لیکن اس کی مغلانی زینب (جو بڑی چلی تھی) اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی مزنہ تم وہ دن بھول گئیں جب ہم حران میں رے پاس امام ابراہیم کی لاش مانگنے کے لئے آئے تھے تو تم نے ہمیں ڈانٹ کر نکلوادیا تھا کہا تھا کہ مردوں کے معاملات میں عورتوں کو کیا دخل، تم سے اچھا سلوک تو (تمہارے میاں) ان نے کیا تھا کہ جب ہم اس کے پاس گئے تو اس نے قسم کھا کر امام ابراہیم کے قتل سے ر کیا گو کہ وہ اس قسم میں جھوٹا تھا اور اس نے لاش ہمارے حوالے کر کے مالی سلوک بھی کرنا تھا، لیکن ہم نے خود ہی انکار کردیا۔

مزنہ نے کہا خدا کی قسم ہماری یہ حالت اسی کا نتیجہ ہے، معلوم ہوتا ہے تم اس حالت کو بھتی ہو، جبھی خیزران کو ایسے کام پر ابھار رہی ہو جس میں ہم مبتلا ہو کر اس نوبت کو پہنچ گئے ، تمہیں تو چاہئے تھا کہ اسے نیکی اور بھلائی پر آمادہ کرتیں اور برائی کے بدلے میں برائی نے سے روکتیں تاکہ خدا نے جو نعمت تم کو عطا کی ہے وہ باقی اور قائم رہے اور اس کے ذریعہ یہ دین کی حفاظت ہو، بہن زینب تم دیکھ رہی ہو کہ خدا نے دوسروں کی حق تلفی اور ان کے ہ بدسلوکی کا ہم سے بدلہ لیا ہے، پھر بھی تم ہماری ہمدردی سے اجتناب برتی ہو۔

یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی (خیزران دل میں بہت متاثر ہوئی) لیکن وہ زینب نالفت کو اچھا نہیں سمجھتی تھی (اس لئے ظاہری اخلاق نہ برت سکی) اور ایک لونڈی کو اشارہ ہ وہ چپکے سے کمرے میں لے جا کر کپڑے وغیرہ بدلوادے۔ خلیفہ مہدی محل میں آیا تو اس ، زینب جا چکی تھی، خلیفہ کی عادت تھی کہ وہ ہر روز شام کو اپنی خاص خواتین کے ساتھ وقت رتا تھا۔ خیزران نے دن میں پیش آنے والا سارا قصہ اس کو سنایا اس نے اسی وقت لونڈی

کو بلا کر پوچھا کہ کمرہ میں جانے کے بعد مزنۃ کیا کہہ رہی تھیں، اس نے کہا امیر المومنین وہ روروکر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ رہی تھیں:

"وضرب اللّٰہ مثلاً قریۃ کانت آمنۃ مطمئنۃ یاتیھارزقھا رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذا قھااللّٰہ لباس الجوع و الخوف بما کانوا یصنعون O (۱۶۔۱۱۲)

"اور اللہ تعالیٰ نے ایسی بستی کی مثال بیان کی جو امن وچین سے تھی، اس کے پاس ہر جگہ سے فراغت سے رزق آتا تھا۔ پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا۔"

یہ سن کر وہ زار وقطار رونے لگا اور خدا کے حضور میں دعا کی:

"اللھم انی اعوذبک من زوال النعمۃ"

"الٰہی میں زوال نعمت سے پناہ مانگتا ہوں۔"

اور خیزاران سے کہا کہ اگر تم مزنۃ کی ساتھ اچھی طرح سے پیش نہ آئیں ہوتیں تو میں تم سے کبھی نہ بولتا اور زینب کے فعل کو بہت برا جانا اور کہا کہ زینب اگر ہماری بڑی بوڑھیوں میں سے نہ ہوتی تو میں اس سے کبھی بھی کلام نہ کرنے کی قسم اٹھالیتا، پھر ایک لونڈی کے ذریعہ مزنۃ کے پاس سلام کے بعد یہ پیام کہلا بھیجا کہ بنت عم اس وقت تمہاری سب (دینی) بہنیں میرے پاس جمع ہیں ایسی حالت میں اگر میرا آنا تمہارے پاس تم کو غمزدہ نہ کردیتا تو میں خود آتا۔

مزنۃ اس پیام کا مطلب سمجھ گئیں اور دامن سمیٹتی ہوئی خود چلی آئیں مہدی نے انہیں مرحبا کہا اور اپنے پاس بٹھایا اور دیر تک ان کے خاندان کی تباہی پر ہمدردانہ گفتگو کرتا رہا اور کہا اگر میں تمہارے خاندان میں شادی کرنا پسند کرتا تو ضرور تمہارے ساتھ شادی کر لیتا، لیکن ایسا نہیں کرسکتا اس لئے بہتر ہے کہ تم مجھ سے پردہ کرو اور اپنی بہنوں (عباسی خواتین) کے ساتھ محل میں رہو، جو سلوک ان کے ساتھ کیا جارہا ہے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔

چنانچہ مزنۃ کے آرام وراحت کا تمام سامان مہیا کردیا، اس میں اور خاندان شاہی کی خواتین میں کوئی فرق نہ کیا حتیٰ کہ ان کے برابر جاگیر بھی ان کو دے دی، مزنۃ نے آرام

ت، عزت و آبرو کے ساتھ اس محل میں پوری عمر گزاری اور ہارون الرشید کے زمانہ میں
ل کیا۔

حسن بصری کا کلمہ حق

عمر بن ہبیرہ جب یزید بن عبدالملک بادشاہ دمشق کی طرف سے عراق وخراسان کا گورنر
ر آیا تو اس نے خواجہ حسن بصری، وامام محمد بن سیرین، امام شعبی کو اپنے دربار میں طلب کیا
ن علمائے حق کے سامنے یہ تقریر کی یزید بن عبدالملک کو خداوند عالم نے اپنے بندوں پر
مقرر فرمایا ہے اور مجھ کو خلیفہ کی طرف سے گورنری کا عہدہ ملا ہے۔ لہذا مجھے خلیفہ کی طرف
جو حکم ملتا ہے۔ میں بلا چون و چرا اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ اس بارے میں آپ حضرات کی
رائے ہے؟

گورنر کی اس پولیٹیکل گفتگو کا حسن بصری نے جو صاف اور سچا جواب دیا ہے وہ انتہائی
ت انگیز ہے:

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن ہبیرہ تو یزید بن عبدالملک کے بارے میں خدا سے ڈر
دا کے بارے میں ہرگز ہرگز یزید بن عبدالملک کا خوف مت کر۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ تجھ کو
ں جہانوں میں یزید بن عبدالملک کے شر سے بچا سکتا ہے۔ مگر یزید بن عبدالملک خدا کے
ذاب سے تجھ کو ہرگز ہرگز نہیں بچا سکتا ہے۔ یاد رکھ وہ قہار و جبار عنقریب تیرے پاس ملک
ت کو بھیجے گا جو تجھ کو تیرے وسیع گورنمنٹ ہاؤس اور شاندار تخت سے یک لخت اندھیری اور
قبر میں پہنچا دے گا۔ وہاں تجھ کو بجز تیرے اعمال کے کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ لہذا تو
کے فرمان کے خلاف کسی بادشاہ کے حکم سے جسارت مت کر کیوں کہ خالق کی معصیت میں
مخلوق کی فرمانبرداری ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

حسن بصری کی اس ولولہ انگیز اور ہدایت افروز تقریر کو سن کر گورنر ایک عالم ربانی کی
انہ جرات پر محو حیرت ہو کر خاموش ہو گیا اور تینوں علمائے حق دربار سے اٹھ کر اپنے اپنے
چلے گئے۔ (ابن خلکان ج۱ ص۱۲۸)

فرمان شاہی بکری کے منہ میں

بنوامیہ کے بادشاہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے ایک معتمد خاص کے ساتھ ایک شاہی فرمان امام الحدیث حضرت ''اعمش'' کے پاس اس مضمون کا بھیجا کہ ''آپ حضرت امیر المومنین جناب عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوبیاں اور حضرت امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کی برائیاں لکھ کر میرے پاس روانہ کیجئے۔''

امام اعمش نے سلطان کا خط پڑھ کر ایک بکری کے منہ میں دے دیا۔ جب بکری اس کو چبا چکی تو آپ نے شاہی قاصد سے فرمایا کہ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ یہی اس کے فرمان شاہی کا جواب ہے۔ سلطانی قاصد گڑگڑا کر کہنے لگا کہ حضرت! ہمیں تو آپ سے تحریری جواب لانے کا حکم ہے۔ اگر ہم خالی ہاتھ لوٹے تو ہماری جان کی خیر نہیں قاصد کی گریہ وزاری اور بے قراری دیکھ کر آپ کو رحم آ گیا تو آپ نے یہ خط تحریر فرما کر قاصد کے حوالے کر دیا۔

اے امیر المومنین! اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تمام دنیا بھر کی خوبیاں تھیں تو تجھ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ثانی بھر کی خوبیاں تھیں تو اس سے تجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا تو خاص اپنے نفس کی خبر لے اور اپنے اچھے برے عمل کی فکر کر۔ والسلام۔ (ابن خلکان ج ا ص ۲۱۴)

ابن طاؤس کی مجاہدانہ جرأت

خلیفہ بغداد ابوجعفر منصور نے مشہور امام الحدیث عبداللہ بن طاؤس کو دربار شاہی میں بلایا اس وقت دربار میں چند جلاد ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے جو بادشاہ کے حکم سے لوگوں کا سر اڑا دیتے تھے۔ خلیفہ نے عبداللہ بن طاؤس سے فرمائش کی کہ آپ اپنے والد کی سند سے کوئی حدیث سنائیے؟

اس فرمائش سے عبداللہ بن طاؤس کو گویا ایک بہترین موقع ہاتھ لگا کہ خلیفہ کو اس کی بے عتدالیوں پر کچھ تنبیہ فرمائیں چنانچہ انہوں نے اس وقت منتخب کر کے یہ حدیث سنائی:

ان اشدالناس عذاب یوم القیمه رجل اشرکه الله تعالیٰ

فی سلطانه فادخل علیه الجور
یعنی ''قیامت کے دن سب سے بڑھ کر اس شخص کو عذاب ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت میں سے ایک حصہ عطا فرمائے پھر وہ ظلم کرے۔''

خلیفہ منصور جیسے ظالم وسفاک بادشاہ کے سامنے جلادوں کی موجودگی میں عبداللہ بن ں کی یہ مجاہدانہ جرأت ایمانی دیکھ کر پورا دربار دہل گیا۔ اس وقت حضرت امام مالک بھی میں موجود تھے ان کا بیان ہے کہ مجھے عبداللہ بن طاؤس کے قتل کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ ہ میں نے اپنے دامن کو سمیٹ لیا کہ کہیں ان پر خون کے قطرات نہ پڑ جائیں۔

منصور تھوڑی دیر خاموش رہا اور دربار میں سناٹا چھا گیا۔ مگر اس خوفناک وقت میں بھی للہ بن طاؤس کی پیشانی پر کوئی بل نہیں آیا اور وہ سکون واطمینان کا پہاڑ بنے بیٹھے رہے پھر ر نے عبداللہ بن طاؤس کو حکم دیا کہ آپ ذرا دوات اٹھا کر مجھے دیجئے تو آپ نے نہایت ئی کے ساتھ انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم اس دوات سے کوئی گناہ کی تحریر گے تو میں بھی تمہارے اس گناہ میں شامل ہو جاؤں گا۔

یہ سن کر منصور مارے غصے کے سرخ ہو گیا پھر قہر آلود نگاہوں سے عبداللہ بن طاؤس اور ت امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف دیکھ کر بولا کہ ''قوما عنی'' تم دونوں میرے پاس ٹھ جاؤ۔

عبداللہ بن طاؤس بادشاہ کے قہر وغضب سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے اور نہایت ن کے ساتھ فرمایا ''ذلک مکنا نبغ'' یہی تو ہماری عین مراد ہے اور اٹھ کر چل دیئے۔
حضرت امام مالک کا قول ہے کہ اس دن سے میں عبداللہ بن طاؤس کے فضل وکمال کو یا۔ (مستطرف ج ا ص ۷۹)

عالمگیر کا بوڑھی فریادی عورت کی مدد کرنا

حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ایک رات آرام فرما تھے۔ کہ کسی فریادی نے شاہی محل میں ئی زنجیر کو ہلایا۔ یہ زنجیر اس مقصد کے لئے لٹکائی گئی تھی تاکہ جو فریادی شہنشاہ کے حضور ریاد خانے آنا چاہے۔ وہ زنجیر ہلا دے تاکہ شہنشاہ کو پتہ چل جائے کہ کوئی فریادی فریاد

ا نے آیا ہے۔
زنجیر ہلی تو حضرت عالمگیری فوراً قلعہ کے دروازہ پر تشریف لے آئے اور حکم دیا کہ
ریادی کو حاضر کیا جائے۔
تھوڑی دیر کے بعد ایک ضعیفہ کو حاضر کیا گیا۔ضعیفہ نے آداب شاہی بجالانے کے بعد
رض کیا۔حضور! میں رام گر (جو آگرہ سے ۱۵ میل پر ہے) سے آرہی ہوں۔میری ایک جوان
ٹی ہے۔جس کی منگنی میری خوشی سے ایک رشتہ دار سے ہوچکی ہے۔گاؤں کے زمیندار کا بیٹا
یری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔میں نے انکار کردیا ہے۔لیکن اب اس نے ارادہ کرلیا ہے
کہ وہ زبردستی میری بیٹی کو اپنی ہوس کا شکار کرے۔میں بیوہ ہوں اور غریب۔اور وہ زمیندار
ہے۔میں کس طرح اس کا مقابلہ کرسکتی ہوں؟
حضرت عالمگیر نے فرمایا گھبراؤ نہیں۔اس کا انتظام کردیا جائے گا۔ضعیفہ نے کہا۔مجھے
ج خبر ملی ہے کہ آج رات وہ اپنے دوستوں کی مدد سے زبردستی گھر سے نکال کے لے جائے گا
ور مجھے یقین ہے۔کہ ایسا ہوجائے گا۔میں یہ سنتے ہی ادھر بھاگی ہوں۔اور ضعف و پیری کے
عث بمشکل اس وقت تک پہنچ سکی ہوں۔آپ انتظام فرمائیں گے۔مگر بے سود۔جو کچھ
ونے والا تھا۔ہوچکا ہوگا یا عنقریب ہوجائے گا۔
حضرت عالمگیری نے اسی وقت حکم دیا کہ دو گھوڑے حاضر کئے جائیں اور پھر تھوڑی دیر
ی میں تیاری کر کے ضعیفہ سے کچھ باتیں دریافت فرما کر حکم دیا کہ ضعیفہ کو عزت و آسائش کے
ساتھ محل خاص میں پہنچادیا جائے اور خود مسلح ہوکر اور وزیراعظم کو مسلح کر کے اپنے ساتھ لیا۔اور
گھوڑوں کو سرپٹ دوڑائے ہوئے رام نگر کو روانہ ہوگئے۔تھوڑی دیر کے بعد گاؤں کے قریب
ی پہنچے تھے کہ گنجان درختوں میں سے کچھ آدمیوں کے بولنے کی آواز سنائی دی۔دونوں
گھوڑوں سے اتر پڑے اور اس طرف ہوئے قریب پہنچے۔تو اس قسم کی آوازیں سنائی دیں۔
ایک آواز وہ دیکھو ضدی لڑکی۔کیوں جان گنواتی ہو۔اب بھی سمجھ جاؤ اور میرا کہنا
ان لو۔
دوسری مغموم آواز۔وہ باآبرو کا صدقہ جان ہے۔میرے نزدیک جان کی کوئی
قیمت نہیں۔

پہلی آواز:۔میں جوان ہوں۔زمیندار اور صاحب دولت ہوں۔خوبصورت ہوں۔ پھر
ار کی وجہ۔
دوسری آواز:۔وجہ کچھ بھی نہیں۔میری ماتا نے آپ کا پیغام واپس کر دیا۔ میں ماتا کی
ت ہوں۔
پہلی آواز:۔ہم تجھے جان سے مار ڈالیں گے۔
دوسری آواز:۔جو پریشر کی مرضی۔
پہلی آواز:۔باداسنگھ۔ وموسنگھ وغیرہ پہنچو! اس آواز کے سنتے ہی بہت سے نوجوان
ر اُدھر سے نکل آئے۔اور یہ حکم پا کر کہ اسے مارو۔اس لڑکی پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ اس
ری لڑکی کو ختم کر دیں کہ شہنشاہ عالمگیر اپنی تلوار سونت کر وہاں جا پہنچے اور بادل کی طرح گرج
فرمایا۔خبردار! اور پھر بادشاہ و وزیر دونوں نے ان بدمعاشوں پر حملہ کر دیا۔
زمیندار کے گروہ نے شہنشاہ کو اس لڑکی کا ہونے والا منگیتر سمجھا۔اور دل کھول کر مقابلہ
ا۔گنواروں کی ہڑ بونگ اور لاٹھیوں کی بوچھاڑ نے شہنشاہ اور وزیر کو زخمی کر دیا۔لیکن اقبال
ہی اور اصفہانی تلواروں کی کاٹ نے آخر کئی ایک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔اور کتنوں ہی
، ہاتھ پاؤں کٹ گئے۔باقی ماندہ بھاگ گئے۔
زخموں میں چور شہنشاہ نے اس لڑکی کو جو اس منظر کو دیکھ کر بیہوش ہو چکی تھی۔گھوڑے
ا پیٹھ پر ڈالا اور پیچھے آپ بیٹھ کر واپس روانہ ہوئے وزیر بھی زخموں سے نڈھال ہو چکا
۔بادشاہ اسے بھی سنبھالے ہوئے جا رہے تھے۔گھڑیال نے ابھی دو ہی بجائے تھے کہ
نشاہ آگرہ کے قلعہ میں داخل ہوئے اور لڑکی کو اس کی ماں کے سپرد کیا۔اور اسی وقت
موں اور جراحوں کو طلب فرمایا۔اور انہیں حکم دیا کہ وزیر کی مرہم پٹی کی جائے اور ہمیں
ہم پٹی کی ضرورت نہیں۔زخم آپ ہی اچھے ہو جائیں گے۔مروان کاری ان باتوں کی
اہ نہیں کیا کرتے۔
صبح اٹھ کر شہنشاہ نے کوتوال کو حکم دیا اور دو پہر تک رام نگر کے زخمی اور مفرور تمام آدمی جن
ں وہ زمیندار بھی شامل تھا۔حاضر کر دیئے گئے۔شہنشاہ نے حکم فرمایا۔کہ ہماری اور وزیر کی
ف سے کوئی استغاثہ ان کی ذات پر نہیں۔ہم نے اپنا جرم معاف کر دیا۔ ہاں اس مظلوم

ڑھیا اور اس کی لڑکی پر جو ظلم ہوا ہے اُس کی حسب قانون سزا دی جائے۔ضعیفہ کو پانچ سو
شرفیاں عالمگیر علیہ الرحمۃ نے خزانہ شاہی سے دلوائیں اور جب اس لڑکی کی شادی ہوئی۔تو
نہنشاہ اس شادی میں شریک بھی ہوئے۔ (یاد ماضی ص ۱۱۹)

سبق:۔حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ بڑے ہی خدا ترس، عادل اور غریبوں کی ہمدردی رکھنے
والے شہنشاہ تھے۔اور آپ بلا امتیاز مذہب وملت مظلوموں کی حمایت فرمایا کرتے تھے اور رعایا
کی خبر گیری دراخت کے لئے اپنی نیند تک قربان کر دینے والے تھے۔اور بڑے جوان مرد اور
بہادر تھے۔

سلطان عالمگیری اور ایک بہروپیا

حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کو ایک بہروپئے نے دھوکا دینا چاہا۔بادشاہ نے فرمایا۔اگر دھوکا
دے دیا تو جو مانگے گا وہ پائے گا۔اس نے بہت کوشش کی۔لیکن حضرت عالمگیر نے جب دیکھا
پہچان لیا۔آخر مدت مدید کا بھلاوا دے کر صوفی زاہد عابد بن کر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھا۔
رات دن عبادت ہی میں مشغول رہتا۔پہلے دیہاتیوں کا ہجوم ہوا۔پھر شہریوں کا پھر امراء کا پھر
وزراء سب آتے۔یہ کسی طرف التفات نہ کرتا۔شدہ شدہ بادشاہ تک خبر پہنچی۔
سلطان کو اللہ سے خاص محبت تھی۔خود تشریف لے گئے بہروپئے نے دور سے دیکھا۔
بادشاہ کی سواری آرہی ہے۔گردن جھکالی اور مراقبہ میں مشغول ہوگیا۔سلطان منتظر رہے۔دیر
کے بعد نظر اٹھائی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔سلطان مؤدب بیٹھ گئے۔ان کا مؤدب بیٹھنا تھا کہ
بہروپیا اٹھا اور جھک کر سلام کیا کہ ثانی پناہ! میں فلاں بہروپیا ہوں۔
بادشاہ خجل ہوئے اور فرمایا۔واقعی اس بار میں نہ پہچان سکا۔اب مانگ جو کچھ مانگتا ہے۔
اس نے کہا۔اب میں آپ سے کیا مانگوں۔میں نے اس کا نام جھوٹے طور پر لیا۔اس کا
تو یہ اثر ہوا کہ آپ جیسا جلیل القدر بادشاہ میرے دروازے پر بااب حاضر ہوا۔اب سچے طور
پر اس کا نام لے دیکھوں۔یہ کہا اور کپڑے پھاڑے اور جنگل کو چلا گیا۔

سبق:۔اللہ کا نام لینا بڑا باعث برکت ہے۔اور اس کی یاد کی برکت سے دنیا کے
بڑے بڑے لوگ بھی خدا کے در پر حاضری دینے لگتے ہیں۔

دوستی پر مال قربان کر کے فاقہ برداشت کرنے والے

تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم واقدی لکھتے ہیں ''میرے دو دوست تھے۔ جن میں
ب ہاشمی تھا۔ ہم میں اس قدر اتحاد تھا کہ یک جان سہ قالب ہو گئے تھے۔ ایک بار میں سخت
ندستی میں مبتلا تھا۔ اس حالت میں عید کا زمانہ آ گیا۔''
بیوی نے کہا۔
''ہم لوگ تو صبر کر سکتے ہیں لیکن بچوں کی حالت دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے کیونکہ وہ
ے حال میں ہیں ہمسایوں کے بچوں کو عمدہ کپڑے پہنے ہوئے دیکھیں گے تو ان کا کیا حال
ا؟ اگر کسی حیلہ سے کچھ روپیہ پیدا کرتے تو میں ان کو کپڑے بنوا دیتی۔''
میں نے اپنے ہاشمی دوست سے اعانت کی درخوات کی۔ اس نے ایک ہزار درہم کی سر
ر تھیلی بھیج دی۔ عین اسی حالت میں میرے دوسرے دوست نے مجھ کو خط لکھا۔ اور وہی
یاج ظاہر کی جس کا اظہار میں اپنے ہاشمی دوست سے کر چکا تھا۔
میں نے وہ مہر بند تھیلی اس کے پاس بھیج دی۔ اور خود مسجد میں رات بسر کرنے چلا گیا۔
نکہ مجھے بیوی کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی تھی۔ جب دوسرے روز گھر گیا۔ اور بیوی
حال سنا۔ تو اس نے مجھے سرزنش کرنے کی بجائے میرے اس فعل کو پسند کیا۔
اسی حالت میں میرا ہاشمی دوست تھیلی کو اسی مہر بند حالت میں لے کر آیا۔ اور کہا کہ:
''سچ سچ بتاؤ۔ تم نے میری بھیجی ہوئی تھیلی کیا کی؟''
میں نے اصلی واقعہ بیان کر دیا۔ اس نے کہا۔ ''جب تم نے مجھ سے اعانت کی درخواست
میرے پاس اس تھیلی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس لئے میں نے اپنے دوسرے دوست سے
ت کی درخواست کی۔ تو اس نے میرے پاس خود میری ہی مہر بند تھیلی بھیج دی۔''
غرض یہ کہ ہم نے پہلے اپنی بیوی کے لئے سو درہم نکالے اور پھر باقی رقم کو باہم
م کر لیا۔
اس دوستی و قربانی کے نثار جایئے کہ جب امتحان و آزمائش کا وقت آیا تو ایثار و قربانی میں
بھی ایک دوسرے سے کم نہ نکلا۔

آج کل کی دوستی بالعموم خودغرضی و مطلب براری کے لئے ہوتی ہے۔

سلطنت کی قیمت! ایک گھونٹ پانی

ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید کو دیکھا کہ وہ پینے کے لئے پانی ہاتھ میں اٹھائے ہوئے ہے اور پانی کا گلاس منہ سے لگانے ہی والا ہے۔ ابن سماک نے آواز دی: اے امیر المومنین! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تھوڑی دیر پانی پینے سے رک جائیں؟

جب ہارون رشید نے پانی کا پیالہ زمین پر رکھ دیا تو ابن سماک نے عرض کیا:

"أستحلفک باللّٰہ تعالیٰ، لو أنک منعت ھذہ الشربة من الماء فبکم کنت تشتریھا؟"

"میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کو پانی کے اس گھونٹ سے روک دیا جائے تو آپ کتنی قیمت دے کر اسے خرید لیں گے؟"

ہارون رشید نے جواب دیا: اپنی سلطنت کی آدھی دولت سے خرید لوں گا۔

ابن سماک نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو خیر مسرت کے ساتھ رکھے! پانی پی لیجئے۔

جب ہارون رشید نے پانی نوش کر لیا تو ابن سماک نے عرض کیا:

"أستحلفک باللّٰہ تعالیٰ لو أنک منعت خروجھا من جوفک بعد ھذا. فبکم کنت تشتریھا؟"

"میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کے پیٹ سے یہ پانی نہ نکلے (پیشاب نہ ہو) تو کتنی قیمت کے عوض اس کو نکالنے کا علاج کرائیں گے؟"

ہارون رشید نے کہا: اپنی پوری سلطنت کی دولت اس کے علاج میں لگا دوں گا۔ ابن سماک نے فرمایا:

"یا أمیر المؤمنین، ان ملکاً تربو علیه شربة ماء لخلیق أن

لا ينافس فيه.“

”اے امیر المومنین! بے شک آپ کے ملک پر صرف ایک گھونٹ پانی ہی فوقیت لے جاسکتا ہے تو پھر زیادہ مناسب یہی ہے کہ ایسے ملک کے حصول سے باز رہا جائے۔“

یعنی جس ملک کی حیثیت اتنی بھی نہیں کہ ایک گھونٹ پانی کا مقابلہ کر سکے، تو پھر ایسی ...نت کی طلب میں جان توڑ کوشش کرنا فضول ہے۔

تاریخ دمشق (17,16/67) میں ابن عساکر نے ابن سماک کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

”یاأمیر المؤمنین، فما تصنع بشی؟ شربة ماء خیر منه“

”اے امیر المومنین! پھر اس سلطنت کو آپ کیا کریں گے جس سے زیادہ قیمتی ایک گھونٹ پانی ہے۔“

خلیفہ ہارون رشید ابن سماک کی بات سننے کے بعد اس قدر زار و قطار رونے لگا کہ اس کی ...ی کے بال آنسوؤں سے تر ہو گئے۔

ابن سماک ہی کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ہارون رشید سے کہا:

”یا أمیر المؤمنین، ان للّٰہ لم یجعل أحدا فوقک فلاینبغی أن یکون أحد أطوع للّٰہ عزوجل منک“

”اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ سے زیادہ مرتبہ کسی اور کو عطا نہیں کیا ہے، اس لئے کوئی بھی شخص آپ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار نہیں ہونا چاہیئے۔“

مطلب یہ ہے کہ جس بندے پر جس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا نزول ہو، اسی قدر اسے اللہ ...کا شکر گزار اور اس کا مطیع وفرماں بردار ہونا چاہیئے، اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ...انوں کا خلیفہ بنایا ہے اور پوری سلطنت کے آپ اکیلے مالک ہیں، آپ سے بڑا کوئی ...، کوئی آپ پر حکمراں نہیں اور آپ سب پر حکمران ہیں، اس لئے اے امیر المؤمنین! آپ ...ب ہے کہ سارے لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار اس کے آگے جھکیں، ...ہ زیادہ پھلدار درخت زیادہ جھکا ہوتا ہے۔

مسلمان ظالم سے کافر عادل افضل ہے

۶۵۶ھ میں ہلاکو خان نے بغداد فتح کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مسلمان اپنی
بدکرداریوں کی وجہ سے انتہائی ذلت وپستی کی حالت کو پہنچ چکے تھے اور خدا کی زمین پر بار
ہو رہے تھے۔ ہلاکو خان نے فتح حاصل کرنے کے بعد حکم دیا کہ علماء سے اس امر کی نسبت فتویٰ
لیا جائے کہ:

کافر عادل بادشاہ افضل ہے یا مومن مگر ظالم؟

اس استفتار نے علماء کو ایک عجیب مشکل میں ڈال دیا۔ کیونکہ وہ بھی اسی زمانہ وحالت
سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کو قدرت کی طرف سے بدلنے کا سامان کیا گیا تھا۔

اسی فتویٰ کا جواب دینے کے لئے تمام علماء مدرسہ مستنصریہ میں جمع ہوئے۔ کافی
غور وخوض ہوا۔ مگر جواب لکھنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔

حسن اتفاق سے اس مجلس میں رضی الدین علی بن طاؤس بھی موجود تھے۔ جو اس وقت
کے طبقہ علماء میں بہت ہی معزز ومحترم تھے انہوں نے جب علماء کی یہ جھجک دیکھی۔ تو فتویٰ اپنے
ہاتھ میں لے لیا۔ اور اس پر یہ لکھ کر رکھ دیا کہ:

''مسلمان ظالم سے کافر عادل بادشاہ افضل ہے۔''

گو بظاہر یہ فتویٰ اپنے خلاف دیا گیا۔ مگر یہ منشاء قرآن کے عین مطابق تھا۔ جو دنیا سے
ظلم وفساد کو مٹاتے اور امن وانصاف قائم کرنے کی تعلیم دینے کے لئے نازل ہوا۔ اس غرض
کے لئے شرط ''مسلمان'' کی نہیں بلکہ یہی کام بارہا قدرت نے غیر مسلموں سے بھی لیا۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب الحسبۃ فی الاسلام میں لکھتے ہیں:

''روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل سلطان کی مدد فرماتا ہے۔ اگرچہ
وہ کافر ہو۔ ظالم مسلمان کی مدد نہیں فرماتا اگرچہ وہ مومن ہو۔''

بادشاہ کے کرتے میں پیوند

ایک اور تاریخی واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ۱۶ھ میں مسلمان فوجیں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ

ںالیٰ عنہ کی قیادت میں شام کو فتح کرتے ہوئے فلسطین تک پہنچ گئیں، عیسائی بیت المقدس
ں قلعہ بند ہو گئے، اور مسلم فوجوں نے اس کو اپنے محاصرہ میں لے لیا، اس وقت عیسائیوں کی
رف سے صلح کی پیش کش ہوئی، جس میں ایک خاص شرط یہ تھی کہ خلیفہ وقت حضرت عمر رضی
للہ تعالیٰ عنہ خود آ کر عہد نامہ کی تکمیل کریں۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیسائیوں کی اس پیش کش سے امیر المومنین رضی
للہ تعالیٰ عنہ کو مطلع کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے
سطین کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک اونٹ تھا اور ایک خادم، جب آپ
ینہ کے باہر پہنچے تو آپ نے خادم سے کہا ہم دو ہیں اور سواری ایک ہے، اگر میں سواری پر
ٹھوں اور تم پیدل چلو تو میں تمہارے اوپر ظلم کروں گا، اور اگر تم سواری پر بیٹھو اور میں پیدل
وں تو تم میرے اوپر ظلم کرو گے اگر ہم دونوں اکٹھے سوار ہو جائیں تو ہم جانور کی پیٹھ توڑ
لیں گے اس لئے ہم کو چاہئے کہ ہم راستہ کی تین باریاں مقرر کرلیں۔

چنانچہ سفر اس طرح طے ہوا کہ ایک بار عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھتے اور خادم اونٹ کی
یل پکڑ کر چلتا پھر خادم بیٹھتا اور آپ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلتے، اس کے بعد کچھ دور تک اونٹ
لی چلتا اور دونوں اس کے ساتھ پیدل چل رہے ہوتے اس طرح سارا سفر طے ہوتا رہا۔

اس سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ جب اسلامی لشکر سے ملے تو ان لوگوں نے دیکھا کہ
پ ایک تہ بند باندھے ہوئے ہیں اور آپ کے کرتے پر پیوند لگے ہوئے ہیں حضرت
عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے امیر المومنین آپ کو عیسائیوں کے فوجی افسروں اور
ے بڑے مذہبی عہدیداروں سے ملاقات کرنی ہے، یہاں بڑے متمدن لوگ رہتے ہیں،
پ اس لباس میں ان کے سامنے جائیں گے تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی حضرت عمر
وق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے ابو عبیدہ کاش یہ بات تمہارے سوا کوئی اور کہتا۔ تمہیں
لوم نہیں:

انا کنا اذل قومه فاعزنا الله بالاسلام فمهما نطلب العز بغير ما اعرفا الله به أذلنا الله.

ہم دنیا میں سب سے پست قوم تھے۔ پھر اللہ نے اسلام کے ذریعہ ہم کو
عزت دی جب بھی ہم اس کے سوا کسی اور چیز کے ذریعہ عزت
چاہیں گے تو اللہ ہم کو ذلیل کر دے گا۔

غور فرمائیں! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدل تھے، غلام سوار تھا، جسم پر چیتھڑوں والا
باس تھا لیکن ہر جگہ دبدبہ تھا کہ عمر آرہا ہے، کافر تھرا رہے تھے، حکومتیں لرز رہی تھیں۔

کبھی آپ نے سوچا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ان کا پھٹے پرانے لباس میں بھی رعب تھا جارا
شاندار ملبوسات میں بھی نہیں۔

وہ کھجور کی چپلیں پہنتے تھے مگر ان کا دبدبہ تھا، سارا قیمتی جوتوں میں بھی دبدبہ نہیں وہ
خچروں اور گدھوں پر سوار ہوتے تھے اور زمانہ ان سے کانپتا تھا، ہم لمبی لمبی گاڑیوں اور ہوائی
جہازوں میں سفر کرتے ہیں مگر ہم سے کوئی نہیں ڈرتا۔

فرق یہ ہے کہ وہ باطن پر زور دیتے تھے ہم ظاہر پر زور دیتے ہیں، وہ ایمان کے متلاشی
تھے ہم درہم و دینار کی جستجو میں ہیں،

ان کے پاس یقین کی دولت تھی ہمارے پاس پیٹرول اور سونے چاندی کی دولت ہے۔

روتے روتے مر گئے

علامہ دمیری اپنی کتاب ''حیات الحیوان'' میں لکھتے ہیں کہ:

جب ہارون الرشید خلیفۃ المسلمین بنے تو تمام علماء کرام ان کو مبارکباد دینے کے لئے
ان کے پاس گئے۔ لیکن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہیں گئے حالانکہ ہارون الرشید
اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دوسرے کے ساتھی اور دوست تھے۔ چنانچہ حضرت
سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نہ آنے سے ہارون الرشید کو بڑی تکلیف ہوئی اور اس نے
حضرت سفیان کے نام ایک خط لکھا جس کا متن یہ ہے:

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔''

عبداللہ ہارون امیر المومنین کی طرف سے اپنے بھائی سفیان ثوری کے طرف۔

''بعد سلام و مسنون آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے درمیان ایسی بھائی

رگی اور محبت ودیعت کی ہے کہ جس میں کوئی غرض نہیں۔ چنانچہ میں بھی آپ سے ایسی ہی
بت اور بھائی چارگی کی ہے کہ اب نہ میں اس کو توڑ سکتا ہوں اور نہ اس سے جدا ہو سکتا ہوں۔
خلافت کا جو طوق اللہ تعالیٰ نے مجھے ڈال دیا ہے اگر یہ میرے گلے میں نہ ہوتا تو میں ضرور
پ کی محبت کی بنا پر آپ کے پاس خود آتا یہاں تک کہ اگر چلنے میں معذور ہوتا گھسیٹ کر
تا۔ چنانچہ اب جب کہ میں خلیفہ ہوا تو میرے تمام دوست احباب مجھے مبارک باد دینے
ے لئے آئے میں نے ان کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں اور قیمتی سے قیمتی
روں کا عطیہ دے کر اپنے دل اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ لیکن آپ تشریف نہیں لائے
لانکہ مجھے آپ کا بہت انتظار تھا۔ یہ خط آپ کو بڑے ذوق وشوق اور محبت کی بناء پر لکھ رہا
ں۔ اے ابوعبداللہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مؤمن کی زیارت اور ملاقات کی کیا
یلت ہے؟ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ جیسے ہی میرا یہ خط آپ کو ملے جتنی بھی
دی ممکن ہو تشریف لایئے۔''

ہارون الرشید نے یہ خط عباد طالقانی نامی ایک شخص کو دیا اور کہا کہ یہ خط سفیان ثوری کو
چاؤ اور خاص طور سے یہ ہدایت کی کہ خط سفیان کے ہاتھ میں ہی دینا اور جو جواب دیں اس کو
ر سے سننا اور ان کے تمام احوال اچھی طرح معلوم کرنا۔ عباد کہتے ہیں کہ میں اس خط کو لے کر
فہ کے لئے روانہ ہوا اور وہاں جا کر حضرت سفیان کو ان کی مسجد میں پایا۔ حضرت سفیان نے
کو دور ہی سے دیکھا تو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

"اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم
واعوذ بک اللھم من طارق بطرق الا بخیر"

''میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس شخص سے جو رات میں
آتا ہے (الا یہ) کہ وہ کوئی خیر میرے پاس لے کر آئے۔''

عباد فرماتے ہیں کہ جب میں مسجد کے دروازے پر اپنے گھوڑے سے اترا تو سفیان نماز
ے لئے کھڑے ہو گئے۔ حالانکہ یہ کسی نماز کا وقت نہیں تھا۔ چنانچہ میں پھر ان کی مجلس میں
ضر ہوا اور وہاں پر موجود لوگوں کو سلام کیا۔ مگر کسی نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ
ے بیٹھنے کے لئے کہا حتیٰ کہ کسی نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی۔

اس ماحول میں مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی اور بد حواسی میں میں نے وہ خط حضرت سفیان کی طرف پھینک دیا۔ حضرت سفیان کی نظر جیسے ہی خط پر پڑی تو وہ ڈر گئے اور خط سے دور ہٹ گئے گویا وہ کوئی سانپ ہے۔ پھر کچھ دیر بعد سفیان نے اپنی آستین سے اس خط کو اٹھایا اور اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے ایک شخص کی طرف پھینکا اور کہا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کو پڑھے۔ کیونکہ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کسی ایسی چیز کے چھونے سے جس کو کسی ظالم سے چھوڑ رکھا ہو۔

چنانچہ ان میں ایک شخص نے اس خط کو کھولا اس حال میں کہ اس کے ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔ پھر اس نے اس کو پڑھا۔ خط کا مضمون سن کر سفیان کسی متعجب شخص کی طرح مسکرائے اور کہا کہ اس خط کو پلٹ کر اس کی پشت پر جواب لکھ دو۔ اہل مجلس میں سے کسی نے حضرت سفیان سے عرض کیا کہ حضرت وہ خلیفہ ہیں۔ لہذا اگر کسی کورے صاف کاغذ پر جواب لکھواتے تو اچھا تھا۔

حضرت سفیان نے فرمایا کہ نہیں اسی خط کی پشت پر جواب لکھو۔ اس لئے کہ اگر اس نے یہ کاغذ حلال کمائی کا استعمال کیا ہے تو اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا اور اگر یہ کاغذ حرام کا استعمال کیا ہے تو عنقریب اس کو عذاب دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہ رہنی چاہئے جسے کسی ظالم نے چھوا ہو۔ کیونکہ یہ چیز دین میں خراف کا باعث ہوگی۔

پھر اس کے بعد سفیان ثوری نے کہا کہ لکھو:

کوفہ کے بازار میں آیا اور آواز لگائی کہ ہے کوئی خریدار جو اس شخص کو خرید سکے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف جارہا ہے۔ چنانچہ لوگ میرے پاس درہم اور دینار لے کر آئے۔ کوفہ کے بازار میں آیا اور آواز لگائی کہ ہے کوئی خریدار جو اس شخص کو خرید سکے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف جارہا ہے۔ چنانچہ لوگ میرے پاس درہم اور دینار لے کر آئے۔

میں نے ان سے کہا مجھے مال کی ضرورت نہیں مجھے تو صرف ایک جبہ اور قطوانی عباء چاہئے۔ چنانچہ لوگوں نے یہ چیزیں مجھے مہیا کردیں۔

چنانچہ میں نے اپنا قیمتی لباس اتار دیا جسے میں دربار میں ہارون کے پاس جاتے وقت پہنتا تھا اور پھر گھوڑے کو بھی ہنکا دیا۔ اس کے بعد میں ننگے سر پیدل چلتا ہوا ہارون رشید کے محل کے دروازہ پر پہنچا۔ محل کے دروازہ پر لوگوں نے میری حالت کو دیکھ کر میرا مذاق اڑایا اور

اندر جا کر ہارون سے میری حاضری کی اجازت لی۔

چنانچہ میں اندر گیا۔ ہارون رشید نے جیسے ہی مجھ کو دیکھا کھڑا ہو گیا اور اپنے سر پر ہاتھ
تے ہوئے کہنے لگا۔ وائے بربادی، وائے بربادی، قاصد آباد ہو گیا۔ اور بھیجنے والا محروم رہ
اب اسے دنیا کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہارون نے بڑی تیزی سے مجھ سے
ب طلب کیا۔ چنانچہ جس طرح سفیان ثوری نے۔

میری طرف پھینکوایا تھا۔ اسی طرح میں نے وہ خط ہارون رشید کی طرف اچھال دیا۔
ن رشید نے فوراً جھک کر ادب سے اس خط کو اٹھالیا۔ اور کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے
ھتے ہارون الرشید کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہچکی بندھ گئی۔

ہارون الرشید کی یہ حالت دیکھ کر اہل دربار میں سے کسی نے کہا امیر المومنین سفیان کی یہ
ت کہ وہ آپ کو ایسا لکھیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم ابھی سفیان کو جکڑ کر قید کر لائیں تا کہ اس
یک عبرت انگیز سزا مل سکے۔ ہارون نے جواب دیا کہ اے مغرور! دنیا کے غلام! سفیان کو
مت کہو ان کی حالت پر رہنے دو۔ بخدا دنیا نے ہم کو دھوکہ دیا اور بدبخت بنا دیا۔ تمہارے
میرا یہ مشورہ ہے کہ تم سفیان کی مجلس میں جا کر بیٹھو کیونکہ اس وقت سفیان کی جانب سے
ض کی طرف جس سے ایمان کی مٹھاس اور قرأۃ قران کی دولت کو کھینچ لیا گیا۔

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

بعد سلام مسنون!

یہ خط تم کو اس لئے لکھ رہا ہوں تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ میں نے تم سے اپنا دینی رشتہ
چارگی اور محبت منقطع کر لیا ہے اور یہ بات یاد رکھنا کہ تم نے اپنے خط میں اس بات کا اقرار
ہے کہ تم نے اپنے دوست واحباب کو شاہی خزانہ سے مالا مال کر دیا ہے۔ لہٰذا اب میں اس
کا گواہ ہوں کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کا غلط استعمال کیا ہے۔ اور مسلمانوں کی
جازت کے اپنے نصاب پر خرچ کیا اور اس پر طرہ یہ کہ تم نے مجھ سے بھی اس آرزو کا اظہار
ہے کہ میں تمہارے پاس آؤں لیکن یاد رکھو میں اس کے لئے کبھی راضی نہ ہوں گا۔ میں اور
ے اہل مجلس جس نے بھی تمہارے خط کو سنا وہ سب تمہارے خلاف گواہی دینے کے لئے
اللہ کل قیامت کے دن خداوند قدوس کی عدالت میں حاضر ہوں گے کہ تم نے مسلمانوں

، مال کو غیر مستحق لوگوں پر خرچ کیا۔
اے ہارون! ذرا معلوم کرو کہ تمہارے اس فعل پر اہل علم کی خدمت کرنے والے، م، بیوہ، عورتیں، مجاہدین عابدین سب راضی تھے یا نہیں؟ کیونکہ میرے نزدیک مستحق اور ر مستحق دونوں کی اجازت لینی ضروری تھی۔ اسے لئے اے ہارون! اب تم ان سوالات کے ب دینے کے لئے اپنی کمر مضبوط کرلو۔ کیونکہ عنقریب تم کو اللہ جل شانہ کے سامنے جو عادل حکمت ہے حاضر ہونا ہے۔ لہٰذا اپنے نفس کو اللہ سے ڈراؤ۔ جس نے قرآن کی تلاوت، علم ں مجلسوں کو چھوڑ کر ظالم اور ظالموں کا امام بننا قبول کرلیا۔
اے ہارون! اب تم سر پر بیٹھنے لگے اور حریر تمہارا لباس ہو گیا اور ایسے لوگوں کا لشکر جمع رلیا۔ جو رعایا پر ظلم کرتے ہیں مگر تم انصاف نہیں کرتے۔ تمہارے یہ لوگ شراب پیتے ہیں مگر حد دوسروں پر لگاتے ہو۔ تمہارے یہی لشکر (افسران) چوری کرتے ہیں مگر تم ہاتھ کاٹتے بے قصور لوگوں کے، تمہارے یہ کارندے قتل عام کرتے ہیں مگر تم خاموش تماشائی بنے ہو۔
ے ہارون! کل میدان حشر کیا ہوگا؟ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارنے والا پکارے گا کہ ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو حاضر کرو۔'' تو تم اس وقت آگے بڑھو گے اس حال میں ہ تمہارے دونوں ہاتھ تمہاری گردن سے بندھے ہوں گے اور تمہارے ارد گرد تمہارے ظالم دگار ہوں گے اور انجام کار تم ان ظالموں کے امام بن کر دوزخ کی طرف جاؤ گے۔ اس دن ا اپنی نیکیاں تلاش کرو گے۔ تو وہ دوسرے کی میزان میں ہوں گی اور تمہاری میزان میں ائیاں ہی برائیاں نظر آئیں گی۔ اور پھر تم کو کچھ نظر نہیں آئے گی۔ ہر طرف اندھیرا ہی ر ھیرا ہوگا۔ لہٰذا اب بھی وقت ہے کہ تم اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ دشاہت تمہارے پاس ہمیشہ نہیں رہے گی۔ یہ یقیناً دوسروں کے پاس چلی جائے گی۔ نانچہ یہ امر ایسا ہے کہ بعض اس سے دنیا و آخرت سنوار لیتے ہیں اور بعض دنیا آخرت دونوں باد کر لیتے ہیں۔
اور اب خط کے آخیر میں یہ بات غور سے سنو! کہ کبھی مجھ کو خط مت لکھنا اور اگر تم نے خط لھا بھی تو یاد رکھنا کبھی مجھ سے کسی جواب کی امید مت کرنا۔ والسلام۔
خط مکمل کرا کے حضرت سفیان ثوری نے اس قاصد کی طرف پھینکوا دیا۔ نہ اس پر اپنی مہر

ائی اور نہ اس کو چھوا۔ قاصد (عباد) کہتے ہیں کہ خط کے مضمون کو سن کر میری حالت غیر ہوگئی۔
ر دنیا سے ایک دم التفات جاتا رہا۔ چنانچہ میں نے خط لے لیا

قاصد عباد کہتے ہیں اس کے بعد ہارون الرشید کی یہ حالت تھی کہ سفیان کے اس خط کو
روقت اپنے پاس رکھتے اور ہر نماز کے بعد اس کو پڑھتے اور خوب روتے یہاں تک کہ
رون کا انتقال ہوگیا۔

یہ واقعہ عبرت ہے، ہمارے دور کے حکمرانوں کے لئے کاش کوئی سبق
اصل کرے؟

سلطان اندلس کی ندامت

سلطان اندلس بعدالرحمان الناصر "الزہراء" کی تعمیرات کی نگرانی میں انہاک کے
عث دو تین ہفتے جمعہ کی نماز میں حاضر نہ ہوا۔

اس کے بعد جب وہ نماز جمعہ میں آیا تو حضرت منذر بن سعید البلوطی علیہ الرحمۃ نے اس
ا نام لئے بغیر آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کی روشنی میں سختی سے سلطان کے غلط کاموں کی
رف تنبیہ کی تو اس وعظ کی برکت سے سارے نمازی اور خود الناصر رو پڑا لیکن جب نماز سے
رغ ہو کر لوٹا تو اتنا آزردہ ہوا کہ اس نے قسم کھا کر کہا: "واللہ! میں آئندہ منذر کے پیچھے نماز
ہیں پڑھوں گا۔"

اس کے بیٹے الحکم نے کہا: "اگر ایسا ہے تو آپ منذر کو معزول کیوں نہیں کر دیتے؟"
سلطان نے کہا: "نہیں۔ مجھے تو منذر کے لہجے سے تکلیف ہوئی تھی۔ اب تو میرا دل
اہتا ہے کہ جس طرح بھی ہو میں اپنی قسم کے کفارے کی کوئی راہ نکالوں تاکہ اس کی شفاعت
سے محروم ہو کر مجھے اللہ کے ہاں ندامت نہ ہو۔ اس جیسے صاحب علم و فضل کو اپنے گمراہ و خطاکار
س کے کہنے میں آ کر معزول نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک وہ زندہ ہے اور ہم زندہ ہیں نماز وہی
ھائے گا۔"

یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اس کا بدل تلاش کریں۔

حضرت نظام الدین اولیاء کا بادشاہ کی ملاقات سے انکار

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا لنگر اور دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ کوئی وظیفہ تھا نہ جاگیر، لیکن ہزار ہا آدمی روزانہ کھانا کھاتے تھے آپ سائلوں اور مہمانوں کی بڑی خاطر کرتے تھے باوجود اس قدر فتوحات اور نذر و نیاز کے ایک کوڑی بھی آپ اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔

بعض حاسدوں کو آپ کا عروج دین و نیاز از حد ناگوار تھا سلطان علاؤ الدین خلجی کے خدا جانے کیا کیا کان بھرے اور آپ کے وسیع دستر خوان اور آؤ بھگت اور کثرت سے عوام کی حلقہ بگوشی اور مرجع خلائق ہونے کے کیا کیا اندیشے ظاہر کئے کہ سنتے سنتے آخر بادشاہ کے دل میں بھی خطرہ پیدا ہو گیا کہ اس قدر عروج امور سلطنت میں ضرور رخنہ اندازی پیدا کرے گا۔

اس نے آزمائش کے طور پر اپنے فرزند خضر خان کے ہاتھ جو حضرت کا مرید بھی تھا ایک معروض اس مضمون کا بھیجا کہ آپ مجھ کو سلطنت کے اہم امورات میں اپنے صلاح و مشورہ سے مستفید فرمایا کریں۔ اس سے یہ دیکھنا مقصود تھا کہ ان کا دنیاوی عروج کی طرف خیال ہے یا نہیں۔

آپ نے جواب میں فرمایا۔ فقیروں کو سلطنت کے امورات سے کیا واسطہ۔ میں بیرون شہر ایک کونہ میں پڑا ہوا بادشاہ اور مسلمانوں و جملہ مخلوق کی دعا گوئی میں مشغول ہوں اس پر بھی مجھے ستاتے ہو! اگر بادشاہ کو میرا یہاں رہنا ناگوار ہے تو خدا کی زمین کشادہ ہے ارض اللہ واسعۃ میں کسی اور جگہ چلا جاؤں گا۔

بادشاہ اس جواب سے نادم ہوا اور کلمات معذرت کے ساتھ حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا آنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں غائبانہ دعا گو ہوں اور جو اثر غائب دعا میں ہوتا ہے وہ سامنے کی دعا میں نہیں ہوتا۔ لیکن بادشاہ نے نہ مانا اور مصر رہا۔

آپ نے لکھا فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں بادشاہ ایک دروازے سے آئیں گے فقیر دوسرے سے نکل جائے گا۔ جب کسی طرح حضرت نے اجازت نہ دی تو مجبوراً بادشاہ نے بلا اطلاع جانے کا قصد کیا اور امیر خسرو سے جو حضرت کے مصحف بردار تھے اس ارادہ کا

کرہ کیا۔

امیر خسرو سخت متفکر ہوئے کہ اگر حضرت کو خبر نہ کروں تو وہ ناراض ہوں گے اور اگر خبر
دوں تو بادشاہ خفا ہوگا آپ نے اس خیال سے کہ بادشاہ زبردستی ملاقات کرنا چاہتا ہے اس کی
اضگی تو قبول کر لی مگر حضرت کی خفگی کو پسند نہ کیا اور اپنی جان پر کھیل کر بادشاہ کے ارادے
، حضرت کو مطلع کیا۔

آپ اسی وقت اجودھن (پاک پٹن) چلے آئے۔ بادشاہ نے سنا تو امیر خسرو سے کہا
ارے راز فاش کر دینے سے میں حضرت کی قدم بوسی سے محروم رہا۔ امیر خسرو نے نہایت
ری سے جواب دیا۔ حضور کی ناراضگی سے صرف جان کا خوف تھا مگر اپنے شیخ کی ناراضگی
، ایمان کا اندیشہ تھا۔ میں نے ایمان کو اپنی جان پر ترجیح دی۔ بادشاہ نے برجستہ جواب سن
معاف کر دیا۔ (از تاریخ دھلی جلد دوم ص ۷۶۸)

انصاف پسند بادشاہ

محمد شاہ مکران کا ایک بادشاہ گزرا ہے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ شکار کو نکلا۔
اہ سلامت شکار کھیل رہے تھے۔ سپاہیوں کے ہاتھ ایک بوڑھی عورت کی گائے آ گئی۔
ں نے اسے ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کر کھالیا۔ بڑھیا نے کہا کہ مجھے کچھ پیسے دے
کہ میں کوئی اور گائے خرید لوں۔ انہوں نے پیسے دینے سے انکار کر دیا۔

اب وہ بڑی پریشان ہوئی۔ اس نے کسی عالم کو بتایا کہ میرا تو روزی کا دارومدار اسی گائے
، یہ سپاہی اس کو بھی کھا گئے ہیں اور اب پیسے بھی نہیں دیتے، اب میں کیا کروں انہوں نے
کہ بادشاہ نیک آدمی ہے لہذا تم خود جا کر بادشاہ سے بات کرو۔

اس نے کہا کہ مجھے یہ سپاہی آگے جانے نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا کہ میں تمہیں ایک
بتہ بتا دیتا ہوں کہ بادشاہ نے پرسوں اپنے گھر واپس جانا ہے۔ اس کے گھر کے راستے میں
دریا ہے اور اس کا ایک ہی پل ہے۔ وہ اس پل پر سے لازمی گزرے گا۔ تم اس پل پر پہنچ
ور جب بادشاہ کی سواری وہاں سے گزرنے لگے تو اس کی سواری ٹھہرا کر تم اپنی بات بیان
ینا۔ چنانچہ تیسے دن بڑھیا وہاں پہنچ گئی۔

بادشاہ کی سواری پل پر پہنچی تو بڑھیا تو پہلے ہی انتظار میں تھی۔ اس نے کھڑے ہو کر بادشاہ
اری کو روک لیا۔ بادشاہ نے کہا، اماں! آپ نے میری سواری کو کیوں روکا ہے؟
بڑھیا کہنے لگی، محمد شاہ! میرا اور تیرا ایک معاملہ ہے، اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ تو وہ
،اس پل پر حل کرنا چاہتا ہے یا قیامت کے دن پل صراط پر حل کرنا چاہتا ہے؟
پل صراط کا نام سنتے ہی بادشاہ کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے۔ وہ نیچے اترا اور کہنے
اں میں اپنی پگڑی آپ کے پاؤں پر رکھنے کو تیار ہوں۔ آپ مجھے بتائیں کہ آپ کو کیا
ے پہنچی ہے؟ مجھے معافی دے دو، میں قیامت کے دن پل صراط پر کسی جھگڑے کا سامنا
نے کے قابل نہیں ہوں۔"
چنانچہ اس بڑھیا نے اپنی بات بتادی۔ بادشاہ نے اسے ستر گایوں کے برابر قیمت بھی
دی اور معافی مانگ کر اس بڑھیا کو راضی بھی کیا تاکہ قیامت کے دن پل صراط پر اس کا
نہ پکڑے۔

قدیم مندروں کو جلانا اسلام میں جائز نہیں

کچھ لوگوں نے رضیہ سلطانہ کی خدمت میں درخواست کی جمنا پر ہندوؤں کے مختلف
وں پر اشنان ہوتے ہیں اور جمنا کے کنارے جو مندر ہیں وہ اس موقعہ پر ناقوس اور
بجاتے ہیں جس سے اسلامی عبادات میں خلل واقع ہوتا ہے۔ آپ کے والد نے مہا
کا مندر منہدم کرادیا تھا آپ یہ شوالے ختم کرادیں۔ رضیہ نے انہیں ختم کرانے کا ارادہ
قاضی سعد الدین کردی اس کے پاس گئے اور کہا۔
قدیم الایام سے جو رسوم مختلف قوموں میں رائج ہیں ان کے موقوف کرنے کا کسی کو حق
۔ صحابہ کرام نے ایران فتح کیا آتش کدوں کو نہیں ڈھایا۔ یہی سلوک محمد بن قاسم نے
،اور ملتان کو فتح کرنے کے بعد کیا۔ آپ کے والد نے مہاکال کا مندر اس لئے گرایا کہ
ں زنا کاری کا اڈہ قائم تھا۔ اسلام کسی کو بزور عبادت کرنے سے نہیں روکتا۔ آپ یہ خیال
دیں۔ رضیہ سلطانہ نے قاضی صاحب کے آگے سر تسلیم خم کردیا اور ہندوؤں کی پوجا پاٹ
ار ہی۔

اختلاف کے باوجود محبت

رومیوں نے جب دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جنگ گرم ہے تو انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ ان کو خط لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم حق پر ہو اس کے باوجود حضرت علی تم کو پریشان کر رہا ہے اور تمہارے ساتھ زیادتی کر رہا ہے ہم علی کے مقابلہ میں تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں، تمہارا پیغام ملنے کی دیر ہے، ہم اپنا لشکر تمہاری مدد کے لئے فوراً روانہ کر دیں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ جنگ میں سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے اور دوست دشمن ہر ایک سے مدد حاصل کی جاتی ہے لیکن قربان جایئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اخلاص وللہیت پر کہ وہ انتہائی غیظ وغضب اور جنگ کی حالت میں بھی حدود سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومی بادشاہ کے خط کے جواب میں لکھا: اور رومی کتے! ہمارے اختلافات سے دھوکہ نہ کھاؤ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کا پہلا سپاہی جو تمہارے مقابلے کے لئے نکلے گا وہ معاویہ ہوگا۔

کتابت کر کے روزی کمانے والا بادشاہ

ناصر الدین خلف شمس الدین التمش اپنے بھائیوں اور جواں ہمت بہن رضیہ سلطانہ کے بعد تخت پر بیٹھا۔ بیت المال میں کروڑ ہا روپیہ موجود تھا۔ مگر اس نے اپنا گزارہ اپنی کمائی پر رکھا اور دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورتوں پر ترجیح دیتا رہا۔ عربی اور فارسی کی کتابوں کو نقل کر کے روزی کمانے غریب آدمیوں کی طرح اپنا وقت بسر کرتا۔ جو کچھ درکار ہوتا کتابیں نقل کر کے کما لیتا۔ مگر خزانہ کو ہاتھ نہ لگاتا۔ طبیعت میں انکسار تھا اور شاہانہ زندگی میسر نہ تھی اس کے گھر میں کوئی بھی کنیز نہیں تھی۔

ایک دفعہ اس کی بیوی نے کہا کہ تنہا کام کرتے کرتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں کوئی ملازم رکھ دیجئے تو آپ نے فرمایا بیگم میں بادشاہ ہوں لیکن سلطنت کے روپیہ سے میرا

کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ وہ رعایا کا مال ہے۔ رعایا کی بہبودی میں خرچ ہونا چاہئے۔ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میری آمدنی جیسا کہ تم سے مخفی نہیں قلیل ہے۔ اتنی گنجائش نہیں کہ کوئی ملازمہ رکھ سکوں۔ آخر غریب آدمیوں کی بیویاں بھی تو اپنے ہاتھ سے تمام کام کرتی ہیں۔ دنیا میں چندروزہ تکلیف برداشت کرلو خدا اس کا اجر دے گا۔

میری نماز جنازہ وہ پڑھائے جس کا فرض قضاء نہ ہوا ہو

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا وصال ہو گیا۔ خواجہ ابوسعید نے بلند آواز میں کہا خواجہ صاحب کی وصیت تھی کہ میری نماز جنازہ وہ پڑھائے جس نے تمام عمر نہ حرام کھایا ہو اور نہ جس کی نماز و نوافل قضا ہوئے ہوں۔

اس وقت سوگواروں میں مشائخ اولیاء علماء صلحاء تمام موجود تھے کوئی بزرگ بھی آگے نہ بڑھا تو سلطان شمس الدین التمش کھڑے ہوئے اور کہا حضرت خواجہ نے میرا راز فاش کر دیا میں تو اسے زندگی بھر پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا کہ میں ہی وہ عاجز ہوں جس کی نہ کبھی فرض یا نفلی نماز قضا ہوئی اور نہ کبھی حرام کا لقمہ کھایا یہ کہا اور خواجہ قطب الدین کاکی کی نماز جنازہ پڑھائی۔

سلطان التمش وہ عادل حکمران تھا جو قرآن پاک کی کتابت کر کے گھر کا خرچہ چلاتا تھا۔

بادشاہ کے بیٹے کی ہلاکت اس کے استاد کے ہاتھوں

سلطان تاج الدین یلدوز غزنی اور لاہور کا بادشاہ تھا اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا فارغ التحصیل ہو چکا تھا کہ چھوٹے بیٹے کو معلم کے سپرد کیا۔ ایک دن شہزادہ نے سبق یاد نہ کیا۔

استاد کے پاس ایک کوڑا تھا وہ شہزادہ کے سر پر زور سے مارا شہزادے کی اجل پہنچی تھی ایک ہی ضرب سے آناً فاناً مر گیا۔ جب اس اندوہناک واقعہ کی خبر بادشاہ کو ہوئی حواس بجا نہ رہے ہوش آیا تو حکم دیا کہ معلم کو زادراہ دے کر رخصت کر دو اور تاکید کی کہ شہزادے کی ماں کو خبر ہونے تک جس طرح ممکن ہو میری مملکت سے باہر چلے جاؤ۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان یلدوز علم کی اور عالموں کی کیسی قدر کرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ استاد نے عمداً شہزادے کو ہلاک نہیں کیا لڑکے نے سبق یاد نہیں کیا استاد غصہ اور

طیش میں مار بیٹھا، بیٹے کی اجل اسی طرح تھی وہ مر گیا۔

کیا آج بھی اگر کسی استاد سے ایسا واقعہ ہو جائے تو وہ بخشا جا سکتا ہے۔ اس زمانہ کے استاد اس قسم کے تھے کہ لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنی ساری عمریں وقف کر دیتے تھے وہ سوائے درس و تدریس کے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ حکومت ان کے خرچ کی متکفل ہوتی تھی اور تعلیم مفت دی جاتی تھی۔

شاگردوں کی یہ حالت تھی کہ استادوں کے نقش قدم پر آنکھیں بچھاتے تھے بادشاہ اور والدین کے بعد سب سے زیادہ وہ اپنے استاد کا مرتبہ سمجھتے تھے۔ شاگرد امیر ہو یا غریب فقیر ہو یا شہزادہ استاد کو واجب العزت سمجھنا اور اس کی جوتیاں سیدھی کرنا باعث فخر جانتا تھا۔

اس زمانہ میں انہی باتوں اور انہی اصولوں کی وجہ سے استاد کی سختی کو باپ کی شفقت پر ترجیح دی جاتی تھی۔

سلطان تاج الدین یلدوز سلطان شمس الدین التمش کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار ہو گیا اور بحالت قید نو برس کی حکومت کے بعد انتقال کر گیا۔

بادشاہ عالم کی خدمت میں

ہارون الرشید نے امام مالک کو موطاء سننے کے لئے خود بارگاہ خلافت میں طلب کیا۔ امام صاحب نے انکار کیا اور موطاء کے بغیر تشریف لائے۔ ہارون نے شکایت کی۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ہارون الرشید علم تیرے گھر سے نکلا ہے۔ خواہ اس کو ذلیل کر خواہ اس کو عزت دے۔ ہارون الرشید متاثر ہوا۔ محمد الامین اور عبداللہ المامون دونوں شہزادوں کو لے کر مجلس درس میں حاضر ہوا۔ وہاں طلبہ کا عام ہجوم تھا۔ ہارون نے کہا اس بھیڑ کو ہٹا دیجئے؟ امام صاحب نے فرمایا شخصی فائدہ کے لئے عام افادہ کا خون نہیں کیا جا سکتا۔

ہارون الرشید مسند پر بیٹھ گیا تو امام صاحب نے فرمایا امیر المومنین تواضع پسندیدہ ہے۔ ہارون نیچے اتر گیا۔ دوسری منزل قرات و سماعت کی تھی۔ ہارون نے کہا قرأت آپ کیجئے۔

امام صاحب نے جواب دیا خلاف عادت ہے۔ یہ کہہ کر معین بن عیسیٰ کو اشارہ کیا۔ اس

نے قرات کی اور ہارون نے معہ شہزادگان کے سماعت کی۔

ربعی بن عامرؓ کی رستم کو نصیحتیں

اسلامی فوجیں فتح و نصرت کے معرکے مارتی ہوئی سرزمین ایران کی طرف بڑھ رہی تھیں۔فوجوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب ایران کی سر زمین قریب آ گئی تو آپ نے حسب روایت اہل فارس کے پاس ایک وفد بھیجنے کا قصد فرمایا۔ اس مقصد کے لئے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشاورت فرمائی۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجویز پیش کی کہ اگر ہم وفد کی شکل میں ان عجمیوں کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم کمزور ہیں اور خوف کی وجہ سے ان کے پاس جمع ہو کر آئے ہیں لہذا ہمیں ان کے پاس ایک ہی آدمی کو بھیجنا چاہیے۔

حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجویز سے سب نے اتفاق کیا۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ہی کو منتخب فرمایا۔

حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفیر بن کر نکلے تو اصفہان کے پل پر تعینات رستم کی فوجوں نے آپ کو روک لیا اور رستم کے پاس اس امر کی اطلاع بھیجی۔ رستم نے صورت حال کے پیش نظر اہل فارس کے چند بڑے لوگوں سے مشورہ کیا اور ان سے پوچھا کہ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ کیا ہم اپنی بہادری کی لڑائی کا اظہار کریں یا ہم نرمی اختیار کریں۔ رستم کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ وہ نرمی کا راستہ اختیار کرے۔

چنانچہ رستم نے فوری طور پر زیب و زینت کا اہتمام کیا۔ اس نے سونے کا تخت بچھایا۔ اس پر بستر اور نرم نرم گدے بچھائے۔ سونے کے تاروں سے بنا ہوا تکیہ لگایا۔ غرض یہ کہ اس نے اپنا دربار بہت خوبصورتی سے بجایا۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس طرح مسلمان قاصد پر اہل فارس کا رعب پڑ جائے گا۔ اس اہتمام کے بعد حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ یہ گھوڑا بہت دبلا اور چھوٹے قد کا تھا۔

حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک چمکدار تلوار تھی اور تلوار کی میان پرانے کپڑے سے بنی ہوئی تھی۔ آپ کا نیزہ ایک تار کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ گائے

کے چمڑے کی ایک ڈھال ہاتھ کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ گائے کے چمڑے کی ایک ڈھال ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ اس ڈھال کے اوپر کا حصہ سرخ چمڑے کا بنا ہوا تھا۔ کمان اور تیر بھی آپ کے پاس تھے۔ حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رستم کے دربار کے نزدیک پہنچے اور خوش نما فرش کے قریب آئے تو آپ سے رستم کی فوج کے سپاہیوں نے کہا کہ گھوڑے سے نیچے اتر آؤ۔ لیکن حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھوڑے کو لے کر اس فرش پر چڑھ گئے اور اس کے بعد آرام سے گھوڑے سے اترے اور گھوڑے کو ایک طرف باندھ دیا۔

اہل فارس یہ سب کچھ دیکھ رہے تھی لیکن ان میں ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر آپ کو منع کریں۔ وہ لوگ آپ کے اس فعل کو بانکا پن خیال کرر ہے تھے۔ حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کی اس بات کو سمجھ گئے تھے۔ آپ انتہائی شان کے ساتھ چل رہے تھے۔ آپ کے جسم پر ایک انتہائی چمک دار زرہ تھی۔ زرہ کے نیچے روئی کی بنی ہوئی قبا تھی۔ یہ قبا آپ کے اونٹ کا گدا تھا جس کو پھاڑ کر آپ نے پہنا ہوا تھا اور اسے اپنی کمر پر ایک درخت کی چھال سے باندھ رکھا تھا۔ آپ کے سر پر ایک پگڑی تھی اور یہ پگڑی آپ کے اونٹ کی لگام کا کام بھی دیا کرتی تھی۔ اہل دربار نے آپ سے کہا۔

''اپنے ہتھیار رکھ دو۔''

آپ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا۔ ''میں خود سے تمہارے پاس نہیں آیا کہ اپنے ہتھیار تمہارے کہنے سے رکھ دوں۔ تم ہی لوگوں نے مجھے بلایا ہے۔ اس لئے میری مرضی ہے کہ جس طرح بھی میں آؤں اگر تم اس آنے سے انکار کرتے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں ورنہ جس طرح میرا دل چاہے گا میں آؤں گا۔''

درباریوں نے اس امر کی اطلاع رستم کو پہنچائی تو رستم نے کہا۔ ''ٹھیک ہے اسی طرح آنے دو۔ ایک ہی تو آدمی ہے۔''

چنانچہ حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نیزے پر ٹیک لگائے ہوئے اور اس کی انی کو جگہ جگہ گاڑتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے چلے۔ آپ کے اس طرح چلنے سے ان کی چادروں اور فرش میں جگہ جگہ چھیلے ہور ہے تھے۔ آپ نے ان کی چادر اور فرش کا کوئی حصہ چھوڑا کہ جسے نیزے کی انی سے خراب نہ کر دیا ہو۔ جب آپ رستم کے قریب پہنچے تو

رسم کے پہرے دار اس کے اردگرد بیٹھ گئے۔

حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رستم کے عین سامنے فرش پر تشریف فرما ہو گئے اور اپنا نیزہ فرش میں گاڑھ کر کھڑا کر دیا۔ اہل دربار سے آپ نے پوچھا۔

''آپ کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا؟''

آپ نے فرمایا۔ ''میں تمہارے اس سامان زینت پر بیٹھنے کو پسند نہیں کرتا۔''

اس کے بعد رستم نے آپ سے پوچھا۔ ''تم لوگ کس مقصد کے تحت ہماری سرحد پر جمع ہوئے ہو؟''

آپ نے فرمایا۔ ''ہم کو یہاں اللہ تعالیٰ نے لا کھڑا کیا ہے تاکہ ہم بندوں کی پوجا کرنے والوں کو بندوں کی پوجا سے نکال کر، جس کو اللہ تعالیٰ چاہے اس کو نجات دے کر فراخی کی طرف لائیں اور اللہ کے دین اسلام میں داخل کریں۔''

رستم نے حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں سنیں تو اپنے درباریوں سے کہنے لگا۔ ''تم پر بہت افسوس ہے، تم ان کے لباس کی طرف نہ دیکھو بلکہ ان کی گفتگو پر توجہ کرو۔ عرب کپڑوں اور کھانے پینے کی نمائش کو ہلکا خیال کرتے ہیں اور اپنی ذاتی شرافت کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ تمہارے جیسے لباس میں نہیں اور یہ لباسوں کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جس طرح کہ تم دیکھتے ہو۔''

درباریوں میں سے کسی نے رستم سے کہا۔ ''کیا تم نے ان کے ہتھیار دیکھے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا۔ ''اگر تم میرے ہتھیار دیکھنے کی خواہش رکھتے ہو تو میں خود تمہیں دیکھاتا ہوں۔''

یہ فرما کر آپ نے میان سے اپنی تلوار نکالی۔ تلوار دیکھ کر درباری سہم گئے اور کہنے لگے اس کو میان میں رکھ لیں۔ چنانچہ آپ نے تلوار کو میان میں رکھ لیا۔ اس کے بعد آپ نے اہل فارس کی فوج کے ایک افسر کی ڈھال پر اپنا تیر مارا۔ تیر کے لگنے سے وہ ڈھال پھٹ گئی۔ اہل فارس میں سے ایک نے آپ کی طرف تیر پھینکا جسے آپ نے اپنی ڈھال پر پھرتی سے روک لیا۔ آپ کی ڈھال کو تیر لگنے سے کچھ بھی نہ ہوا۔

اس کے بعد حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ''اے اہل فارس، تم نے کھانے

پینے اور لباس کو بڑی عظمت دے رکھی ہے لیکن ہم نے ان چیزوں کو حقیر سمجھا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رستم کے دربار سے واپس آ گئے تا کہ اہل فارس آپس میں غور وفکر کر کے جواب دے سکیں مگر حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا مقصد حاصل کر چکے تھے۔ آپ کی دلیری اور بہادری نے رستم کے دربار میں موجود ہر شخص پر اپنا گہرا نقش ثبت کر دیا تھا۔

دوسرے دن اہل فارس نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اپنا ایک قاصد بھیجا کہ ہمارے پاس اسی آدمی کو بھیجیں جس کو کل بھیجا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجنے کی بجائے حضرت حذیفہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی رعب و دبدبہ کے ساتھ رستم کے دربار میں پہنچے۔ جب فرش کے نزدیک پہنچے تو اہل دربار نے آپ سے بھی کہا کہ گھوڑے سے نیچے اتر آئیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

"یہ بات اس وقت ممکن تھی کہ اگر میں تمہارے پاس اپنی ضرورت کے لئے آیا ہوتا، اپنے بادشاہ سے پوچھو کہ اس کو ضرورت ہے یا مجھے؟ اگر اس نے میرے لئے کہا تو جھوٹ بولا اور میں تمہیں چھوڑ کر واپس چلا جاؤں گا اور اگر اس نے کہا کہ اسے ضرورت ہے تو پھر جس طرح میری مرضی ہوگی میں اسی طرح تمہارے پاس آؤں گا۔"

رستم کو یہ بات بتائی گئی تو اس نے اپنے محافظوں سے کہا کہ وہ جس طرح بھی آنا چاہے اس کو آنے دو۔

چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار رستم کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ رستم اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ گھوڑے سے نیچے اتر آؤ مگر آپ نے جواب میں انکار کر دیا۔ رستم نے جب انکار کو سنا تو کہنے لگا۔

"کیا بات ہے تم کیوں آئے ہو، تمہارا کل والا ساتھی نہیں آیا؟"

آپ نے فرمایا۔ "اے رستم ہمارا امیر اس بات کو پسند کرتا ہے کہ ہمارے سب کے ساتھ مساوات کا سلوک کرے، اس لئے یہ میرے آنے کی وجہ ہے۔"

رستم کہنے لگا۔''تم لوگوں کو کون سی چیز یہاں کھینچ لائی ہے۔''
حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔''اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے دین کے ذریعے بڑا احسان کیا ہے۔ ہم کو اپنی آیات کریمہ دکھائیں۔ یہاں تک کہ ہم نے اس کو پہچان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس بات کا حکم دیا کہ لوگوں کو تین باتوں میں سے ایک بات کی طرف دعوت دیں۔ ان تینوں میں سے جس کو لوگ پسند کرلیں ہم اسے مان لیتے ہیں۔ پہلی بات اسلام ہے۔ اگر تم اسلام قبول کرتے ہو تو ہم تمہارے پاس سے چلے جائیں گے اور تم ہمارے بھائی ہوگے، دوسری بات جزیہ ادا کرنا ہے۔ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر جزیہ ادا کرو۔ ہم تمہاری حفاظت کے ضامن ہوں گے، جب کبھی تمہیں حفاظت کی ضرورت ہوگی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر تم پہلی دونوں باتیں نہ مانو تو پھر جنگ ہے۔''
رستم یہ باتیں سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ تمام دربار پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چند لمحوں کے بعد رستم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا۔''آپ لوگ ہمیں کچھ دنوں تک سوچنے کی مہلت دیتے ہیں؟''
آپ نے فرمایا۔''ہاں گزشتہ کل سے تین دن تک کے لئے تمہیں مہلت ہے۔''
رستم نے جب محسوس کیا کہ مسلمان اپنے قول کے پکے معلوم ہوتے ہیں تو اس نے احترام کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس روانہ کر دیا۔
اس کے بعد رستم اپنے درباریوں سے کہنے لگا۔''کیا تم لوگ اس چیز کو محسوس کرتے ہو جس کو میں نے محسوس کیا ہے۔ کل مسلمانوں کی طرف سے جو آدمی آیا تھا وہ ہم پر ہماری ہی سرزمین پر غالب رہا اور چیزوں کو اس نے حقیر جانا جن کو ہم بڑا خیال کرتے تھے اور اس نے اپنے گھوڑے کو ہمارے فرش پر کھڑا کیا اور اس جگہ پر اس کو باندھا۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہماری زمین اور جو کچھ اس میں ہے ان کی طرف چلی جائے گی۔ معلوم ہوتا ہے ان کی عقل ہی ہم سے زیادہ ہے اور یہ جو آج ہمارے پاس مسلمانوں کی طرف سے آدمی آیا ہے۔ وہ بھی ہمارے سامنے اسی طرح کھڑا ہوگیا۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ لوگ ہماری زمین میں آباد ہوں گے۔ رستم کی اس قسم کی باتیں سن کر بعض درباری اس سے ناراض بھی ہوگئے۔''
رستم کو دی جانے والی مہلت کا جب تیسرا دن آیا تو رستم نے پھر اپنا ایک قاصد حضرت

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ ہماری طرف ایک آدمی کو بھیجیں۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رستم کی طرف بھیجا۔

جب حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رستم کے دربار میں آئے تو آپ نے دیکھا کہ اہل فارس بڑے خوبصورت لباس پہنے ہوئے تھے۔ تمام درباریوں نے سر پر تاج رکھے ہوئے ہیں۔ فرش پر سونے کے تاروں سے بنے ہوئے کپڑے کے نرم و ملائم گدے بچھے ہوئے ہیں۔ یہ خوبصورت اور نفیس گدے چار چار سو قدم تک پھیلے ہوئے تھے اور رستم کے پاس ان گدوں کے اوپر سے گزر کر جایا جا سکتا تھا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان گدوں پر چلتے ہوئے رستم کے تخت تک پہنچے اور اس کے ساتھ ہی تخت پر بیٹھ گئے۔

یہ دیکھ کر درباری حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چڑھ دوڑے اور زبردستی آپ کو تخت سے نیچے اتار دیا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا۔

''ہم نے تو تمہاری عقلوں اور بردباری کے قصے سن رکھے تھے لیکن میں نے تم لوگوں سے زیادہ کمینی اور بے وقوف قوم کوئی اور نہیں دیکھی۔ ہم مسلمان آپس میں سب برابر ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کو غلام نہیں سمجھتا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ تم اپنی قوم کے ساتھ مساوات کا سلوک کرتے ہوگے جیسا کہ ہم مساوات کا معاملہ کرتے ہیں لیکن یہ جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے، اس سے تو بہتر تھا کہ تم مجھے بتا دیتے کہ تم میں سے بعض لوگ بعضوں کے رب ہیں۔ یہ کام تم میں مناسب نہیں۔ ہم اس طرح کے کام نہیں کرتے۔ آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم ضرور مغلوب ہو کر رہو گے۔''

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں سن کر عام درباری آپس میں کہنے لگے۔ ''اللہ کی قسم اس عربی نے سچ کہا ہے اور ایسی بات کہی ہے کہ ہمارے غلام سب اس کی طرف نکل جائیں گے۔ خدا ہمارے پہلوں کو غارت کرتے کس قدر بے وقوف تھے۔''

اس کے بعد حضرت مغیرہ دربار سے واپس آ گئے۔ اور پھر مسلمانوں نے ایران کی فوجوں کا وہ حال کیا کہ وہ دوسری قوموں کے لئے باعث عبرت بن گئے۔ اور رستم بھی مجاہدین کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔

دریائے دجلہ میں کتابوں کے پہاڑ ڈبو دیئے گئے

آپ جانتے ہیں کہ بغداد مسلمانوں کا ایک بڑا علمی مرکز رہا ہے۔ وہاں بڑے بڑے فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے۔

علم کلام، علم فقہ، منطق، ریاضی اور کیمیا پر اتنی کتابیں لکھی گئیں کہ کتب خانے بھر گئے، وہاں مسلمانوں کی بڑی مضبوط حکومت قائم تھی لیکن جب مسلمان آپس میں لڑنے لگے اور ٹکڑیوں میں بٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تاتاریوں کو مسلط کر دیا اور فتنہ تاتاری وہ فتنہ ہے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ہلاکو خان کی فوج کے ہاتھ سے بغداد اور اس کے مضافات میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے، انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا گیا، شاہی کتب خانے کی کتابیں دجلہ میں پھینک دی گئیں۔

کتابیں اس قدر تھیں کہ دجلہ میں ایک بند سا بن گیا اور دجلہ کا پانی کئی دن تک اتنا سیاہ رہا کہ دواتوں میں سیاہی ڈالنے کی ضرورت نہ رہی، کہا جاتا ہے کہ مسلمان کے دل و دماغ پر تاتاریوں کا اس قدر رعب چھا گیا تھا کہ اگر ایک تاتاری عورت مسلمان مرد کو بازار میں روک لیتی اور کہہ دیتی تم یہیں ٹھہرو میں گھر سے تلوار لے کر تمہیں قتل کرتی ہوں تو اس مسلمان پر اتنا خوف چھا جاتا کہ اسے وہاں ایک قدم اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی اور عورت اسے قتل کر دیتی۔

آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کو یہ ذلت کیوں اٹھانی پڑی؟

آپس میں ٹکرانے اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے کی وجہ سے، بغداد کے خلیفہ نے اپنے حریف خوارزم شاہ کو کمزور کرنے کے لئے تاتاریوں کو خود مشورہ دیا کہ خوارزم شاہ پر حملہ کرو تاتاریوں نے خوارزم شاہ کی سلطنت تو ختم کر دی مگر اس کے بعد بغداد کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

میں نے بغداد کیوں چھوڑا

حافظ ابو العباس خراسینی بڑی شان کے محدث تھے ان کو حضور اقدس ﷺ سے بڑا

والہانہ محبت تھی۔ چنانچہ بارہ ہزار قرآن مجید پڑھ کر انہوں نے بارگاہ رسالت میں ایصال ثواب کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے بارہ ہزار قربانیاں کیں۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان میں ایک سیڑھی لگی ہے اور میں ۹۹ سیڑھیوں پر چڑھ گیا تھا تمام معبرین نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری عمر ۹۹ برس کی ہوگی چنانچہ واقعی انہوں نے ۹۹ برس کی عمر پائی۔

ابوالولید ہسان فقیہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں ان سے پوچھا کہ آپ نے بغداد کی سکونت کیوں چھوڑی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی بغداد میں پچاس برس تک رہے مگر جب ان کا انتقال ہوا اور جنازہ نکلا تو محلے میں کسی نے پوچھا کہ یہ کس کی میت ہے تو ایک شخص نے کہا کہ ایک پردیسی مرگیا ہے۔ یہ سن کر میں نے اناللہ پڑھا کہ افسوس، پچاس برس بغداد کی سکونت اور علم وتجارت میں شہرت کے باوجود یہ کہا جارہا ہے کہ ''ایک پردیسی مرگیا'' یہ جملہ سن کر مجھے بغداد والوں سے ایسی نفرت پیدا ہوگئی کہ میں نے ہمیشہ کے لئے بغداد کو خیر باد کہہ کر سکونت ترک کردی۔ ربیع الآخر ۳۱۳ھ میں آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۲، ص ۲۷۰)

اگر میں عدل نہ کروں تو اور کون کرے گا

ایک مرتبہ جمعہ کے روز ایک شخص ہارون الرشید کے سامنے کھڑا ہوا جب کہ وہ ممبر پر خطبہ دے رہا تھا اس شخص نے ہارون سے کہا:

''خدا کی قسم تم تقسیم دولت میں مساوات کو ملحوظ نہیں رکھتے نہ رعیت کے ساتھ عدل کرتے ہو تم نے یہ کیا اور وہ کیا۔''

ہارون کے حکم سے وہ شخص فوراً گرفتار کرلیا گیا۔ اور نماز جمعہ کے بعد اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ ہارون نے امام یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بلوایا۔ وہ جب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ہتھکڑی اور بیڑی میں جکڑا ہوا کھڑا ہے۔ جلاد اس کے سر پر کوڑا لئے کھڑا ہے ہارون امام یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

''اے یعقوب اس شخص نے مجھ سے ایسی باتیں کہی ہیں جو آج تک کسی کو کہنے کی جرأت

نہیں ہوئی تھی۔“

امام ابو یوسف نے کہا: امیر المؤمنین کو اس میں کون سی بات ہو گئی؟ اس طرح کی باتیں تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی کی گئی ہیں اور آپ ﷺ نے معاف فرما دیا ہے اور درگزر سے کام لیا ہے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو قسم دی کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں عدل کیجئے۔“

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:۔

”اگر میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا۔“

اور اسے معاف فرما دیا۔

ایک مرتبہ اس سے بھی سنگین واقعہ پیش آیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک انصاری مدعی اور مدعا علیہ بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اس پر انصاری نے کہا:

”یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ فیصلہ آپ نے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اس لئے کیا ہے کہ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔“

آپ ﷺ نے یہ سنا اور معاف فرما دیا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی باتیں سن کر ہارون کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے اس شخص کی رہا کا حکم دے دیا۔

صلاح الدین ایوبیؒ کے مثالی اخلاق

سلطان صلاح الدین ایوبی اور شاہ رچرڈ کے درمیان جنگ جاری تھی دونوں فوجیں میدان جنگ میں دست بدست لڑ رہی تھیں اسی اثناء میں سلطان نے دیکھا کہ شاہ رچرڈ اپنے مایہ ناز گھوڑے پر سوار تلوار کا ہاتھ دکھا رہا ہے کہ یکا یک ایک تیر گھوڑے کے سینے میں لگ کر اسے خاک میں ملا دیتا ہے مگر رچرڈ دل نہیں ہارا بلکہ وہ پیدل لڑائی میں حصہ لے رہا ہے۔

اس منظر کو دیکھ کر صلاح الدین ایوبی نے فوری طور پر ایک بہترین عربی گھوڑا رچرڈ کو بھجوا دیا شام کو جب صلیبی سردار اکٹھے ہوئے تو رچرڈ نے کہا:

''آج میرا گھوڑا زخمی ہو کر میدان میں مر گیا۔''

''پھر کیا ہوا؟''

سب سرداروں نے بیک آواز پوچھا

''ہونا کیا تھا'' رچرڈ نے جواب دیا ''صلاح الدین ایوبی نے وہ کام کیا جس کی تم توقع بھی نہیں کر سکتے اس نے مجھے ایک بہترین عربی گھوڑا بھجوا دیا۔''

پھر ذرا سے توقف کے بعد رچرڈ نے کہا: ''یارو انصاف کی کہو ایسے عظیم دشمن سے ہم لڑ سکتے ہیں؟ تم کچھ بھی کہو مگر میں یہی کہوں گا کہ ہرگز نہیں۔''

برائی سے روکنا اکابر کی سنت ہے

آج حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسا عالم ہمیں کہاں ملے گا جنہوں نے ایک مرتبہ خلیفہ ہشام بن الملک کے ساتھ طواف کیا، اور ان کے ساتھ ہی کعبہ مشرفہ میں داخل ہوئے حالانکہ خلیفہ نے لوگوں کو اس وقت داخل ہونے سے روکنے کا حکم دیا تھا، اور حکم دیا تھا کہ ان کے لئے مطاف (طواف کی جگہ) کو خالی کر دیا جائے، لیکن حضرت سالم پھر بھی طواف میں مشغول رہے، تو خلیفہ نے چاہا کہ ان کو تنبیہ کرے۔

چنانچہ حضرت سالم کو اپنی مجلس میں طلب کیا، وہ جب تشریف لائے تو خلیفہ کے مسند پر تشریف فرما ہو گئے اور خلیفہ کو بغیر کنیت و لقب کے صرف نام لے کر مخاطب کیا اور ان سے رسمی سا مصافحہ کیا، تو لوگوں نے اس معاملہ پر ان کو ملامت کی اور خلیفہ ہشام نے ان سے کہا: آپ میری اجازت کے بغیر میرے ساتھ طواف کیوں کر رہے تھے؟ اور میری بلا اجازت میری مسند پر کیوں بیٹھ گئے؟ اور آپ نے صحیح طریقے سے میرے ساتھ تخاطب کیوں نہ کیا؟ آداب مجلس کا خیال کیوں نہ رکھا؟

تو حضرت سالم نے ان سے فرمایا: آپ نے لوگوں کو ایک ایسے گھر کے طواف سے روک دیا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرماتے ہیں کہ: اے بنو عبد مناف تم کسی بھی شخص کو دن یا رات کی کسی بھی گھڑی میں طواف اور نماز سے نہ روکو، اور آپ نے ایک ایسی جگہ اپنی مسند کو الگ لگوایا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

سواء العاکف فیه والباد ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم"

"اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا (سب) برابر ہیں اور جو کوئی بھی اس کے اندر کسی بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا ہم اسے عذاب دردناک چکھائیں گے۔"

اور اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی کہ لوگوں نے آپ کی خلافت کو قبول کرلیا ہے اور آپ کو امیر المؤمنین مان لیا ہے تو میں آپ کے ساتھ اسی طرح خطاب کرتا، یہ سن کر خلیفہ نے ان کے ساتھ ملاطفت شروع کردی اور ان سے بہت خوش ہوئے، اور ان کی خدمت میں بہت سا مال بھیجا، لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا اور یہ فرمایا کہ یہ مال ان ہی لوگوں کو واپس پہنچادو جن سے تم نے یہ مال لیا ہے۔ قول وفعل میں راست گوئی کے اس طرح کے کتنے ہی واقعات تاریخ کے اوراق میں ثبت ہیں، اور انسان جس چیز کا عادی ہوتا ہے اور جس کو حق و صحیح سمجھتا ہے اس کے اثرات اس پر ظاہر ہوجاتے ہیں، اور اس کا دل زبان اس کے ساتھ متفق ہوجاتے ہیں، لہٰذا ایسا شخص کس قدر قابل تعریف وخوش نصیب ہے جو سچ بولنے کا عادی ہو اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان مبارک پر عمل پیرا ہو:

یاایها الذین آمنوا اتقوا اللّٰه وکونوا مع الصادقین (التوبة-۱۹)

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہا کرو۔"

برے کام کا خوفناک انجام

احمد بن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "معتز باللہ" کے زمانے میں مصر کے حاکم تھے اس سے پہلے وہ معروف ترکی بادشاہ طولون کے پاس رہتے تھے اور طولون نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں کسی کام سے دار الامارۃ بھیجا وہاں انہوں نے بادشاہ کی ایک کنیز کو محل کے کسی خادم کے ساتھ بے حیائی میں مبتلا پایا۔

احمد ابن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے کام سے فارغ ہوکر بادشاہ کے پاس واپس پہنچے

لیکن اس قصے کا اس سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ ادھر کنیز کو یہ یقین ہو گیا کہ ابن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بادشاہ سے ضرور میری شکایت کر دیں گے اس لئے اس نے یہ حرکت کی کہ طولون کے پاس جا کر احمد بن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شکایت کر دی کہ وہ ابھی میرے پاس آئے تھے اور مجھے بے حیائی پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔

کنیز نے شکایت اس انداز سے کہ کہ بادشاہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے فوراً احمد بن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بلوایا اور کنیز کی شکایت کا زبانی طور سے تو کچھ ذکر نہیں کیا البتہ ایک مہر شدہ خط ان کے حوالہ کر دیا اور حکم دیا کہ یہ خط فلاں امیر کے پاس پہنچا دو۔

خط میں یہ لکھا تھا کہ ”جو شخص یہ خط تمہارے پاس لا رہا ہے اسے فوراً گرفتار کر کے قتل کر دو اور اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔“

احمد بن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ادنیٰ وہم بھی نہ تھا کہ ان کے خلاف سازش ہو چکی ہے وہ خط لے کر روانہ ہوئے راستہ میں اسی کنیز سے ملاقات ہو گئی۔ کنیز یہ چاہتی تھی کہ بادشاہ احمد بن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مجھ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لے تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ میری شکایت درست تھی چنانچہ اس نے احمد بن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو باتوں میں الجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ مجھے ایک ضروری خط لکھوانا ہے آپ خط لکھ دیجئے اور آپ بادشاہ کا جو مکتوب لے کر جا رہے ہیں وہ میں دوسرے خادم کے ذریعے بھجوا دیتی ہوں۔

چنانچہ اس نے بادشاہ کا مکتوب اسی خادم کے حوالہ کر دیا جس کے ساتھ وہ مبتلا ہوئی تھی۔ وہ خادم خط لے کر اسی امیر کے پاس پہنچا امیر نے خط پڑھتے ہی اسے قتل کرا دیا اور اس کا سر طولون کے پاس بھیج دیا۔

بادشاہ وہ سر دیکھ کر حیران رہ گیا اور احمد بن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بلوایا۔ احمد بن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سارا ماجرا سنا دیا اور کنیز نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اس دن کے بعد سے بادشاہ کی نظر میں احمد بن طولون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وقعت دو چند ہو گئی۔ اور اس نے وصیت کی کہ میرے بعد ان کو بادشاہ بنایا جائے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۴۶ ج ۱۱)

دس ہزار درہم میں موت کا سودا

بلال بن ابی بردہ حجاج بن یوسف کی قید میں تھا۔ جیل میں اسے طرح طرح کی اذیتیں دی جاتیں۔ جیل میں اگر کوئی مرجاتا تو اس کی اطلاع حجاج کو دی جاتی۔ وہ اسے جیل سے نکالنے اور میت کو اس کے اہل خانہ کے سپرد کرنے کا حکم دے دیتا۔ ایک دن بلال بن ابی بردہ نے جیل کے داروغہ سے کہا: مجھ سے دس ہزار درہم لے لو اور میرا نام مرنے والوں کی فہرست میں حجاج کے پاس بھیج دو وہ میری میت کو اہل خانہ کے سپرد کرنے کا حکم دے دے گا۔ اس طرح میں جیل سے نکل کر کسی دور دراز علاقہ میں چھپ جاؤں گا اور حجاج کو کانوں کان اس کی خبر نہ ہوگی۔ اگر تم میرے ساتھ بھاگنا چاہتے ہو تو بھی بہت اچھا ہے۔ تمام عمر میں تیرے اخراجات برداشت کروں گا۔

داروغہ نے پیسے لے لئے اور اس کا نام مرنے والوں کی فہرست میں حجاج کے پاس بھیج دیا۔ حجاج نے جب اس کا نام فہرست میں دیکھا تو اس نے کہا: اس شخص کی میت دیکھ کر ہی اس کے اہل خانہ کے سپرد کرنے کا حکم جاری کروں گا۔ اس کی میت حاضر کی جائے۔

وہ داروغہ بلال کی طرف واپس آیا اور اسے کہا: جو وصیت وغیرہ کرنی ہے کرلو۔ اس نے پوچھا: معاملہ کیا ہے؟

اس نے بتایا حجاج نے یہ حکم جاری کیا ہے۔ اگر میں نے تیری میت کو حاضر نہ کیا تو وہ مجھے قتل کردے گا اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے تمہیں آزاد کروانے کے لئے یہ حیلہ کیا ہے۔ اس لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ میں تمہارا گلا گھونٹ کر مار دوں۔

یہ سن کر بلال رونے لگا اور داروغہ سے کہا: ایسا نہ کریں۔ اس نے کہا اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ آخر کار بلال نے وصیت لکھ دی اور دو رکعت نماز ادا کی۔ داروغہ نے اسے پکڑا اور گلا دبا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اس کی میت کو حجاج کے سامنے پیش کر دیا۔ حجاج نے اس کی میت دیکھ کر اس کے اہل خانہ کے سپرد کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اس طرح اس شخص نے دس ہزار درہم میں اپنی موت کا سودا کرلیا۔

تیرے وعظ نے مجھے رلا دیا

سلطان شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے رعب و دبدبہ اور شان وشوکت کے بادشاہ گذرے ہیں اور غوری خاندان کے سب سے بڑے بادشاہ ہیں۔ان کے زمانے میں عالم اسلام کے سب سے بڑے جامع معقول ومنقول امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر زندہ تھے اور اپنی بے لاگ و بے باک کلام کے لئے عالم اسلام میں ہمہ گیر شہرت کے مالک تھے۔

ایک مرتبہ امام رازی سلطان شہاب الدین کے دربار میں پہنچے اور چند جملوں میں اسے نصیحت کی تو سلطان کے دل ودماغ پر اس کا کافی اثر ہوا،امام صاحب نے سلطان سے فرمایا:

یاسلطان العال لاسلطانک تبقی ولاتلبیس الرازی یبقی وان مردنا الی اللّٰہ

''اے بادشاہ نہ تو تیری سلطنت باقی رہے گی اور نہ امام رازی کی چاپلوسی باقی رہے گی اور ہم سب کو اللہ کے یہاں جانا ہے۔''

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے''العبر''میں یہ جملہ نقل کیا ہے کہ''**فانتحب السطان بالبکاء**''یعنی سلطان یہ سن کر زار وقطار رونے لگا۔

اللہ کا نام آتے ہی شہاب الدین غوری کی حالت بدل گئی اور اپنا انجام آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور سلطان زار وقطار رونے لگا۔

اللہ اللہ،اللہ کے نام کا کل تک جو اثر بادشاہوں پر تھا وہ آج کے امراء میں نظر نہیں آتا، بادشاہ تو پھر بادشاہ ہیں معمولی ثروت ودولت رکھنے والے امراء آج خدا فراموشی میں سب سے آگے ہیں۔کچھ زندگی اور دینی حرارت اگر نظر آتی ہے تو وہ ہمارے عوام ہی ہیں۔

نماز کی پابندی ومداومت پر ایک نادر واقعہ

بلخ و بدخشاں وغیرہ کی فتوحات کے بعد سلطان ہند و بادشاہ شاہ ثانی نے حضرت اورنگ زیب کو استحکانی وتوسیعی کارروائیوں کے لئے بلخ کی طرف روانہ کیا، ۳۵ ہزار سپاہی اور تجربہ

کارافسران ان کے ساتھ تھے، ازبکوں نے ایک لاکھ لشکریوں سے مقابلہ کیا، ان کے چھ ہزار سو مارے گئے اور شاہی سوار کے پانچ سواروں کی جانیں تلف ہوگئیں لیکن مارتا کاٹتا ہوا اورنگ زیب بلخ پہنچ گیا بلخ میں کچھ سوار اور توپچیوں کو چھوڑ کر اورنگ زیب نے مزید صوبوں آمچہ اور تیمور آباد پر حملہ کیا، وہاں گھمسان کی جنگ ہوئی اور شاہی سواروں نے ایسی یورش کی کہ باغی ٹھہر نہ سکے۔

اورنگ زیب اسی طرح مارتا کاٹتا لڑتا بھڑتا علی آباد پہنچا وہاں اس کو خبر لگی کہ دشمنوں کی فوج بلخ پر قبضہ کرنے کے لئے جارہی ہے، اورنگ زیب بلخ کی طرف پلٹا اور ایک زبردست مقابلہ کے بعد اورنگ زیب کی فوج غالب آگئی اور بلخ میں داخل ہوگئی، انہی ازبکوں کے خلاف ایک موقع پر سلطان اورنگ زیب بحالت پریشانی جنگ کررہا تھا مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ رات رات بھر فوجی سردار گھوڑے کی پشت پر رہتے اور لشکر کے چاروں طرف خندقیں کھودواتے اور نگرانی کرتے۔

دشمن کے پے در پے حملوں کی وجہ سے آرام کا مطلق موقع نہ تھا حتیٰ کہ کھانا ہاتھی کی پیٹھ پر تیار کیا جاتا تھا۔ اسی شغل ومصروفیت کے عالم میں عین گھمسان کی جنگ میں ظہر کا وقت آگیا اورنگ زیب گھوڑے سے اتر آیا اور نماز باجماعت کا قصد کیا، اس کے مقربین نے میدان کا رزار میں اس طرح نماز ادا کرنے سے روکنا چاہا لیکن اورنگ زیب نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور تیروں کی بارش میں پورے اطمینان وسکون سے فرض وسنت اور نفل ادا کئے اور ازبکوں کے سردار عبدالعزیز کو جب اس کی خبر پہنچی تو وہ بہت حیران ہوا اور یہ کہہ کر جنگ سے ہاتھ روک لیا کہ ایسے شخص سے جنگ کرنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

''باچنیں کسے درافتادن برافتادنی است۔''

دیکھئے اورنگ زیب عالمگیر کو کتنی مشغولیت تھی مگر نماز کو تمام اشغال پر مقدم رکھا پھر تو خدا کے فضل سے اس کا بہت اچھا اثر ونتیجہ بھی مرتب ہوا۔

آج لوگ امن وعافیت اور اطمینان میں رہتے ہوئے کبھی نماز کا اہتمام نہیں کرتے اور طوفانی جنگ وقتال اور پرشور ہنگامہ دار وگیر میں نماز کا اہتمام تو بہت مشکل اور دشوار نظر آتا ہے۔

تین عبرتناک واقعے

یہاں میں میں واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں جن میں ہمارے لئے عبرت ونصیحت کا بے پناہ ذخیرہ ہے۔

(۱)...... پہلا واقعہ تو یہ ہے کہ بغداد کو فتح کر لینے کے بعد ہلاکو خان نے اپنے ساتھیوں سے مستعصم باللہ کے قتل کا مشورہ کیا تو سب نے یہی مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر دو نام نہاد مسلمان اور غدار یعنی نصیر الدین طوسی اور علقمی جو ہلاکو خان کے دربار میں موجود تھے انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ سلامت آپ اس خلیفہ کے گندے خون سے اپنی تلوار کو ناپاک نہ کریں بلکہ اس کو چمڑے میں لپیٹ کر کچل دیا جائے۔ ہلاکو خان نے اس کام کی ذمہ داری علقمی کے سپرد کی جو کہ مستعصم کا وزیر رہ چکا تھا علقمی نے اپنے آقا کو چمڑے میں لپیٹ کر ایک ستون سے باندھا، پھر اس پر لاتوں کی بارش کر دی، یہاں تک کہ اس کا دم نکل گیا، پھر اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ اس کے بعد اس کی لاش زمین پر ڈال دی اور تاتاریوں کو اس لاش پر اچھلنے کودنے اور اسے کچلنے کا حکم دیا۔

(۲) ...دوسرا واقعہ یہ کہ جب تاتاری عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجا رہے تھے اور مسلمانوں کا خون بے دریغ بہا رہے تھے تو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلمانوں کو ان کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ابھارا مگر فقہاء اور علماء کا اس کے بارے میں اختلاف ہو گیا کہ تاتاریوں کے خلاف جنگ کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ تاتاری تباہی مچا رہے تھے اور مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے۔

(۳) تیسرا واقعہ یہ کہ خلیفہ نے کئی خفیہ زمین دوز حوض بنا رکھے تھے جن میں جواہرات اور اشرفیوں کی تھلیاں بھری ہوئی تھیں، ہلاکو خان نے یہ سب خزانے اپنے قبضے میں لے لئے اور خلیفہ کو نظر بند کر دیا۔

خلیفہ کو سخت بھوک لگی، اس نے کھانا مانگا تو ہلاکو خان نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ جواہرات کا ایک طشت بھر کر خلیفہ کے سامنے لے جاؤ اور کہو کہ یہ کھاؤ، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ خلیفہ نے کہا میں ان کو کیسے کھا سکتا ہوں میرے لئے تو روٹی لاؤ، ہلاکو خان نے اسے بڑی

عبرت آمیز بات کہی، کہا کہ جس چیز کو تم نہیں کھا سکتے اس کو حوضوں میں بھر کر کیوں رکھا ہے، اسے اپنی اور لاکھوں مسلمانوں کے جان بچانے کے لئے کیوں نہ خرچ کیا اور سپاہیوں کو کیوں نہ دیا تا کہ وہ تمہاری طرف سے بہادری کے ساتھ لڑتے اور تمہارا ملک بچاتے۔

ہر جگہ یہی ہوا

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ بڑی بڑی سلطنتیں اور مضبوط حکومتیں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں۔ بغداد اور اندلس کی طرح سمرقند و بخارا میں بھی یہی کچھ ہوا۔ یہ بھی بڑی مشہور علمی مرکز تھے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اسی سرزمین سے تعلق تھا۔ بہت مشہور بات ہے کہ کفار کا لشکر شہر کے بہت قریب پہنچ چکا تھا مگر مسلمان اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھی کہ پتھر سے استنجاء کرنا جائز ہے یا نہیں ہندوستان میں بھی یہی کچھ ہوا۔ مسلمانوں نے یہاں پر ہزار سال تک حکومت کی مگر آپس کے اختلافات کی وجہ سے اقتدار ان کے ہاتھ سے جاتا رہا، اور میر جعفر اور میر صادق کی بنگال اور دکن میں منافقت کی وجہ سے ٹیپو سلطان اور نواب سراج الدولہ شہید ہوئے اور ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوگئی۔

جنت کے لالچ میں عبادت مت کرو

قیام مکہ کے زمانے میں لوئس نے ایک سفیر سلطان دمشق کے پاس بھیجا تھا، جس کے ساتھ ایک شخص ایوے لابرتیان (YVES LA BRETAN) بطور مترجم کے گیا تھا، یہ شخص مسیحی واعظوں کے ایک حلقے سے تعلق رکھتا تھا، اور مسلماوں کی زبان سے واقف تھا ''مسلمانوں کی زبان یقیناً عربی ہے۔ ژواین ویل اس سفارت کار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

جب سفیر اپنی قیام گاہ سے سلدان (سلطان) کے محل کے طرف جا رہا تھا تو لابرتیان کو راستہ میں ایک مسلمان بڑھیا ملی، اس کے داہنے ہاتھ میں ایک برتن آگ کا تھا، بائیں ہاتھ میں پانی کی صراحی تھی، لابرتیان نے اس عورت سے پوچھا ''یہ چیزیں کیوں اور کہاں لے جارہی ہو؟''

عورت نے کہا: ''میں چاہتی ہوں اس آگ سے جنت کو جلا دوں، اور پانی سے جہنم کی آگ بجھا دوں تا کہ پھر دونوں کا نام ونشان باقی نہ رہے۔'' لابرتیاں نے کہا: ''تم ایسا کیوں کرنا چاہتی ہو؟''

اس نے جواب دیا: ''اس لئے تا کہ کسی انسان کے لئے اس کا موقع باقی نہ رہے کہ جنت کے لالچ اور جہنم کے ڈر سے نیک کام کرے، پھر وہ جو کچھ کرے گا صرف خدا کی محبت کے لئے کرے گا۔''

خانہ کعبہ کی زیارت

مولانا مظہر بقا مدظلہ نے لکھا ہے:

اللہ سبحان وتعالیٰ کے فضل وکرم سے آج تقریباً سوا دو بجے دن کو دوسری مرتبہ خانہ کعبہ کے اندر داخلے کی سعادت نصیب ہوئی اور تقریباً بارہ منٹ تک اندر رہا۔ خانہ کعبہ کی اصلاح وتعمیر کا کام کئی ماہ سے جاری ہے اور باہر سے لکڑی کا پارٹیشن لگا کر خانہ کعبہ کو اس طرح چھپا دیا گیا ہے کہ اس کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ اوقات کار میں تھوڑے تھوڑے سفارش اور غیر سفارشی آدمیوں کو اندر جانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

کام کرنے والوں کے علاوہ صرف زیارت کے لئے آنے والوں کی تعداد چونکہ تھوڑی ہوتی ہے اس لئے اس مرتبہ عبادت کے ساتھ اندر سے خانہ کعبہ کو دیکھنے کا موقع بھی اطمینان کے ساتھ نصیب ہوا۔ چونکہ چھت پر بھی کام ہو رہا تھا اس لئے چھت پر جانے کے لئے خانہ کعبہ کے شمال مشرقی کونے پر جو سیڑھیاں ہیں ان کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں اس دروازے میں داخل ہو کر چھت پر پہنچ گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ مزید سعادت بھی نصیب ہوگئی اوپر جانے کے لئے معتدل فاصلوں کی چون (۵۴) آہنی سیڑھیاں ہیں جن کی چوڑائی کم ہے۔ خانہ کعبہ کے اندرونی حصہ کی کیفیت یہ ہے:

(۱)......دو چھتیں ہیں۔ سب سے پہلے لکڑی کی چھت ہے اور اس کے کافی اوپر اصل چھت ہے۔

(۲)......درمیان میں تین ستون ہیں۔ لیکن پہلی زیارت میں دو ستونوں کے درمیان جو

دو صندوق رکھے دیکھے تھے اس وقت وہ صندوق نہ تھے۔ غالباً تعمیر کی وجہ سے ہٹا دیئے گئے۔

(۳)......مغربی سمت کی دیوار پر شمال سے جنوب تک چھ پتھر پر کندہ کتبے لگے ہوئے ہیں اس طرح کہ وہ دیوار ہی کا حصہ بن گئے ہیں۔ جنوب تک چھ پتھر پر کندہ کتبے لگے ہوئے ہیں اس طرح کہ وہ دیوار ہی کا حصہ بن گئے ہیں۔ جنوب کی جانب سے دوسرے کتبے کے نقوش میں سیاہ مرمر بھی استعمال کیا گیا ہے، باقی تمام کتبوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے پتھروں ہی میں کندہ کر دیا گیا ہے۔ اتنی مہلت کہاں تھی کہ کسی ایک کتبے کو بھی پڑھنے کی کوشش کرتا۔

(۴)......مشرقی دیوار میں بھی دو کتبے لگے ہوئے ہیں۔

(۵)......فرش اور دیواروں میں ہلکا زردی مائل سفید مرمر استعمال کیا گیا ہے، میری نظروں نے جو قدرے ضعیف ہو چکی ہیں مجھے یہی رنگ بتایا۔ اور یہ رنگ مجھے بہت خوبصورت معلوم ہوا۔

(۶)......دیواروں پر تقریباً بارہ فٹ بلندی تک سنگ مرمر لگایا گیا ہے اس سے اوپر کے پتھروں پر پلاسٹری بھی نہیں ہے۔

(۷) فرش کے درمیانی حصہ میں وہی دیواروں جیسا مرمر ہے اور کناروں پر کالی نیلی اور سرمئی پٹیوں کا بارڈر بنایا گیا ہے۔ دیواروں کے نچلے حصہ پر ویسا ہی گول گول کٹاؤ ہے جیسا کہ حرم ستونوں کے نچلے حصہ پر ہے۔

شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہارون کو نصیحتیں

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ہارون رشید سے ملے۔ تو بادشاہ نے عرض کیا۔ حضور! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے حضرت شفیق نے فرمایا۔

(۱)......خدا تعالیٰ نے تجھے صدیق اکبر کے مقام پر بٹھایا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ تم صدق و راستی سے کام لو......اور

(۲)......اس نے تجھے فاروق اعظم کے مقام پر بٹھایا ہے اور وہ چاہتا ہے۔ کہ تم حق و باطل میں فرق کرو......اور

(۳)......اس نے تجھے عثمان غنی کے مقام پر بٹھایا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ تم شرم و حیا کو

اپناؤ......اور

(۴)......اس نے تجھے علی المرتضےٰ کے مقام پر بٹھایا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم عدل و علم سے کام لو پھر ہارون رشید نے عرض کیا۔ کچھ اور بھی فرمائیے۔ تو ..... فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے جس کا نام جہنم ہے۔ اور تجھے اس نے اس کے دروازے پر بٹھایا ہے اس لئے تاکہ تم لوگوں کو جہنم سے دور رکھو۔ اور اس سے دور رکھنے کے لئے خدا نے تجھے تین چیزیں دی ہیں۔ مال درہ اور تلوار اور تجھے حکم دیا ہے کہ اے میرے بندے! لوگوں کو اس گھر سے ان تین چیزوں سے دور رکھ۔ جو محتاج آئے۔ اسے مال دے اور جو شریعت کی اتباع نہ کرے۔ اسے درے کے ساتھ مطیع بنا۔ اور جو ناحق قتل کرے اس کا تلوار کے ساتھ فیصلہ کر۔

ہارون رشید نے کہا۔ حضور! کچھ اور بھی فرمائیے۔ فرمایا! اے بادشاہ! تم دریا ہو۔ اور تمہارے عمال نہریں ہیں۔ تم اگر صاف رہو گے تو نہریں بھی صاف رہیں گی اور دریا ہی اگر گندہ ہو گیا۔ تو نہریں بھی گندی ہو جائیں گی۔ (نزہتہ المجالس ص ۵۲ ج ۲)

چاند سے زیادہ خوبصورت؟

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۃ التین)

''بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان میں چار چیزیں ایسی رکھی ہیں جو کسی دوسری مخلوق میں یکجا نہیں پائی جاتیں۔ یعنی ظاہر میں انسان کا خوب صورت جسم باطن میں روح، صفت ملکیت اور محبت الٰہی کا جذبہ۔ اسی لئے انسان کو کائنات کی حسین ترین مخلوق قرار دیا گیا ہے۔

عیسیٰ بن موسیٰ، خلیفہ منصور عباسی کا ایک درباری تھا وہ چاندنی رات میں اپنی بیوی سے گفتگو کر رہا تھا اچانک جذبات کی رو میں اس نے بیوی سے یوں کہہ دیا:

ان لم تکونی حسن من القمر فانت طالق ثلاثاً

''اگر تو اس چاند سے زیادہ حسین نہ ہو تو تجھ پر تین طلاق۔''

بات تو اس نے کہہ دی مگر اس کا نتیجہ دور رس تھا۔ بات خلیفہ کے دربار تک پہنچی کہ ایسا کہنے سے واقعی طلاق ہو گئی ہے یا نہیں علماء سے فتویٰ لیا گیا تو انہوں نے کہا کہ طلاق پڑ گئی ہے

کیونکہ عورت چاند سے حسین نہیں ہوسکتی۔

دربار میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک شاگرد بھی موجود تھے۔ خلیفہ ان کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوئے کہ وہ بھی اپنی رائے دیں تو انہوں نے بسم اللہ شریف پڑھ کر سورۂ التین کی ابتدائی تین آیات تلاوت کیں اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ساری مخلوق میں سے حسین ترین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ساری مخلوق میں سے حسین ترین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان جیسی کوئی ہستی کائنات میں پیدا ہی نہیں کی، تو چاند ایک انسان سے زیادہ بہتر کیسے ہوسکتا ہے۔ لہٰذا عورت چاند سے حسین ہے اور اس پر طلاق نہیں پڑی۔ اس استدلال سے سب لوگ مطمئن ہو گئے۔

انوکھا خواب اور فتح

تاریخ ابن خلکان میں رکن الدولہ بن بویہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اس کی کسی دشمن سے لڑائی ہوئی اور فریقین میں خوراک کی اس قدر تنگی ہوئی کہ دونوں نے اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کرنا شروع کر دیا اور رکن الدولہ کی حالت تو یہ ہوگئی کہ اگر اس کا بس چلتا تو شکست قبول کر لیتا۔

چنانچہ اس نے اپنے وزیر ابوالفضل بن العمید سے مشورہ کیا کہ آیا جنگ جاری رکھی جائے یا گریز کیا جائے؟

وزیر نے جواب دیا کہ آپ کے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ لہٰذا آپ مسلمانوں کے لئے خیر کی نیت رکھیں اور حسن سیرت اور احسان کرنے کا پختہ ارادہ فرمالیں اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ فتح حاصل کرنے کی جملہ تدابیر جو ایک انسان کے قبضہ قدرت میں تھیں وہ سب منقطع ہوچکیں۔ لہٰذا اگر ہم لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے پر کمر باندھ لیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن ہمارا تعاقب کر کے ہم کو قتل کر دیں گے۔ کیونکہ ان کی تعداد ہم سے بہت زیادہ ہے۔ بادشاہ نے وزیر کی یہ تقریر سن کر فرمایا کہ اے ابوالفضل میں تو یہ رائے تم سے پہلے ہی قائم کر چکا تھا۔

ابو الفضل وزیر کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد رکن الدولہ کے پاس سے اٹھ کر اپنے ٹھکانہ پر آ گیا۔ لیکن جب تہائی رات باقی رہ گئی تو رکن الدولہ نے مجھے بلا بھیجا اور کہا کہ ابھی میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ گویا میں اپنے دابہ (گھوڑے) فیروز نامی پر سوار ہوں اور ہمارے دشمن کو شکست ہو چکی ہے اور تم میرے پہلو میں چل رہے ہو۔ اور ہم کو ایسی جگہ سے کشادگی پہنچی کہ ثانی ہمارا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ چلتے چلتے میں نے نگاہ نیچی کر کے زمین کی طرف دیکھا تو مجھے ایک انگشتری پڑی ہوئی نظر آئی۔

چنانچہ میں نے اس کو اٹھالیا اور دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں فیروزہ کا نگینہ لگا ہوا ہے۔ میں نے اس کو تبرک سمجھ کر اپنی انگلی میں پہن لیا اور اس کے بعد فوراً میری آنکھ کھل گئی۔ میری رائے میں اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ہم کو انشاء اللہ فتح ہوگی۔ کیونکہ فیروزہ اور فتح دو مترادف الفاظ ہیں اور میرے گھوڑے کا نام بھی فیروز ہی ہے۔

وزیر ابو الفضل کا بیان ہے کہ ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ہم کو یہ خوشخبری پہنچی کہ دشمن فرار ہو گئے اور اپنے ڈیرے خیمے سب چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چنانچہ جب متواتر یہ خبریں آتی رہیں تو ہم کو دشمن کی ہزیمت کا یقین ہو گیا۔ بہر حال ہم کو دشمن کی شکست کے اسباب کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس لئے ہم آگے بڑھے مگر اس خیال سے کہ ہمارے ساتھ کہیں کسی نے کوئی دھوکہ نہ کیا ہو اس لئے ہم نے احتیاط کا پہلو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور میں احتیاطاً بادشاہ کے ایک جانب ہو گیا۔

بادشاہ اپنے گھوڑے فیروز پر سوار تھے۔ ہم ابھی کچھ ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ بادشاہ رکن الدولہ نے ایک غلام سے جو ان کے آگے آگے چل رہا تھا، چیخ کر کہا کہ یہ انگشتری اٹھا کر مجھے دو۔

چنانچہ غلام نے وہ انگشتری اٹھا کر بادشاہ کو دے دی۔ اس انگشتری میں ایک فیروزہ جڑا ہوا تھا۔ رکن الدولہ نے فوراً وہ انگشتری پہن لی اور کہنے لگا کہ میرے خواب کی تعبیر پوری ہوگئی۔ یہ بعینہ وہی انگشتری ہے جو میں نے خواب میں دیکھی تھی۔

رکن الدولہ کا نام حسن ابو علی تھا، یہ ایک جلیل القدر اور بارعب بادشاہ گزرا ہے۔ اصفہان، رے، ہمدان، آذر پورا عراق وعجم اس کی مملکت میں داخل تھے اس کے علاوہ اور بہت سے ممالک اس نے فتح کر کے اپنی زیر حکومت کر لئے تھے اور ان ممالک کے لئے اس

نے کچھ قواعد و قوانین بھی مقرر کیے تھے۔ اس عظیم بادشاہ نے ۴۴ سال تک حکومت کی اور ماہ محرم ۳۶۶ھ میں بعمر ۹۹ سال میں وفات پائی۔

خلیفہ منصور کے آنسو

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے تارک الدنیا ہونے کے باوجود فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گزر گیا کہ جب روپیہ رکھنا نقصان دہ تھا مگر آج کل روپیہ جمع کرنا مفید ہے اس لئے کہ آج کل غربت کا سب سے پہلا اثر دین پر ہوتا ہے کہ اس میں انسان کو حرام و حلال کی کچھ تمیز نہیں رہتی۔ پھر فرمایا کہ اگر ہمارے پاس یہ دینار نہ ہوتے تو یہ مالدار ہم کو دستمال (رومال) بنا لیتے مگر مال کی بدولت یہ ہم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔

ایک مرتبہ آپ خلیفہ منصور سے ملنے گئے۔ اس نے خیمہ میں بلایا تو فرمایا، یہ فرش جب تک اٹھایا نہ جائے، میں نہیں آسکتا۔ پھر فرش اٹھ گیا تو یہ آیت مبارکہ :

منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرىٰ

اس مٹی سے تم پیدا ہوئے۔ اسی میں جاؤ گے۔ پھر روز قیامت اسی سے اٹھو گے۔

پڑھتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے۔ اس پر منصور کے آنسو جاری ہو گئے، پھر آپ دیر تک اس کو نصیحت کرتے رہے۔

پھر جب جانے لگے تو منصور کے ایک عہدہ دار نے کہا، امیر المؤمنین، ایسے زبان دراز کے قتل کا حکم کیوں نہیں دیتے۔ اس پر ناراض ہو کر کہا، خاموش، سفیان ثوری اور مالک بن انس کے سوا کوئی نہیں جس کا ادب کیا جائے۔

فقیروں کا بادشاہ سے کیا کام

سلطان علاؤ الدین خلجی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری کے لئے بڑی کوشش کی تھی لیکن آپ نے کہلا بھیجا کہ فقیروں کو بادشاہوں سے کیا کام کہ ان کے مشیر یا حاضر باش بن جائیں۔ میں شہر کے ایک کونے میں پڑا ہوں اور بادشاہ اور عام مسلمانوں کے لئے دعائے خیر میں مشغول ہوں۔ اگر بادشاہ نے میری حاضری پر اصرار کیا تو

میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔

یہ پیغام شہزادہ خضر خان نے جو آپ کا مرید بھی تھا بادشاہ تک پہنچایا تو اس نے یہ کہلایا کہ وہ خود حضرت کی ملاقات کے لئے خانقاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ اس پر حضرت نے یہ جواب بھیجا کہ "اگر بادشاہ ایک دروازہ سے داخل ہوگا تو میں دوسرے دروازہ سے نکل جاؤں گا۔ آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔"

مسلمانوں کے تعمیری عجائبات

مسلمانوں نے اپنے اپنے وقتوں میں فن تعمیر میں ایسی ایسی عجائب کاریاں دکھلائیں کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔

عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے اپنے لئے ایک خاص محل بنوایا تھا۔ اس کے اندر ایک بہت بڑا حوض تھا۔ جس میں سونے چاندی کے مصنوعی درخت لگے ہوئے تھے۔ ان کو ہر ہر شاخ اور اس کے پتے جواہر اور موتیوں سے تیار کئے گئے تھے۔ جن میں جواہرات کے میوے اور پھل لگے ہوئے تھے۔ ان درختوں کی شاخوں پر سونے چاندی کے پرندے اس عمدگی سے بٹھلائے گئے تھے کہ جب ہوا چلتی تو یہ سارے پرندے چہچہانے لگتے اور ان سے دلنواز و دلفریب آوازیں پیدا ہوتیں۔ حوض کے چاروں طرف پندرہ مرد گھوڑے سواروں کے مجسمے اس طرح کھڑے تھے کہ سب ریشمی لباس پہنے شمشیر بکف تھے۔ ایسا معموم ہوتا تھا کہ ابھی ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوتے ہیں۔ اور دیکھنے والا انہیں اصل سمجھنے لگتا۔

اندلسی خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے قرطبہ سے چار میل کے فاصلہ پر قصر الزہراء کی تعمیر شروع کرائی۔ جس کی تکمیل اس کے بیٹے الحکم نے کی۔ اس عمارت کی تکمیل پر دو کروڑ اشرفیاں خرچ آئیں۔ یہ محل ۲۷۰۰ گز لمبا ۱۵۰۰ گز چوڑا تھا۔ اس میں سفید اور سبز پتھر کے ۴۳۰۰ ستون تھے عجیب وغریب قسم کے سنہرے اور روپہلے حوض تھے۔ ان کے خزانوں میں شیر، ہرن، تیندوا، اژدھا، عقاب، ہاتھی، کبوتر، شاہین مور، مرغ اور گدھ کے سرخ سونے کے مجسمے بنے ہوئے تھی جو بیش بہا موتیوں سے آراستہ تھے اور ان کے منہ سے پانی نکلتا رہتا تھا۔ اس محل کے وسط میں ایک بڑی مسجد تھی۔ جس کے تالابوں میں ہر قسم کی مچھلیاں رہتی تھیں۔

اسی طرح قصر الحمرا کی دیواریں مسلمانوں کی قرامید بنانے اور پچی کاری کی عروج کی داستان بیان کررہی ہیں۔ اس کے ستونوں میں سنگ مرمر بہت کم استعمال کیا گیا۔ مگر کوئی ایسا مصالحہ استعمال کیا جس کی وجہ سے ان کے حسن و لطافت کو کوئی دوسرا استون نہیں پہنچ سکا۔ اس کی چھتیں بھی ویسی ہی حسین تھیں۔ جن میں ہاتھی دانت کا سب سے زیادہ گناہگار ہوں۔

ایک مرتبہ مدین قحط پڑا، لوگ دوڑے ہوئے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس دعا کرنے کے لئے آئے تو فرمایا کہ بارش کا رکنا گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے او اس شہر میں سب سے زیادہ گناہگار میں ہی ہوں، لہذا مجھے شہر سے نکال دو تو بارش ہوجائے گی۔ پھر یہی نہیں کہ صرف کہہ دیا بلکہ شہر سے چلے بھی گئے۔

آج ہماری یہ حالت ہے کہ شب و روز گناہوں میں مبتلا ہیں پھر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ ہمارے گناہوں کی شامت ہے۔

شیخ کا بادشاہ مصر کا گریباں پکڑ کر ڈانٹنا

شیخ عز الدین بن عبدالسلام کا نام نامی تاریخ کے صفحات میں اسی آب و تاب سے چمک رہا ہے جس طرح ان کے کارنامے اور اس کے عزم و ہمت کی مثالیں اس دور کے مسلمانوں کے لئے نشان راہ تھیں۔ تاریخ کا طلب علم جب ان کے تذکرہ پر پہنچتا ہے تو کچھ رک سا جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ اگر اسی جانبازی و سرفروشی کی صفات موجودہ مسلمانوں میں پیدا ہو جائیں تو کیا وجہ ہے کہ ان کی عظمت رفتہ کا سراغ نہ مل سکے۔ علامہ باجی کا بیان ہے کہ شیخ عز الدین کے پاس ہر روز کچھ نہ کچھ سلطان مصر کی شکایات پہنچتی رہتی تھیں۔ شیخ انتظار میں تھے کہ کوئی مناسب موقع ملے تو شاہ کو سرزنش کریں۔

علامہ باجی کہتے ہیں کہ عید کا دن تھا۔ قاہرہ کی عوام و خواص شاہی محل کے پاس امنڈ آئے تھے کہ شاہ کو عید کی مبارکباد پیش کریں۔ پورا لشکر دیوان عام میں آنکھیں نیچی کئے ہوئے کھڑا تھا کہ لوگوں نے دیکھا کہ شیخ عز الدین شاہ کا جبہ پکڑے ہوئے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ڈانٹ رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ تو اس ملک کا والی ہے اور ہماری حکومت [illegible] جگہ جگہ شراب کی دوکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ تمہارے عہد حکومت میں لوگ پابندی سے [illegible] ادا کرتے ہیں اور طرح طرح

کی برائیں پھیل رہی ہیں ان سب کا تجھ کو خدا کے سامنے جواب دینا ہے اور جان لو کہ ملک میں بھلائی اور امن وامان پھیلانے کی ذمہ داری صرف تم پر ہے۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ جس وقت شیخ یہ الفاظ کہہ رہے تھے پورے مجمع پر ایک سناٹا طاری تھا سب ڈرے ہوئے تھے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ لیکن شاہ نے جب سر اٹھایا تو آنسوؤں سے اس کا چہرہ بھیگا ہوا تھا اور شدت تاثر سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ صرف اتنا کہہ سکا کہ شیخ عزالدین شراب کی یہ دو کانیں تو میرے والد کے زمانے سے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا غصہ اور بھڑک اٹھا۔ شاہ کا گریبان پکڑ کر چیخ اٹھے کہ تو یہ چاہتا ہے کہ ان لوگوں کا جواب دے جنہوں نے کہا تھا:

"انا وجدنا علیه اباء نا کذالک یفعلون"

''ہم نے اپنے آباء واجداد کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا۔''

یہ سن کر شاہ نے فوراً حکم دیا کہ ملک کے تمام شراب خانے بند کر دیئے جائیں۔

علامہ باجی کی روایت ہے کہ اس گفتگو کے بعد جب شیخ عزالدین بن عبدالسلام تشریف لائے تو میں نے دریافت کیا کہ جس وقت آپ شاہ وقت کو سرزنش کر رہے تھے تو کسی قسم کا خوف تو محسوس نہیں ہو رہا تھا اس پر شیخ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت میں شاہ سے بات کر رہا تھا تو میرے سامنے اللہ کی ہیبت اور اس کا خوف مجسم ہو کر آ گیا پھر میں نے شاہ کو دیکھا تو میری نگاہوں میں اس کی حیثیت ایک بلی یا چوہے سے بھی کم تھی۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف پورے ملک میں آناً فاناً یہ خبر پھیل گئی کہ آج بھرے دربار میں سلطان وقت کو ایک شیخ وقت نے ڈانٹ دیا۔

ان کی موت پر دمشق کے لوگ یتیم ہو گئے

انہی شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے دمشق میں دیکھا کہ کچھ فرنگی جنگی سامان کی خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ تفتیش و جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سب تیاریاں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے کی جارہی ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ دل بیتاب ہو گیا۔ طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے جو ہتھیار خریدے جا رہے ہیں ان سے امت محمدیہ (ﷺ) پر قاتلانہ حملے

کئے جائیں فوراً ہی فتویٰ دے دیا کہ ان فرنگیوں سے خرید وفروخت ناجائز ہے۔اس فتوے کے بعد ہی سے یہ معمول بنالیا تھا کہ ہر نماز کے بعد منبر پر چڑھ جاتے تھے اور عجیب وغریب پرسوز آواز میں مسلمانوں کی کامیابی کی۔ دعا مانگتے تھے۔علامہ سبکی کی روایت ہے کہ جس وقت شیخ دعا مانگتے تو پورا مجمع زاروقطار روتا تھا۔

بیت المقدس میں شیخ قید وبند کی آزمائش میں مبتلا ہیں وہاں کا بے غیرت سلطان فرنگیوں سے کہہ رہا ہے کہ ان کو میں نے صرف تم لوگوں کی خاطر زندان خانے بھیج دیا ہے۔فرنگی سخت حیرت میں ہیں اور بے حمیت سلطان سے کہہ رہے ہیں کہ خدا کی قسم اگر اس طرح کے لوگ ہمارے مذہب میں ہوں تو ہم لوگ ان کے پیر دھودھو کر پئیں۔ یہ سنتے ہی بے غیرت و بے حمیت سلطان پانی پانی ہوجاتا ہے۔

علامہ سبکی کہتے ہیں کہ تھوڑے عرصہ بعد مصری فوجوں نے چڑھائی کردی اور فتح یاب ہوئے اور اس طرح شیخ کو بھی آزادی ملی اور فرنگیوں کا زور گھٹ گیا۔

جس دن شیخ عزالدین نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی اس دن پورا عالم اسلام رنج وغم میں ڈوب گیا۔تمام لوگ اپنے کو یتیم محسوس کرنے لگے۔ملک ظاہر ببرس نے کہا کہ شیخ کہا کرتے تھے کہ دنیا ایک سایہ اور خواب ہے۔

صلاح الدین ایوبی کی ایمانی قوت کا نادر واقعہ

سلطان صلاح الدین ایوبی جس کا نام اسلامی تاریخ میں ہمیشہ عزت واحترام سے لیا جائے گا جو تاریخ کی آبرو وحکمران قوم کا بھرم تھا۔وہ عظیم شخصیت جس کا نام سنتے ہی مغربی دنیا کانپ اٹھتی تھی جس کی تلوار ساری عمر خدا کی راہ میں بے نیام رہی۔جس نے اسلام کی حمایت میں تنہا متحدہ عیسائی دنیا کا مقابلہ کیا اور مرتے دم تک مقابلے میں اسلام کے علم کو بلند رکھا۔

صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ۵۹ مقصد شام سے یہودیوں کو نکالنا تھا لیکن بعض اندرونی مصالح سے فرنگی فرماں رواؤں سے وقتی مصالحت ہوگئی تھی لیکن ریجی نالڈ برابر اپنے معاملے سے ہٹتا جارہا تھا۔مسلمان تاجروں کے قافلوں کو لوٹنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

ایک مرتبہ ۱۱۸۶ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کو لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کرلیا۔

جب ان لوگوں نے اس سے رہائی کا مطالبہ کیا تو اس نے مذاق کے لہجہ میں جواب دیا۔

''تم محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہو اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر چھڑا لے۔''

جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کو ریجی نالڈ کی اس گستاخانہ گفتگو کی خبر ملی تو اس نے قسم کھا کر کہا۔ ''اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو میں اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔''

صلیبی لڑائیوں کے سلسلے میں ایک موقع پر فرنگیوں کو شکست ہوگئی ہے۔ فرنگی شہنشاہ وشہزادے قید ہو ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے پیش ہو رہے ہیں۔ لیکن پول کے بیان کے مطابق اس جنگ میں گائی۔ پاٹلیون۔ ریجی نالڈ بھی گرفتار تھے۔ سلطان ایوبی نے گائی کو تو اپنے پہلو میں جگہ دی اور باقی امراء کو حسب مراتب بٹھایا۔ سلطان ایوبی کو دیکھ کر ریجی نالڈ کو اپنی بداعمالیاں یاد آ گئیں اور ساتھ ہی ساتھ سلطان کی قسم بھی یاد آ گئی جس نے ریجی نالڈ کا خون خشک کر دیا۔ گائی کی دلی تمنا تھی کہ سلطان ریجی نالڈ کو معاف کر دے۔ لیکن سلطان ایوبی نے گائی کو اس کی تمام بداعمالیاں گنائیں اور یہ بھی کہا کہ اس وقت میں محمد رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتا ہوں اور یہ کہہ کر اپنے ہاتھوں سے ریجی نالڈ کا سر قلم کر دیا۔

گائی ریجی کا یہ انجام دیکھ کر بہت خوف زدہ ہوا لیکن سلطان ایوبی نے اس کو اطمینان دلایا کہ ہم مسلمانوں کا یہ دستور نہیں ہے کہ لوگوں کو خواہ مخواہ قتل کرتے رہیں۔ ریجی نالڈ کو تو صرف اس کی حد سے بڑھی ہوئی بداعمالیوں کے نتیجے میں اور حضور ﷺ کے ساتھ گستاخی کی پاداش میں قتل کیا گیا ہے۔

حضرت صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خلیفہ مہدی کو نصیحتیں

حضرت صالح بن بشیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے صاحب باطن اور اہل دل تھے، وہ بڑے عبادت گزار اور مشہور قاریوں میں سے تھے، ان کی آواز میں بڑا درد تھا، ان پر خوف خدا کا ایسا غلبہ تھا کہ منہ سے جو بات نکلتی وہ سامعین کے دل پر فوراً اثر کرتی تھی۔ وہ حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ مہدی کی دعوت پر شاہی محل تشریف لائے تو مہدی نے اپنے بیٹوں موسیٰ اور ہارون سے کہا، تم دونوں کھڑے ہو جاؤ اور آگے بڑھ کر اپنے چچا کو سواری سے اتارو۔ چنانچہ دونوں آگے بڑھے یہ دیکھ کر حضرت صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے

نفس کی طرف متوجہ ہوئے اور دل میں کہنے لگے، اے صالح ''اگر تو نے یہ سب اعمال خیر اسی دن کے لئے کئے تھے تو یقیناً تو ہلاک ہو گیا۔''

غرض یہ کہ آپ مہدی کی اس غیر معمولی تعظیم سے بالکل متاثر نہ ہوئے پھر ایک مرتبہ جب وہ بغداد میں موجود تھا تو اس کے پاس گئے اور چند ابتدائی کلمات کے بعد اس سے فرمایا، یاد رکھو، سب سے زیادہ بدنصیب وہ انسان ہے جو اپنی خواہشات کا غلام ہو اور اس نے خواہشات کی تکمیل تقرب الی اللہ کے بہانے سے کی ہو، اس کے برخلاف قیامت کے دن اس شخص کا قدم بڑی مضبوطی سے اپنی جگہ جما رہے گا جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر قائم رہنے میں سب سے زیادہ مضبوط اور مستعد ہو گا۔ آپ جیسا بلند مرتبت بادشاہ اگر کبھی معصیت کا ارتقاب کرے تو کوئی شخص اس کو روکنے والا نہیں ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ برائیوں کو بھی اچھائی بنا کر پیش کیا جائے گا اور جو خیانت شعار علماء ہیں وہ آپ کے ناپسندیدہ کام کے بہتر ہونے کے دلائل بیان کریں گے اور یہ وہ زبردست جال ہے کہ جس کے ذریعہ دنیا آپ جیسے لوگوں کا شکار کر لیتی ہے۔ آخر میں فرمایا، امیر المؤمنین آپ میری نصیحتوں کو برداشت کریں میں نے ان کے بیان کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس سے مہدی رونے لگا پھر اس نے صرف سننے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان نصیحتوں کو لکھوا کر سرکاری دفتروں میں محفوظ کرا دیا۔

خالق سے ڈرو مخلوق سے نہ ڈرو!

عامر بن شراحیل کی حق گوئی

ایک دن عمر بن ہبیرۃ نے حسن بصری اور عامر بن شراحیل کو مشورے کے لئے بلایا اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین یزید بن عبد الملک کو اللہ تعالیٰ نے مسند خلافت عطا کی۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس نے مجھے عراق اور ایران کا گورنر مقرر کیا ہے کبھی کبھی وہ مجھے ایسے سرکاری خطوط ارسال کرتا ہے جس میں بعض ایسے اقدامات کرنے کا حکم ہوتا ہے جو میرے نزدیک مبنی بر انصاف نہیں ہوتے کیا ایسے احکامات سے پہلو تہی اختیار کرنے کا دینی لحاظ سے میرے لئے

کوئی جواز نکلتا ہے۔

حضرت عامر بن شراحیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسا جواب دیا جس میں خلیفہ کے لئے نرم رویہ اور گورنر کو خوش کرنے کا انداز پایا جاتا تھا۔

لیکن حضرت حسن بصری خاموش بیٹھے رہے۔

گورنر عمر بن ہبیرۃ نے حسن بصری کی طرف دیکھا اور کہا: ابوسعید آپ کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے: آپ نے فرمایا: اے ابن ہبیرۃ ہوسکتا ہے کہ آسمان سے ایک ایسا سخت گیرو فرشتہ نازل ہو جو قطعاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتا وہ تجھے تخت سے اٹھا کر اس محل کی وسعتوں سے نکال کر ایک تنگ و تاریک قبر میں ڈال دے، وہاں تو یزید کو نہیں دیکھ سکے گا وہاں تجھے وہ عمل ملے گا جس میں تو نے اپنے اور یزید کے رب کی مخالفت کی تھی۔

اے ابن ہبیرۃ اگر تو اللہ کا ہو جائے اور ہر دم اس کی اطاعت میں سرگرم رہے وہ تجھے یقیناً دنیا و آخرت میں یزید کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

اور اگر تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے یزید کا ساتھ دے گا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی تجھے یزید کے ظلم و ستم کے حوالے کر دے گا اے ابن ہبیرۃ خوب اچھی طرح جان لو، مخلوق میں خواہ کوئی بھی ہو اس کا وہ حکم نہیں مانا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہو۔

یہ باتیں سن کر ابن ہبیرۃ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی، پھر وہ حضرت عامر بن شراحیل شعبی کو چھوڑ کر حضرت حسن بصری کی طرف مائل ہوئے، اور حد درجہ ان کی عزت و اکرام بجالائے۔

جب دونوں بزرگ گورنر کی ملاقات سے فارغ ہو کر مسجد میں پہنچے لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے اور ان سے گورنر کے ساتھ ہونے والی باتیں معلوم کرنے لگے۔

حضرت عامر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لوگوں کے سامنے برملا کہا:

لوگو! ہمیں ہر حال میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مخلوق پر ترجیح دینی چاہئے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے آج حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گورنر عمر بن ہبیرۃ کو کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے میں نہ جانتا ہوں لیکن میں نے اپنی گفتگو میں گورنر کی خوشنودی کو ملحوظ خاطر رکھا اور حسن بصری نے اپنی گفتگو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھا اللہ تعالیٰ نے مجھے گورنر

کی نظروں میں گرادیا اور حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کی نگاہوں میں محبوب بنادیا۔

شرابی کو پکڑنے والے کے لئے ۱۰۰ کوڑے

ابن ہرمہ ابوجعفر منصور کے پاس آیا۔ منصور نے کہا مانگو کیا چاہتے ہو۔ وہ کہنے لگا۔ مدینہ کے عامل کو لکھ دیجئے کہ جب وہ مجھے نشے کی حالت میں دیکھے تو حد جاری نہ کرے۔ منصور نے کہا حدود کو باطل کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ ابن ہرمہ نے کہا اس کے سوا مجھے کوئی کام نہیں۔ منصور نے حکم دیا کہ عامل مدینہ کو لکھ دیا جائے کہ کوئی شخص ابن ہرمہ کو نشے کی حالت میں تیرے پاس لائے تو ابن ہرمہ کو اسّی کوڑے اور لانے والے کو سو کوڑے مارو۔ اس کے بعد سپاہی اس کے پاس سے گذرتے وہ نشے میں مدہوش ہوتا۔ وہ کہتے کون اسی کے بدلے میں سو خریدے۔ یہ کہہ کر اسے چھوڑ کر چلے جاتے۔

آپ ﷺ کے مبارک جوتے ۱۰ ہزار درہم میں

ایک دن مہدی عام ملاقات کے لئے بیٹھا تھا کہ ایک آدمی آیا اس کے ہاتھ میں رومال میں لپٹا ہوا ایک جوتا تھا۔ اس نے عرض کی امیر المومنین یہ رسول اکرم ﷺ کی نعلین ہیں۔ یہ آپ کو بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔

مہدی نے کہا، لاؤ۔

اس نے وہ نعلین لے کر انہیں چوما، اپنی آنکھوں سے لگایا اور اس شخص کو دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ جب وہ چلا گیا تو اپنے درباریوں سے کہا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے یہ علم نہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس جوتے کو پہننا تو درکنار دیکھا تک نہیں۔ لیکن اگر ہم اس کی تکذیب کرتے تو وہ لوگوں سے کہتا میں سرکار دو عالم ﷺ کے نعلین مہدی کے پاس لے کر گیا تھا اس نے واپس کردیئے اور لوگ بھی اپنی سادہ لوحی کے سبب اس کی بات کو سچ سمجھتے۔

معتضد باللہ اور کٹے ہوئے ہاتھ

معتضد باللہ کا ایک خادم اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ وہ خلیفہ کے محل میں دریائے

دجلہ کے کنارے کھڑا تھا۔ اس نے ایک شکاری کو دیکھا جس نے دریا میں اپنا جال پھینکا ہوا تھا۔ جال بھاری ہو گیا۔ اس نے اسے کھینچا تو اس میں توشہ دان تھا۔ شکاری نے سمجھا کہ اس میں مال و دولت ہے۔

جب اس نے اسے کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ توشہ دان میں اینٹیں ہیں اور اینٹوں کے درمیان مہندی سے رنگین ہاتھ ہے۔ اس کے ساتھ ہی غلام نے توشہ دان، ہاتھ اور اینٹیں پیش کر دیں۔ یہ دیکھ کر بادشاہ سناٹے میں آ گیا۔ اور غلام کو حکم دیا کہ شکاری سے کہو کہ دربار میں اس جگہ کے آس پاس اور نیچے دوبارہ جال پھینکے۔ شکاری نے ایسا ہی کیا تو ایک اور توشہ دان نکلا جس میں پاؤں تھا۔ تلاش بسیار کے باوجود مزید کچھ نہ نکلا۔

معتضد یہ سن کر غمگین ہو گیا۔ کہنے لگا: میرے شہر میں کوئی آدمی انسان کو قتل کر کے اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے اور مجھے کوئی علم نہیں، یہ کیسی بادشاہی ہے۔ دن بھر بادشاہ نے کچھ نہ کھایا۔ اگلے دن اس نے اپنے ایک قابل اعتماد آدمی کو طلب کیا۔ اسے خالی توشہ دان دیا اور کہا: اس کو شہر کے توشہ بنانے والے کاریگروں کے پاس لے جاؤ۔ اگر کوئی اسے پہچان لے تو اس سے پوچھو کہ اس نے یہ توشہ دان کسے بیچا، اگر وہ تمہیں بتا دے تو اس دکاندار سے پوچھوں کہ اس سے کس نے خریدا ہے۔ خیال رکھنا کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔

وہ آدمی چلا گیا اور تین دن کے بعد واپس آیا اور بادشاہ کو بتایا کہ وہ تلاش کر رہا یہاں تک کہ اس کے کاریگر کو پا لیا۔ اس نے اسے بتایا کہ فلاں عطار نے اسے خریدا تھا۔

جب عطار سے پوچھا تو اس نے کہا: یہ توشہ دان تمہارے ہاتھ کیسے لگا؟

فلاں ہاشمی نے تین دن پہلے مجھ سے دس توشہ دان خریدے تھے۔ معلوم نہیں کہ اس کا کیا ارادہ تھا۔

میں نے اس سے پوچھا کہ یہ ہاشمی کون ہے؟

اس نے کہا کہ وہ مہدی کی اولاد میں سے ایک آدمی ہے لوگ اسے عظیم آدمی سمجھتے ہیں لیکن وہ بہت بدکردار اور ظالم ہے، لوگوں کی عزتوں سے کھیلتا ہے اور ان کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے۔ لوگوں میں سے کوئی ایسا آدمی نہیں جو بادشاہ تک اس کی خبر پہنچائے۔

وہ مجھے اس کی بری باتیں سنا تا رہا حتیٰ کہ اس نے مجھے بتایا کہ اس شخص کو فلاں گلوکارہ کے

ساتھ کئی سال سے عشق تھا، وہ حسن و جمال میں بے مثال تھی۔ اس نے اس کی مالکہ کے ساتھ سودا طے کیا کہ وہ تین دن کے لئے اسے اس کے حوالے کردے اور تین دن کی آمدن کے برابر وہ اسے مال دے گا۔ اس عورت نے مال لے کر مغنیہ تین دن کے لئے اس کے حوالے کر دی۔ جب تین دن گذر گئے تو اس نے اسے غائب کر دیا اور اس کے بارے میں یہ مشہور کر دیا کہ وہ بھاگ گئی ہے۔ پڑوسی کہتے ہیں کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اسی کے پاس ہے۔ اس کی مالکہ اس ہاشمی کے دروازہ پر آئی اور آہ وفغاں شروع کر دی۔

لیکن بے سود معتضد کو جب حقیقت حال کا علم ہوا تو وہ سجدہ شکر بجالایا، اس نے فوراً ہاشمی کو گرفتار کرنے اور مالکہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ کٹا ہوا ہاتھ اور پاؤں ہاشمی کے سامنے کیا گیا۔ ان کو دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا اور اسے موت کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اعتراف جرم کر لیا۔ معتضد نے بیت المال سے لونڈی کی قیمت مالکہ کو ادا کر دی اور ہاشمی کو قید میں ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ اسے قتل کر دیا گیا یا وہ قید خانہ میں مر گیا۔

بادشاہ کی سخاوت، سچ بولنے پر 70 ہزار درہم کا تحفہ

ابن حمدون کہتا ہے کہ میں نے قسم اٹھالی اور اللہ سے عہد کیا کہ جوئے کے ذریعے مال نہیں حاصل کروں گا۔ اس ذریعے سے جو چیز مجھے ملے گی اسے موم بتی جلانے، نبیذ پینے یا مغنیہ کے معاوضہ میں دے دوں گا۔ ایک دن میں معتضد کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ میں نے ستر ہزار درہم کی شرط جوئے میں جیت لی۔ معتضد رقم کی ادائیگی سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کے لئے اٹھا۔

میں بیٹھا سوچتا رہا، مجھے اپنی قسم پر ندامت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ ان ستر ہزار سے کتنی مشعیں جلاؤں گا، کتنی شراب پیوں گا یا کتنی لونڈیوں کو اجرت دوں گا۔ قسم اٹھانے میں اتنی جلدی کی کیا ضرورت تھی۔ اگر میں نے قسم نہ اٹھائی ہوتی تو اس رقم سے جاگیر خرید سکتا تھا۔

جب بادشاہ نے سلام پھیرا تو مجھے کہا: تم کیا سوچ رہے تھے؟

میں نے کہا، بہتر سوچ رہا تھا۔

بادشاہ نے کہا، سچ سچ بتاؤ۔ میں نے اسے سچ سچ بتا دیا۔ بادشاہ نے کہا: تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں جوئے میں تمہیں ستر ہزار دوں گا؟ جاؤ اور اس کے بارے میں مت سوچو۔ یہ کہا اور اٹھ کر نماز فرض پڑھنا شروع کر دی۔

یہ دیکھ کر مجھے پہلے سے بھی زیادہ غم لاحق ہوا اور مال کے جاتے رہنے پر مجھے بہت ندامت ہوئی۔ میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ کیوں سچ سچ بتایا تھا۔ جب بادشاہ نماز سے فارغ ہوا تو اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! میری زندگی کی قسم! سچ سچ بتاؤ کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو؟

میں نے سچ سچ بتا دیا۔

بادشاہ کہنے لگا: جہاں تک جوئے کا تعلق ہے اس کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ میں تمہیں اپنے مال سے ستر ہزار دوں گا، اس طرح تمہیں رقم دینے میں مجھے کوئی گناہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تمہیں لینے میں گناہ ہوگا۔ اس طرح تمہاری قسم بھی پوری ہو جائے گی اور تم حلال طریقے سے جاگیر بھی خرید سکو گے۔

یہ سن کر میں نے بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، مال لے لیا اور اس کے ساتھ جاگیر کا سودا کیا۔

ظلم کے خلاف جان قربان کردی

جھیل بیکال سے منگولوں کے فتنے نے عالم اسلام کو بے حد متاثر کیا۔ بخارا اور سمرقند خس وخاشاک کی طرح اس سیلاب کی نذر ہو گئے۔ حضرت نجم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ منگولوں کے ظلم سے بچنے کے لئے تم لوگ کسی ایسے مقام پر چلے جاؤ جو منگولوں کے دست ظلم سے باہر ہو۔ آپ کے مریدوں نے آپ کو اکیلا چھوڑ کر خود محفوظ مقام پر جانے سے اعتراض کیا۔ مگر آپ نے اپنے مرید خاص شیخ مجد الدین اور دیگر مریدوں کے علاوہ سب کو ہجرت کا حکم دیا اور خود منگولوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

آپ کے مریدوں نے عرض کیا کہ حضرت! اگر آپ منگولوں کو بددعا دیں تو تب بھی وہ تباہ و برباد ہو جائیں پھر یہ جنگ کرنے کا ارادہ چہ معنی دارد؟

آپ نے فرمایا کہ ان منگولوں کو بددعا کی بجائے تلوار کے ذریعے واصل جہنم کیا جائے گا۔ اس طرح آپ نے کافر منگولوں کے ساتھ جنگ کا فیصلہ کیا۔ آپ کے مرید اور آپ سامان جنگ سے لیس ہو کر میدان کارزار میں آ گئے۔ آپ کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ آپ نے جو خرقہ پہن رکھا تھا وہ آگے سے کھلا ہوا تھا۔ اس کو آپ نے دونوں اطراف سے باندھ لیا تھا۔

پھر آپ نے اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ شہادت کا اس سے بہتر کوئی موقعہ نہیں مل سکتا۔

اس کے بعد آپ نے منگولوں پر حملہ کر دیا، آپ اور آپ کے مریدوں پر تیروں کی بارش کر دی گئی۔ ایک تیر آپ کے سینے میں پیوست ہو گیا مگر آپ نے ہمت نہ ہاری اور بڑی پامردی سے منگولوں کے پاک کی نو دموں والے پرچم پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد آپ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے واصل حق ہو گئے۔ آپ کی روح پرواز کر گئی مگر آپ نے پرچم نہ چھوڑا۔

منگولوں نے پرچم چھیننے کی بہت کوشش کی مگر بڑے بڑے زور آور بھی پرچم واپس نہ لے جا سکا۔ آخر کار یہ طے پایا کہ جتنا پرچم آپ کے ہاتھ میں ہے اس سے بقیہ حصہ کاٹ لیا جائے۔ پھر ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت نجم الدین کبریٰ شہید ولی اللہ ہیں۔ آپ کی شہادت ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں ہوئی۔

حضرت طاؤس ہشام بن عبدالملک کے دربار میں

حضرت طاؤس بن ہشام بن عبدالملک کے دربار میں آئے تو ہشام ناراض ہو گیا کہنے لگا تم نے چپل اتارے اور نہ ہی مجھے امیر المومنین کہا اور نہ ہی مجھے کنیت سے پکارا؟

تو طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کہا:

جہاں تک تمہارے فرش کے کنارے پر میرے چپل اتارنے کی بات ہے تو میں یہ چپل روزانہ پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتے ہوئے بھی اتارتا ہوں لہذا نہ مجھے ملامت کرو اور نہ میرے اوپر غصہ کرو اور رہی یہ بات کہ میں نے تمہیں یا امیر المؤمنین کہہ کر سلام نہیں کیا تھا تو وہ اس لئے کیونکہ ساری مومن تمہاری امارت سے راضی اور خوش نہیں ہیں، اس لئے اگر میں تمہیں امیر المومنین کہتا تو جھوٹ بولتا اور تمہارا یہ کہنا کہ میں

نے تمہاری کنیت سے تمہیں مخاطب نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو (یاداؤد)، (یایحییٰ)، (یاعیسیٰ) کہہ کر پکارا ہے، جبکہ اپنے دشمنوں کو ان کی کنیت سے مخاطب کیا، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تبت يدا أبی لهب و تب O

اور رہی تمہاری یہ بات کہ تم میرے پاس آکر بیٹھ گئے تو میں نے امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر تم کسی دوزخی کو دیکھنا چاہو تو ایسے آدمی کو دیکھو جو خود تو بیٹھا ہوا ہو اور اس کے گرد لوگ کھڑے ہوئے ہوں۔

تو ہشام بن عبدالملک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: مجھے نصیحت کرو۔

تو انہوں نے کہا: میں نے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ دوزخ میں خچروں کے برابر سانپ اور بچھو ہوں گے جو ہر اس حکمران کو ڈسیں گے جو اپنی رعیت کے ساتھ عدل وانصاف نہ کرتا ہو، پھر وہ اٹھے اور وہاں سے نکل گئے۔

(ثمرات الاوراق ۹۶)

امیر طغرل کا آپ ﷺ کی زیارت کرنا

شاہان سلجوقیہ سے میں سے طغرل بادشاہ ایک مرتبہ اپنے لشکر سمیت موصل کی طرف روانہ وہا۔ یہ عظیم لشکر راستے میں ایک گاؤں میں پہنچا۔ تو گاؤں والوں پر زیادتیاں شروع کردیں۔ جن سے گاؤں والے بڑے پریشان ہوئے۔ اسی رات طغرل بادشاہ کو خواب میں حضور ﷺ ملے۔ بادشاہ نے سلام عرض کیا۔ تو حضور نے رخ انور پھیر لیا۔ اور فرمایا۔

''اللہ نے تمہیں اپنی مخلوق پر حاکم منایا ہے۔ اور تم اس کی مخلوق کو پریشان کرنے لگے ہو۔ کیا تم اللہ کے قہر وجلال سے نہیں ڈرتے ہو۔

بادشاہ کی آنکھ کھلی تو وہ کانپ رہا تھا۔ اور اسی وقت اس نے سارے لشکر میں منادی کرادی کہ خبردار کوئی سپاہی کسی شخص پر ذرہ بھر بھی زیادتی نہ کرے۔ ورنہ اسے سخت سزا دی جائے گی۔

(حجۃ اللہ علے العالمین ص ۸۰۹)

امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت

ابوالعباس طوسی امام ابوحنیفہ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا تھا۔ امام صاحب کو بھی اس کا علم تھا۔ ایک مرتبہ امام صاحب ابوجعفر منصور کے دربار میں تشریف لائے، بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ طوسی نے اپنے دل میں کہا کہ آج میں ابوحنیفہ کو قید خانے میں ڈلوادوں گا۔

وہ کہنے لگا: ابوحنیفہ! امیر المومنین ہم میں سے کسی آدمی کو بلاتے ہیں اور اسے کسی کی گردن اڑا دینے کا حکم دیتے ہیں۔ وہ شخص نہیں جانتا کہ کیا وہ مجرم ہے یا نہیں، کیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟

امام صاحب نے فرمایا کیا امیر المومنین ہمیں حق بات کا حکم دیتے ہیں یا باطل کا؟

طوسی نے کہا، حق بات کا۔

امام صاحب نے فرمایا: پھر حق کو نافذ کرو اور اس کے بارے میں سوال نہ کرو۔

پھر امام صاحب نے قریب بیٹھے ہوئے شخص کو بتایا کہ یہ شخص مجھے باندھنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے باندھ دیا۔

خون آلود اشرفیاں

بغداد میں خلیفہ مستنجد باللہ کی حکومت تھی۔ ایک روز خلیفہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں حضور غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پیش کیں۔ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

''اے خلیفہ! مجھے ان کی حاجت نہیں ہے۔''

جب خلیفہ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک تھیلی کو دائیں ہاتھ میں اور دوسری کو بائیں ہاتھ میں پکڑا اور پھر ان کو زور سے دبایا تو ان تھیلیوں میں سے خون جاری ہو گیا۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''اے خلیفہ! تجھے اللہ تعالیٰ سے شرم نہیں آتی کہ مخلوق خدا کا خون چوستے ہو اور اس کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے ہو اور پھر میرے پاس

لے آتے ہو؟"

خلیفہ نے جب یہ دیکھا تو وہ وہیں بے ہوش ہوگیا۔ پھر حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ کی قسم! اگر اس کو حضور نبی کریم ﷺ سے نسبت نہ ہوتی تو میں ان تھیلیوں کو اس قدر خون نچوڑتا کہ یہ خون بہہ کر اس کے محل تک چلا جاتا۔"

اکبر کا اللہ کی بغاوت کرنا

جب اکبر نے دین الٰہی کو پھیلانا شروع کیا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ خود دلی تشریف لے آئے اور بادشاہ کے درباریوں سے فرمایا:

بادشاہ اللہ اور رسول ﷺ کا باغی ہوگیا ہے۔ میری طرف سے اس کو کہہ دو کہ اس کی بادشاہی، اس کی طاقت، اس کی فوج، ہر چیز ایک دن ختم ہو جائے گی، وہ توبہ کر کے اللہ اور رسول ﷺ کا فرمانبردار ہو جائے، ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے۔

اگر چہ اکبر پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن یہ فائدہ ہوا کہ اس نے دین الٰہی کو قبول کرنے پر سختی کرنا چھوڑ دیا۔

میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا

حضرت مجدد الف ثانی کی مقبولیت کو دیکھ کر کچھ درباریوں نے جہانگیر کو اکسایا تو اس نے آپ کو دربار میں بلایا۔ اب آپ اس انداز میں دربار میں آئے کہ نہ تو بادشاہ کو سلام کیا اور نہ سجدہ تعظیمی کیا۔ اس پر آپ سے سجدہ کے لئے کہا گیا تو فرمایا، میں اللہ کے سوا کسی کے آگے سجدہ نہیں کرتا۔

اس کے بعد جہانگیر نے آپ کو گوالیاء کے قلعہ میں قید کر دیا، آپ کا مکان لوٹ لیا گیا لیکن آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر جہانگیر کو ندامت ہوئی اور اس نے شیخ کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن حضرت نے اس کے لئے بھی چند شرطیں رکھیں اور فرمایا کہ جب تک یہ پوری نہ ہوں گی میں جیل سے باہر نہیں آؤں گا۔ وہ شرطیں یہ تھیں:

(۱)......سجدہ تعظیمی کرانا بند کیا جائے۔
(۲)......ہندوستان میں جتنی مسجدیں شہید کرائی گئی ہیں ان کو دوبارہ تعمیر کروایا جائے۔
(۳)......بادشاہ اپنے ہاتھ سے گائے ذبح کرے اور گائے کشی عام کی جائے۔
(۴)......مقدمات کے فیصلوں میں شرعی احکام نافذ کئے جائیں اور ہر جگہ شرعی قاضی مقرر کئے جائیں۔
(۵)......غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جائے۔
(۶)......باطل رسومات کو بالکل ترک کیا جائے۔
(۷)......تمام قیدی جو شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے قید کئے گئے ہیں انہیں رہا کیا جائے۔

پھر جہانگیر نے سب شرطیں مان لیں تو حضرت جیل سے باہر آئے۔

شیخ الاسلام زکریاؒ کی حاکم مصر کو نصیحت

ان کو نویں صدی کا مجدد بھی کہا گیا ہے۔ یہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں اور شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد ہیں۔ ان کی ابتدائی زندگی نہایت تنگ دستی تھی اکثر فاقہ ہوتا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں، میں جامع از ہر میں تعلیم حاصل کرتا تھا، بعض اوقات فاقہ کی شدت سے کچھ نہ ہوتا تو رات کی تاریکی میں وضو خانہ کے قریب پڑے ہوئے تربوز کے چھلکے اٹھا لیتا اور دھو کر اس سے اپنی بھوک مٹا لیتا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ تین ہزار درہم یومیہ آمدنی ہوئی لیکن وہ سب حاجت مندوں میں خرچ ہو جاتی تھی، نہ جانے کتنے غریبوں کے روز ینے مقرر تھے۔

آپ کے زمانہ میں مصر کا حکمران اشرف قاتیبائے آپ کا بڑا معتقد تھا۔ وہ بار بار اصرار کرتا تھا کہ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول فرمالیں لیکن آپ اس کے لئے بالکل تیار نہ تھے، آخر ایک دن اس نے یہاں تک کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے سامنے پیدل چل کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خچر کو ہنکاتا ہوا آپ کے گھر تک جایا کروں۔

چنانچہ بڑے اصرار کے بعد راضی ہوئے مگر حق بات کہنے سے کبھی اس کی پروا نہیں کی۔

خود فرماتے ہیں کہ بعض اوقات خطبہ میں میری تنقید اتنی سخت ہوجاتی کہ مجھے خیال ہوتا کہ شاید اب قاتیبائے مجھ سے بات بھی نہیں کرے گا لیکن نماز کے بعد سب سے پہلے وہ مجھ سے ملتا، میرے ہاتھ پر بوسہ دیتا اور کہتا، جزاک اللہ خیراً ایک دن میں نے اسے وہ سخت باتیں کہیں کہ اس کا رنگ زرد ہوگیا، پھر اس سے کہا، جناب والا، اللہ کی قسم، میں آپ کے ساتھ یہ معاملہ آپ کی شفقت کی بنا پر کرتا ہوں۔ جب آپ اپنے پروردگار کے پاس پہنچیں گے تو میرا شکر ادا کریں گے اللہ کی قسم مجھے یہ پسند نہیں کہ آپ کا جسم جہنم کا کوئلہ بنے۔

اس کے باوجود آپ اس منصب پر ہمیشہ افسوس کرتے تھے، آپ کے شاگرد شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھ سے فرمایا ''قضاء کا منصب قبول کرنا میری غلطی تھی، اس لئے کہ پہلے میں لوگوں کی نگاہوں سے چھپا ہوا تھا، اب اس کی وجہ سے لوگوں میں شہرت ہوگئی ہے۔''

اس پر میں نے عرض کیا، حضرت میں نے بعض اولیاء سے سنا ہے کہ شیخ کے منصب قضاء نے ان کے حالات پر پردہ ڈال دیا ہے، لوگوں میں ان کے زہد و ورع اور مکاشفات کی شہرت ہونے لگی تھی، اس پر شیخ نے فرمایا، الحمدللہ بیٹے، تم نے میرا بوجھ ہلکا کردیا۔

بے وفا دنیا کے دھوکہ میں نہ آتا

امیر اندلس عبدالرحمٰن ناصر نے ہسپانیہ میں ایک خوبصورت شہر کی تعمیر کی تھی جس پر ایک مدت تک بڑے اخراجات ہوتے رہے، یہ ایک ایسا فضول مشغلہ تھا کہ حضرت منذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ ایک موقعہ پر آپ اس سے یوں مخاطب ہوئے:

''امیر المؤمنین دنیا بہت ہی بے وفا اور غدار ہے اس لئے اس زندگی سے دھوکہ نہ کھائیں۔ آپ کی گذشتہ تاریخ روشن کارناموں سے آراستہ ہے۔ اس لئے ان ناروا کاموں سے اپنے رب کو ناراض نہ کریں اور اپنی گذشتہ تاریخ کو بے قیمت نہ بنائیں۔''

یہ سن کر عبدالرحمٰن ناصر اس قدر متاثر ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس کے بعد حضرت منذر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو واپس چلے آئے لیکن تھوڑی دیر بعد ایک سپاہی آپ کے

پاس آیا۔ اس کو دیکھ کر فرمایا ''معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن پر شیطان کا جادو پھر چل گیا ہے اور شاید تم میری گرفتاری کے لئے آئے ہو، میں تو کب سے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کا منتظر ہوں، چلو ابھی چلتا ہوں۔''

اس پر اس نے عرض کیا، آپ نے غلط سمجھا ہے۔ میں تو آپ کو خوشخبری دینے آیا ہوں کہ ناصر نے محل کی چھت کے گنبد تڑوا دیئے ہیں اور سونے چاندی کا سامان نکال کر معمولی سامان لگانے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی حکم جاری کیا ہے کہ محل کے تمام مجسمے گرا دیئے جائیں۔

اس کی تصانیف مجھ سے پہلے ہر جگہ پہنچ گئیں

امیر تیمور نے کہیں ایک اہم پیغام بھیجا اور پیغامبر سے کہا کہ راستہ میں جہاں تمہیں گھوڑے کی ضرورت پیش آئے تو جس کا گھوڑا چاہو لے لو خواہ میرے بیٹے شاہ رخ ہی کا گھوڑا ہو۔

پیغامبر چلا۔ راستہ میں کسی جگہ علامہ سعد الدین تفتازانی ٹھہرے ہوئے تھے۔ پیغامبر نے ان کا بندھا ہوا گھوڑا کھولا اور لے جانے لگا۔ علامہ نے اسے پکڑ لیا اور خوب مارا اور اس سے گھوڑا لے لیا۔

پیغامبر نے یہ بات امیر تیمور تک پہنچائی تو امیر تیمور نے کہا کہ اگر میرا بیٹا بھی ہوتا تو اس بات پر میں اسے قتل کر دیتا، لیکن میں ایسے شخص کو کیسے قتل کر دوں کہ میں جس شہر میں بھی پہنچا ہوں، اس کی تصانیف میری تلوار سے پہلے وہاں پہنچ چکی ہیں۔

ملکہ سبا بلقیس تر و تازہ لاش

ملکہ سبا بلقیس سات سال کچھ ماہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی زوجیت میں رہ کر تدمر میں فوت ہوئیں۔ اور وہیں دفن ہوئیں۔ حضرت سلیمان کا ظہور تدمر ہی میں ہوا تھا۔ ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں ان کا تابوت کھل گیا۔ تابوت پر لکھا تھا کہ ملک سلیمان کے اکیسویں سال ان کا انتقال ہوا۔ تابوت کو کھولا گیا تو ان کا جسم تر و تازہ تھا۔ یہ بات ولید تک پہنچائی گئی۔ ولید نے حکم دیا کہ تابوت وہیں دفن کر دیا جائے اور اس پر پتھر کی عمارت بنا دی جائے۔

غلام کا بادشاہ سے کہنا کیا بار بار مجھے پکارتے ہو

خلیفہ مامون الرشید، قاضی یحییٰ بن اکثم کی بہت قدر کرتا تھا۔ وہ دن یا رات کے کسی حصے میں مامون کے پاس آئیں تو ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

ایک مرتبہ قاضی یحییٰ نے مامون کے پاس رات گزاری۔ گفتگو کرتے ہوئے کافی رات گزر گئی۔ مامون کو پیاس محسوس ہوئی۔ اس نے آواز دی: یا غلام! دو تین بار آواز دینے کے بعد ایک ترکی غلام آیا اور اس نے تیز لہجے میں کہا: کیا لگا رکھا ہے یا غلام، یا غلام، نہ خود سوتے نہ ہمیں سونے دیتے۔

غلام کے جانے کے بعد مامون نے قاضی یحییٰ سے کہا کہ ان کے ساتھ اگر نرمی برتی جائے تو ان کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور اگر سختی برتی جائے تو یہ ٹھیک رہتے ہیں، لیکن ہمارے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں کر سکتا کہ ان کے اخلاق درست کرنے کے لئے اپنے اخلاق بگاڑ لوں۔

امانت کی حفاظت میں بیٹے کو قتل کرنا برداشت کر لیا

امراؤ القیس نے جب روم کے بادشاہ (قیصر) کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو، سموأل کے پاس زرہ بکتر، ہتھیار اور بہت سا قیمتی ساز و سامان، بطور امانت رکوا دیئے، پھر جب امراؤ القیس کا انتقال ہو گیا تو کندہ کے بادشاہ نے قاصد بھیج کر سموأل کے پاس بطور امانت رکھے ہوئے زرہ بکتر اور ہتھیار طلب کئے، تو سموأل نے جواب دیا: میں یہ سب سامان انہیں دوں گا جو اس کے اصل مستحق ہیں اور اسے کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا۔

قاصد دوبارہ پھر وہی پیغام لے کر سموأل کے پاس آیا، مگر اس نے پھر انکار کر دیا اور بولا: میں بدعہدی نہیں کرتا، اور نہ ہی امانت میں خیانت کرتا ہوں۔ میں اپنی وفاداری ہر حال میں نبھاتا ہوں۔

اس کا جواب سن کر کندہ کے بادشاہ کو بہت غصہ آیا، اور وہ اپنے سپاہی لے کر سموأل کی طرف روانہ ہو گیا، یہ دیکھ کر سموأل نے اپنے باپ کے بنائے ہوئے اس قلعے میں پناہ لی جو

تیماء کے علاقے میں تھا بادشاہ نے اس کا محاصرہ کرلیا، اور سموئل کے بیٹے کو، جو قلعے سے باہر تھا قید کرلیا، اور پھر قلعے کے گرد چکر کاٹتا ہوا، سموئل کو پکارنے لگا، اس کی آواز سن کر سموئل قلعہ کی چھت پر نمودار ہوا، بادشاہ نے جیسے ہی اسے دیکھا، کہنے لگا:

میں نے تمہارے بیٹے کو قید کرلیا ہے، اور اب وہ میرے قبضہ میں ہے، اگر تم زرہ بکتر اور اسلحہ میرے حوالے کردو تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا، ورنہ تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے بیٹے کو ذبح کردوں گا اور تم دیکھتے رہ جاؤ گے، اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔

تو سموئل نے جواب میں کہا میں وہ نہیں جو عہد شکنی کر کے اپنی وفاداری سے منہ موڑ لے، تم جو چاہو کرو۔

اور بادشاہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیٹے کو ذبح کرڈالا، مگر پھر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا، اور ناکام و نامراد واپس لوٹ گیا، اور سموئل نے اپنی وفاداری نبھانے کے لئے، اپنے بیٹے کے قتل پر صبر کرلیا۔

پھر جب امراؤالقیس کے وارث اس کے پاس آئے تو اس نے زرہ بکتر اور اسلحہ ان کے حوالے کردیا۔

اس کے نزدیک امانت کی حفاظت، اور پاس وفاداری، اس کے بیٹے کی زندگی اور بقا سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ اپنی وفاداری کے بارے میں وہ کہتا ہے:

امانت کو بچا کر میں نے نبھائی ہے دیانت داری
جب سب نے کی خیانت کی میں نے وفاداری

(قصص العرب ۱/۱۵۷)

مظلوم عورت کی پکار پر ۱۲ ہزار کا لشکر مدد کے لئے آ گیا

ایک آدمی خلیفہ المعتصم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: یا امیر المؤمنین! میں عموریہ میں تھا کہ ایک پاکیزہ صفت باندی کے ایک رومی نے طمانچہ ماردیا، تو وہ بے اختیار پکار اٹھی: وامعتصماہ!

تو وہ رومی کہنے لگا: المعتصم کیا کرسکتا ہے، کیا وہ ایک ابلق گھوڑے پر آ کر تمہاری مدد کر

ے گا، اور یہ کہہ کر اسے اور مار نے لگا۔

تو المعتصم نے پوچھا: یہ عموریہ کدھر ہے؟

تو اس آدمی نے ہاتھ کے اشارے سے عموریہ کی سمت بتائی کہ ادھر ہے، تو المعتصم نے اپنا رخ ادھر پھیرا اور کہا: لبیک اے جاریہ لبیک! المعتصم باللہ نے تمہاری پکار سن لی، پھر بارہ ہزار ابلق گھوڑوں کی فوج تیار کر کے عموریہ کے لئے روانہ ہو گیا، اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔

مگر طویل عرصہ تک محاصرہ کرنے کے باوجود وہ اسے فتح نہ کر سکا تو اس نے نجومیوں کو جمع کیا، انہوں نے کہا کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ تم اسے اس وقت تک فتح نہیں کر سکتے جب تک کہ انگور اور انجیر کے پکنے کا موسم نہ آ جائے۔

یہ سن کر المعتصم بہت دل آزردہ ہوا اور ایک رات اپنے خدم و حشم کے ساتھ وہ دورے کے لئے نکلا کہ سنوں تو آخر میرے سپاہی میرے بارے میں کیا کیا باتیں کرتے ہیں؟

یونہی چلتے چلتے اس کا گذر ایک لوہار کے خیمہ کے پاس سے ہوا، جو گھوڑے کی نعل بنایا کرتا تھا، اس لوہار کا ایک ملازم تھا جو گنجے سر والا ایک بدصورت لڑکا تھا، وہ نہائی پر ضرب لگاتے ہوئے بولا: یہ ضرب المعتصم کے سر پر! تو وہ لوہار کہنے لگا:

تمہیں المعتصم سے کیا لینا؟ ہمیں اس معاملہ میں نہیں پڑنا چاہئے۔

تو وہ لڑکا بولا: اسے تدبیر کرنی نہیں آتی، اتنے دن ہو گئے اسے اس شہر کا محاصرہ کئے ہوئے، مگر ابھی تک اسے فتح نہیں کر پایا، اگر وہ یہ معاملہ میرے سپرد کر دے تو کل ہی وہ شہر کے اندر ہو گا۔

المعتصم کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا، وہ اپنے کچھ آدمیوں کو وہیں چھوڑ کر اپنی قیام گاہ میں واپس چلا گیا، جب صبح ہوئی تو اس کے آدمی اس لڑکے کو لے کر آئے تو المعتصم نے اس سے کہا: اے لڑکے تم نے وہ سب کچھ کیوں کہا جو ہم نے سنا؟

تو وہ لڑکا بولا: آپ نے جو کچھ سنا وہ سچ ہے، اگر آپ یہ لڑائی میرے سپرد کر دیں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح نصیب کریں گے۔

تو المعتصم نے کہا: جاؤ! میں نے جنگ کی قیادت تمہیں سونپی۔ اور اپنا جنگی لباس اسے پہنا کر اعلان جنگ کر دیا۔ اور پھر واقعی فتح اس کا مقدر بنی اور المعتصم شہر میں داخل ہو گیا اور

نجومیوں کی بات غلط ثابت ہوئی۔

پھر المعتصم نے اسی آدمی کو بلایا، جس نے اسے باندی والا قصہ سنایا تھا اور اس سے کہا: مجھے اسی جگہ لے چلو جہاں تم نے اس لڑکی کو دیکھا تھا، تو وہ المعتصم کو لے کر چلا، وہاں پہنچ کر المعتصم نے اس باندی کو باہر نکالا اور اس سے کہا: اے جاریہ! کیا المعتصم نے تمہاری پکار کا جواب دے دیا یا نہیں؟

اور پھر المعتصم نے اس رومی کو جس نے اسے طمانچہ مارا تھا، اور اس باندی کے مالک اور اس کی ساری دولت کو اس باندی کی غلامی میں دے دیا اور اسے ان کا مالک بنا دیا۔

بڑھیا کی جائیداد اور مامون کا فیصلہ

ایک شکستہ حال بڑھیا خلیفہ مامون کے دربار میں آئی اور شکایت پیش کی کہ ایک ظالم نے میری جائیداد چھین لی ہے۔

مامون نے کہا، کس نے اور وہ کہاں ہے؟

مامون کو بڑھیا نے اشارے سے بتایا کہ وہ شخص آپ کے پہلو میں موجود ہے۔

مامون نے دیکھا تو وہ خود اس کا بیٹا عباس تھا۔ وزیر کو حکم دیا کہ شہزادہ کو بڑھیا کے برابر لے جا کر کھڑا کر دو۔ پھر دونوں کے اظہار سنے۔ شہزادہ عباس رک رک کر آہستہ گفتگو کرتا تھا لیکن بڑھیا بے دھڑک بلند آواز سے مسلسل گفتگو کرتی تھی۔

وزیر نے بڑھیا کو روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلا کر بولنا بے ادبی ہے۔

مامون نے کہا نہیں جس طرح چاہے اسے آزادی سے بولنے دو۔ سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے۔

جب دونوں کے اظہار ختم ہو گئے تو مامون نے فیصلہ بڑھیا کے حق میں کیا اور جائیداد اسے واپس دلا دی اور معقول رقم عباس سے بطور جرمانہ وصول کر کے بڑھیا کو دلا دی تا کہ اس کی تکلیف کا کچھ معاوضہ ادا ہو سکے جو کہ بڑھیا کو اس کی جائیداد عباس کے قبضہ میں چلے جانے اور انصاف حاصل کرنے کے لئے اٹھانا پڑی تھی۔

مامونؒ کی تواضع

خود مامون پر ایک شخص نے تیس ہزار کا دعویٰ دائر کیا جس کی جواب دہی کے لئے اس کو قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ خدام نے قالین لا کر بچھایا کہ خلیفہ اس پر تشریف فرما ہو۔
قاضی نے حکم دیا کہ قالین اٹھادو۔ عدالت کے رو برو خلیفہ اور مدعی دونوں برابر درجہ رکھتے ہیں۔ مامون نے کچھ برا نہ مانا بلکہ بہت خوش ہوا۔

قیامت کے دن سکون سے رہنے کا نسخہ

اندلس کے سلطان الحکم ایک روز اپنے ایک خاص مصاحب پر ناراض ہوئے اور حکم دیا۔ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ اس وقت اتفاقاً زیاد بن عبدالرحمٰن جو ایک عالم شخص تھے آ پہنچے اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ مالک بن انس نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جو شخص اپنے غیظ وغضب کو باوجود قدرت کے ضبط کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قلب کو سکون واطمینان سے پر کر دے گا۔
اس حق گوئی کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلطان کا غیظ وغضب کافور ہو گیا اور مصاحب کی خطا معاف کر دی۔

زاہد کون

حضرت حاتم بن اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خلیفہ بغداد نے دعوت پر بلایا اصرار ہوا تو آپ چلے گئے خلیفہ نے پر تپاک استقبال کیا آپ نے فرمایا:

> ''السلام علیکم یا زاہد! خلیفہ نے عرض کیا، حضرت! میں تو دنیا داری میں فنا ہوں میں زاہد کیسے ہو سکتا ہوں، زاہد تو آپ ہیں کہ آپ کو دنیا سے کوئی رغبت ہی نہیں۔ حضرت نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے''متاع الدنیا قلیل''دنیا کا سامان کتنا ہی کیوں نہ ہو وہ آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہے۔

اور تم چونکہ اسی قلیل پر خوش ہو اور اسے جمع کرنے کی فکر میں ہو اور آخرت کی متاع کثیر کی تمہیں کوئی فکر نہیں اس لئے تم کو زاہد کہہ رہا ہوں۔ خلیفہ آپ کی بات سمجھ گیا اور خاموش ہو گیا۔

دشمن بھی ایوبیؒ کی بہادری کو مانتے تھے

انگلستان کا بادشاہ رچرڈ جو شیر دل کہلاتا تھا وہ فرانس کے بادشاہ یورپی حکمرانوں اور متعصب مذہبی رہنماؤں سے روپیہ پیسہ اور بے تحاشا اسلحہ لے کر آیا تاکہ قدس کی سرزمین میں مسلمانوں کا نام ونشان مٹادے اور عیسائیوں کے مذہبی جذبات کو ابھارنے کے لئے رچرڈ اور اس کے مشیروں نے اس لڑائی کو صلیبی جنگ کا نام دیا تھا اور پھر عیسائیوں کے ٹڈی دل نے مسلمانوں پر مظالم کے ایسے پہاڑ توڑے کہ زمین تھرا اٹھی اور آسمان کی پیشانی عرق آلود ہو گئی، مساجد کی بے حرمتی کی گئی، شہر تہس نہس کر دیئے گئے، عزتیں لوٹی گئیں، آبادیاں، جنگل کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

صلاح الدین ایوبی مسلمانوں کے ایک عظیم حوصلہ مند قائد کے روپ میں سامنے آیا۔ اس نے صلیبیوں کے دانت کھٹے کر دیئے اس کے تابڑ توڑ حملوں سے رچرڈ کی فوج میں بددلی پھیل گئی اور قریب تھا کہ کمینہ دشمن میدان سے فرار ہو جاتا، صلاح الدین کو خبر ملی کہ رچرڈ بیمار ہے۔ اس عظیم انسان نے خبر سنتے ہی جنگ روک دی حالانکہ اس وقت دشمنان دین کو شکست دینے کا بہترین موقع تھا۔ پھر اسے اطلاع ملی کہ کسی بھی معالج کے علاج سے رچرڈ تندرست نہیں ہو رہا تو صلاح الدین ایوبی نے اپنے طبیعت خاص کو علاج کے لئے بھیجا۔ اس کے باڈی گارڈ کو شک گزرا کہیں صلاح الدین ایوبی کا طبیب علاج کے بہانے زہر دینے نہ آیا ہو۔ رچرڈ کو اطلاع ملی تو اس نے کہا آنے دو میں اسی سے علاج کراؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ایوبی میرا دشمن ضرور ہے کمینہ اور بزدل نہیں ہے وہ دوبدو مقابلہ کرے گا لیکن چھپ کر وار نہیں کرے گا۔

حق کو پسند کرنے والا بادشاہ

قاضی شرف الدین محمد عبداللہ (جو ابن عین الدولہ کے نام سے بھی مشہور ہیں) کی

عدالت میں ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا۔ جس میں سلطان وقت کی گواہی تھی۔

قاضی نے بادشاہ کے نام بہ نفس نفیس حاضر عدالت ہو کر گواہی دینے کا حکم نامہ جاری کیا۔ جس پر مجبوراً اسے حاضر عدالت ہونا پڑا۔ قاضی نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''بادشاہ حکمران ہوتے ہیں۔ گواہی نہیں دیتے۔''

بادشاہ اس فقرہ سے سمجھ گیا کہ میری شہادت اس عدالت میں کوئی وقعت حاصل نہ کر سکے گی۔ اس لئے گرما کر قاضی سے کہا۔

''میں گواہی دوں گا۔ تم اسے قبول کر لینا۔''

قاضی نے سلطان کی گواہی لینے کے بعد اسے نا قابل اعتبار قرار دے کر مسترد کر دیا۔ اس سے وقار شاہی کو بہت ٹھیس لگی۔ بادشاہ نے اپنی گواہی کے مسترد ہونے کی وجہ پوچھی تو قاضی نے کہا۔

''آپ خود انصاف کریں کہ میں آپ کی گواہی کیسے قبول کروں جب کہ آپ ایک مغنیہ پر عاشق ہیں۔ وہ رات کو آپ کے پاس آتی ہے اور دن میں آپ بیبا کانہ اس کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ جہاں نشہ کے عالم میں اس کی پیش کردہ باندیوں سے ملتفت ہوتے ہیں۔''

بادشاہ سے یہ صاف گوئی برداشت نہ ہو سکی اس نے قاضی کو کچھ سخت سست الفاظ کہے۔

قاضی نے بدیں وجہ استعفاء دے دیا کہ:

''حکمرانوں کی مداخلت سے انصاف نہیں ہو سکتا۔''

کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے اپنے درباریوں کے مشورہ پر اپنی غلطی کا احساس کیا۔ اور خود بہ نفس نفیس قاضی کے مکان پر گیا۔ اور انہیں راضی کر کے مسند عدالت پر بٹھایا۔

یہاں بھی یہی مصیبت ہے کہ محکمہ عدلیہ محکمہ انتظامیہ کے ماتحت ہے۔ جس کی وجہ سے انتظامی مصالح کی بنا پر عدالتی کارروائی میں مداخلت کر کے انصاف کا خون کیا جاتا ہے۔

ایک حکم پر بصرہ گناہوں سے پاک ہو گیا

ماہ ربیع الاول ۴۵ ہجری میں زیاد ابن سفیان بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے انہوں نے وہاں پہنچ کر ایک زوردار خطبہ دیا۔ اہل شہر سے کہا۔

''خدا کی کتاب تم میں موجود ہے۔ رسول اللہ تمہارے لئے شمع ہدایت چھوڑ گئے ہیں مگر تم اندھیرے میں چل رہے ہو بے عقلی اور گناہ کی باتیں کرتے وقت شرم تک محسوس نہیں کرتے۔ تم نے اسلام میں ایسی ایسی چیزیں روا رکھی ہیں۔ جو پہلے کسی نے روا نہیں رکھیں۔ تم شراب پیتے ہو اور فسق و فجور کرتے ہو۔ قحبہ خانے کھول رکھے ہیں اور وہاں جا کر بدکاریاں کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں یہ تمام جگہیں مسمار کر دوں گا۔ تمہارا رات کو نکلنا بند کر دوں گا۔ اور جس نے میرے احکام کی مخالفت کی اس کا خون بہا دوں گا۔''

آپ نے جیسا کہا ویسا کر دکھایا۔ آپ نے کرفیو لگا دیا۔ اور بعد نماز عشاء جو بھی باہر نکلا اس کی گردن اڑا دی گئی۔ گو بظاہر یہ حکم سخت تھا مگر اس وقت کے حالات اسی کے مقتضی تھے۔ چنانچہ ایک ماہ کے اندر اندر بصرہ سے بدمعاشی۔ آوارگی کے اڈے اٹھ گئے......

چوریاں بند ہو گئیں......

ڈکیتوں کا خاتمہ ہو گیا......

شہر کی حالت ایسی سدھری کہ ہر ایک نے اطمینان کا سانس لینا شروع کیا۔ اور گھروں کے دروازے کھول کر سونے لگے۔ اگر رات کو کوئی قیمتی چیز باہر رہ جاتی۔ تو اسے صبح کو وہ خود ہی اٹھاتا۔ اور کسی کو اٹھانے کی ہمت نہ ہوتی۔ یہاں تک کہ لوگ دکانیں اکیلی چھوڑ جاتے۔ اور ایک تنکا تک ضائع نہ ہوتا۔

زیاد بن سفیان نے اس وقت کا جو نقشہ کھینچا تھا۔ بعینہٖ آج وہی حالت ہے۔ عزت۔ دولت محفوظ نہیں اور امن وامان برائے نام ہے۔ ان باتوں کا انحصار حاکم وقت کی امانت و دیانت پر ہوتا ہے۔ اگر اسے رعایا کی بہتری اور خدا کے سامنے اپنی جواب دہی کا احساس ہو گا۔ تو وہ اس سے بھی زیادہ سخت قدم اٹھانے میں باک نہیں کرے گا۔

وہ جس کی موت پر کافر بھی روئے

محمد بن معبد کا بیان ہے کہ میں شاہ روم کے پاس گیا تو اسے نہایت غمگین صورت بنائے زمین پر بیٹھے ہوئے پایا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟

بادشاہ بولا کہ تمہیں معلوم نہیں کیا ہوا؟

میں نے پوچھا فرمائیے کیا ہوا؟

شاہ روم نے کہا کہ ''مرد صالح'' کا انتقال ہو گیا۔

میں نے پوچھا وہ کون؟

بولا امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی دیر چپ رہ کر پھر بولا۔ ''اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کرسکتا تھا تو وہ عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن عبدالعزیز ہی تھے۔ مجھے اس تارک الدنیا راہب کی حالت پر کوئی تعجب نہیں۔ جس نے دنیا کو چھوڑ کر اپنا دروازہ بند کرلیا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ مجھے تو تعجب اس شخص پر ہے جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی لیکن اس نے اسے پامال کر کے راہبانہ زندگی اختیار کی۔''

حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن عبدالعزیز کی وفات پر صرف مسلم ہی نہیں، غیر مسلم بھی روئے، مجاہد کہتے ہیں کہ میں سفر میں تھا۔ ایک نبطی مجھ سے ملا۔ تعارف کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تم عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے وقت موجود تھے۔

میں نے کہا کہ ہاں! وہ یہ سن کر رو پڑا اور ان کے حق میں رحمت خداوندی کی دعائیں کرنے لگا۔ میں نے پوچھا۔ تم ان کے لئے رحمت کی دعا کیوں مانگتے ہو؟ وہ تو تمہارے مذہب پر نہ تھے۔

اس پر اس نے جواب دیا۔ میں عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو نہیں روتا، میں تو اس روشنی پر روتا ہوں جو زمین پر تھی اور اب بجھ چکی ہے۔

ایک شخص نے عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ حضرت! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ وہ بولے۔ آیا تمہیں وہ نصیحت کروں جو میں نے خود دیکھی ہے یا وہ جو صرف سنی ہے۔

اس نے عرض کیا جو آپ نے خود دیکھی ہے وہی فرمائیے۔ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بولے سنو! حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن عبدالعزیز نے وفات کے وقت گیارہ لڑکے چھوڑے۔ ان کا کامل ترکہ ۱۷ دینار تھا۔ جس میں سے پانچ دینار ان کے کفن پر صرف ہوئے۔ دو دینار سے قبر کے لئے زمین خریدی گئی اور باقی لڑکوں میں تقسیم ہوا۔ ہر لڑکے کے حصے میں انیس (۱۹) انیس (۱۹) درہم وتقریباً پانچ پانچ پاکستانی روپے) آئے۔

ہشام بن عبدالملک بھی گیارہ لڑکے چھوڑ کر مرا جن میں سے ہر ایک کو دس دس لاکھ درہم ملے۔ لیکن میں نے عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن عبدالعزیز کے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس نے ایک دن میں سو۱۰۰ گھوڑے جہاد کے لئے خدا کی راہ میں دیئے۔ اور ہشام کے ایک لڑکے کو دیکھا جس کو لوگ صدقہ دے رہے تھے۔

بہادر ماں باپ کا بہادر بیٹا! عبداللہ بن زبیرؓ

اےھ میں عبدالملک بن مروان کے حکم سے مشہور ظالم وسفاک حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک بڑی فوج کے ساتھ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عین حرم مکہ میں محصور کرلیا اور ہر طرف سے محاصرہ تنگ کر کے ''سامان رسد'' کی آمد بالکل بند کردی مکے میں قحط پڑ گیا اور گھرے ہوئے لوگ گھوڑے تک ذبح کر کے کھانے پر مجبور ہو گئے۔

ان حالات سے گھبرا کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہزاروں آدمی حجاج کے پاس پناہ لینے کے لئے مکے سے نکل بھاگے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی۔ لیکن حالات یہاں تک شدید ہو گئے کہ ان کے بعض خاص خاص ساتھی بلکہ لڑکے تک ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ عبدالملک چاہتا تھا کہ اگر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھک جائیں تو ان سے رعایت کی جائے۔

حالات کی یہ خرابی دیکھ کر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تھیں۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خدمت میں عرض کیا:

''اماں جان میرے ساتھی ایک ایک کر کے مجھ سے الگ ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ دو لڑکے بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ چند وفادار جاں نثار جو باقی ہیں ان میں بھی اس مقابلے کی ہمت نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہماری رعایت کرنے پر آمادہ ہے۔ فرمائیے ایسی حالت میں آپ کا ارشاد کیا ہے؟''

اس سوال کا جو جواب حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا، اس پر عورتوں کی تاریخ کو

ہمیشہ فخر وناز کا حق پہنچا ہے، انہوں نے فرمایا:

''بیٹا تمہیں اپنی حالت کا اندازہ خود ہوگا، اگر تم حق پر ہو اور حق کے لئے لڑتے ہو تو اب بھی اس کے لئے لڑو۔ لڑنا ہرگز موقوف نہ کرو۔ کیونکہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اسی حق کی خاطر جان دے دی ہے اور اگر تم دنیا پرستی کے لئے لڑ رہے تھے تو تم سے زیادہ برا کون خدا کا بندہ ہوسکتا ہے کہ اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور ساتھیوں کو بھی ہلاک کرادیا۔ اگر اب یہ عذر پیدا ہوگیا ہے کہ لڑتے تو حق کے لئے تھے لیکن مددگاروں نے ساتھ چھوڑ دیا تو مجبور ہوگئے ہو تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ مصائب سے گھبرا کر دشمنوں سے امان حاصل کرلیں۔ آخر تمہیں کب تک دنیا میں رہنا ہے، موت تو ایک دن آنے ہی والی ہے۔ جاؤ حق پر جان دینا دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔''

بہادر ماں کا یہ جواب سن کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''اماں! مجھے یہ خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد دشمن میری لاش کو بگاڑ کر سولی پر لٹکا دیں گے۔''

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''ذبح ہوجانے کے بعد بکرے کو کھال اتارنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔ میں ہر حالت میں صبر وشکر سے کام لوں گی۔ اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہوگئے تو صبر کروں گی۔ اور اگر کامیاب ہوگئے تو تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی۔''

یہ کہہ کر بیٹے کو دعائیں دیں اور گلے لگا کر رخصت کیا۔ رخصت کے وقت پھر فرمایا: ''بسم اللہ! جاؤ اپنا کام پورا کرو!''

کئی دن تک لاش لٹکی رہی:

بہادر ماں سے آخری بار رخصت ہوکر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زبیر اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے پاس آئے وہ اپنی زرہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہنے پر پہلے ہی اتار کر پھینک چکے تھے اب انہوں نے قمیص کا دامن اٹھا کر کمر سے باندھ لئے، آستینیں چڑھا لیں اور شہادت سے پہلے آخری تقریر یوں کی:

''اے آل زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تلواروں کی جھنکار سے خوفزدہ مت ہو۔ کیونکہ زخم میں دوا لگانے کی تکلیف اصل زخم سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ تم میں سے ہر شخص اپنے مدمقابل پر حملہ آور ہو۔ حالت جنگ میں مجھے نہ تلاش کرنا۔ اگر مجھے دیکھنا ہی چاہو تو سب سے آگے دشمنوں سے لڑتا ہوا ملوں گا۔''

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جرأت وشجاعت اور جنگی مہارت کی وجہ سے قریش کا لشکر کہلاتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۲ برس تھی۔ لیکن جس طرف کا رخ کرتے اگلی صفوں کو زیروزبر کرتے ہوئے پچھلی صفوں تک جا پہنچتے اور پھر اسی طرح واپس آتے۔ ان کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ حجاج کا لشکر ایک سمندر کی مانند تھا۔ جس میں کئی مرتبہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیری اور کشتوں کے پشتے لگاتے واپس آئے۔

مخالف لشکر کے تیر اندازوں نے اس اکیلے شیر کے جسم کو چھلنی کر دیا اور آخر کار عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زبیر شہید کر دیئے گئے۔ حجاج نے ان کا سر عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور باقی جسم کو حجون کے مقام پر سولی پر لٹکا دیا۔

کئی دن بعد حضرات اسماء اس طرف تشریف لائیں اور لاش کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا:

''کیا ابھی وقت نہیں آیا اس شہسوار کو سواری سے اتارا جائے؟''

عبدالملک بن مروان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے حجاج کو لکھا کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش ان کی والدہ کو دے دی جائے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹے کی شہادت پر جس حیرت انگیز صبر وثبات کا مظاہرہ کیا۔ وہ دنیا کی کم عورتوں کو نصیب ہوتا ہے۔ وہ اس وقت بہت ضعیف تھیں اور بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ لیکن اس بوڑھے جسم میں ایمان کا جوش وخروش پھوٹا پڑتا تھا۔

حکومت ملنے کے بعد ٹھکرانے والا یزید کے بیٹے کا واقعہ

حکومت حاصل کرنے اور مسند اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے خلق خدا کو خون میں نہلا

دینے والوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔ تاریخ ایسے لوگوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے لیکن کچھ واقعات تاریخ میں ایسے بھی ہیں جن سے انسانی فطرت کے کچھ دوسرے اوصاف پر روشنی پڑتی ہے۔

یزید کی موت کے بعد ۶۴ھ میں اس کا نوجوان بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال کی تھی۔ وہ بڑا دیندار اور نیکوکار شخص تھا۔ اس کے باپ یزید کے زمانے میں جو واقعات اور دلخراش حادثے پیش آ چکے تھے۔ انہیں دیکھ کر معاویہ کا دل حکومت وسلطنت سے متنفر ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ تقریباً تین ماہ کے بعد حکومت سے دست بردار ہو گیا اور لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا:

> ''مجھ میں حکومت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں ہے میں چاہتا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنادوں۔ لیکن افسوس مجھے کوئی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظر نہ آیا۔ جسے یہ حکومت کی ذمہ داری سونپ دیتا۔ پھر میرا یہ خیال ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مانند چھ آدمی چن کر ان میں سے کسی کا انتخاب شورے پر چھوڑ دوں لیکن ویسے چھ آدمی بھی نہ مل سکے۔ اس لئے میں حکومت وخلافت کے منصب سے دست بردار ہوتا ہوں۔ تم لوگ جسے چاہو اپنا حاکم مقرر کرلو!''

حکومت سے دست برداری کے بعد وہ خانہ نشین ہو گیا اور چند ماہ بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ حکومت وسلطنت کی عظیم ذمہ داری کے احساس کے علاوہ حاکم کے انتخاب کے بارے میں اس کے جو صالح نظریات تھے وہ اس تقریر سے واضح ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دست برداری کے بعد یہ اس قسم کی دوسری مثال تھی۔

رعایا کی خبر گیری کرنے والا بادشاہ

سلطان شہاب الدین غوری نے چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان پر چڑھائی کر کے گنگا کے کنارے سے پشاور تک اسلامی سلطنت قائم کی۔ لیکن وہ خود ہندوستان نہ رہا۔ اور اپنے غلام قطب الدین کو نائب السلطنت مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ اس غلام بادشاہ نے اس دیانت

سے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی کہ سات برس تک ہندوستان پر خاندان غلاماں کی حکومت رہی۔

خاندان غلاماں سے تین بادشاہ شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن بہت مشہور ہوئے۔ سلطان شمس الدین التمش کی نسبت فوائد السالکین میں لکھا ہے:

وہ رات کو گدڑی پہن لیتا تھا تا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو اور کسی شخص کو لے کر باہر نکل جاتا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ ہوتا۔ وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا۔ اس کے حالات پوچھتا۔ اور ان کی مدد کرتا۔ وہاں سے واپس ہوتا تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا اور ان جگہوں کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا۔ طرح طرح کی معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا کسی سے ذکر نہ کریں۔

دن کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں۔ اس کے پاس لائے جائیں جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا اور ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا ان پر کوئی ظلم کرے تو وہ یہاں آ کر عدل وانصاف کی زنجیر کو جو باہر لٹکی ہوئی ہے ہلائیں تا کہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے۔ ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔

سبحان اللہ! یہ غلام بادشاہ اپنی رعایا کے لئے کتنی برکتوں اور سعادتوں کا موجب تھا۔ اتنی فیاضیوں کے باوجود خزانہ زر و جواہر سے بھرپور تھا۔ رعایا کی خبر گیری کے باوجود روز جزا کی فکر ہر وقت دامن گیر تھی۔ اور اہل ہند اس کے عہد میں ہر طرح مامون ومصئون تھے۔

اس کے برعکس دور حاضرہ کے حکمران ٹیکسوں کے ذریعہ رعایا کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ رہے ہیں۔ مگر بجٹ خسارے میں جارہے ہیں رعایا بے حال ہے خود خوشحالی سے آرام فرما رہے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ بروز قیامت جس بوجھ کے اٹھانے سے اسلام کے جلیل القدر دیندار بادشاہ اس قدر گھبراتے تھے۔ اسے اٹھانے کی ان کو کیسے ہمت ہو رہی ہے۔

اسمبلیوں میں تو ممبروں کے سوالات کی بوچھاڑ سے ''مفاد عامہ'' کی آڑ لے کر اکثر جواب دہی سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ خبر نہیں۔ وہاں کے لئے کون سا حربہ تیار کر رکھا ہے۔ ان کی عافیت کوشیاں ملک میں جرائم کے اضافہ کا وجب ہو رہی ہیں اور کہیں بھی سکون واطمینان

نظر نہیں آتا۔

جس نے آپ کو اتنی بڑی حکومت دے دی

کیا وہ مجھے دو روٹی نہیں کھلا سکتا

ایک مرتبہ ہارون الرشید حج کا ارادہ کر کے بغداد سے نکلے۔ کوفہ پہنچ کر ٹھہرے۔ کوفے کے لوگ چاروں طرف سے خلیفہ کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ اونٹ پر ہودج میں ہارون الرشید بیٹھے ہوئے تھے اور چاروں طرف سے لوگوں نے انہیں گھیر رکھا تھا، کہ یکا یک آواز آئی۔

ہارون، ہارون! لوگ حیران ہوئے کہ کون اتنی بے ادبی سے امیر المومنین کو پکار رہا ہے۔ خود ہارون الرشید بھی حیران ہوئے کہ یہ کون شخص ہے جو اتنی بے باکی اور جرأت سے میرا نام لے رہا ہے۔ لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟

لوگوں نے کہا، حضور یہ شاہ بہلول ہیں۔

ہارون نے ہودج کا پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ بہلول بڑے وقار کے ساتھ سر نیچے کیسے کھڑے ہیں۔

ہارون الرشید نے بہلول سے کہا، کہئے شاہ صاحب کیا بات ہے؟

ہارون الرشید! حضرت عبداللہ عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دونوں جہاں کے سردار حضرت محمد ﷺ کو حج کے لئے جاتے دیکھا ہے۔ خدا کی قسم آپ کا سفر بڑا ہی سادہ اور فقیرانہ تھا۔ نہ نوکر چاکر تھے، نہ ہٹو بچو کے نعرے تھے اور نہ آنکھوں کو چکا چوند کرنے والی شان وشوکت تھی۔ ہارون! میں آپ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ اگر آپ واقعی حج کے لئے جا رہے ہیں تو اس طرح سادگی کے ساتھ جائیے جس طرح آپ کے رسول ﷺ گئے تھے۔ یہ شان وشوکت چھوڑ دیجئے۔ یہ ہٹو بچو کی آوازیں بند کر دیجئے۔ یہ نوکر چاکر رخصت کیجئے اور خدا کے عظمت وجلال والے گھر میں عاجزی اور تواضع کے ساتھ حاضری دیجئے۔ خدا سب بڑوں کا بڑا ہے۔ اس کے ہاں عاجزی اور انکساری کرنے والے ہی عزت پاتے ہیں۔

بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑے سوز اور وقار کے ساتھ نصیحت کی۔ ہارون الرشید کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا، اور روتے ہوئے بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! آپ نے بڑی ہی اچھی بات بتائی۔ بتایئے کچھ اور بتایئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ!

بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: ہارون! جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دے، خوبصورتی بخشے، اور حکومت عطا کرے۔ اس کا فرض یہ ہے کہ وہ تینوں کا یہ حق ادا کرے۔ مال تو اللہ کی راہ میں خرچ کیجئے۔ حسن و جمال کو پاک وصاف رکھئے اور اس پر کسی گناہ کا دھبہ نہ لگایئے۔ اور اللہ کی بخشی ہوئی اس حکومت کو عدل وانصاف کے ذریعے مضبوط بنائے۔

ہارون الرشید یہ سن کر پھر رونے لگے اور روتے ہوئے کہا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ نے واقعی بڑی اچھی بات بتائی۔ پھر اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک بڑی رقم انعام دے دی جائے۔

''جی نہیں، مجھے رقم کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ رقم آپ ان لوگوں کو واپس دے دیں جن سے لے کر آپ نے جمع کی ہے۔'' بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑی جرأت اور بے نیازی سے جواب دیا۔

ہارون الرشید خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بولے اچھا شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آج سے آپ کھانا ہمارے ساتھ کھایا کریں۔

بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہارون الرشید کی یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی اور عجیب انداز سے سر آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

> ''ہارون! میں اور آپ سب اللہ کے بندے ہیں اور وہ ہم سب کا پروردگار ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ وہ آپ کو اتنی بڑی حکومت بخش دے اور مجھے دو وقت کی روٹی بھی نہ دے۔''

یہ کہا اور روانہ ہو گئے۔

موت کا پیالہ

فاتح اول چنگیز خان، ثانی محمود غزنوی، ثالث سکندر اعظم، رابعہ، تیمور لنگ، لیکن یہ تمام اس دنیا میں حسرتیں چھوڑ کر چلے گئے اگر ان میں کوئی اعمال والا تھا تو صلہ پا گیا۔

انسان صاحب عقل ہے کسی عقل والی مخلوق کو ڈنڈے سے چلانا ذرا مشکل ہے اور عقل والی مخلوق کبھی ڈنڈے سے چلا نہیں کرتی۔ انسان اور جانور کے نظام میں فرق ہے۔

مسافر اور مقیم میں فرق ہے۔ مسافر کی ترجیح منزل اور مقیم کی ترجیح معیشت، رزق یعنی کاروبار۔ مسافر منزل مقدم رکھتا ہے۔ اور اس کے سامنے سفر اور مقام تک پہنچنا اصل ہوتا ہے جب کہ مقیم کے سامنے کاروبار اصل ہوتا ہے۔ مسافر عیش وعشرت، آرام وسکون ناز ونعم کا خیال نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے پیش نظر منزل ہوتی ہے۔ جب کہ مقیم اس کے برعکس ہے۔ مسافر دل فریب اور خوبصورت مقامات کو دیکھتا ضرور ہے۔ لیکن پیش نظر چونکہ منزل ہوتی ہے اس لئے گزر جاتا ہے۔ جیسا کہ مقیم کی اولین کوشش اپنے مقام کو خوبصورت بنانا ہے۔ یہی حال مسلمان اور کافر کا ہے۔ یعنی مومن مسافر ہے۔ اور کافر مقیم ہے۔

شیر شاہ سوری، نے ۶۰ سال کی عمر میں دہلی کو فتح کیا اور ایک عجیب بات کہی کہ میری حکومت کا سورج اس وقت طلوع ہوا جب زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے۔ 99% لوگوں کو مال ودولت، عزت وشہرت آخری عمر میں ملتی ہے۔ اگر مال ودولت، عزت وشہرت ورثے یا ولادت میں ملتی بھی ہے۔ تو صرف ۶۰، ۷۰ سال کی زندگی میں آسانی آ گئی۔ اس کے بعد آخرت میں کیا بنے گا۔

نوشیرواں کے محل میں زلزلہ

نوشیرواں کے معنی ہیں مجدد ملک یعنی نئے سرے سے سلطنت بنانے والا۔ نوشیرواں کا یہ محل ایک نہایت مضبوط و مستحکم عمارت تھی جو بڑے بڑے پتھروں اور چونے سے بنائی گئی تھی اور اس میں کہیں بھی کوئی کمزور چیز استعمال نہیں کی گئی تھی (مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آگ کے پجاری کا یہ محل تنکے کی طرح لرز کر پھٹ گیا جس سے پوری

سلطنت میں دہشت پھیل گئی) نوشیرواں اس محل میں تقریباً بیس سال تک رہا۔

اس محل کے پھٹنے کی بڑی زبردست اور خوفناک آواز ہوئی اور اس کے بعد اس کے چودہ کنگورے ٹوٹ کر گر گئے۔ یہ شگاف عمارت کی کسی کمزوری اور خامی کی وجہ سے نہیں پیدا ہوئے تھے (کیونکہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ یہ ایک نہایت مضبوط اور پتھر کی عمارت تھی) بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ یہ عمارت کی پھٹن اس کے نبی کی ایک نشانی بن کر دنیا میں ہمیشہ کے لئے باقی رہے۔

(بعد میں اس محل کا جو انجام ہوا اس کے متعلق کہتے ہیں) کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے یحییٰ ابن خالد برمکی کو جو جعفر اور فضل برمکی کا باپ تھا حکم دیا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھا دیا جائے۔ یحییٰ نے اس پر کہا کہ آپ اس عمارت کو مت گرا دیئے جو اپنے بنانے والے (یعنی کسریٰ نوشیرواں) کی عظمت کا نشان ہے (یحییٰ ابن خالد برمکی خود اصل میں ایرانی تھا اس لئے اس نے اپنے ملک کے ایک پچھلے بادشاہ کی نشانی کو ڈھانے سے خلیفہ کو روکنا چاہا۔

ہارون رشید نے اس بات کو سمجھ لیا اس لئے اس نے طنزیہ انداز میں) کہا کہ کیوں نہیں اے مجوسی (یعنی آگ کو پوجنے والا ہے) اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے فرمان کی تعمیل کی جائے۔ آخر یحییٰ ابن خالد نے اس محل کو ڈھانے میں جو خرچہ آتا تھا وہ خلیفہ کو پیش کیا۔

خلیفہ ہارون رشید کو یہ خرچہ زیادہ معلوم ہوا (اور اس نے اس کا اظہار کیا تو یحییٰ نے خلیفہ پر طنز کرتے ہوئے) کہا کہ آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آپ اس عمارت کو ڈھانے سے بھی عاجز ہوں جس کو آپ ہی جیسے ایک بادشاہ نے بنوایا تھا۔ (یہاں تک خلیفہ ہارون رشید سے متعلق واقعہ ہے۔)

مگر (اس واقعہ کے برخلاف) میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ خلیفہ منصور نے جب بغداد شہر کی تعمیر کی تو اس نے چاہا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھا کر وہاں شہر بسائے کیونکہ بغداد اور کسریٰ کے اس محل کے درمیان ایک دن کا فاصلہ تھا (یعنی مسافر ایک دن میں جتنا فاصلہ چلتا ہے) چنانچہ اس بارے میں اس نے خالد ابن برمک سے مشورہ کیا جو اس کا وزیر تھا۔

خالد نے خلیفہ کو اس ارادہ سے روکا اور کہا:

''یہ اسلام کی ایک نشانی ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے

ساتھ ہی اس میں شگاف پڑ گیا تھا) ہر دیکھنے والا اسے دیکھ کر جان لے گا کہ جس کا یہ محل ہے اس کا معاملہ (عبرت کی چیز بن کر دنیا کے سامنے) موجود ہے۔ پھر یہ کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی ہے۔ اس کے ڈھانے پر جو خرچہ آئے گا وہ اس کی تعمیر سے بھی زیادہ ہوگا۔"

ہوسکتا ہے کہ خلیفہ منصور اور اس کے پوتے خلیفہ ہارون رشید دونوں نے (اپنے اپنے زمانے میں) اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا ہو۔

انہدام رکوانے کی برامکہ کی سعی:

(جب خلیفہ ہارون رشید نے اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا اور اس کے وزیر یحییٰ ابن خالد برمکی نے اس کو اس سے روکا تو خلیفہ نے یحییٰ کو مجوسی یعنی آتش پرست کہہ کا پکارا تھا حالانکہ وہ مسلمان تھا۔ اس کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں) خلیفہ ہارون رشید نے یحییٰ کو مجوسی اس لئے کہا تھا کہ اس کا دادا یعنی خالد برمکی کا باپ برمک اصل میں خراسان کا رہنے والا تھا اور شروع میں وہ مجوسی یعنی آگ کو پوجنے والا تھا پھر بعد میں مسلمان ہوگیا تھا۔

وہ ایک نہایت ہوشمند اور عقلمند، لکھنے والا (یعنی فرمان اور تحریریں مرتب کرنے والا) تھا اور بہت سے علم جانتا تھا۔ یہ برمک بنی امیہ کی سلطنت کے زمانے میں ملک شام میں آ گیا تھا اور عبدالملک ابن مروان کے خاص اور مقرب لوگوں میں شامل ہوگیا تھا۔ یہاں اس کو ترقی کے بہت اچھے مواقع ملے اور اس کی حیثیت دربار شاہی میں بہت بڑھ گئی۔

اس کے بعد جب بنی امیہ کی سلطنت ختم ہوگئی اور بنی عباس کی خلافت کا زمانہ آ گیا تو یہ برمک (بنی عباس کے پہلے خلیفہ) سفاح کا وزیر بن گیا۔ پھر سفاح کے بعد اس کے بھائی یعنی بنی عباس کے دوسرے خلیفہ منصور کا وزیر بن گیا۔

انوکھی جادو کی چھڑی:

اسی برمک کے متعلق میں نے ایک بڑی عجیب حکایت پڑھی ہے کہ وہ ایک مرتبہ

ہندوستان کے بادشاہ یعنی مہاراجہ سے ملنے کے لئے گیا۔ مہاراجہ نے اس کی بڑی عزت کی اور اس کے ساتھ محبت اور اپنائیت کے ساتھ پیش آیا اس کے بعد مہاراجہ نے برمک کے لئے کھانا منگوایا اور کہا کہ کھاؤ (برمک کہتا ہے کہ) میں نے کھایا یہاں تک کہ (پیٹ بھرنے کے بعد) میں نے ہاتھ روک لیا۔

مہاراجہ نے مجھ سے اور کھانے کے لئے کہا مگر (چونکہ میرا پیٹ بھر چکا تھا اس لئے) میں نے کہا کہ جہاں پناہ اب اور کھانے کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔ راجہ نے یہ سن کر غلام سے ایک درخت کی ٹہنی لانے کو کہا اور اس کے بعد وہ ٹہنی لے کر اس نے میری سینے پر پھیری۔

اس کے لگتے ہی مجھے ایسا لگا گویا میں نے کچھ کھایا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ میں نے پھر پورا کھانا کھایا اور پیٹ بھرنے کے بعد ہاتھ روک لیا۔ راجہ نے پھر مجھ سے اور کھانے کے لئے کہا مگر میں نے جواب دیا کہ نہیں بادشاہ سلامت۔ اب اور گنجائش نہیں ہے۔

راجہ نے پھر وہ ٹہنی میرے سینے پر لگائی اور مجھے پھر ایسا محسوس ہوا گویا میں نے کبھی کچھ کھایا ہی نہیں۔ میں نے پھر پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور اس کے بعد ہاتھ روک لیا۔

راجہ نے پھر کہا کہ اور کھاؤ مگر میں نے کہا کہ اب مجھ میں اس کی ہمت نہیں ہے۔ راجہ نے تیسری دفعہ پھر وہی ٹہنی میرے سینے پر پھیرنی چاہی تو میں نے فوراً کہا کہ جہاں پناہ! جو کچھ پیٹ میں پہنچ چکا ہے وہ اب نکلنا چاہتا ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ ٹھیک کہتے ہو۔ اس کے بعد اس نے وہ ٹہنی میرے سینے پر نہیں پھیری۔ اب میں نے راجہ سے اس ٹہنی کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے پاس یہ ایک بادشاہ کا تحفہ ہے۔

موت کے وقت عبدالملک کی حسرت

عبدالملک بن مروان نے لاکھوں آدمی قتل کئے اپنی حکومت کا تخت بچھانے کے لئے اس کے گورنر حجاج نے سوا لاکھ انسانوں کو قتل کیا۔

جو اس نے خود کئے وہ الگ ہیں۔

جو جنگوں میں ہوئے وہ الگ ہیں۔ اور اس نے کوئی تقریباً انیس (۱۹) برس حکومت کی۔ بنو امیہ کا تخت بچھایا۔ لیکن جب اس کی موت کا وقت آیا۔

باہر ایک دھوبی کپڑے دھورہا تھا اور وہ دھوبی جب کپڑے کو پتھر پر مارتا تو آواز آتی تیں کھڑکی کھلی تھی اس نے کہا یہ آواز کیا ہے؟

خدام نے کہا دھوبی کپڑے دھورہا ہے۔

عبدالملک ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہنے لگا کاش! میں ایک غریب قریشی ہوتا۔ میں ایک قریشی ہوتا لوگوں کے اونٹ چراتا۔ تازہ مزدوری ملتی اسے کھا کر زندگی گزار جاتا اور اس حکومت وتخت کا ذائقہ میں نے نہ چکھا ہوتا۔ لیکن آج کا افسوس کسی کام کا نہیں۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ وقت ایک ایسا تیز رفتار تیر ہے۔ کمان سے نکلا ہوا تیر تو پھر بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔ پھر چلا جاسکتا ہے لیکن وقت کا نکلا ہوا تیر زمین وآسمان الٹی زقند لگائیں یا سیدھی وقت کے نکلے ہوئے تیر کو واپس لانے کی کوئی شکل نہیں۔

ہماری بنیادی تعلیم غلط ہورہی ہے ہمارے سامنے دنیا کو بطور مقصد پیش کیا جارہا ہے۔ سب سے بڑی خطا۔ پڑھے لکھے ان پڑھ، حکومت، صدر، وزیر، مشیر، مرد، عورتیں، ماں باپ، ہم سب اس خوفناک خطا کا شکار ہیں کہ ہم اپنی اولاد کو دنیا بہت بڑی بنا کر دکھار ہے ہیں اور دولت وعزت وشہرت میں انہیں بہترین مستقبل دکھار ہے ہیں کہ یہ ہے تمہارا روشن مستقبل۔

تاتاری نومسلم سردار قازان نے شہر دمشق پر دھاوا بول دیا تھ۔ پورے شہر میں ہراسانی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ حاکم شہر ملک ناصر نے راہ فرار اختیار کی اور اس کے پیچھے علماء، فقہاء اور تجار وغیرہ سب کے سب دمشق چھوڑ کر مصر کی طرف بھاگنے لگے۔ افراتفری کے اس عالم میں حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک وفد ترتیب دے کر قازان سے ملاقات کی۔

اللہ کے اس شیر نے بڑی بے باکی کے ساتھ کہا ”قازان! تم مسلمان ہو کر ہمارے ساتھ ایسا نازیبا سلوک کررہے ہو۔ حالانکہ تمہارے کافر باپ دادا نے کبھی ایسا ناروا برتاؤ ہم سے نہیں کیا۔ انہوں نے وعدہ کیا اور اس کو نبھایا۔ تم نے وعدہ کرکے توڑ دیا۔“

امام کی گفتگو اتنی تیز اور جوشیلی تھی کہ وہ بار بار قازان کے قریب ہو جاتے اور ان کے گھٹنے اس کے گھٹنوں سے ٹکرا جاتا۔ اس شدت گفتار کو دیکھ کر اراکین وفد کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ قازان ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قتل کرنے کا حکم دے دے گا! پھر کچھ دیر بعد قازان کے حکم سے دستر خوان چن دیا گیا۔ وفد کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہو گئے۔ لیکن امام موصوف نے

انکار کیا۔ قازان نے وجہ دریافت کی تو آپ نے صاف صاف کہہ دیا۔ ''دستر خوان کی تمام چیزیں لوٹ مار اور غارت گری کے مال سے بنی ہیں۔ میں یہ حرام کھانا نہیں کھا سکتا!''

ہسپانیہ کے ایک مشہور حکمراں امیر عبدالرحمان الناصر نے ایک عظیم الشان عمارت مدینۃ الزہرا تعمیر کرائی۔ تقریباً ۲۵ سال تک سالانہ ۳ لاکھ دینار کے حساب سے اس کی تعمیر پر خرچ ہوا۔ مدینۃ الزہرا کی مسجد کے حوض میں سونے کا بنا ہوا شیر کا مجسمہ کچھ ایسے انداز میں نصب کیا گیا تھا کہ گویا یوں معلوم ہوتا کہ شیر حوض میں مسلسل کلی کرتا جا رہا ہے۔

اس عہد کے ایک بے باک، آخرت اندیش عالم دین منذر بن سعید نے قدم قدم پر اس پر شکوہ محل کی تعمیر کی مخالفت کی اور ایک دن بھرے دربار میں بادشاہ سے انہوں نے کہا: ''میں آپ کا ہمیشہ سے خیر خواہ رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ آپ اتنی جلد شیطان کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔ آپ میں بے شک بہت سی خوبیاں تھیں لیکن افسوس کہ آپ اب کفر کے مقام کے قریب قریب پہنچتے چلے جا رہے ہیں۔''

یہ سن کر امیر الناصر کو یوں محسوس ہوا کہ کسی نے اس کے گال پر طمانچہ جڑ دیا ہو۔ اس نے گرج کر کہا: ''منذر! ذرا سنبھل کر بات کرو۔ تم آخر کس طرح ثابت کرو گے کہ میں مقام کفر کے قریب پہنچ گیا ہوں۔''

منذر بن سعید نے بادشاہ کے غصے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا: ''میں ہمیشہ سنبھل کر گفتگو کرنے کا عادی ہوں۔ تم تفصیل سننا چاہتے ہو تو سنو کہ اللہ نے کیا کہا ہے۔

اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں سونے چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں جن پر چڑھتے اترتے ہیں، اور ان کے گھروں کے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور خوب زینت اور آرائش کر دیتے اور یہ سب دنیا کی زندگی کا تھوڑا سامان ہے اور آخرت تمہارے پروردگار کے یہاں پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ (سورۂ زخرف)

منذر بن سعید کی آواز پر وقار تھی۔ وہ کہتے جا رہے تھے:

''اے امیر! ذرا غور فرمایئے، سوچئے کہ سونے کی یہ جگمگاتی ہوئی چھتیں،

بلور کے یہ عکس آفریں زینے زینت وآرائش پر کروڑوں روپوں کا یہ خرچ۔ یہ سب آخر کیا چیزیں ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اور اسراف میں داخل نہیں تھیں؟ کیا یہ سب کی سب شیطان کی لگائی ہوئی آگ نہیں ہے؟ مجھے بتایئے اے امیر المومنین کہ اللہ تعالیٰ ان مجسموں سے خوش ہوگا جو آپ نے اپنے حوضوں کے اطراف نصب کرائے ہیں؟ آپ محسن انسانیت ﷺ کے حکم کو کیوں بھول لیتے ہیں کہ مجسمے اور بت بنانا ایک ناجائز کام ہے۔ یاد رکھئے اے امیر! یہ دنیا بڑی بے وفا ہے۔ ایک دن ہمیں اس جہان فانی سے کوچ کرنا ہے۔ زندگی کی رنگارنگیوں سے آدمی بہت جلد دھوکا کھا جاتا ہے۔ آپ کی پچھلی زندگی شاندار کارناموں کا لاثانی مجموعہ ہے۔ آپ نے کفر وشکر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ آپ نے ہر محاذ پر دشمنان اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے تھے۔ اب زندگی کے آخری لمحات میں ایسا سامان فراہم نہ کیجئے جس سے خدا کی ناراضی ملتی ہو اور گزشتہ کی پاکیزہ زندگی بے وقعت ہوجاتی ہو۔''

منذر کی تقریر بڑی اثر انگیز تھی۔ ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں سے نکل رہا تھا۔ امیر الناصر کا دل دھیرے دھیرے نرم ہوتا جارہا تھا۔ آنسوؤں کے گرم گرم قطرے اس کی آنکھ سے ابل پڑے اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ اے ابن سعید! تم اللہ کے ایک سچے اور برگزیدہ بندے ہو۔ تمہاری بے لاگ گفتگو کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ تم تاریکیوں میں چمکنے والے پاک روشن چراغ ہو۔ تم ایک مینارۂ نور ہو جس سے آنے والی شعاعیں انسانیت کو راہ راست دکھاتی ہیں۔

چنگیز خان کی صورت میں اللہ کا عذاب

چنگیز خان نے جب سمرقند پہ حملہ کیا۔ پہلا شہر جو چنگیز خان نے فتح کیا چھ سو دس ہجری (۶۱۰ھ) میں، تو اس نے لکھا:

لوگو! جس اللہ کو مانتے ہو اسی اللہ کا بھیجا ہوا عذاب آیا ہوں۔

جس اللہ کو مانتے ہو، اسی کا عذاب آیا ہوں۔ چالیس سال میں کوئی ساٹھ، ستر، شہر ایسے زمین سے مٹ گئے جس میں ایک ایک شہر کی آبادی پندرہ سے بیس لاکھ، پانچ سے بیس لاکھ تھی۔ ایک بغداد میں پندرہ لاکھ انسان قتل کئے گئے۔ صرف بغداد شہر میں چھ سو چھپن ٦۵٦ھ میں پندرہ لاکھ انسان قتل ہوئے۔

دنیا کے چار بڑے فاتح اور تیمور کا ظلم

سلطان محمود غزنوی کے پاس رعایا میں سے ایک شخص روتا ہوا آیا۔ کہا: سلطان معظم۔ سلطان کا سب سے پہلا لقب محمود غزنوی کو ملا ہے۔ سلطان۔ لفظ السلطان، اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے کسی کو ملا ہے تو وہ محمود دغزنوی کو ملا ہے۔ اس کے بعد تو پھر عام ہو گیا۔ یہ دنیا فاتح ثانی ہے۔ سب سے بڑا فاتح دنیا کا چنگیز خان ہے۔ چنگیز خان سے زیادہ شخصی فتوحات کسی شخص کو حاصل نہیں ہیں۔

چنگیز خان کے بعد دوسرے نمبر پر محمود غزنوی ہے۔

تیسرے نمبر پر ہے سکندر یونانی اور چوتھے نمبر پر وہ لنگڑا نامراد تیمور جو مسلمانوں کو ہی قتل کرتا رہا۔ ایسا بد بخت، اللہ اس کی قبر کو آگ سے بھرے، مسلمانوں کے ہی شہر جلاتا رہا۔

ایسا ظالم تھا کہ دمشق کو آگ لگادی۔ سارے دمشق کو اور نظر پڑی ایک گنبد پر بڑا خوبصورت نظر آیا۔ فوراً ایک انجینئر کو بلایا۔ کہا: فوراً جلنے سے پہلے پہلے اس کا نقشہ کاغذ پہ اتارلو۔ میں نے سمرقند میں جا کر بنوانا ہے۔ بچے گھروں میں جل رہے ہیں اور نقشے بنوانے پہ لگا ہوا۔ ایسا کم بخت تھا۔

خاندان بنوامیہ کے بادشاہ منذر کا اپنے بیٹے کو قتل کرنے کا قصہ

بنوامیہ پر ایک سو بتیس ۱۳۲ھ میں زوال آیا۔ بنوعباس غالب آگئے۔ ان کا ایک نوجوان

عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ولید بن عبدالملک بن مروان یہاں سے بھاگا اور ۱۳۷ھ میں یہ اسپین پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہاں اس نے دوبارہ اس سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔

پھر بنو امیہ کی ایک شاخ نے پونے تین سو سال وہاں حکومت کی۔ اس میں ایک بادشاہ گزرا ہے منذر۔ اس کے بیٹے نے ایک یہودی کو قتل کر دیا اور بیٹا بھی ولی عہد اور اکلوتا۔ تو مقدمہ عدالت میں پیش ہوا، خاندان والوں نے پیسے دے کر خون بہا دیا، فیصلہ ہوگیا، صلح ہوگئی۔

رپورٹ ساری حکومتی، عدالتی بادشاہ کو پہنچائی جاتی تھی۔ یہ کیس بھی بتایا کہ یہ کیس تھا، یہ فیصلہ ہوا۔ تو اس نے اعلان کیا کہ کل دربار عام ہو۔ دربار عام کا آج ترجمہ ہے: ''کھلی کچہری۔'' جیسے کھلی کچہری۔

کہا: کھلی کچہری ہو۔

رعایا بھی آئیں۔

خواص بھی آئیں۔

عوام بھی آئیں۔

سب آئے۔ یہودی کے ورثاء بھی۔ شاہی خاندان بھی، بیٹا بھی۔ اب اس نے پھول کاٹ لیا پھر کہا: ''میں اپنے لئے یہ برا طریقہ جاری نہیں کرنا چاہتا کہ بادشاہوں کی اولاد حکومت کے تکبر میں رعایا کو قتل کرے اور مال کے زور پر اپنا خون معاف کروالے۔ میں یہ سنت سیئہ جاری نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا بطور چیف جسٹس میں اس فیصلے کو کالعدم قرار دیتا ہوں اور اپنے بیٹے کے قتل کا حکم صادر کرتا ہوں اور یہودی کے ورثاء کی طرف سے یہ فریضہ میں خود سرانجام دوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ تخت سے اترا۔ تلوار سونتی اور کہنے لگا:

مجھے پتہ ہے، تیرے بغیر ہم بھی زندہ نہیں رہ سکیں گے اور تیری ماں کو مجھ سے زیادہ دکھ ہوگا لیکن میں تجھے اللہ کی شریعت پر قربان کرتا ہوں۔

اور اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑادی اور اس صدمے میں وہ نیم پاگل ہوگیا۔ دو ہفتے سو نہیں سکا۔ ساری رات خلاء میں گھورتا رہتا۔ اسی میں اس کا انتقال ہوگیا لیکن وہ اپنا نام ایسا

زندہ کر گیا کہ آج ہزار برس کے بعد میں اس کی کہانی آپ کو سنا رہا ہوں۔

بنوامیہ تو بہت آئے۔ پونے تین سو سال میں پتہ نہیں کتنے آئے۔ منذر کیوں زندہ رہ گیا؟ اپنی حکومت میں اللہ کو راضی کر کے چلا گیا۔

عقلمند فقیر

ضلع پشاور کے دو شراکتی اس غرض سے کابل گئے تا کہ وہاں گوشت کی تجارت کریں۔ قلیل عرصہ میں انہوں نے دو تین ہزار روپیہ کمالیا۔ اور اپنے وطن آنے کا ارادہ کیا۔ دونوں شراکتی اپنے منافع کی رقم ساتھ لے کر اپنے وطن کی طرف چل پڑے۔ جلال آباد کے قریب پہنچ کر انہوں نے ایک نابینا گداگر کو دیکھا۔ جو راستہ کے کنارے ایک بڑے درخت کے نیچے یہ صدا لگا رہا تھا۔

''افسوس گردش دوراں نے سب کچھ چھین لیا۔ حتیٰ کہ آنکھوں کی نظر بھی چھین لی، کیا ہی اچھا ہو۔ اگر پھر ایک مرتبہ ہتھیلی پر روپیہ رکھنے کا موقع میسر آجائے۔''

بار بار وہ گداگر یہی جملے دہراتا تھا۔ دونوں شراکتی اس کے قریب پہنچ گئے۔ اور گداگر سے دریافت کیا۔ بھائی! تم زمانے کی گردش سے نالاں کیوں ہو؟ نابینا گداگر نے کہا میں اس علاقے میں ممتاز شخصیت کا مالک تھا۔ میری بہت سی جائیداد تھی۔ لیکن قسمت نے پلٹا کھایا۔ کہ میری آنکھوں کی بینائی بہت ساتھ لیتی گئی۔ مجھے اس بات کا بہت شوق ہے کہ اس مفلسی میں اگر اپنا نہیں تو دوسرے کا کمایا ہوا نقد روپیہ ان ہاتھوں میں ایک لمحہ کے لئے رکھ کر اپنے دل کو تسکین دوں۔ یہ تھا وہ ماجرا جو گداگر نے ان کو سنایا۔

انہوں نے یہ فیصلہ کرتے ہوئے مناسب سمجھا۔ کہ یہ ایک نابینا گداگر ہے۔ جائے گا کہاں؟ اپنے روپوں کی تھیلی اس کو ایک لمحہ کے لئے دینے میں کیا حرج ہے۔ اس کے دل میں اگر یہی خواہش ہے۔ تو وہ بھی پوری ہو جائے۔ ایک نے روپوں کی وہ تھیلی گداگر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ''لو بھائی فقیر! اپنی تمنا پوری کر لو۔''

گداگر نے تھیلی لیتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک نے کہا۔ ''بھائی گداگر! اب ہم کو ہماری روپوں کی یہ تھیلی واپس کر دو۔ لیکن گداگر نے کمال سنجیدگی

سے جواب دیا۔ تھیلی! تھیلی! کیسی تھلی؟ واپس کیسے؟ یہ کیا ہے؟ دوسرے ساتھی نے گداگر سے کہا۔

''مذاق مت کرو۔ تھیلی جلدی واپس کردو۔ ہمیں دور جانا ہے۔''

مگر گداگر نے تھیلی واپس کرنے سے انکار کردیا۔ شراکتی حیران ہوئے۔ عجیب مصیبت میں پھنس گئے۔

گداگر نے کہا۔ میں نے تمام عمر یہاں بیٹھے بیٹھے گزاردی ہے۔ پیسہ پیسہ جمع کیا۔ تم کہاں سے بدبخت ڈاکو یہاں پہنچ گئے۔ جو میری ساری عمر کی کمائی ایسی آسانی سے چھین لینا چاہتے ہو۔

شراکتیوں نے جب گداگر کے یہ الفاظ سنے تو حواس باختہ ہو گئے۔ گداگر اٹھ کر چلنے لگا۔ تو دونوں نے اپنا روپیہ اس سے زبردستی چھین لینے کی کوشش کی۔ لیکن گداگر نے زور زور سے چلانا شروع کیا۔

ڈاکو۔ ڈاکو۔ کوئی مدد کو پہنچے۔ پاس ہی بستی تھی۔ وہاں کے لوگ جائے وقوع پر پہنچ گئے۔ اور ہر دو شراکتیوں کو ڈاکو خیال کرتے ہوئے گرفتار کرلیا۔ دونوں نے ہر چند کوشش کی کہ وہ دیہاتی ان کی بات کا اعتبار کرلیں۔ لیکن بے سود بستی کے لوگوں نے یہ تجویز منظور کی کہ ان ڈاکوؤں کو بادشاہ کے دربار میں حاضر کریں۔ اور ان کی گرفتاری کے صلہ میں انعام حاصل کریں۔ چنانچہ دونوں کو بمعہ گداگر بادشاہ کے دربار میں حاضر کیا گیا۔

امیر عبدالرحمان عدالت کی کرسی پر متمکن تھے۔ درباری حاضر تھے۔ بادشاہ نے پہلے گداگر کا بیان سنا۔ اور پھر ملزموں کی داستان مظلومی سنی۔ اور پھر حکم دیا کہ ایک کڑاہی لے آؤ۔ اور اس میں پانی ڈال کر خوب گرم کرو۔ یہ سنتے ہی دونوں شراکتی بچارے سہم گئے۔

اس دردناک طریقہ سے اپنی موت کا خیال کرنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ کڑاہی لائی گئی۔ پانی ڈال کر خوب گرم کرکے حکم کا انتظار ہونے لگا۔ بادشاہ نے غضبناک ہو کر کہا۔ لاؤ وہ روپوں کی تھیلی کھول کر پانی میں ڈال دو۔ فوراً تعمیل ہوئی۔

بادشاہ نے پھر کہا۔ کڑاہی سے سب دور ہٹ جاؤ۔ چنانچہ سب علیحدہ ہو گئے۔ بادشاہ مسند انصاف سے اٹھا۔ اور کڑاہی کے پاس آکر گرم پانی کی سطح پہ غور دیکھ کر واپس چلا گیا حکم

ہوا۔ کڑاہی کا پانی گرا کر روپیہ شراکیتوں کے حوالے کر دیا جائے۔ جو تھوڑی دیر قبل اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ اب خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔

بادشاہ نے فرمایا۔ نابینا گداگر کو مناسب سزا دی جائے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ قاضی نے جرأت کرتے ہوئے فیصلہ کی تفصیل سننے کی خواہش ظاہر کی۔

بادشاہ نے فرمایا جن دو شخصیتوں کو ملزم ٹھہرایا جاتا تھا۔ درحقیقت وہ بالکل بے گناہ تھے۔ انہوں نے گوشت فروخت کر کے روپیہ جمع کیا تھا۔ کیونکہ گرم پانی کی سطح پر چربی کے پگھلے ہوئے ذرات ظاہر ہوئے۔ جس سے یہ ظاہر ہوا۔ کہ ان گوشت فروشوں کے ہاتھ کا میل ہے۔ جو ان کے ہاتھوں پر گوشت کی چربی کی وجہ سے پڑتا تھا۔ وہ روپوں کو بھی لگ گیا ہوگا۔ تجربہ کیا جو صحیح نکلا۔ بادشاہ کے اس فیصلہ سے حاضرین دربار بے حد خوش ہوئے۔

قاضی شریح رح بحیثیت مثالی قاضی

شریح بن الحرث بن قیس الکندی۔ آپ کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کوفہ میں قاضی کی حیثیت سے پچھتر سال تک خدمت کرتے رہے۔ اتنی طویل مدت میں آپ سوائے تین سال کے برابر عہدہ قضاء پر مامور رہے۔ واقعہ یوں پیش آیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو فتنہ اٹھا تھا اسی دوران آپ سے حجاج بن یوسف نے استعفیٰ طلب کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فوراً استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد آپ نے کبھی بھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہیں فرمایا پھر آپ کا انتقال ہو گیا۔

قاضی شریح کا شمار اکابر تابعین، باکمال چنیدہ لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپ خاص طور پر قضاء کے معاملات میں بڑا درک رکھتے تھے۔ آپ کے چہرے پر داڑھی اور مونچھ نہیں آئی تھی۔ اکابر میں اس قسم کے چار حضرات ایسے گزرے ہیں جو کوسج تھے۔ چہرے پر بڑھاپے تک بال نہیں آئے تھے۔

(۱)......عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲)......قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳)......احنف بن قیس جو حلم و بردباری میں ضرب المثل ہیں۔

(۴) قاضی شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ابن خلکان کہتے ہیں کہ قاضی شریح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صرف ایک اولاد تھی چنانچہ جب آپ بیمار ہوئے تو یہی مرض آپ کا جان لیوا ثابت ہوا اور آپ کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے قبل آپ کا بیٹا بہت پریشان تھا مگر بعد میں وہ بالکل نہیں گھبرایا۔

یہ حالت دیکھ کر کسی نے آپ کے بیٹے سے سوال کیا۔ یہ کیا بات ہے کہ اس بیماری سے قبل تو آپ بہت پریشان نظر آرہے تھے اور آپ پر کسی طرح کے خوشی کے آثار نہیں آتے تھے اور اب یہ حال ہے۔

تو آپ کے صاحبزادے نے جواب دیا کہ اس وقت میری گھبراہٹ ان کے لئے رحمت اور شفقت کے طور پر تھی۔ لیکن جب تقدیر کا لکھا ہوا واقع ہو گیا تو پھر میں اس کے قبول اور تسلیم کرنے پر رضامند ہو گیا۔ (وفیات الاعیان)

ابن عمر کی بددعاء

انہی سے متعلق امام ابن الفرج الجوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ اور نقل فرمایا ہے، کہ ایک مرتبہ زیاد نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لکھا۔ ''اے امیر المومنین! میں نے اپنے بائیں ہاتھ سے عراق کو آپ کے لئے قابو کر رکھا ہے اور دائیں ہاتھ کو آپ کی اطاعت و فرمان برداری کے لئے فارغ کر دیا ہے اس لئے آپ مجھے **حجاز کا والی بنا** دیجئے۔''

اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ تھے اور مکہ میں سکونت پذیر تھے تو اس درخواست کی اطلاع حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی کہ زیاد نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قسم کی درخواست کی ہے۔ چنانچہ آپ نے زیاد کے لئے بددعا فرمائی۔ خدایا اگر آپ چاہیں تو ہم سب کو زیاد کے دائیں ہاتھ سے محفوظ رکھئے۔ اس بددعاء کا اثر یہ ہوا کہ زیاد کے دائیں ہاتھ میں طاعون ہو گیا اور تمام اطباء کا یہ اتفاق ہو گیا کہ دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

ہزار تابوت پر تابوت میں دو آدمی

مسلمانوں میں سے ایک بادشاہ نے ثمرقند پر حملہ کیا اور اسے محاصرے میں لے لیا مگر اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی بالآخر اس نے اپنے محافظوں سمیت شہر کے گرد چکر لگایا تو ایک آدمی کو پکڑ لیا اور اس کو لالچ وغیرہ دے کر اپنا بنا لیا اور شہر کے بارے میں اس سے پوچھا اس آدمی نے کہا اس شہر کا حاکم تو ایک احمق آدمی ہے جسے کھانے پینے اور عورتوں کے علاوہ اور کوئی فکر نہیں ہے لیکن اس کی ایک بیٹی ہے جو شہر کا نظام چلا رہی ہے اگر یہ لڑکی نہ ہوتی تو شہر تباہ ہو گیا ہوتا۔

مسلمان حاکم نے اس آدمی کو کچھ تحفے تحائف دے کر اس لڑکی کے پاس بھیجا اور کہا کہ تم میری طرف سے اس لڑکی سے کہہ دینا کہ میں ملک عرب سے تمہاری عقل مندی کے چرچے سن کر آیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم سے نکاح کروں اور تم سے میرا بیٹا ہو جو عرب وعجم کا حکمران بنے۔ میں یہاں مال کے لالچ میں نہیں آیا بلکہ میرے پاس تو سونے چاندی کے بھرے ہوئے چار ہزار تابوت ہیں۔ میں چاہتا ہوں یہ تابوت تمہارے حوالے کر دوں اور خود چین کی طرف روانہ ہو جاؤں اگر واپس آ گیا تو شادی ہو جائے گی ورنہ یہ مال تمہارا ہو جائے گا۔

جب یہ پیغام اس لڑکی کو پہنچا تو اس نے پیغام بھیجا کہ مجھے یہ منظور ہے۔ تم مال کے تابوت بھجوا دو۔ مسلمان حاکم نے اس کی طرف چار ہزار تابوت بھجوا دیئے اور ہر تابوت میں دو آدمی بٹھا دیئے اور ایک مخصوص گھنٹی اپنے ساتھ رکھی کہ جب یہ بجائی جائے تو تابوتوں میں بند مجاہدین باہر نکل آئیں۔ جب تابوت شہر میں داخل ہو گئے تو اس نے گھنٹی بجائی اور مجاہدین نے باہر نکل کر شہر کے دروازوں پر قبضہ کر لیا اور پھر پورا لشکر شہر میں فاتحانہ طور پر داخل ہو گیا۔

(کتاب الاذکیاء)

میرے کتے کا کیا حال ہے؟

حجاج بن یوسف نے ایک اعرابی (دیہاتی) کو کسی علاقے کا والی بنا کر بھیجا، وہ ایک مدت تک اپنے اہل وعیال سے دور قیام پذیر رہا، ایک مرتبہ اس کی بستی کا کوئی شخص اس کے

دروازے پہ پہنچا، وہ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو رہا تھا، اعرابی نے اپنے اہل وعیال کی خیریت معلوم کرنے کی غرض سے اس کی بڑی آؤ بھگت کی، اس کے سامنے کھانا پیش کیا اور پھر اپنے اہل خانہ کے بارے میں پوچھنے لگا:

اعرابی: میرے بیٹے عمیر کا کیا حال ہے؟

مہمان: ماشاءاللہ! اس نے تو آپ کے پوتے، پوتیوں سے پورا محلّہ آباد کر دیا ہے۔

اعرابی: عمیر کی ماں کیسی ہے؟

مہمان: وہ بھی خوش وخرم زندگی گذار رہی ہے۔

اعرابی: میرے کتے کے بارے میں کچھ بتاؤ؟

مہمان: تمہارا کتا تو دن، رات بھونک بھونک کے سارا محلّہ سر پہ اٹھائے رکھتا ہے۔

اعرابی: اچھا! یہ تو بتاؤ میرا اونٹ کس حال میں ہے؟

مہمان: تمہارا اونٹ بھی موج کر رہا ہے۔

جب اعرابی کو اپنے گھر بار کی خیریت وعافیت کے متعلق تسلی ہوگئی تو اس نے خادم کو آواز دی ''ذرا کھانا اور برتن اٹھا کر لے جاؤ''۔

مہمان جو ابھی تک سیر نہیں ہوا تھا، کھانا اٹھا لینے کا حکم سن کر جھلا کر رہ گیا اور دل ہی دل میں اعرابی کو برا بھلا کہنے لگا، اعرابی اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا ''اللہ تجھے خوش رکھے! جو کچھ تو نے کہا، ذرا دوبارہ بتانا''۔

مہمان برا سا منہ بنا کر بولا ''جی! آپ پوچھتے جایئے۔''

اعرابی: میرے کتے کا کیا حال ہے؟

مہمان: آپ کا کتا تو مر گیا ہے۔

اعرابی: (حیران ہوکر) کیسے؟

مہمان: آپ کے اونٹ کی کوئی ہڈی اس کے حلق میں پھنس گئی تھی۔

اعرابی: (حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر) کیا میرا اونٹ بھی مر گیا ہے؟

مہمان: عمیر کی ماں کی قبر کے لئے پانی کی ضرورت تھی، جسے بار بار ڈھونے کی وجہ سے بے چارہ جان سے ہی چلا گیا۔

اعرابی: (چلاتے ہوئے) کیا عمیر کی ماں بھی چل بسی؟
مہمان: (سرد آہ بھرتے ہوئے) بے چاری محبت کی ماری ماں، بیٹے کی جدائی کا غم آخر کب تک برداشت کرتی۔
اعرابی: (بھرائی ہوئی آواز میں) کیا میرا بیٹا بھی دنیا میں نہیں رہا؟
مہمان: ہائے افسوس! وہ غریب تو مکان تلے ہی دب گیا تھا۔
اعرابی: (سر پکڑ کر) کیا میرا مکان بھی گر گیا ہے؟
مہمان: افسوس! تمہارا مکان بھی گر گیا ہے؟
یہ سن کر اعرابی نے ڈنڈا اٹھایا اور اس کے پیچھے دوڑا تو وہ دروازے سے نکل چکا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کی قناعت

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک روز اطلاع ملی کہ سپہ سالار افواج کے باورچی خانے کا روزانہ خرچ ایک ہزار درہم ہے۔ یہ اطلاع پا کر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے افسوس ظاہر کیا اور فرمایا کہ افسوس بے کسوں، یتیموں اور بیواؤں کا حق یوں اڑایا جا رہا ہے۔
سپہ سالار کو امیر المومنین نے حکم دیا کہ کل دوپہر کا کھانا ہمارے دستر خوان پر کھایا جائے اور پھر اپنے باورچیوں کو حکم دیا کہ ہر قسم کے پر تکلف کھانے تیار کئے جائیں اور ساتھ ہی جو کا دلیا بھی تیار کیا جائے۔

سپہ سالار جب دوسرے دن دعوت پر پہنچا تو خلیفہ نے کھانا منگوانے میں دیر کر دی اور کھانے کے لئے حکم دینے میں اس قدر تامل کیا کہ سپہ سالار کے پیٹ میں بھوک سے چوہے قلا بازیاں کھانے لگے۔ ادب کے مارے کچھ کہہ تو سکتا نہیں تھا۔ کہ بھوک لگ رہی ہے۔ مگر اس کے چہرے پر ہوائیاں ایسی دوڑ رہی تھیں کہ جس سے اس کی بھوک کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔
جب وہ بھوک سے بے تاب ہو گیا تو امیر المومنین نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ اور پہلے جو کا دلیا منگوایا۔ سپہ سالار چونکہ بہت بھوکا تھا۔ اس لئے اپنے محترم خلیفہ کے ساتھ ہی جو کا دلیا کھانا شروع کر دیا اور جب پر تکلف کھانے آئے اس وقت اس کا پیٹ جو کے دلیا کے ساتھ ہی بھر چکا تھا۔

دانا خلیفہ نے اس کے بعد پھر پر تکلف کھانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کھانا تو اب آیا ہے۔ کھایئے۔

سپہ سالار نے انکار کیا اور کہا کہ میرا پیٹ تو دلیا ہی سے بھر چکا ہے۔

امیر المومنین نے فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا اچھا کھانا ہے کہ پیٹ بھی بھر دیتا ہے اور زیادہ خرچ بھی نہیں کرتا۔ ایک درہم میں دس آدمی پیٹ بھر کے کھا سکتے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو آپ پر افسوس ہے کہ آپ ایک ہزار درہم ہر روز اپنے آپ پر خرچ کرتے ہیں۔ جو روپیہ آپ اپنے باورچی خانے میں بے فائدہ صرف کرتے ہیں۔ بھوکوں، حاجتمندوں اور غریبوں کو دیں۔ خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔

متقی خلیفہ کے ان نصیحت آمیز کلمات نے سپہ سالار کے دل پر گہرا اثر کیا اور اس نے عہد کیا کہ آئندہ میں اتنا خرچ نہ کروں گا۔ (مغنی الواعظین ص ۴۹۱)

جرجہ: مسلمان ہونے کے بعد صرف دو رکعت نماز پڑھ سکا

جنگ یرموک میں ایک رومی جرنیل جس کا نام جرجہ تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا۔ خالد! تم سے اگر ایک بات پوچھوں تو سچ سچ بتاؤ گے؟

فرمایا: کیوں نہیں اس نے پوچھا! کیا تمہارے نبی پر آسمان سے تلوار نازل ہوئی تھی جو انہوں نے تمہارے ہاتھ میں تھما دی۔ تم اسے جس پر چلاتے ہو شکست اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں آسمان سے تو کوئی تلوار نازل نہیں ہوئی۔

اس نے کہا پھر تمہیں سیف اللہ کیوں کہا جاتا ہے۔

فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہماری راہنمائی کے لئے ایک رسول ہم مین بھیجا۔ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ ایک معرکہ میں شریک ہوئے۔ جس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''خالد تو اللہ کی تلوا ہے۔ جسے کافروں کا قلع قمع کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔''

رومی جرنیل نے پوچھا کہ تمہاری دعوت کیا ہے؟
فرمایا ہم اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔
اس نے پوچھا، اگر کوئی حلقہ بگوش اسلام ہو جائے تو وہ اجر و ثواب میں تمہارے درجے اور مقام کو پہنچ سکتا ہے۔
فرمایا، یقیناً بلکہ وہ ہم سے بھی آگے بڑھ سکتا ہے یہ سنتے ہی رومی جرنیل جرجہ نے کہا کہ مجھے دائرہ اسلام میں داخل کر لیجئے۔
کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے خالد بن ولید کی قیادت میں لڑنا شروع کر دیا اور پھر شہید ہو گیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اسے صرف دو رکعت نماز پڑھنے کا موقعہ ملا۔
(البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۷)

شاہ ایران نے اپنے ملک کی مٹی مجاہدین کے سپرد کر دی

جنگ قادسیہ سے قبل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاہ ایران کے پاس ایک وفد روانہ کیا۔ جس میں نعمان بن مقرن، عاصم بن عمر، عمرو بن معدیکرب، بشیر بن ابی رھم اور حنظلہ بن ربیع تمیمی رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ حضرت نعمان بن مقرن امیر وفد تھے۔
وفد مدائن پہنچا اور ایوان کے جاہ و جلال کی پرواہ کئے بغیر فاخرانہ انداز میں سینہ تان کر تخت کے پاس پہنچا۔ شاہ ایران نے پوچھا کہ یہاں کیا لینے آئے ہو تو امیر وفد حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا۔
اے شاہ ایران! ہماری بات کو ذرا غور سے سنو!
اللہ تعالیٰ نے ہم پر بہت بڑا فضل و کرم کیا۔ ہماری طرف اپنا رسول بھیجا۔ جس نے ہمیں نیکی کا حکم دیا اور ہر قسم کے شر سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس نے ہمیں یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ اگر ہم اس کی دعوت قبول کر لیں تو دنیا و آخرت میں سرفرازی نصیب ہو گی چنانچہ ہم نے ان کی دعوت کو قبول کیا۔ تھوڑے عرصے میں اللہ تعالیٰ نے ہماری تنگ دستی کو فراخی میں ہماری ذلت و رسوائی کو عزت میں اور ہماری باہمی دشمنی کو اخوت میں

بدل دیا۔اس لئے ہم تمہیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نظریہ حیات ہے۔ جو اپنے ماننے والوں کو کفر وشرک کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر نور ایمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔اگر تم قبول کرلو گے تو تمہارے پاس اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید کو چھوڑا جا سکتا ہے۔تم اس کے احکام کو اپنی رعایا پر نافذ کر دینا۔ہم تمہارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے ہمیں دنیا کی کسی چیز کی لالچ نہیں ہے۔اگر تم نے ہماری اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔تو جزیہ دینے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر میدان میں ہماری تلواریں فیصلہ کریں گی۔کہ اس سرزمین پر کس کا راج ہونا چاہئے۔

شاہ ایران حضرت نعمان کی باتیں سن کر مشتعل ہو گیا اور کہا کہ:

ہم تمہارے معاملے کو سرحدی حکمرانوں کے سپرد کر دیں گے۔وہ تمہیں ہماری طرف ایک انچ نہیں بڑھنے دیں گے۔

پھر کہنے لگا کہ اگر تمہیں دنیا کی کوئی چیز مطلوب ہے تو بتاؤ۔ہم تمہاری غربت ختم کر دیں گے۔

وفد کے ایک رکن نے کہا:

تمہاری اس دولت، فاخرانہ لباس اور غلے کی پیشکش کو ہم مچھر کے پر کی بھی حیثیت نہیں دیتے۔تم ابھی اپنی شاہی میں مدہوش ہو، تیرے نیچے سے سرکتا ہوا تخت تجھے دکھائی نہیں دے رہا۔ہم جب میدان میں اترتے ہیں تو شیروں کی مانند اپنے شکار پر لپکتے ہیں۔

شاہ ایران مارے غصے کے آگ بگولہ ہو کر کہنے لگا۔

اگر قاصدوں کے تحفظ کا بین الاقوامی دستور نہ ہوتا تو آج میں تمہارے سر قلم کرنے کا حکم دیتا۔پھر درباریوں کو حکم دیا کہ مٹی کا ایک تھیلا منگوایا جائے اور وفد کے سب سے معزز فرد کے سر پر رکھ کر ان کو دربار سے نکال

دیا جائے۔

مٹی کا ٹوکرا حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ کر فتح کی خوشخبری سناتے ہوئے کہا کہ ایرانیوں نے اپنی سرزمین ہمارے حوالے کر دی ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد قادسیہ کے میدان میں یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۳۷۔۳۸)

ہارون الرشید کی طرف سے رومی فرمانروا کو کتے کے لقب سے مکتوب لکھنا

ہارون الرشید کے دور میں قسطنطنیہ مسلمانوں کو خراج دیا کرتا تھا۔ یہاں اپنی نامی ایک عورت حکمرانی کرتی تھی۔ رومیوں نے اسے معزول کر کے نیسوفور کو حکمران بنالیا۔ اس نے ہارون الرشید کو لکھا ملکہ اپنی خلقی کمزوری اور ضعف عقلی کی بنا پر تمہیں خراج ادا کرتی تھی۔ لہذا میرا خط ملتے ہی وہ داری رقم واپس کر دو۔ ورنہ تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی۔

یہ خط پڑھ کر ہارون الرشید غضب میں آ گیا اور اسی خط کی پشت پر یہ جواب لکھ کر بھیج دیا:

امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے رومی کتے کے نام۔

اے کافرماں کی اولاد! میں نے تیرا خط پڑھ لیا ہے۔ اس کا جواب سننے کی بجائے عنقریب تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

یہ جواب بھیج کر اسی وقت لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ نیسوفور کو شکست ہوئی اور اسے مجبوراً خراج دے کر صلح کرنا پڑی۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۲۸۸)

معتصم کا عموریہ کی اینٹ سے اینٹ بجادینا

معتصم باللہ خلافت اسلامی پر متمکن تھا کہ رومیوں نے عراق کے ایک شہر پر حملہ کر دیا۔ ایک عورت کی حرمت پر ڈاکہ ڈالنے کی ناپاک جسارت کی۔ اس نے وامعتصماہ (یعنی اے معتصم میری مدد کر) کی فریاد کی۔

معتصم باللہ کو فریاد پہنچی۔ وہ اس وقت تخت پر بیٹھا ہوا تھا بیٹھے بیٹھے بولا لبیک لبیک یعنی میں پہنچا میں پہنچا۔ تخت سے اترا اعلان جہاد کروادیا۔ وصیت کی کہ میری وراثت کا ایک تہائی حصہ جہاد فی سبیل اللہ میں دے دیا جائے اور خود لشکر لے کر رومیوں کے سب سے مستحکم قلعہ عموریہ پر ٹوٹ پڑا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ قیدی عورتوں کو آزاد کروالیا اور دشمنوں سے سخت انتقام لیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۲۵۸/۱۰)

طارق بن زیاد کا عیسائی لڑکی کی پکار پہ لبیک کہنا

۹۲ھ میں ہسپانیہ سے ایک عیسائی اپنی بیٹی کی عفت وعصمت کی حفاظت کے لئے پکارتا ہے تو طارق بن زیاد بارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر لے کر اس کی دادرسی کے لئے جبرالٹر پہنچ جاتا ہے۔ جاتے ہی آگ لگا کر اپنی تمام تر کشتیوں کو جلا دیتا ہے۔ ساتھیوں نے سمجھانے کی کوشش کی۔ تو طارق نے کہا:

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

ساری زمین ہماری ہے۔ اس لئے کہ ساری زمین اور ملک ہمارے اللہ کے ہیں۔ یہ کہہ کر واپسی کے امکان کو مسترد کردیا۔

مسلمانوں کے لشکر جرار کی اطلاع پا کر شاہ اندلس راڈرک ایک لاکھ بہادروں کا لشکر لے کر مقابلے میں اترا۔ طارق بن زیادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پتہ چلا تو اپنے مجاہدوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

امابعد! لوگو! میدان جنگ سے اب کوئی مفر نہیں۔ آگے دشمن ہے پیچھے سمندر۔ اللہ کی قسم صرف پامردی اور استقلال ہی میں نجات ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ تو قلت تعداد تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ خبردار ذلت پر راضی نہ ہونا اور اپنے آپ کو دشمن کے حوالے نہ کرنا۔ جہاد کی برکت سے دنیا میں تمہارے لئے جو عزت وشرف اور آخرت میں شہادت کا جو ثواب لکھا ہے اس کی طرف بڑھو۔ اگر تم ذلت پر راضی ہو گئے تو بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ دوسرے مسلمان تمہیں قیامت تک برے الفاظ سے یاد کریں گے۔

(التاریخ الاندلسی من الفتح الاسلامی حتی سقوط غرناطۃ: ۵۹)

پھر دونوں فوجوں میں گھمسان کا معرکہ ہوا۔ طارق بن زیاد کے مجاہدوں نے ہسپانوی عیسائیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ ایک عیسائی بیٹی کی ناموس کی حفاظت کرتے ہوئے انہوں نے اندلس اور فرانس کو فتح کرلیا اور روم کے سب سے بڑے جزیرہ سسلی پر بھی اسلام کے جھنڈے لہرا دیئے۔ طارق بن زیادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جدھر کا رخ کرتے فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۹/۱۷۵)

اللہ تعالیٰ کے راستے کا زخم ایک سعادت اور جنت کا تمغہ ہے۔ آج کل کی حکومتیں ان فوجیوں کو اعزازی تمغے دیتی ہیں جو ملکی سرحدوں کا دفاع کرتے ہوئے کارنامے سرانجام دیے ہیں یا زخمی ہوجاتے ہیں مجاہدین کرام ان ظاہری تمغوں سے بے نیاز ہوتے ہیں کیونکہ وہ تو اللہ کے سپاہی ہیں اور وہ اللہ کے دین کی عظمت کے لئے اپنے جسم کے قیمتی اعضاء قربان کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کو ان پر پیار آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے بے انتہا محبت فرماتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی رضا اور جنت کا ایسا تمغہ عطا فرمائیں گے جسے دیکھ کر ہر شخص یہی تمنا کرے گا کہ کاش میں نے بھی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے راستے کے زخم اپنے جسم پر سجائے ہوتے۔

آج کا نفس پرست نقلی عاشق اگر اپنے معشوق کی حفاظت میں اپنی انگلی کٹا لے تو وہ معشوق کی نگاہوں میں کتنا بڑا مقام پالیتا ہے تو کون اندازہ لگا سکتا ہے اس اللہ قدر دان کی قدر دانی کا جس سے بڑھ کر کوئی قدر دانی کرنے والا نہیں۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے قیمتی اعضاء کٹواتے ہیں وہ خوش نصیب ہیں کہ ان کے جسم کے اعضاء کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا اب انہیں اپنے زخموں پر اور کٹے ہوئے اعضاء پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اسی سے اجر کی امید رکھنی چاہئے۔

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بھائی کی آنکھ جہاد میں نکل گئی تو وہ رونے لگے۔ سلطان نے فرمایا اگر تجھے اندازہ ہوجائے کہ تجھے اس آنکھ کے بدلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا ملنے والا ہے تو تو اس بات پر روئے گا کہ تیری دوسری آنکھ اللہ کے راستے میں قربان کیوں نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو ایمان و یقین کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کی توفیق عطاء

فرمائے۔آمین ثم آمین۔

جہانگیر بادشاہ نے جو مجدد الف ثانی کے مخالفوں، بے دینوں اور مقتدوں کے بھڑکانے پر بادشاہ کو سجدہ کرنے کی اجازت دے دی تھی مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور بلند آواز سے ارشاد فرمایا کہ:

''ازروئے شرع محمدی سجدہ صرف خدا کی ذات کو ہی مخصوص ہے اور یہ ایک بے وقوفی ہے کہ اپنے ہی جیسے آدمی کو سجدہ کیا جائے۔''

جب جہانگیر نے یہ الفاظ سنے تو بڑا برہم ہوا اور آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا مگر بعد میں گوالیار قید میں ڈال دیا گیا۔ قید خانے سے رہائی بھی آپ کی کرامت ہی شمار کی جاتی ہے۔ چند دنوں کے بعد جہانگیر نے خواب دیکھا کہ ''سرور دو عالم ﷺ انتہائی افسوس کے ساتھ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر رکھا ہے۔''

جب جہانگیر خواب سے بیدار ہوا تو اپنے کئے پر بہت پشیمان اور شرمندہ ہوا اور آپ کو رہا کر دیا گیا اور نہ صرف وہ اپنے اس عمل پر پشیمان ہوا بلکہ ماضی کے اعمال کو دیکھ کر بڑا شرمندہ ہوتا اور کہتا کہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جس سے نجات کی توقع کی جائے۔

اور کہتا کہ میرے پاس ایک دستاویز ضرور ہے جو پروردگار عالم کے حضور حضرت خواجہ اکثر فرمایا کرتے تھے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ آفتاب ہیں جس کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں فی زمانہ ان جیسا اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں اور اس امت میں تو ان جیسے لوگ بہت کم گزرے ہیں۔ وہ اسی زمانے کے کاملین محبوب الٰہی میں سے ہیں۔''

اگر آپ کی مجددیت کے تمام گوشوں کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو نہ صرف کسی ایک شعبہ کا مجدد بنایا تھا بلکہ آپ کو دین کے تمام شعبوں پر حاوی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مختصر عرصہ میں آپ کی مجددیت کی شہرت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور آپ کو تمام ارباب حل وعقد نے مجدد تسلیم کر لیا۔

ایٹم بم سے زیادہ خطرناک چیز! تکبر

مہلب بن ابی صفقر جو کہ حجاج بن یوسف کے لشکر کا سپہ سالار تھا، ایک بار اس کے زمانے کے ایک بزرگ مطرف بن شخیر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اپنے ریشمی لباس میں مغرورانہ چال سے اکڑتا ہوا آ نکلا۔ مطرف علیہ الرحمہ نے اس سے کہا:

''اے بندۂ خدا! تو جس طور سے چلتا ہے اس قسم کی چال سے اللہ ورسول ﷺ نفرت کرتے ہیں۔''

مہلب نے جواب دیا:

''کیا تم مجھے نہیں پہچانتے کہ میں کون ہوں؟''

مطرف علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''میں تجھے خوب جانتا ہوں کہ شروع میں تو ایک ناپاک نطفہ تھا اور آخر میں ایک سڑا ہوا مردار ہوگا اور تیرے اندر جو کچھ نجاست بھری ہوئی ہے، اس کو سب جانتے ہیں۔''

مہلب نے شرم کے مارے وہ چال چھوڑ دی۔

دنیادار علماء کے لئے ناصحانہ واقعہ

حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ارشاد فرمایا کہ تم ایک ماہ میں دو مرتبہ میرے پاس آیا کرو۔ میں آپ کے حسب الحکم ایک روز حاضر ہوا انہوں نے مجھ کو قلعہ کے اوپر کی جانب سے ہی آتا ہوا دیکھ لیا اور میں ابھی دروازہ پر نہیں پہنچا تھا کہ اندر جانے کی اجازت مل گئی میں اسی طرح سے اندر داخل ہو گیا۔

میں نے دیکھا کہ ایک چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں جس پر مصلی بچھا ہوا ہے اور وہ قمیص میں پیوند لگا رہے ہیں۔ میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور بہت زیادہ اصرار کر کے انہوں نے مجھ کو اپنے ہمراہ مصلی پر بٹھلایا، اس کے بعد مجھ سے حکام کے متعلق، اسی طریقہ سے محکمہ پولیس کے متعلق جیل اور اس کے نظام سے متعلق اہل اسلام کے خاص امور کے متعلق سوالات کرتے رہے پھر میرے ذاتی حالات کے متعلق دریافت کیا۔

میں جس وقت نکلنے لگا تو عرض کیا کہ حضرت امیر المومنین کیا آپ کے مکان میں کوئی اس قسم کا شخص نہیں ہے جو کہ آپ کی خدمت کر سکے جس میں آپ مشغول نظر آ رہے ہیں؟

فرمایا کہ میں اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ لوگوں کے بال سے اپنی ذاتی صورت کے لئے ملازم رکھ لوں اسی لئے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ گھر کے پودوں کو بطور مالی خود کاٹتے تھے۔

فائدہ:...... یہ واقعہ درحقیقت دنیادار علماء کے لئے ایک عبرت ہے۔ آج جس شخص نے مدرسہ بنالیا تو وہ گاڑی مع ڈرائیور اپنے لئے جائز سمجھ لیتا ہے۔ ایسے علماء اس واقعہ سے عبرت لیں۔ احقر کی کتاب ''اللہ والوں کی دنیا سے بے رغبتی'' میں ایسے واقعات بہ کثرت موجود ہیں کہ خلیفہ ہونے کے باوجود خادہ نہیں رکھتے تھے۔ البتہ اگر کوئی عالم مالدار ہے، اس کے پاس اپنی ذاتی کمائی ہے تو بے شک وہ گاڑی مع ڈرائیور رکھ سکتا ہے۔ مگر انہی تاویل کر کی زکوٰۃ کی رقم سے ڈرائیور کو تنخواہ دینا پھر اس کو صرف اپنی ضرورت کے لئے ملازم رکھنا یہ ناجائز ہے۔

ہارون رشید کی عدالت میں پیشی

ایک بار عراق کے ایک بوڑھے نصرانی نے ہارون الرشید کے خلاف دعویٰ دائر کیا کہ فلاں باغ میرا ہے جس پر خلیفہ نے غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ اتفاق سے یہ مقدمہ اسی دن پیش ہوا جب خود ہارون الرشید مقدمات کے فیصلے کر رہا تھا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جو قاضی القضاۃ تھے) فریقین کے بیانات اور ان کے دعوے ہارون الرشید کے سامنے پیش کر رہے تھے جب اس مقدمہ کی باری آئی تو انہوں نے خلیفہ کے سامنے اس کو پیش کیا اور کہا:

آپ کے اوپر دعویٰ ہے کہ آپ نے مدعی کے باغ پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ مدعی یہاں موجود ہے حکم ہو تو حاضر کیا جائے۔

بوڑھا نصرانی سامنے آیا تو امام صاحب نے پوچھا تمہارا دعویٰ کیا ہے؟ اس نے کہا میرے باغ پر امیر المومنین نے قبضہ کر لیا ہے جس کے خلاف دادرسی چاہتا ہوں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہارون الرشید سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا آپ اس مقدمے کے جواب میں کچھ کہنا چاہتے ہیں؟

ہارون نے کہا میرے قبضہ میں اس شخص کی کوئی چیز نہیں ہے نہ باغ میں اس کا کوئی حق ہے۔ امام صاحب نے مدعی سے اس کے دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلیل طلب کی۔
اس نے کہا امیر المومنین سے قسم لی جائے۔ ہارون نے قسم کھا کر کہا کہ یہ باغ میرے والد نے مجھے دیا تھا۔ میں اس کا مالک ہوں۔ بوڑھے نے یہ سنا تو غصے سے بڑبڑاتا ہوا عدالت سے باہر نکل گیا کہ جس طرح کوئی شخص ستو گھول کر آسانی سے پی جائے اسی طرح اس شخص نے با آسانی قسم کھالی۔
ایک معمولی آدمی کی زبان سے یہ ہتک آمیز الفاظ سن کر ہارون کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دینی جلالت کے باعث وہ آپ کے عادلانہ فیصلے کے خلاف چوں بھی نہ کرسکا لیکن آپ اس کے بعد بھی جب اس واقعہ کو یاد کرتے تو آخرت کی باز پرس سے کانپ اٹھتے اور کہتے:

"میں اپنے اندر سخت غم واندوہ اور اذیت محسوس کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ میں نے انصاف میں جو کوتاہی کی ہے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس کا کیا جواب دوں گا۔"

لوگوں نے پوچھا۔ آپ نے انصاف میں کیا کوتاہی کی؟ اور آپ اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے کہ ایک معمولی کسان کے مقابلے میں وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا۔ فرمایا: تم نہیں جانتے کہ مجھے کس خیال سے تکلیف ہے وہ اس بات کی ہے کہ میں نے ہارون سے یہ نہ کہہ دیا کہ آپ کرسی سے اتر جایئے اور جہاں آپ کا فریق کھڑا ہے وہاں ایک فریق کی حیثیت سے آپ بھی کھڑے ہو جایئے یا پھر اجازت دیجئے کہ اس کے لئے بھی کرسی لائی جائے۔

امام اوزاعیؒ کی بادشاہ کو نصیحت

ایک بار خلیفہ منصور نے حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دربار میں بلا بھیجا۔ مسافت کی دوری کی وجہ سے آپ دیر میں پہنچے۔ خلیفہ نے کہا آپ نے دیر کی ہے میں کب سے آپ کا منتظر ہوں۔ آپ نے پوچھا کس لئے یاد کیا؟ کہا کچھ نصیحت کی باتیں سننا چاہتا ہوں۔

فرمایا: میں تیار ہوں بشرطیکہ جو میں کہوں اسے آپ بھول نہ جانا۔اس نے کہا جب میں نے خود ہی آپ کو اس کے لئے تکلیف دی ہے تو آپ کے ارشادات کو کیسے بھول سکتا ہوں؟

آپ نے فرمایا آپ اسے سن تو لیں گے مگر اس پر عمل نہ کریں گے۔ منصور کے حاجب ربیع کو آپ کا یہ انداز گفتگو نازیبا معلوم ہوا تو اس نے تنبیہ کرنی چاہی۔

منصور نے اسے روک دیا کہا یہ درس وموعظت کی مجلس ہے دربار شاہی نہیں ہے۔ جب امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ یقین ہو گیا کہ اس وقت منصور میں جذبہ نصیحت پذیری موجود ہے تو آپ نے عبرت ونصیحت سے بھرپور ایک طویل تقریر کی جس کا ایک ایک لفظ خدا کے خوف، اندیشہ آخرت اور تذکیر وترہیب کے اثر میں ڈوبا ہوا تھا آپ نے فرمایا:۔

> آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب بندے کو خدا کے دین کی کوئی بات معلوم ہوتی ہے اور وہ اس کو قبول کر کے اس کی قدر کرتا ہے تو وہ اس کے لئے قدر کی ایک نعمت ثابت ہوتی ہے اور اگر وہ اسے ٹھکرا دیتا ہے اور اس کی ناقدری کرتا ہے تو وہ اس کے اوپر ایک حجت ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو خدا کے غضب کا مزید سزاوار بنا لیتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو حاکم رعیت پر ظلم وزیادتی کرتا ہے اور خود آرام کی نیند سوتا ہے اس پر خداوند کریم جنت حرام کر دے گا۔اس کے بعد ایک طویل خطبہ دیا جو پند ونصیحت سے بھرپور تھا۔بادشاہ پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس پر رقت طاری ہو گئی۔

مخلوق تعریف پر خوش ہونے پر انعامات کی بارش کرتی ہے، اگر ہم لوگوں میں اللہ کی عظمت کو بیان کریں گے تو اللہ کتنا خوش ہوتا ہے

(جو حضرات اپنے دل میں اللہ کی بڑائی کو بڑھانا چاہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ حقر کی

کتاب ''اللہ کون ہے'' کا مطالعہ فرمائیں۔)

ابی دلامہ سے روایت ہے کہ وہ مہدی کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کی شان میں قصیدہ پڑھ دیا۔ مہدی نے اس سے کہا: مجھ سے اپنی ضرورت وحاجت کا سوال کرو۔ تو ابو دلامہ نے کہا: اے امیر المومنین! مجھے ایک کتا عنایت فرمادیں۔ مہدی (اس کا یہ سوال سن کر) ناراض ہو گیا اور کہا: میں نے تجھے کہا ہے اپنی حاجت مانگو اور تو کہتا ہے۔ مجھے ایک کتا ہبہ کردو۔

پھر اس نے عرض کی اے امیر المومنین! ضرورت میری ہے یا آپ کی؟ خلیفہ نے کہا: مجھے نہیں بلکہ تجھے ہے۔

ابو دلامہ نے کہا: بس مجھے ایک شکاری کتا دے دو۔

خلیفہ مہدی نے کتا دینے کا حکم جاری کر دیا۔

تو ابو دلامہ نے کہا: اے امیر المومنین! فرض کرو میں شکار پر نکلا تو کیا خیال ہے میں پیدل دوڑوں گا؟ مہدی نے اسے ایک سواری دینے کا بھی حکم دے دیا۔

پھر اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! اس کی دیکھ بھال کون کرے گا تو اس نے غلام عطا کرنے کا حکم دیا۔

پھر اس نے گزارش کی اے امیر المومنین! فرض کرو میں شکار کر کے گھر لاؤں گا تو اسے پکائے گا کون؟ تو خلیفہ نے ایک لونڈی دے دینے کا حکم دیا۔

پھر اس نے عرض کی اے امیر المومنین! یہ سارے لوگ رات کہاں گزاریں گے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ؟

تو خلیفہ نے ایک کوٹھی اس کے نام الاٹ کر دی۔

پھر اس نے التماس کی: اے امیر المومنین! اب آپ نے میری گردن پر اتنے بڑے کنبہ کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ ان کا رزق کہاں سے آئے گا جس کو یہ کھائیں پئیں گے؟

تو امیر المومنین نے کہا: تیرے لئے ایک ہزار جریب زمین عامر (آباد) اور ایک ہزار جریب غامر (غیر آباد) الاٹ کر دی تو ابو دلامہ نے کہا امیر المومنین عامر کا معنی تو میں جانتا ہوں لیکن غامر کا کیا مطلب ہے اس نے کہا غامر اس خراب زمین کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی چیز پیدا نہ ہوتی ہو۔

تو ابو دلامہ نے کہا اے امیر المومنین! آپ کے نام ایک لاکھ غیر آباد زمین دو کے صحرا

میں الاٹ کرتا ہوں۔ لیکن میں امیر المومنین سے دو ہزار جریب آباد زمین کا سوال کرتا ہوں۔

تو اس نے کہا، کہاں سے؟

انہوں نے کہا بیت المال سے۔

تو مہدی نے کہا: مال کو تبدیل کردو اور اسے زمین اتنی مقدار میں عطا کردو۔

تو ابودلامہ نے عرض کی: امیر المومنین! اگر انہوں نے مال تبدیل کر دیا تو ساری ہی غیر آباد ہو جائے گی یہ سن کر مہدی ہنس پڑا اور اس کو راضی کر کے رخصت کیا۔

ایک شاعر ابن الخیلط نے خلیفہ مہدی کے دربار میں قصیدہ پڑھا۔ مہدی نے اسے پچاس ہزار درہم عطا کئے۔ وہ شاعر بھی کوئی بہت فیاض تھا اس نے وہ سارے غریبوں اور یتیموں میں بانٹ دیئے۔ مہدی کو پتہ چلا تو اس نے ہر درہم کے بدلے دینار دیئے یعنی پچاس ہزار دینار۔

حدیث شریف کا احترام کرنے والا بادشاہ

چھٹی صدی ہجری کے عباسی خلیفہ مقتفی لامر اللہ کے وزیر اعظم ابن ہبیرہ کے تاریخ میں عجیب وغریب حالات ملتے ہیں، ایک واقعہ حدیث نبوی ﷺ کے ادب واحترام کا مولانا گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل فرمایا ہے۔ انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

''حدیث نبوی کے احترام کے سلسلہ میں لوگوں نے لکھا ہے کہ ''افصاح'' پڑھا رہے تھے کہ وزیر کے زنان خانے سے گریہ وبکا کی آواز بلند ہوئی، کتاب بند کر کے اندر گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے اور حکم دیا کہ درس جاری رہے، جب درس ختم ہوا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا قصہ تھا تب انہوں نے خبر دی میرے ایک بچے کا انتقال ہو گیا، یہ شور وہنگامہ اسی لئے برپا ہوا تھا۔ آخر میں مجلس سے وہ کہہ رہے تھے۔

لولا تعین الا مر علی بالمعروف فی الانکار علیهم ذالک الصیاح لما قمت عن مجلس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.

عورتوں کی چیخ وپکار کا روکنا میرے فرائض میں نہ ہوتا تو میں رسول اللہ (ﷺ) کی مجلس سے اٹھ کر کبھی اندر نہ جاتا۔''

جو شخص یہ امید رکھے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں اس کا ٹھکانہ جہنم ہے

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ متوکل نے علماء کو اپنے یہاں طلب کیا جن میں احمد بن معدل بھی تھے۔ جب سب علماء آ کر جمع ہو گئے تو متوکل آیا۔ متوکل کو آتا دیکھ کر سب علماء تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے مگر ایک احمد بن معدل بدستور بیٹھے رہے۔ اور کھڑے نہیں ہوئے۔ متوکل نے اپنے وزیر سے پوچھا کیا اس شخص نے بیعت نہیں کی ہے؟ عبداللہ نے کہا بیعت تو کی ہے مگر ان کو کم نظر آتا ہے۔

احمد بن معدل نے فوراً کہا میری آنکھوں میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ میں صرف آپ کو عذاب الٰہی سے بچانا چاہتا ہوں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص لوگوں سے یہ امید رکھے کہ وہ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جرأت

سلطان بایزید یلدرم خاندان عثمانیہ کا مشہور حکمران گزرا ہے سلطان مراد اول کا بیٹا تھا، انتہائی شجاع و دلیر واقع ہوا تھا۔ اس کے عہد میں قاضی شمس الدین ایک نامی گرامی بزرگ تھے جو سلطان کی طرف سے بروسا کی قضاء پر فائز تھے ان کے متعلق مصنف ''شقائق النعمانیہ'' فرماتے ہیں:

''آپ کی عدالت میں ایک معاملے میں سلطان بایزید نے شہادت دی تو شہادت سلطانی کو انہوں نے قبول نہیں کیا، جب سلطان نے وجہ پوچھی تو مولانا نے جواب دیا کہ سلطان نماز میں جماعت کا پابند نہیں اور تارک جماعت کی شہادت مردود ہے۔''

ہارون رشید کا قاضی یحییٰ کی خدمت کرنا

خلیفہ مامون رشید باعظمت بادشاہوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ حلقہ احباب میں شاہی

جاہ وجلال دکھانے کے عادی نہ تھے۔ دوستوں سے اکثر بے تکلف رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ اکثر اہل علم اور ارباب کمال راتوں کو ان کے مہمان ہوتے تھے۔ اور بستر کے ساتھ بستر لگا کر سوتے تھے۔

ایک رات آپ کے دوست قاضی یحیٰی اکتم آپ کے کمرہ میں سو رہے تھے۔ انہیں پیاس نے ستایا۔ چہرہ سے بے تابی کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ ماموں رشید نے ان کو بے چین دیکھ کر وجہ پوچھی۔

قاضی یحیٰی نے کہا۔

''پیاس لگی ہے۔''

ماموں رشید فوراً اٹھے۔ دوسرے کمرہ سے صراحی اٹھا لائے اور پیالہ میں پانی لا کر انہیں پلایا۔

قاضی یحیٰی نے کہا۔

''امیر المومنین۔ نہ آپ نے کسی خادم کو آواز دی۔ نہ غلام کو پکارا۔''

ماموں رشید نے جواب دیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''قوم کا سرداران کا خادم ہی ہوتا ہے۔''

آج کل تو کسی سردار کو صحیح معنوں میں خدمت کرتے نہیں دیکھا بلکہ دوسروں سے ہی خدمت لیتے ہیں۔

عدالت انصاف میں شاہ وگدا برابر ہیں۔

امام ابو یوسف جن کا اصل نام یعقوب بن ابراہیم تھا اور جو عتبہ انصاری صحابی کی چھٹی پشت میں تھے اپنے وقت کے امام اجل فقیہ اکمل صاحب حدیث اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سب سے متقدم تھے۔ بغداد میں آپ قاضی القضاۃ تھے۔ تین خلفاء یعنی مہدی، اس کے بیٹے ہادی اور ہارون رشید کے زمانے میں آپ اس عہدہ پر رہے۔

ایک دفعہ ہارون رشید اور ایک یہودی کا مقدمہ آپ کے پاس آیا۔ یہودی خلیفہ سے ذرا پیچھے ہٹ کر آپ کے سامنے کھڑا ہوا آپ نے فرمایا خلیفہ کے برابر آ کے کھڑے ہو جاؤ

عدالت انصاف میں کسی کو کسی پر تقدم نہیں ہے یہاں شاہ و گدا برابر ہیں۔

ہارون رشید آپ کے عدل وانصاف پر بہت خوش تھا اور آپ کی بڑی عزت کرتا تھا۔

تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ دم نزع آپ نے مناجات کی۔ الٰہی تو جانتا ہے میں نے ہر واقعہ ومقدمہ میں تیری کتاب کو زیر نظر رکھا ہے اگر اس میں جواب نہیں ملا ہے تو تیرے پیغمبر کی حدیث تلاش کی ہے۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہیں ہوا تو صحابہ کے اقوال وافعال کو دیکھا ہے۔ اور اگر پھر بھی مجھے تشویش رہی ہے تو میں نے اپنے اور تیرے درمیان امام ابو حنیفہ کو پل گردانا ہے۔ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے کسی مقدمہ میں کسی امیر یا کسی سفارش کو ترجیح نہیں دی میں نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ میں نے عدالت اور انصاف میں کوئی کمی نہیں کی۔ اور اے پروردگار! اگر اس پر بھی میں نے تیری کوئی غلطی کی ہے تو میں تیری بخشش اور تیرے لطف وکرم کا امیدوار ہوں۔

عبدالملک عباسی، خلیفہ ہارون رشید کی قید میں

عبدالملک عباسی ہارون رشید کے عہد خلافت میں ایک نامور امیر تھا اس کے ناخلف بیٹے نے باپ سے کسی بات پر ناراض ہو کر ہارون رشید کے پاس اس کی شکایت کی کہ میرا باپ خلافت کا مدعی ہے اور آپ کو معزول کرنا چاہتا ہے۔ اپنی تائید میں ایک دو شہادتیں بھی دلوا دیں ہارون نے بغیر سوچے سمجھے عبدالملک کو گرفتار کر کے فضل بن ربیع کی قید میں دے دیا۔

ہارون نے ایک دن عبدالملک کو اپنے حضور میں طلب کیا اور نہایت غصہ ہو کر کہا۔ ''تم نے احسان فراموشی کی اور ہمارے عطایات واحسانات کی قدر نہ کی۔''

عبدالملک نے کہا۔ آپ خلیفہ رسول اللہ اور حامی دین ہیں اس لئے آپ کی اطاعت فرض ہے لیکن جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اس کی کچھ بھی اصلیت نہیں ہے۔ یہ سارا فساد ہمارے حاسدوں کا ہے جو اس قرابت سے جو امیر المومنین کے حضور میں مجھے حاصل ہے دور رکھنا چاہتے ہیں۔

ہارون نے کہا تم غلط کہہ رہے ہو قمامہ نے جو تمہارا کاتب (چیف سیکرٹری) ہے تمہاری بد نیتی سے مجھے اطلاع دی ہے چنانچہ فوراً قمامہ کو حاضر کیا گیا۔ اس نے شہادت دی کہ واقعی وہ

بغاوت پر آمادہ ہے۔

عبدالملک نے کہا کہ قمامہ جھوٹا ہے جب وہ میرے سامنے مجھ پر تہمت لگا رہا ہے تو میرے پیچھے وہ ضرور جھوٹ بولتا ہوگا۔

ہارون نے کہا اس کو بھی جانے دو تمہارا بیٹا عبدالرحمان تمہارے خلاف شہادت دے رہا ہے۔

عبدالملک نے بیٹے کا نام سنا تو کہا جو اولاد نافرمان ہو اس کی باتوں کا یقین نہیں ہوسکتا۔

امیر المومنین سے توقع ہے کہ وہ خدا کی رضامندی پر اپنی خواہشات نفسانی کو ترجیح نہ دیں گے۔

اس گفتگو کے بعد عبدالملک کو پھر قید میں ڈال دیا گیا۔ ہارون نے چند روز کے بعد اسے پھر بلایا اور ڈانٹا۔

عبدالملک نے کہا۔ امیر المومنین خدا سے خوف کیجئے اور اس کی نعمتوں کی ناشکر گزاری نہ کیجئے آپ کے قیام سلطنت کے لئے جو کوششیں میں نے کی ہیں کیا وہ فراموش ہوگئیں۔

ہارون رشید نے کہا اگر بنی ہاشم میں رحم کی عادت نہ ہوتی تو تم کو ضرور قتل کردیتا کیونکہ ہر جگہ بغاوت کے سامان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

دولت سے نفرت کرنے والا

منصور نے ایک مرتبہ عمر بن عبید ؒ کو بلوا بھیجا وہ آئے خلیفہ نے ان کو کچھ روپیہ دینے کا حکم دیا۔ آپ نے انکار کیا۔ منصور نے کہا واللہ آپ کو لینا ہوگا۔ انہوں نے کہا۔ واللہ ہرگز نہ لوں گا۔

منصور کے بیٹے مہدی نے کہا کہ امیر المومنین نے قسم کھائی ہے اب تو آپ ضرور لے لیجئے۔

عمرو بن عبید نے کہا۔ بہت بہتر لیکن آئندہ کے لئے طے ہوجانا چاہئے کہ جب تک میں خود نہ آؤں آپ مجھے یہاں آنے کی تکلیف نہ دیں اور جب تک میری خواہش نہ ہو مجھے زر بخشی سے معاف رکھیں۔

امام غزالی کا ہدایت نامہ بادشاہ خراسان کے نام

کسی شخص کو جرأت ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کو تو کجا اس کے کسی ذمہ دار اہلکار ہی کو اس کے

نقائص اس کے منہ پر سنا سکے لیکن وہ لوگ جو بے غرضانہ زندگی لے کر آئے ہیں جنہوں نے اظہار حق وصداقت کے لئے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے وہ ننگی تلواروں اور چمکتے ہوئے نیزوں اور گرجتی ہوئی توپوں میں بھی سچی بات کے ظاہر کرنے سے خوف نہیں کھاتے انہی لوگوں میں امام غزالی بھی تھے جنہوں نے سلطان سنجر کے بڑے بھائی محمد بن ملک شاہ کو اس کی بادشاہت کے زمانہ میں ایک ہدایت نامہ بنام نصیحت الملوک لکھ کر بھیجا تھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔

''حق اللہ (نماز، روزہ، حج، زکوۃ) آسانی سے معاف ہوسکتا ہے کیونکہ خدا غفور ورحیم ہے لیکن حق العباد کے معاف ہونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ اے بادشاہ! دیکھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہ باوجود اپنے کمال احتیاط، عدل وانصاف کے قیامت کے مواخذہ سے کس قدر ڈرتے تھے اور آپ کا یہ حال ہے کہ اپنی رعایا کی کچھ پرواہ نہیں اور نہیں جانتے کہ آپ کے ملک والوں کا کیا حال ہے صرف یہی کام آپ کا نہیں کہ خود ظلم سے بچیں بلکہ اس بات کا بھی ذمہ ہے کہ آپ کے غلام، حدم وحشم، عہدہ دار، عامل کسی پر ظلم نہ کرنے پائیں۔ اے سلطان! اس بات کا اندازہ کر لیجئے کہ جو معاملہ آپ دوسروں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں اور اسے اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں تو زیردستوں کے ساتھ اسے جائز سمجھنا دغابازی اور خیانت ہے۔''

علاوہ بادشاہ کے امام صاحب نے ان تمام وزراء کو جو وقتاً فوقتاً وزارت کے رتبہ پر پہنچے نہایت آزادی اور دلیری سے عدل وانصاف کی تاکید میں خطوط اور ہدایت نامے لکھے ہیں۔

امام صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام قوم میں یہ روح پھونکنی چاہی۔ انہوں نے نہایت آزادی و بے باکی سے یہ خیال ظاہر کیا کہ سلاطین کی روک ٹوک ہر مسلمان کا فرض ہے۔

احیاء العلوم میں سلاطین اور امراء کے مقابلہ میں امر بالمعروف کا ایک خاص باب ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ سلاطین کی روک ٹوک میں اگر ملکی فساد کا اندیشہ ہو تو ناجائز ہے لیکن اگر صرف اپنی جان ومال کا خطرہ ہو تو نہ صرف جائز بلکہ نہایت مستحسن ہے۔ بزرگان سلف ہمیشہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر آزادی سے کام لیتے ہیں اور سلاطین اور امراء کو ہر موقع پر روکتے اور ٹوکتے رہتے تھے اور اس میں اگر کوئی شخص جان سے مرا جاتا تھا تو اسے خوش نصیب خیال کیا جاتا تھا کیونکہ وہ شہادت کا مرتبہ پاتا تھا۔ (الغزالی)

وزیر اعظم پر ایک بےغرض واعظ کے وعظ کا اثر

ایک دفعہ نظام الملک سلطان ملک شاہ کے ساتھ بغداد میں گیا مقدس مقامات کے زوار اور ارباب حاجت نے گھیر لیا۔ کوئی اس کی فیاضی سے محروم نہ رہا۔ جب فرد حساب ملاحظہ کی تو معلوم ہوا کہ بمد عطیات چالیس ہزار دینار (دو لاکھ روپے) صرف ہو گئے ہیں۔ حکم دیا فی الحال وظائف ملتوی کیے جائیں اور کوئی سائل میرے پاس نہ آئے۔

اس زمانہ میں بغداد میں ایک واعظ شیخ ابو سعد کے نام سے تھے وہ نظام الملک کے پاس پہنچے اور کچھ بولنے کی اجازت چاہی اور جواب اثبات میں ملتے ہی آپ نے فرمایا۔ وہ شخص جس کو باری تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حکمراں بنایا ہے اگر وہ حوادث کا انسداد اور مساکین کی امداد نہ کرے اپنے وقت اور روپیہ کو ٹھیک استعمال نہ کرے تو وہ نہ تو اعتکاف وتلاوت کا لفظ حاصل کر سکتا ہے اور نہ کسی اور بات کا۔ آپ کو ملک شاہ نے ایک خاص اجرت پر لے لیا ہے یعنی آپ نے اپنا وقت سلطان کے پاس بیچ دیا ہے اس بات کے لئے کہ دنیا میں شہروں اور رعایا کے انتظام اور آخرت میں سلطان کی جانب سے قیامت کے دن آپ جوابدہی کریں گے۔

جب حساب وکتاب کے دن ملک شاہ کو خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا اور سوال کیا جائے گا کہ ملک شاہ میں نے تجھ کو ایک عظیم الشان سلطنت کی حکومت بخشی تھی اور اپنے بندوں کی مہمات کو تیرے سپرد کر دیا تھا بتا تو نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ تو ملک شاہ اس کے جواب میں کہے گا۔ بارالٰہی! میں نے تیرے بندوں کا انتظام ایک فرزانہ اور مدبر وزیر کے سپرد کر دیا تھا اب اس کو حضور میں پیش کرتا ہوں کیونکہ ہر قسم کی جواب دہی کا وہی ذمہ داری ہے۔

اے فخر اسلام وزیر! اس دن کو یاد کر جب لوگ آفتاب محشر کی حرارت سے عرق عرق ہوں گے اور تو اپنے عدل وانصاف کے طفیل سایہ میں کھڑا ہوگا اور تیری بلند ہمتی اور سیر چشمی ابر رحمت کی طرح تیرے سر پر چھائی ہوگی۔

اے نیک دل وزیر! آسمان کے بادل ساری زمین پر مینہ برساتے ہیں تو زمانین کا بادل ہے کیا تیری مروجت گوارا کرے گی کہ دارالاسلام بغداد تیری فیاضیوں کی بارش سے محروم رہ

جائے اور جو مستحقین اور حقیقی امیدوار ہیں وہ منہ دیکھتے رہ جائیں۔ چند روز زندگی کو غنیمت سمجھ کر حیات ابدی کے حصول میں بھی کوشش کرنی چاہئے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک امانت تھی جو میں نے ادا کر دی ہے۔ اب اس پر عمل کرنا اس کا کام ہے۔

خواجہ نظام الملک واعظ کی اس تقریر سے بہت خوش ہوا اور ایک ہزار دینار بطور نذر پیش کیا۔ شیخ ابوسعد نے یہ کہہ کر رقم واپس کر دی کہ میں بفضل خدا صاحب اراضی و باغات ہوں مجھے ضرورت نہیں ہے میں نے آپ کی نیک نامی اور قیام دولت کے لئے بعض مستحقین کی طرف سے جو واجب تھا وہ عرض کیا نظام الملک نے اپنا پہلا حکم منسوخ کر کے ابوسعد کی نصیحت کے مطابق عمل کیا یعنی وظائف جاری کر دیئے۔

ایک کفن چور کے مشاہدے اور توبہ

روایت ہے کہ ایک شخص خلیفہ عبدالملک کے پاس آیا اور کہا کہ اے خلیفہ! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ معلوم کر سکوں کہ آیا توبہ کے قابل ہے یا نہیں۔ عبدالملک نے پوچھا: ''کیا تیرا گناہ زمین و آسمان سے بھی زیادہ ہے؟''

کہنے لگا: ''اس سے بھی بہت زیادہ!''

پوچھا کہ ''تیرا گناہ زیادہ بڑا ہے یا کہ لوح و قلم''

کہا: ''میرا گناہ زیادہ بڑا ہے''

کہا: ''تیرا گناہ زیادہ ہے یا عرش و کرسی۔''

کہا: ''میرا گناہ زیادہ ہے!''

پوچھا: ''تیرا گناہ زیادہ ہے یا اللہ کی رحمت!''

وہ شخص چیخ اٹھا مگر چپ رہا۔ عبدالملک نے پوچھا ''بتلا تو سہی کہ تو نے کیا گناہ کیا ہے؟''

اس شخص نے کہا ''اے خلیفہ! مجھے شرم آتی ہے مگر میں بیان کرتا ہوں شاید کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے ...... میں کفن چور ہوں ...... بلکہ کفن چور تھا ...... آج کی رات میں نے پانچ قبروں سے عبرت حاصل کی، اور توبہ پر آمادہ ہوا:

📖 ...... پہلی قبر جب میں نے کھودی تو میں نے دیکھا کہ مردے کا منہ قبلہ کی

جانب سے ہٹ گیا ہے...... مجھے خوف معلوم ہوا اور میں واپس ہونے لگا۔ اتنے میں معلوم ہوا کہ گویا کوئی پکارنے والا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے شخص! مردے سے عذاب کی وجہ تو پوچھ لے، میں نے کہا کہ میں نہیں پوچھ سکتا لیکن تم بتاؤ...... اس نے کہا کہ یہ شرابی اور زانی تھا۔

...... دوسری قبر جو کھودی تو دیکھا کہ مردے کا منہ سور کی طرح ہو گیا اور وہ طوق وزنجیر سے جکڑا ہوا ہے...... ایک ہاتف نے کہا کہ یہ جھوٹی قسمیں کھایا کرتا تھا اور حرام رزق حاصل کرتا تھا۔

...... تیسری قبر کھودی تو دیکھا کہ اس کا مردہ آگ کی میخوں سے باندھ دیا گیا ہے اور اس کی زبان گدی سے کھینچ لی گئی ہے...... معلوم ہوا کہ یہ شخص چغل خور، غیبت کرنے والا اور لوگوں میں فساد ڈالنے والا تھا۔

...... چوتھی قبر کے مردہ پر آگ جل رہی تھی اور فرشتے آگ کے گرزوں سے اسے مار رہے تھے۔ میں خوف سے بھاگا...... معلوم ہوا کہ یہ شخص نماز اور روزہ رمضان میں سستی وغفلت کیا کرتا تھا اور توبہ کرنے سے پہلے مر گیا۔

...... پانچویں قبر کھودی تو دیکھا کہ اندر سے اس قدر وسیع ہے کہ نظر نہیں پہنچ سکتی۔ اس میں ایک تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک خوبصورت جوان بیٹھا ہوا ہے اس کے سامنے حور وغلمان خدمت میں کمربستہ ہیں...... میں لوٹا تو ندا آئی کہ یہ شخص اپنے شباب میں گناہوں سے توبہ کیا کرتا تھا، نماز اچھی طرح وقت پر ادا کیا کرتا تھا اور رمضان کے روزے پورے رکھتا تھا۔''

خالد بن ولیدؓ کی بہادری

مسلمانوں میں ایک سے بڑھ کر ایک بہادر پیدا ہوا۔ ہر بہادر نے شجاعت کے وہ وہ کارنامے دکھائے کہ دنیا دنگ رہ گئی۔

''سیف اللہ'' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی بہادروں میں سے ایک بہادر تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھ ایک سو مسلمانوں کی جماعت لے کر ماہان ارمنی کے دربار میں تشریف لے گئے۔ ماہان ارمنی اسلام کا زبردست

مخالف تھا اور اس کے پاس دس لاکھ سے بھی زائد فوج تھا، جو کہ پوری طرح مسلح تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کے دربار میں پہنچے تو ماہان ارمنی نے سفارتی آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ملاقات کی۔

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ فرش پر ریشم کا قالین بچھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ''اس قالین کو یہاں سے اٹھا دیا جائے۔''

یہ بڑے حوصلے اور جرأت کی بات تھی جو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماہان ارمنی سے کہہ دی۔ ماہان ارمنی پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ سن کر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ اس نے اپنے دربار سے ریشم کا قالین اٹھوا دیا اور کہنے لگا۔ ''اے خالد! میں نے تو تمہاری عزت افزائی کے لئے یہ قالین بچھایا تھا لیکن تم نے اٹھوا دیا۔''

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدستور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اللہ تعالیٰ کا بچھایا ہوا فرش تیرے بچھائے ہوئے فرش سے زیادہ اچھا ہے۔''

دوران گفتگو ماہان ارمنی کہنے لگا۔ ''اے خالد! میری خواہش ہے کہ تمہیں اپنا بھائی بنالوں۔''

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ ''یہ بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ کلمہ اسلام پڑھ لو اور میرے بھائی بن جاؤ۔''

ماہان کہنے لگا۔ ''یہ بات میں نہیں کرسکتا۔''

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ''اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے تو ہم نے اپنے حقیقی بھائیوں سے بھی کنارہ کشی کرلی ہے پھر میں تمہیں کیسے اپنا بھائی بنالوں؟''

اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے باقاعدہ طور پر اسلام کی دعوت دی اور اس سے فرمایا۔ ''اے ماہان، تو اسلام قبول کرلے۔ ورنہ وہ وقت قریب ہے کہ تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس حال میں حاضر کیا جائے گا کہ تیری گردن میں رسی ہوگی اور تجھے ایک آدمی گھسیٹتا ہوا لاتا ہوگا۔''

ماہان ارمنی کو یہ بات سن کر بڑا غصہ آیا اور وہ غضبناک ہوگیا اور اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو پکڑ لو۔ یہ جانے نہ پائیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی پھرتی

اور چستی کے ساتھ اٹھے اور اپنے ساتھیوں سے للکار کر فرمایا۔ ''خبردار، اب ایک دوسرے کی طرف ہرگز نہ دیکھنا۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ ہماری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی۔''

اس پر تمام مسلمانوں نے تلواریں نکال لیں اور ہر قسم کی صورت حال کے لئے تیار ہوگئے۔ مسلمانوں کا یہ عزم و جوش اور ولولہ، ہمت و جرأت اور جذبہ دیکھ کر ہامان کے دل پر خوف طاری ہوگیا۔ اس نے اپنے درباریوں کو روک دیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا۔

''اے خالد'' میں تو آپ کے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔''

بادشاہ کی رقم لینے سے مشائخ دہلی کا انکار

جب خسرو خاں (نومسلم) نمک حرام نے اپنے آقا سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے تخت دہلی پر قبضہ کر لیا تو بادشاہ کے رشتہ داروں کو بھی چن چن کر قتل کیا، بادشاہ کی بیگم سے زبردستی شادی کر لی او بادشاہ کی اولاد کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اپنی نمک حرامی کا داغ مٹانے کے لئے اس نے علماء و مشائخ دہلی کے پاس تحفے اور ہدیئے بھیجے بعض نے خوشی سے بعض نے خوف سے تحفے لے لئے لیکن بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے انکار کر دیا۔

سید علاؤ الدین چتوڑی، شیخ وحید الدین خلیفہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور شیخ عثمان سیاح خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح نے روپے واپس بھجوا دیئے۔ خسرو خاں نے حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بھی پانچ لاکھ کی نذر بھیجی تھی۔ آپ نے فقراء و مساکین اور سائلین کو حصہ رسدی تقسیم کرادی اور ایک حبہ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔

لوگوں کو معلوم تھا کہ اس غاصب کی سلطنت کو قیام نہیں ہوسکتا چنانچہ چار ہی ماہ کے بعد غازی الملک گورنر صوبہ دیپال پور (منٹگمری) اپنی آقا کا بدلہ لینے کے لئے دہلی آیا اور خسرو خاں کو قتل کر کے آپ بادشاہ بن گیا اور غیاث الدین تغلق اپنا نام رکھا۔

خزانہ کی موجودات لی تو معلوم ہوا کہ لاکھوں روپے درویشوں کو دیئے گئے ہیں۔ تغلق نے سب سے حساب طلب کیا۔ جنہوں نے امانتاً روپیہ اپنے پاس رکھ لیا تھا انہوں نے واپس کر دیا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا۔روپیہ بے شک آیا ہے لیکن وہ روپیہ خسرو خاں کے باپ کا نہیں تھا بیت المال کا تھا میں نے مستحقوں کو پہنچادیا ہے اپنے پاس ایک حبہ نہیں رکھا۔بادشاہ یہ جواب سن کر خاموش ہوگیا۔ (تاریخ دہلی جلد دوم ص ۷۷۰)

ظلم وستم کرنے بادشاہ کی آنکھوں میں سوئیاں ڈال دی گئیں

ابومنصور قاہر باللہ بن المعتضد جب ۳۲۰ ہجری میں خلافت بغداد کا مالک ہوا تو اس نے اپنے پیشتر والمقتدر باللہ بن المعتضد کی ماں کو جوامور خلافت میں بہت دخیل تھی ستانا شروع کیا ان دنوں چونکہ وہ بیمار تھی اس لئے بعض اہل دربار مثلاً ابن مقلہ،لوش اور بلیق وغیرہ نے خلیفہ کو اس ایذارسانی سے منع کیا یہاں تک کہ خلیفہ نے اس کا وقف شدہ زیور فروخت کرنا چاہا مگر بوجہ وقف کسی نے نہ خریدا۔

جب قاہر نے مقتدر کی ماں کو درخت کے ساتھ الٹا لٹکوادیا اور طرح طرح کی عقوبتوں میں گرفتار کیا اور مقتدر کی اولاد کو شکنجہ میں کھینچ کر بڑی بے رحمی سے ایذائیں پہنچائیں تو مونس ابن مقلہ،علی اور بلیق نے خلیفہ کو اس کے ظلم وستم سے آگاہ کردیا اور بتایا کہ ان حرکتوں کا انجام اچھا نہیں ہے۔ہمارا فرض تھا ہم ادا کر چکے۔

آخر سب اہل دربار نے جب دیکھا کہ اس خفیف الحرکت خلیفہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اس کو تخت سے اتارنے کی تدبیریں کرنے لگے۔مگر خلیفہ کو خبر ہوگئی اس نے مونس، بلیق اور علی کو قتل کرادیا اور ابن مقلہ فرار ہوگیا۔لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد ظلم وستم آخر رنگ لایا اور ارا کین سلطنت نے قاہر کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اسے اندھا کردیا اور خلافت عباس بن مقتدر کے قبضہ میں آئی۔

حضرت زر بن حبیش تابعی کا خط

امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے نام

حضرت ممدوح طبقہ تابعین کے ممتاز ائمہ حدیث میں سے ہیں۔حضرت فاروق اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی صحبت پائی ہے اور ان ہی سے روایت کرتے ہیں۔ ایک سو بائیس سال کی عمر ہوئی۔ آپ نے خلیفہ وقت امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے نام وعظ ونصیحت کا ایک خط لکھا جس کے آخری جملے یہ تھے۔

اے امیر المومنین تم اپنی جسمانی تندرستی سے اس دھوکہ میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ تمہاری عمر ابھی بہت باقی ہے۔ پہلے لوگوں نے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اس کو یاد کرو۔

اذا الرجال ولدت اولادها وبليت من كبر اجسادها

"جب انسان کی اولاد کی اولاد ہو جاوے اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا بدن پرانا ہو جائے۔"

وجعلت اسقامها تعتادها تلك زروع قددنا حصادها

"اور بیماریاں اس پر بار بار آنے لگیں تو سمجھ لو کہ یہ ایک کھیتی ہے جس کے کٹنے کا وقت قریب قریب آ گیا ہے۔"

عبدالملک بن مروان نے خط پڑھا تو زار وزار رونے لگا۔ اور فرمایا کہ زر بن حبیش نے بالکل صحیح فرمایا۔ (صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی ص ۱۶، جلد ۲)

بہلول لودھی کو ایک صوفی درویش کی نصائح

سلطان بہلول ایک مرتبہ حضرت سماء الحق والدین کی خدمت میں گیا۔ حضرت کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی بادشاہ ان سے ملتا وہ کسی نہ کسی طریقے سے وعظ ونصیحت کا فرض پورا کر دیا کرتے تھے۔ اس مرتبہ بھی آپ نے فرمایا۔

"تین آدمی اللہ تعالیٰ کے انعامات سے ہمیشہ محروم رہیں گے اول وہ بوڑھا جس کے سفید بال ہو چکے اور سیاہ بال کم سے کم ہو گئے اور جانتا ہے کہ میں قبر میں پیر لٹکائے بیٹھا ہوں لیکن گناہوں سے باز نہیں آتا۔

دوسرے وہ جوان نادان! جو توبہ واستغفار کا وقت صرف پیری اور

بڑھاپے ہی کو سمجھ رہا ہے اور نہیں جانتا کہ شاید کل ہی نہنگ اجل اپنا
نوالہ بنالے۔ تیسرے وہ بادشاہ جوز ورو زر کے بھروسہ پر بے گناہ رعایا
کو پامال کرتا اور عدل وانصاف سے غافل ہے اور دنیائے فانی کے
لئے عاقبت کی فکر سے بے پرواہ ہے۔''

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے قلب پر اس گفتگو کا بڑا اثر ہوا اور بہت دیر تک محو
یت و بے خودی کے عالم میں رہا۔

ایک طالب علم اور جن کی حیرت ناک داستان

علامہ ابو الفرج ابن جوزی کی کتاب ''العرائس'' میں لکھا ہے کہ ایک طالب علم تحصیل علم
کے لئے اپنے وطن سے کہیں جارہا تھا راستے میں اس کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو اس
کے ساتھ ہو گیا۔ جب وہ طالب علم اس شہر کے قریب پہنچا جہاں جانے کا قصد کر کے وہ گھر
سے چلا تھا۔

اس اجنبی شخص نے اس طالب علم کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم سفر ہونے کی وجہ سے تجھ پر میرا
حق رفاقت لازم ہو گیا اور میں قوم جن کا ایک فرد ہوں مجھے تم سے ایک کام ہے۔ طالب علم نے
پوچھا کیا کام ہے؟

جن نے کہا جب تو فلاں مقام پر پہنچے گا تجھے وہاں کچھ مرغیاں ملیں گی ان کے بیچ میں
ایک مرغا ہوگا۔ اس کے مالک کا پتہ لگا کر اس مرغے کو خرید لینا اور اسے ذبح کر ڈالنا۔ بس تجھ
سے میرا یہی کام ہے۔

اس طالب علم نے جن سے کہا کہ بھائی میرا بھی تم سے ایک کام ہے۔ جن نے پوچھا تیرا
کیا کام ہے؟

اس نے کہا کہ بالفرض اگر کوئی سرکش جن کسی انسان پر مسلط ہو جائے اور اس پر کسی عمل کا
اثر نہ ہوتا ہو تو اس کا علاج کیا ہے؟

جن نے کہا کہ اس کی دوا یہ ہے کہ ''یحمور'' کی کھال کا ایک ہاتھ لمبا تانت لے کر اس
سے آسیب زدہ کی شہادت کی انگلی خوب جکڑ کر باندھ دی جائے پھر سنداب بری کا تیل لے کر

چار قطرے آسیب زدہ کے داہنے نتھنے میں اور تین قطرے بائیں نتھنے میں ٹپکا دیئے جائیں اس سے وہ آسیب مر جائے گا اور پھر اس پر کوئی دوسرا آسیب کبھی بھی نہیں آئے گا۔

اس طالب علم کا بیان ہے کہ وہ جن مجھ سے جدا ہو گیا۔ جب میں شہر کے اس مقام پر پہنچا جہاں کا اس نے پتہ دیا تھا تو مجھے وہاں مرغیاں نظر آئیں اور ان میں ایک مرغا بھی تھا۔ یہ ایک بڑھیا کی ملکیت میں تھا۔ میں نے اس سے وہ مرغا خریدنا چاہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ آخر کار بہت اصرار کر کے میں نے وہ مرغا دوگنی قیمت میں خرید لیا۔ پھر وہ جن مجھے نظر آیا اور اس نے اشارہ سے مجھے کہا کہ "اس مرغے کو ذبح کر دے۔"

چنانچہ میں نے اس کو ذبح کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد کچھ مرد وعورت پاس کے ایک گھر سے نکلے اور مجھے جادوگر کہہ کر مارنے لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں جادوگر نہیں ہوں۔ وہ کہنے لگے جب سے تو نے یہ مرغا ذبح کیا ہے ایک جن آ کر ہماری جوان لڑکی پر سوار ہو گیا ہے اور وہ کسی طرح اس کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔

میں سمجھ گیا کہ یہ جن وہی میرا رفیق سفر ہے چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ مجھ کو "یحمور" کی تانت اور آپ سنداب لا کر دو میں اس کا علاج کروں گا۔ جب یہ چیزیں انہوں نے مہیا کر دیں۔ میں نے جا کر تانت سے اس آسیب زدہ لڑکی کی انگلی خوب کس کر باندھ دی۔ باندھتے ہی وہ جن چلانے لگا اور کہنے لگا کیا میں نے اسی لئے تجھ کو یہ عمل سکھایا تا کہ تو مجھ ہی پر اسے آزمائے۔

میں نے اس کی ایک نہ سنی اور پھر اس تیل کے چار قطرے اس کے داہنے نتھنے اور تین قطرے اس کے بائیں نتھنے میں ٹپکا دیئے۔ ٹپکاتے ہی وہ جن مردہ ہو کر اسی وقت گر پڑا اور لڑکی بھلی چنگی ہو گئی۔ پھر اس کو کسی آسیب کی تکلیف کبھی نہیں ہوئی۔

کافروں نے خود اپنا ملک مسلمان بادشاہ کے حوالہ کر دیا! کیوں؟

جنگوں کی تاریخ کا ایک انوکھا اور نرالا واقعہ ہے، جس کا ذکر مشہور مؤرخین طبری اور

بلاذری نے کیا ہے۔ مشہور مسلمان سپہ سالار قتیبہ بن مسلم باہلی نے سمرقند کو فتح کیا۔ بعض لوگوں نے الزام عائد کیا کہ اس شہر کو دھوکے سے فتح کیا گیا ہے اور یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

کچھ عرصہ گزرا اور جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سنہری دور آیا تو اہل سمرقند نے اسلامی لشکر کے خلاف عجیب وغریب مقدمہ پیش کیا۔ مقدمہ کا دعویٰ یہ تھا کہ سمر قند پر دھوکے سے قبضہ کیا گیا ہے، لہذا شہر کو خالی کیا جائے اور قبضہ واپس لیا جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک قاضی کو اس مقدمے کی سماعت کے لئے مقرر فرمایا اور ہدایت کی کہ مکمل حقائق اور گواہوں کے بیانات کی روشنی میں صحیح فیصلہ دیا جائے کہ اہل سمرقند کی شکایت میں کہاں تک حقیقت اور سچائی ہے۔

قاضی نے سمرقند کی مسجد میں عدالت لگائی۔ مدعی بھی آئے اور مدعا علیہ بھی جو فوج کے سپہ سالاروں پر مشتمل تھے، عدالت میں سب حاضر ہوئے، دونوں طرف سے گواہ پیش ہوئے۔ کھلی بحث ہوئی۔ دلائل اور شواہد مہیا ہوئے اور پھر قاضی نے ایک ایسا فیصلہ سنایا جس پر تمام اسلامی عدالتیں فخر کرسکتی ہیں:

''شہر پر قبضے کو منسوخ کیا جاتا ہے، یہ فتح باطل ہے اور اہل سمرقند کا دعویٰ حق وصداقت پر مبنی ہے۔ بلاشبہ یہ قبضہ دھوکے سے ہوا ہے۔ اسلام نے میدان جنگ میں دشمنوں کو جو حقوق دیئے ہیں، یہ قبضہ ان کے منافی ہے۔ اسلامی فوج کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ شہر کو اتنے عرصے میں خالی کردے۔ فلاں تاریخ کے بعد اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ باقی نہیں رہے گا۔ شہر کو خالی کرنے کے بعد دشمن کو دوبارہ الٹی میٹم دیا جائے اور اس کے بعد دوبارہ جنگ ہوگی۔ اگر مسلمان دوبارہ قبضہ کرلیں تو برحق سمجھا جائے گا۔''

قاضی کے فیصلے کو فریقین نے برضا ورغبت قبول کیا اور پھر مقررہ تاریخ کے بعد اسلامی فوج نے شہر خالی کرنا شروع کردیا۔ اہل سمرقند ایک مرتبہ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنوں کا دور اقتدار بھی دیکھا تھا۔ ان کے مظالم، ان کا طرز حکومت بھی نگاہوں کے سامنے تھا اور مسلمانوں کا عادلانہ نظام بھی آزما چکے تھے۔ دونوں حکومتوں کے انداز حکومت کا جائزہ لیا گیا، خوب بحث ہوئی۔ اپنوں کی حکومت بہتر ہے یا مسلمانوں کی عدل وانصاف پر مبنی اور پر

امن حکومت؟

اہل سمرقند نے یہ فیصلہ دیا کہ مسلمانوں کا سنہری دور اپنوں کے غاصبانہ اور ظالمانہ نظام سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔ قاضی کو درخواست دی گئی کہ ہم اپنا مقدمہ واپس لیتے ہیں، ہمارے لئے اسلام کی رعیت تلے زندگی گزارنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

معتصم کی غیر معمولی طاقت اور بہادری

تاریخوں میں لکھا ہے کہ عباسی خلفاء میں معتصم سے زیادہ بہادر اور طاقتور کوئی خلیفہ نہیں گزرا۔ اس کی غیر معمولی طاقت کی مثال نہیں ملتی۔

کہا جاتا ہے کہ وہ مٹھی بند کر کے بازو سخت کر لیتا تھا اور ترک غلاموں میں سے کہتا تھا کہ ''تم میں جو سب سے زیادہ طاقت ور ہو وہ میرا بازو دانتوں سے پکڑ لے'' لیکن بازو کی سختی کی وجہ سے طاقت ور سے طاقت ور شخص کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ اس کی بہادری کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مامون کے ساتھ شکار کو گیا ہوا تھا۔ کچھار سے ایک شیر نکل کر سامنے آیا۔ معتصم نے گھوڑا بڑھایا۔ شیر نے اس پر حملہ کیا۔ معتصم کا گھوڑا بدکا۔ شیر نے گھوڑے پر پنجہ مارا اور اس کی کمر توڑ دی۔ معتصم پیادہ ہو کر شیر سے لپٹ گیا اور اسے گرا کر اس کا سر پکڑ لیا اور اسی حالت میں مامون کے پاس لے آیا۔

مامون کو اس کی طاقت پر بہت حیرت ہوئی۔ مگر اس نے تنبیہ کی کہ ''آئندہ ایسا نہ کرنا کیونکہ غلطی کا نتیجہ درست نکل آئے تو بھی اسے غلطی ہی کہا جائے گا۔''

معتصم اور ایک بوڑھا لکڑہارا

ایک مرتبہ امیر المومنین معتصم اپنی خلافت کے زمانے میں شکار کو گیا۔ کڑاکے کا جاڑا تھا بارش ہو رہی تھی اور ہوا کی خنکی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ سامنے ایک بوڑھا لکڑہارا خچر پر لکڑیاں لادے ہوئے آتا ہوا نظر آیا۔ راستے میں ایک نالہ پڑتا تھا۔ بوڑھے کو اسے عبور کرنا تھا۔ خود تو گزر گیا لیکن خچر نالے میں گر پڑا اور ایسا گرا کہ لکڑیوں کے بوجھ کی وجہ سے پھر اٹھ نہ سکا۔ معتصم نے بوڑھے لکڑہارے کے خچر کو نالے میں پھنسا ہوا دیکھا تو اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ

بوڑھے کی مدد کریں۔

غلام گھوڑوں سے اترے اور نالے کے پاس پہنچ کر خچر کو باہر نکالنے لگے۔ ہر چند زور لگایا مگر کامیاب نہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر خود امیر المومنین معتصم گھوڑے سے اتر پڑا اور ایک ہی زور میں خچر کو مع لکڑیوں کے باہر نکال لیا۔ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

عمر بن عبد العزیز کا تواضع

ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے اجلاس سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے کہ ایک آدمی ان کے سامنے آیا۔ جس کے ہاتھ میں کاغذات کا پلندہ تھا لوگوں کو خیال ہوا یہ امیر المومنین کے پاس جانا چاہتا ہے۔ وہ شخص ڈرا کہ یہ لوگ شاید امیر المومنین تک پہنچنے نہ دیں۔ اس لئے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا پلندہ امیر المومنین کی طرف پھینکا۔ یہ پلندہ ان کے چہرہ پر لگا اور زخمی کر دیا۔ ان کے چہرہ سے خون بہنے لگا۔ اس کے باوجود وہ دھوپ میں کھڑے اس کے کاغذات پڑھتے رہے۔ کاغذات پڑھ لینے کے بعد انہوں نے اس کے مفید مطلب حکم لکھا اور اس سے کچھ نہ کہا۔

محمد تغلق شاہ ہند نے ایک دفعہ کسی ہندو امیر کے بھائی کو بے سبب قتل کر دیا۔ اس ہندو نے قاضی کے پاس جا کر بادشاہ پر دعویٰ کر دیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو قاضی کو کہلا بھیجا مجھے عام آدمیوں کی طرح کچہری میں طلب کیا جائے اور خبردار میری تعظیم کے لئے اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔

بادشاہ جب حسب الطلب کچہری میں آیا تو قاضی کو سلام کیا اور ایک طرف ادب سے خاموش کھڑا ہو گیا۔ قاضی نے مقدمہ سن کر بادشاہ سے کہا آپ مدعی کو راضی کریں ورنہ قصاص لیا جائے گا۔ بادشاہ نے اسے راضی کر لیا اور اس نے مقدمہ سے دستبرداری دے دی۔

ظلم کرنے پر بیٹے کو اتنا مارا کہ مر گیا

محمد بن ابی عامر قرطبہ (اسپین) کا گورنر تھا۔ اس کے بیٹے نے اپنے باپ کی گورنری کے گھمنڈ میں ایک بچے کو چند بید مارے۔ یہ شکایت گورنر تک پہنچی۔ اس نے بیٹے کو بھری عدالت میں طلب کیا اور بید مارنے والے کو حکم دیا کہ اتنے ہی بید ابھی سب کے سامنے اس کے بیٹے کو

اس زور سے لگائے جائیں کہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور ناز پروردہ بچہ تاب نہ لاکر وہیں مرگیا۔ ابی عامر نے حکم دیا کہ لاش گھر پہنچادی جائے۔

جب عدالت سے فارغ ہوکر وہ گھر پہنچا تو لاش سے لپٹ کر خوب رویا۔ اس کی ماں نے روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ خود ہی سزا دی اب روتے کیوں ہو۔ اس نے کہا میں نے یہ سزا بحیثیت حاکم دی۔ وہ میرا فرض تھا اب باپ کی حیثیت سے افسوس اور غم ہے۔ تم بھی صبر کرو۔ حاکم کی نظر میں سب برابر ہونے چاہئیں جو اپنے متعلقین کے ساتھ رعایت روا رکھے گا وہ خدا کے یہاں کیا منہ دکھائے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا قاتل کو معاف کر دینا

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے ملازم نے چند لوگوں سے رشوت لے کر زہر دے دیا۔ جب آپ کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تو انہوں نے اپنے اس خادم کو بلایا اور اس سے وہ رقم جو اسے اس برے کام کے لئے بطور رشوت دی گئی تھی لی اسے بیت المال میں داخل کیا اور اس سے کہا بھاگ جاؤ کہیں میرے خاندان کے لوگ تجھ سے انتقام نہ لیں۔

محدث کا ادب کرنے والا بادشاہ

سلطان تاج الدین ایلدوز غزنی اور لاہور کا بادشاہ تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک بڑا تھا جو فارغ التحصیل تھا ایک چھوٹا تھا جسے معلم کے سپرد کیا ہوا تھا۔ ایک دن شہزادے نے سبق یاد نہ کیا۔ استاد نے اپنا کوڑا اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ شہزادے کی موت واقع ہوگئی۔ اس اندوہناک واقعہ کا علم بادشاہ کو ہوا تو ہوش جاتے رہے۔ جب ذرا حالت بہتر ہوئی تو حکم دیا معلم کو زادراہ دے کر رخصت کردو اور تاکید کی کہ شہزادے کی ماں کو خبر ہونے سے پہلے میری سلطنت سے باہر چلے جاؤ۔

عمر بن عبدالعزیز کی خلیفہ سلیمان کو حق گوئی

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بیٹے ولی عہد ایوب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر

بن عبدالعزیز ملنے کے لئے آئے۔ اس اثناء میں ایک شخص نے آ کر خلیفہ سے بعض خلفاء کی بیویوں کی وراثت بانٹنے کا مطالبہ کیا۔ سلیمان نے کہا جائیداد میں عورتیں ورثہ نہیں پاتیں۔

خلیفہ کے اس جواب پر عمر بن عبدالعزیز نے حیران ہو کر کہا۔ سبحان اللہ قرآن مجید کہاں ہے؟

سلیمان نے غلام کو بلا کر کہا کہ عبدالملک نے اس کے متعلق جو تحریر لکھی تھی۔ وہ اٹھا لاؤ۔

عمر بن عبدالعزیز نے طنزاً کہا تو گویا آپ قرآن منگوا رہے ہیں؟

ایوب یہ طعنہ سن کر آگ بگولا ہو کر کہنے لگا۔ امیر المومنین کی خدمت میں اگر کوئی شخص اس قسم کی باتیں کرے گا۔ تو چشم زدن میں گردن اڑا دی جاوے گی۔ عمر بن عبدالعزیز بولے اگر تم خلیفہ ہوئے تو رعایا کو اس سے بھی زیادہ صدمہ پہنچے گا۔

خلیفہ نے یہ گفتگو سن کر ایوب کو ڈانٹا کہ عمر سے اس قسم کی باتیں کرتے ہو۔ عمر نے کہا ہم نے بھی تو کھری کھری باتیں سنا دی ہیں۔

ایک مرتبہ خلیفہ سلیمان عمر بن عبدالعزیز کے ہمراہ کسی سفر پر جا رہے تھے کہ ایک صحرا میں اس قافلہ کو بادلوں نے گھیر لیا۔ بجلی زور سے چمکنے لگی سلیمان نے گھبرا کر ایک لاکھ درہم عمر بن عبدالعزیز کو خیرات کرنے کے لئے دیئے تاکہ اس کی برکت سے رعد و برق کی آفت ٹل جائے۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا اس سے بہتر تو یہ تھا کہ جن لوگوں کی جائیدادیں آپ نے غصب کر رکھی ہیں۔ وہ ان کو واپس کر دیتے۔ اس ماحول کی ہیبت نے عمر بن عبدالعزیز کی اس نصیحت کو زیادہ مؤثر بنا دیا۔ اور سلیمان نے ایسے مال مغصوبہ کی واپسی کا عہد کیا اور واپس جا کر مستحقین کو واپس کر دیا۔

سبحان اللہ۔ کیا جرأت و آزاری کا زمانہ تھا۔ کہ امیر سلطنت کو صاف صاف سنا دی جاتی تھیں اور سننے والے بھی کتنے سلیم الفطرت تھے کہ فوراً اثر پذیر ہوتے تھے۔ آج ایسا کہنے اور سننے کی کس میں ہمت ہے۔

ایک بکری کھلانے پر ۵۰ ہزار درہم مل گئے

ایک دفعہ ایک دیہاتی مہدی کے دربار میں آیا اور پکارا یہ میرے نام امیر المومنین کا صحیفہ

ہے کہاں ہے وہ شخص جس کا نام ربیع حاجب ہے۔

حاجب ربیع نے اس سے یہ خط لے لیا اسے کھولا یہ چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس پر کوئلے سے کچھ لکھا ہوا تھا۔ درباری حیران ہوئے کہ یہ کیسا خط ہے۔

مہدی ان کی حیرانگی دیکھ کر مسکرایا اور کہا یہ سچ کہتا ہے واقعی یہ میرا خط ہے۔

پھر قصہ بیان کیا کہ ایک دن میں شکار کھیلتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا تو اس آدمی کا مہمان ہوا۔ اس نے بغیر میرے تعارف کے میری خوب خاطر تواضع کی۔ مجھے دودھ پلایا۔ میرے لئے بستر بچھایا اور میرے لئے اپنی ایک بکری ذبح کی۔ حالانکہ اس کی بیوی نے اسے ڈانٹا کہ کیوں اپنے اہل وعیال کا خرچہ چلانے والے جانور کو ذبح کر رہا ہے۔ پھر اس نے مجھے گوشت کھلایا۔ میں نے اس سے کہا کوئی لکھنے کی چیز تیرے پاس ہو تو لے آؤ۔

تو یہ میرے پاس چمڑے کا یہ ٹکڑا لے آیا جس پر میں نے کوئلے کے ساتھ لکھا پانچ سو ہزار یعنی پچاس ہزار۔ اب خدا کی قسم میں اسے پچاس ہزار دوں گا چاہے میرا خزانہ خالی ہو جائے۔ چنانچہ یہ رقم اسی وقت دے دی۔

سلطان محمود غزنویؒ کی انصاف پسندی

ایک رات سلطان محمود غزنوی (المتوفی ۴۲۱ھ، ۱۰۳۰ء) سو رہا تھا کہ یکا یک اس کی آنکھ کھل گئی، پھر لاکھ چاہا کہ دوبارہ نیند آجائے مگر نیند کوسوں دور نکل چکی تھی، بستر پر تڑپتا اور کروٹیں بدلتا رہا، جب کسی طرح آنکھ نہ لگی تو خداترس بادشاہ کو خیال آیا کہ شاید کوئی مظلوم فریاد لایا ہے، یا کوئی فقیر بھوکا آیا ہے، اس لئے نیند اچٹ گئی ہے، غلام کو حکم دیا "باہر جا کر دیکھو کون ہے؟"

غلام نے باہر جا کر دیکھا تو کوئی نہ تھا، واپس آ کر کہا: "جہاں پناہ! کوئی شخص نہیں۔" محمود نے پھر سوچا کہ سو جائے، مگر نیند نہ آنی تھی نہ آئی، وہی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔

غلاموں کو دوبارہ کہا "اچھی طرح دیکھ آؤ کون دادخواہ آیا ہے۔" غلام دوڑے ہوئے گئے، ادھر ادھر دیکھا اور واپس آ کر بولے: "حضور کوئی نہیں ہے۔"

سلطان کو شبہ ہوا کہ شاید غلام تلاش کرنے سے جی چراتے ہیں، غصہ میں خود کھڑا ہوا اور

تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے باہر آ گیا، بہت تلاش کی، مگر کوئی شخص نظر نہ آیا، قریب ہی ایک مسجد تھی، اس کے دروازہ پر آ کر اندر کی طرف جھانکا تو آہستہ آہستہ کسی کے رونے کی آواز آئی، قریب پہنچ کر دیکھا تو ایک شخص فرش پر پڑا ہوا نظر آیا، اس کا منہ زمین سے لگا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آہیں بھر رہا تھا اور چپکے چپکے کہہ رہا تھا۔

اے که از غم ندیده خواری
از غم ما کجا خبرداری
خفته ماندی چو بخت ماهمه شب
تو چه دانی زرنج بیداری

پھر کہنے لگا کہ سلطان کا دروازہ بند ہے تو کیا، سبحان کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے، اگر محمود ولی سو رہا ہے تو حرج نہیں معبود ازلی تو جاگ رہا ہے۔

محمود یہ سن کر اس کے بالکل قریب پہنچ کر بولا محمود کی شکایت کیوں کرتا ہے، وہ تو ساری رات تیری تلاش میں بے چین رہا، بتا تجھے کیا تکلیف ہے؟ کس نے ستایا ہے؟ کیوں اور کس غرض سے آیا ہے؟ یہ

سن کر وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور پھوٹ پھوٹ کر روتا ہوا بولا: ''حضور! ایک درباری کے ہاتھوں ستایا ہوا ہوں، مگر اس کا نام نہیں جانتا، اس نے میری عزت خاک میں ملا دی۔ آدھی رات کو مستی کے عالم میں میرے گھر آتا ہے اور میری شریک زندگی کی عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر آپ نے اس تلوار کی آب سے اس داغ کو نہ دھویا تو کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان، یہ سن کر محمود کو مذہبی غیرت اور شاہی حمیت کے جوش سے پسینہ آ گیا، غصہ سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا: بتا، کیا اس وقت بھی وہ ملعون وہیں ہوگا؟ اس شخص نے جواب دیا، ''اب تو بہت رات گذر چکی ہے، شاید چلا گیا ہو، لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ پھر آئے گا''

سلطان نے کہا: ''اچھا اس وقت تو جاؤ، مگر جس روز جس وقت وہ آئے تو مجھے اطلاع کرو۔''

اس شخص نے سلطان کو دعا دی اور رخصت ہو کر چلا ہی تھا کہ سلطان نے ٹھہرنے کا حکم

دیا، اور پہرہ داروں سے کہا کہ ”دیکھو یہ جس وقت بھی آئے خواہ میں سوتا ہوں یا جاگتا ہوں، فوراً اس کو مجھ تک پہنچادو۔“

اتنا کہہ کر محمود اندر آیا، اور وہ شخص اپنے گھر چلا گیا، تیسری رات وہ شخص شاہی محل کے دروازہ پہنچا، پہرے داروں نے اس کی شکل دیکھتے ہی سلطان کی خدمت میں پہنچادیا، سلطان جاگ رہا تھا، تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا چلو، رات کو اس شکار کرنے والی لومڑی تک مجھے لے چلو۔

یہ سن کر وہ شخص آگے ہولیا اور سلطان اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا، گھر پہنچ کر اس شخص نے سلطان کو وہ جگہ بتائی جہاں وہ ظالم شخص خزانہ کا سانپ بنا ہوا سو رہا تھا، سلطان نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ ایسا جمایا کہ تمام فرش پر انصاف کا لالہ زار کھل گیا، اس کے بعد سلطان مڑا اور مظلوم صاحب خانہ کو بلا کر فرمایا ”اب تو محمود سے خوش ہو۔“

یہ کہہ کر محمود نے مصلی منگوایا اور ایک طرف بچھا کر دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھی، پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر پوچھا ”گھر میں کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔“

اس شخص نے جواب دیا ”ایک چیونٹی سلیمان کی کیا خاطر کرسکتی ہے، جو کچھ ہے حاضر کرتا ہوں یہ کہہ کر دستر خوان ڈھونڈ کر سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے لئے ہوئے آیا اور سلطان کے سامنے رکھ دیئے، سلطان نے اس رغبت اور شوق سے یہ ٹکڑے کھائے کہ شاید عمر بھر میں کوئی لذیذ غذا اس طرح نہ کھائی ہوگی۔ کھانے سے فارغ ہو کر سلطان نے اس شخص سے کہا، معاف کرنا میں نے تمہیں کھانے کے لئے تکلیف دی، لیکن سنو، بات یہ ہے کہ جس روز تم ملے اور اپنا دکھڑا سنایا، اس وقت میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک اس خبیث کے سر کو اس کے شانے سے جدا کر کے تمہارے گھر کو پاک نہ کردوں گا رزق کو حرام سمجھوں گا، پھر دو رکعت نماز میں نے شکرانہ میں پڑھی، جس پر تم حیران ہو رہے ہوگے۔ لیکن سنو! اس شخص کے متعلق مجھے اندیشہ تھا کہ میرے بیٹوں میں سے کوئی ہوگا، میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ میرے درباریوں اور مصاحبوں کو اتنی جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ میرے مزاج سے واقف ہوتے ہوئے ایسی حرکت کریں، میں جس قدر زیادہ سوچتا گیا اسی قدر میرا یقین بڑھتا گیا کہ اتنی بڑی گستاخی کی ہمت صرف بادشاہ کی اولاد کو ہوسکتی ہے۔ کیونکہ یہ عام طور پر غرور کے نشہ میں مست رہتے ہیں،

چنانچہ میں تمہارے ساتھ یہاں اپنے کسی فرزند کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا تھا۔ جب میں نے صورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ میرا فرزند نہیں، کوئی غیر شخص ہے، اس لئے میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔"

اخلاص کا سمندر! ایک ہی شخص میں

مسلمہ بن عبدالملک نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا، اس قلعہ کی دیوار میں ایک سوراخ تھا، تو مسلمہ بن عبدالملک نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ اس سوراخ سے اندر داخل ہو جائیں، مگر کوئی بھی آگے نہیں آیا، تھوڑی دیر میں، فوج کا بہترین سپاہی آگے بڑھا اور سوراخ میں داخل ہو گیا اور قلعہ فتح کر دیا گیا، تو مسلمہ نے منادی کروائی: نقب والا کہاں ہے؟ (یعنی نقب کی ذریعہ اندر داخل ہونے والا۔)

مگر کوئی بھی سامنے نہیں آیا، تو اس نے پھر منادی کروائی کہ میں نے دربان کو حکم دے دیا ہے کہ وہ آدمی جس وقت بھی آئے اسے اندر بھیج دینا، اور میں اس کو قسم دیتا ہوں کہ اس کو آنا ہی پڑے گا، تو ایک آدمی آیا اور دربان سے کہا:

مجھے امیر کے پاس جانے کی اجازت دے دو، تو اس نے پوچھا: کیا تم نقب والے ہو؟

تو وہ آدمی بولا: میں تمہیں اس کے بارے میں بتانے آیا ہوں، تو اس کو مسلمہ کے پاس بھیج دیا گیا، وہاں جا کر اس نے کہا:

نقب والے کی تین شرطیں ہیں، اگر آپ نے مان لیں تو وہ سامنے آئے گا ورنہ نہیں!

(۱)...... ایک تو یہ کہ صحیفہ میں اس کا نام لکھ کر خلیفہ کے پاس نہ بھیجا جائے۔

(۲)...... دوسری یہ کہ اس کے لئے کوئی چیز مقرر کرنے یا دینے کا حکم نہ دیا جائے۔

(۳)...... تیسری یہ کہ اس سے یہ نہ پوچھا جائے کہ وہ کس سے یا کہاں سے تعلق رکھتا ہے!

تو مسلمہ نے جواب دیا۔ اس کی شرطیں ہمیں قبول ہیں، تو وہ آدمی بولا: میں ہی وہ آدمی ہوں۔

اس کے بعد سے مسلمہ جب بھی کوئی نماز پڑھا کرتے تھے یہ دعا کرتے تھے: مجھے نقب والے کے ساتھ رکھنا۔ (عیون الاخبار: ۲:۱۷۲)

احسان کرنے کا انعام

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک دمشق میں حکومت کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں جزیرہ میں ایک شخص خذیمہ رہتا تھا۔ جزیرہ اس علاقے کا نام تھا جو فرات اور دجلہ کے درمیان واقع تھا۔

خذیمہ بڑا صاحب ثروت اور با اثر آدمی تھا۔ خود نہایت اعلیٰ ادبی ذوق رکھتا تھا۔ ادب کی قدر کرتا تھا۔ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کرتا تھا۔ اس کا حلقہ احباب بڑا وسیع تھا۔ اپنی ساری خوبیوں کے سبب وہ جزیرہ میں بہت ممتاز سمجھا جاتا تھا۔

سارا دن ایک جیسے نہیں رہتے۔ خذیمہ پر بھی جو مصیبت آئی۔ تو زندگی کا سارا نقشہ ہی بدل گیا۔ نہ دولت رہی نہ ثروت۔ احباب ساتھ چھوڑ گئے۔ دوستوں کی بے وفائی سے اس کا دل انتہائی مایوس ہو چکا تھا۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ تمام دنیا سے منقطع ہو کر کنج عافیت میں بیٹھ کر زندگی کے باقی دن خدا کی یاد میں گزار دے۔

وقت گزرتا گیا۔ کئی سال ہو چکے مگر خذیمہ کی قسمت کا پانسہ نہ بدلا۔ ان دنوں جزیرہ کا گورنر عکرمہ تھا جو بڑے بلند اخلاق کا مالک تھا۔ اس کے دربار میں کسی موضوع پر بحث ہوتے ہوتے خذیمہ کا ذکر آ گیا اور یہ ذکر آیا کہ اب وہ بڑی کس مپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہا ہے۔ عکرمہ خذیمہ کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس وقت وہ خاموش رہا۔ بحث کا رخ کسی اور طرف مڑ گیا۔

رات کے سایہ میں جب شہر کے لوگ گہری نیند سوئے ہوئے تھے، عکرمہ خاموشی سے اپنے بستر سے اٹھا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی لے کر، اپنے ایک غلام خاص کو ہمراہ لے کر محل سے نکل گیا۔ خذیمہ کے گھر کے قریب پہنچ کر اپنا گھوڑا غلام کے سپرد کیا اور رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔

اس نے خذیمہ کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ خذیمہ کے ہاں ایک عرصہ سے کوئی ملاقاتی نہ آیا تھا۔ وہ حیران ہوا کہ ایسے وقت میں کون آ سکتا ہے۔ اس نے دروازہ کھولا۔ عکرمہ نے سلام کیا اور تھیلی دیتے ہوئے کہا ''دوست! یہ تیری ضروریات کے لئے ہے۔''

عکرمہ لوٹنے ہی والا تھا کہ خذیمہ نے جلد اس کا دامن پکڑ لیا اور پوچھا ''میرے محسن! تم

کون ہو؟''

عکرمہ نے جواب دیا:

''اگر یہ بتانا ہوتا تو رات کی اس تاریکی میں کیوں آتا!''

خذیمہ: واللہ! میں یہ تھیلی کبھی نہ لوں گا جب تک تم مجھے یہ نہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟

عکرمہ: تم مجھے دکھیوں کا سہارا کہہ لو۔

خذیمہ: اپنے متعلق کچھ اور بتاؤ۔

مگر عکرمہ نے جھٹکے سے اپنا دامن چھڑا لیا اور آن کی آن میں دور جا چکا تھا۔ ادھر عکرمہ کی بیوی نے دیکھا کہ اس کا بستر خالی پڑا ہے۔ بہت پریشان ہوئی۔ عکرمہ جلد ہی لوٹ آیا۔ بیوی نے پوچھا کیا ماجرا ہے۔ عکرمہ بولا:

''اگر یہ تمہیں بتانے والی بات ہوتی تو تم سے چھپ کر کیوں جاتا۔''

بیوی یہ جواب سن کر مطمئن نہ ہوئی۔ اس نے اصرار کیا۔ مجبور ہو کر عکرمہ نے سارا واقعہ سنا دیا اور تاکید کی کہ کسی کو نہ بتائے۔

ادھر خذیمہ نے اپنی بیوی کو جگایا اور بتی جلانے کو کہا کہ دیکھیں تھیلی میں کیا ہے۔ مگر افسوس دیئے میں تیل ختم ہو چکا تھا۔ ناچار اسے صبح تک انتظار کرنا پڑا۔ صبح ہوئی تو دیکھا تھیلی میں چار ہزار طلائی مہریں تھیں۔

خذیمہ نے سب سے اول اپنا قرض ادا کیا۔ پھر گھر کی ضروریات پوری کیں۔ نئے کپڑے خریدے اور دمشق روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور دریافت کیا اتنے دن کہاں رہے؟ خذیمہ نے تمام کہانی من وعن سنا دی اور بتایا کہ اب کیسے اس نجات دہندہ نے اس کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ خلیفہ بڑا حیران ہوا اور کہا:

''اگر یہ شخص کبھی ملے تو اسے میرے پاس لانا۔ میں اسے بڑا اعزاز بخشوں گا۔''

خذیمہ ابھی دارالخلافہ میں بطور مہمان خاص ہی مقیم تھا کہ عکرمہ کے خلاف خلیفہ کے پاس شکایات آنا شروع ہو گئیں۔ خلیفہ نے اسے برطرف کر دیا اور خذیمہ کو جزیرہ کا گورنر بنا دیا۔ وہ بڑے تزک واحتشام سے جزیرے کی جانب روانہ ہوا۔ جب وہ جزیرہ پہنچا تو عکرمہ تمام امراء

اور حکام شہر کے ہمراہ اس کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا اور اسے بڑی عزت سے خوش آمدید کہا۔

اب گورنری کے عہدے کے سنبھالنے کا وقت آیا تو پتہ چلا کہ خزانہ میں چار ہزار اشرفیاں کم ہیں۔ عکرمہ نے اقرار کیا کہ اس نے یہ رقم خزانہ سے لی ہے مگر یہ بتانے سے انکار کر دیا کہ وہ کہاں اور کیوں خرچ کی۔ اب خذیمہ نے عکرمہ سے کہا کہ وہ یہ رقم پوری کرے مگر اس کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ مجبوراً معاملہ خلیفہ تک پہنچا دیا گیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ عکرمہ کو قید میں ڈال دیا جائے۔

خذیمہ نہایت عقل مندی اور ہوشیاری سے حکومت کرنے لگا اور ادھر عکرمہ جیل میں پڑا سڑتا رہا۔ اس کی صحت خراب ہونے لگی اور اس کی بیوی مایوس ہوگئی۔ اب بیوی کو ضبط کا یارانہ رہا۔ اس نے لونڈی کو بلایا اور کہا خفیہ طور پر گورنر کے پاس جائے اور اس کو بتائے کہ اس کا محسن کس حال میں پڑا مر رہا ہے۔

لونڈی نہایت چالاک ہوشیار اور دلیر تھی۔ وہ نہایت پھرتی سے گورنر کے پاس پہنچی۔ اسے سلام کیا اور کہا اسے ایک خفیہ پیغام دینا ہے۔ فوراً تخلیہ ہوا تو لونڈی بولی ”کیا حق یہی ہے کہ تم مزے اڑاؤ اور تمہارا محسن جیل میں پڑا سڑ تا رہے۔“

خذیمہ اچھل پڑا اور بولا ”لڑکی! کیا کہتی ہو۔ کہاں ہے میرا محسن۔ جیل میں! پوری بات بتاؤ!“

لونڈی نے تمام کہانی سنادی۔ خذیمہ کو وہ چار ہزار اشرفیاں یاد آ گئیں جو اسے کوئی شخص رات کی تاریکی میں دے گیا تھا اور اتنی ہی رقم خزانہ میں کم نکلی تھی۔

خذیمہ نے اسی وقت کچھ درباری ساتھ لئے اور جیل کی طرف چل پڑا۔ اندر جا کر عکرمہ کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑا اور رو رو کر معافی مانگنے لگا۔

عکرمہ: یہ کیا بات ہے؟ کیسی معافی؟ کس بات کو معافی؟ میں نہیں سمجھا؟

اتنے میں لونڈی آئی اور اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ عکرمہ نے خذیمہ کو اٹھا کر گلے سے لگالیا اور کہا:

”بھائی! اس میں تمہارا کیا قصور۔ قسمت میں یونہی لکھا تھا۔“

عکرمہ اور اس کی بیوی کو لونڈی سمیت محل میں لایا گیا اور بڑی شان وشوکت سے انہیں خوش آمدید کہا گیا۔

عکرمہ اور خذیمہ دونوں دمشق گئے۔ وہاں پہنچ کر خذیمہ نے اپنی آمد کی اطلاع خلیفہ کو بھجوائی۔ خلیفہ نے فوراً طلب کیا کیوں کہ وہ بڑا متفکر تھا کہ ہو نہ ہو کوئی بڑی مصیبت ہے جو خذیمہ اس طرح اچانک آ گیا۔ خذیمہ حاضر ہوا۔

خلیفہ: جزیرہ میں سب ٹھیک ہے؟

خذیمہ: الحمدللہ، یاامیر المومنین۔

خلیفہ: کیسے آنا ہوا؟

خذیمہ نے تمام واقعات من وعن سنا دیئے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ عکرمہ کی گورنری بحال کر دی جائے اور خذیمہ کو انعام واکرام دے کر رخصت کیا جائے۔

السلام علیکم اے مزدور! خلیفہ وقت کو خطاب

حضرت معاویہ بن سفیان مسند خلافت پر جلوہ افروز تھے۔ کہ ابو مسلم خولانی شریف لائے اور ان سے یوں مخاطب ہوئے:

''السلام علیکم۔ اے مزدور!''

حاضرین دربار نے اس طرز تخاطب کو برا محسوس کرتے ہوئے ان سے کہا۔ یہ کیا بے ادبی ہے؟ آپ کو یوں کہنا چاہئے تھا:۔

''السلام علیکم۔ اے امیر المومنین!!''

لیکن ابو مسلم نے اپنے وہی الفاظ دہرائے اور کہا۔

السلام علیکم۔ اے مزدور!!!

حضرت معاویہ حقیقت سمجھ گئے۔ لوگوں کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ اور فرمایا۔ ''تم ابو مسلم کی بات کو جانے دو۔ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہیں۔''

ابو مسلم نے فرمایا۔ ''کیا تم اس سے زیادہ کچھ اور ہو کہ خداوند تعالیٰ نے تم کو اجرت پر رعایا کی نگہبانی کے لئے اس طرح مقرر کیا ہے جس طرح بکریوں کی نگہبانی کے لئے چرواہا۔ مزدور

نہ کہوں تو اور کیا کہوں!؟

یہ الفاظ کس نے کہلوائے؟ قرآن کے اس اصول واعتقاد نے کہ حکومت اللہ کی امانت ہے اور ہم صرف امین ونگہبان! مگر اس دور کے ارباب حکومت ہیں کہ مختار مطلق بنے ہوئے ہیں۔ جن کی طبع نازک پر معمولی سی راست گفتاری بھی گراں گزرتی ہے۔

آج جانور سے زیادہ کام لیا ہے، دودن آرام کرنے دو

دوسری صدی ہجری میں باربرداری کے اونٹوں پر ہزار رطل وزن کا بوجھ لادنے کا رواج تھا۔ ڈاک کے گھوڑوں یا خچروں کو بھاری لگام دے کر نوک دار کوڑوں سے پیٹا جاتا تھا۔ اس امر کی اطلاع جب خلیفہ وقت کو پہنچی تو انہوں نے تمام مملکت میں یہ احکام صادر کردیئے کہ کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زیادہ وزنی بوجھ نہ لادا جائے۔ ڈاک کے جانوروں کے کوڑوں کو نوک میں چبھنے والا لوہا نہ لگایا جائے۔ ان کے منہ میں بھاری لگام نہ دی جائے۔ اور نہ ان سے معمول سے زائد کام لیا جائے۔ اس پر ان کا اپنا بھی عمل تھا۔

ان کا اپنا خچر روز کرایہ پر چلا کرتا تھا اور ایک درہم کما لاتا تھا۔ ایک روز غلام ڈیڑھ درہم لایا۔ خلیفہ نے وجہ پوچھی۔ غلام نے بتلایا کہ آج بازار تیز تھا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ تم نے جانور سے زیادہ کام لیا ہے۔ اس کو اب تین دن آرام لینے دو۔ مسلمانوں میں رحم وکرم کا اب یہ جذبہ کہاں۔ جانور تو کیا انسان بھی ان کے ہاتھ سے مامون نہیں۔

آپ کے حجرۂ مبارکہ کے نیچے حفاظتی خندق کیسے بنی؟

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو جو عظمت وبرتری بخشی ہے۔ اس کا تقاضہ تھا کہ آپ کے کسی دشمن کو آپ کی بے حرمتی پر کسی درجہ میں بھی قدرت نہ دی جائے۔

حفاظت الٰہیہ کے ایسے محیر العقول واقعات تاریخ میں واقع ہوتے ہیں۔ کہ آج بھی ان واقعات کو سن کر ہر شخص گویا آپ کے معجزات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ جمال الدین الاسنوی کے حوالہ سے سلطان نورالدین کے زمانہ کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جو دو نصرانی بدبختوں نے آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کے متعلق ناپاک

ارادہ کیا تھا۔ بیان کیا کہ:

سلطان نور الدین نہایت عابد وزاہد اور تہجد گزار بادشاہ تھے۔ رات کا اکثر حصہ تہجد اور ذکر وتسبیح میں گزرتا تھا ایک روز تہجد کے بعد کچھ دیر کے لئے سوئے تو آنحضرت ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی کہ آپ تشریف لائے ہیں۔ اور فرمارہے ہیں (دوسرخ رنگ کے آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہ ''مجھے ان دو آدمیوں سے بچاؤ''۔

اور اس طرح فرمارہے ہیں گویا آپ پر فکرو پریشانی کے آثار ہیں۔ سلطان نور الدین گھبرائے ہوئے اٹھے۔ وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر سوئے بعینہ پھر خواب میں رسول اللہ ﷺ کو یہی فرماتے ہوئے دیکھا۔

پھر بیدار ہوئے اور اضطراب و بے چینی میں وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر سوئے تو بعینہ پھر یہی دیکھا۔ تیسری مرتبہ اٹھے تو کہنے لگے۔ یہ کوئی خواب نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے کوئی القاء ہے رات ہی میں اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو بلانے کے لئے قاصد بھیجا۔

یہ نہایت صالح شخص تھے سلطان نے یہ تمام واقعہ وزیر جمال موصلی سے بیان کیا تو وزیر نے کہا اب توقف کرنا اور بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں فوراً مدینہ منورہ پہنچنا چاہئے اور کہا کہ آپ اپنا یہ خواب ہرگز کسی سے نہ بیان کریں۔

یہ سنتے ہی سلطان معہ اپنے بیس رفقاء تیز سواروں پر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ سولہ روز کے سفر کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ وزیر نے اپنے ساتھ بہت سا مال بھی لیا۔ مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے سلطان نے غسل کیا اور مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی روضہ اقدس پر حاضری دی۔ نماز پڑھی اور حضور پر تحیۃ صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ اور روضہ اقدس کی زیارت کر کے بیٹھے رہے۔ ابھی معلوم نہیں تھا کہ کیا کرنا ہے۔

وزیر نے اعلان کیا جب کہ اہل مدینہ وہاں جمع تھے کہ سلطان حضور اکرم ﷺ کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہیں اور اپنے ہمراہ بہت کچھ مال لے کر آئے ہیں تاکہ اہل مدینہ کو تقسیم کریں اور ان کی اعانت کریں۔ اس لئے جس قدر لوگ مدینہ میں رہتے ہیں سب اپنا نام لکھ دیں تاکہ سلطان اپنے ہاتھ سے ان کو تقسیم کریں۔ وزیر نے سلطان نور الدین کو یہ سب صورت حال بتا کر کہا کہ اب سلطان آنے والوں کو غور سے دیکھتے رہیں تاکہ اس حلیہ کے ان دونوں

آدمیوں کو پہچان لیں۔جن کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کر کے یہ فرمایا ہے کہ ''مجھے ان دو آدمیوں سے بچاؤ۔''

چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا لوگ سلطان کے سامنے آتے رہے اور ان کا وہ حلیہ نہ دیکھ کر سلطان ان کو مال دیتے رہے اور وہ واپس جاتے رہے یہاں تک کہ سب اہل مدینہ ختم ہو گئے تو سلطان نے پوچھا کیا کوئی شخص ایسا رہ گیا ہے جس نے نہ لیا ہو۔

لوگوں نے جواب دیا نہیں، اب کوئی باقی نہیں رہا۔سلطان نے کہا سوچو اور غور کرو شاید کوئی رہ گیا ہو۔اس پر لوگ کہنے لگے پس دو شخص رہ گئے ہیں جو مغربی باشندے ہیں وہ یہاں ایک عرصہ سے مقیم ہیں۔نہایت نیک اور صالح ہیں بہت غنی شخص ہیں کسی سے کچھ نہیں لیتے بلکہ بہت صدقہ و خیرات کرتے ہیں غریبوں کی بڑی مدد کرتے ہیں سلطان یہ سن کر منشرح ہوئے اور فرمایا ان دونوں کو میرے سامنے لے کر آؤ۔

ان دونوں آدمیوں کو جب سلطان کے سامنے لایا گیا تو دیکھا یہ بالکل وہی دو شخص ہیں جن کی طرف رسول اللہ ﷺ اشارہ کر کے فرمار ہے تھے کہ مجھے ان دونوں سے بچاؤ۔

سلطان نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو کہاں کے ہو؟ بتایا کہ ہم بلاد مغرب کے ہیں حج کے لئے آئے ہیں۔ہم نے اس سال یہ ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک قیام کر لیں۔

سلطان نے کہا سچ سچ بتاؤ وہ اسی بات پر قائم رہے تو فرمایا تمہارا مکان کہاں ہے۔ انہوں نے ایک رباط کا پتہ بتایا جو حجرہ شریفہ کے قریب واقعہ تھا۔سلطان کے حکم سے ان کو تو پکڑ لیا گیا اور خود ان کے گھر پہنچے وہاں دیکھا کہ بہت کچھ مال اور دینار اور درہم ہیں اور بہت سی کتابیں بھی اور کچھ اوراد و وظائف کے مجموعے بھی ہیں۔اس کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آیا۔

اہل مدینہ ان لوگوں کی تعریف کرتے رہے اور کہنے لگے یہ لوگ تو نہایت نیک ہیں۔ ہمیشہ روزہ دار رہتے ہیں۔ پابندی سے حرم شریف اور روضہ اقدس پر حاضر رہتے ہیں۔ پابندی سے حرم شریف اور روضہ اقدس پر حاضر رہتے ہیں۔ ہر صبح بقیع جاتے ہیں اور ہر سنیچر کے دن قبا کی حاضری دیتے ہیں۔نہایت کریم ہیں کوئی سائل محتاج آتا ہے تو اس کو واپس نہیں لوٹاتے۔

سلطان نے یہ سب کچھ سن کر کہا سبحان اللہ اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔نہایت فکر و تشویش

کی حالت میں تمام گھر کا چکر لگانے لگے۔اور ایک ایک چیز پر تجسس کی نظر ڈالتے رہے اسی حالت میں ایک چٹائی نظر پڑی۔سلطان نے اس کو اپنی جگہ سے ہٹایا تو اس کے نیچے دیکھا کہ ایک خندق کھودی ہوئی ہے جس کا سلسلہ حجرہ مبارکہ کی طرف جارہا ہے۔لوگ یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور کانپ اٹھے۔

ان دونوں آدمیوں کو پکڑ کر سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔فرمایا سچ سچ اپنا حال بیان کردو۔اوران کو بے حد پیٹا گیا۔جلاد نے ان پر درے برسانے شروع کردیئے۔یہاں تک کہ انہوں نے اعتراف کیا کہ ہم نصرانی ہیں ہم کو عیسائیوں نے مغربی حجاج کے روپ میں بہت سا مال ودولت دے کر بھیجا اور مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طریقے اور تدبیر سے آنحضرت ﷺ تک پہنچ کر آپ کو وہاں سے منتقل کرلیا جائے یا جو کچھ بھی ممکن ہوسکے۔

تو یہ دونوں شخص اس ناپاک اور خبیث ارادہ کو لے کر حجرہ مبارکہ کے قریب جگہ حاصل کر کے مقیم ہوئے اور رات بھر کھدائی کرتے۔ہرایک کے پاس چمڑے کا ایک لمبا سا تھیلہ تھا۔اس میں مٹی کو بڑی حفاظت سے بھرتے اور رات بھر کی کھدائی سے جس قدر مٹی ہوتی وہ اس میں محفوظ کر کے ہر ایک اپنی پشت پر وہ تھیلا لاد کر بقیع کے قبرستان صبح ہی نکل جاتا اور قبروں کے درمیان وہ مٹی ڈال دیتے۔اور خالی تھیلے لاکر پھر رات بھر یہی عمل کرتے اور صورت یہ اختیار کرتے کہ جنت البقیع میں زیارت کے لئے روز حاضر ہوتے ہیں۔

بیان کیا گیا کہ جب لوگ خندق کھودتے کھودتے حجرہ مبارکہ کے قریب پہنچے تو ناگہاں آسماں سے ایک ہیبت ناک گرج سنائی دی۔اور اس قدر سخت زلزلہ کا جھٹکا واقع ہوا۔یہ محسوس ہوتا تھا کہ مدینہ کے پہاڑ اکھڑ جائیں گے اور گر پڑیں گے۔اتفاق یہ کہ سلطان نورالدین کی مدینہ منورہ میں آمد اسی رات میں ہوئی۔جس دن یہ گرج اور بجلی اور زلزلہ کا حادثہ پیش آیا۔

سلطان خداوند عالم کی اس قدرت اور کارسازی کو دیکھ کر بے اختیار رونے لگے اوران دونوں خبیثوں کی گردن اڑادینے کا حکم دیا۔اور ان دونوں کو حضور ﷺ کے حجرہ کے متصل بقیع والی سمت میں جنگلہ کے نیچے لے جاکر ذبح کیا۔جو سمت آنحضرت ﷺ کے قدموں کی طرف ہے اوراس کے بعد حجرہ مبارکہ کے چاروں طرف نہایت گہری خندق کھدوائی حتیٰ کہ پانی نکل آیا۔اوراس میں سیسہ بھروایا۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا کہ سلطان نورالدین محمود زندگی کا یہ واقعہ ۵۵۶ھ میں پیش آیا۔ سلطان سے ملاقات کرنے والوں میں سے بعض لوگوں کی روایات مزید وفاء الوفاء میں بیان کی ہیں اور یہ بھی تصریح کی کہ سلطان نے یہ خواب ایک رات میں تین مرتبہ دیکھا۔

علامہ ابن اثیر نے بیان کیا ہے کہ میں نے سلاطین وملوک کی تاریخ کا مطالعہ کیا۔ لیکن خلفاء راشدین اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد سلطان نورالدین جیسا عادل، متقی اور عابدوزاہد بادشاہ نہیں گزرا۔ بعض مورخین نے ان کو اولیاء عارفین میں شمار کیا ہے جن کی وفات مقام حلب میں ۵۸۸ھ میں ہوئی۔

علامہ زین الدین مراغی نے بحوالہ تاریخ بغداد ابن النجار اس واقعہ کے ۴۰ سال بعد اسی کے قریب اور واقعہ نقل کیا ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا کہ ایک گروہ ایسے ہی ناپاک ارادہ سے حرم شریف میں داخل ہوا تو زمین شق ہوئی اور وہ تیس چالیس آدمی زمین میں دھنس گئے۔ اور ان میں سے کسی کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔

ظاہر ہے کہ جس خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کی حفاظت کا وعدہ قرآن کریم میں یہ آیت نازل کر کے فرمایا **واللہ یعصمک من الناس** اس جلیل القدر پیغمبر کی بے حرمتی کیونکر ممکن ہے۔

کسریٰ کی بدشگونی

کسریٰ شاہ ایران جلوس کی شکل میں کہیں جارہا تھا۔ اسے راستے میں ایک کانا شخص نظر آیا۔ اس نے اسے گرفتار کرلیا۔ واپسی پر اسے آزاد کردیا اور بتایا کہ میں نے بدفالی کی وجہ سے تمہیں پکڑا تھا۔ وہ آدمی کہنے لگا آپ تو مجھ سے بھی زیادہ بدبخت ہیں کیونکہ آج جب آپ گھر سے نکلے تو مجھ سے ملاقات ہوئی۔ لیکن جب میں نکلا تو آپ سے آمنا سامنا ہوگیا۔ اور آپ نے مجھے گرفتار کرلیا۔ یہ سن کر بادشاہ نے بدشگونی چھوڑ دی۔

شہزادے کو قیمتی وصیت

سلطان محمد فاتح عثمانی عہد کے مشہور خلیفہ گزرے ہیں۔ ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان

کے عہد میں قسطنطنیہ (استنبول) فتح ہوا۔ان سے پہلے کئی حکمرانوں نے کوشش کی کہ قسطنطنیہ فتح ہو جائے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس جنگ کے لشکر کو جنت کی بشارت دی تھی۔سلطان محمد فاتح بڑے عالم، بہادر تھے، عدل وانصاف کرنے والے، متقی اور متواضع تھے۔کیا آپ جانتے ہیں کہ جب انہوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو ان کی عمر کیا تھی؟ صرف ۲۳ سال، جی ہاں، تاریخ ہمیں یہی بتائی ہے۔

جب سلطان محمد فاتح کی موت کا وقت قریب آن پہنچا تو انہوں نے اپنے صاحبزادے کو بلایا اور اسے کچھ وصیتیں کیں۔آیئے! پڑھتے ہیں کہ ایک سلطان، حاکم اور خلیفہ اپنے بیٹے کو کیا وصیت کرتا ہے:

بیٹے! میں موت کے کنارے پر کھڑا ہوں، کسی وقت بھی موت آسکتی ہے مگر مجھے مرنے کا افسوس نہیں، اس لئے کہ میں اپنے بعد تمہارے جیسی اولاد چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

اپنی قوم کے ساتھ عدل وانصاف اور رحم وکرم کا برتاؤ کرنا، بغیر کسی تمیز کے رعایا کے ساتھ یکساں سلوک کرنا اور دین اسلام کو پھیلانے کی پوری کوشش کرنا کہ یہ روئے زمین کے تمام حکمرانوں پر فرض ہے۔

دین کو ہر کام پر مقدم رکھنا اور ایسے اشخاص کو اپنا ملازم نہ رکھنا جو دین کو اہم نہیں سمجھتے، کبیرہ گناہوں سے نہیں بچتے اور فحاشی کو پسند کرتے ہیں۔ بدعات وخرافات سے دور رہنا اور ایسے لوگوں سے دور رہنا جو ان کاموں کو پسند کرتے ہیں اور ان کو بجالاتے ہیں۔

اپنے ملک میں جہاد کے جھنڈے کو کبھی سرنگوں نہ ہونے دینا، بیت المال کی حفاظت کرنا، اس میں سے بے جا خرچ نہ کرنا اور ہاں خبردار! کبھی بھول کر بھی اپنی رعیت کے مال ودولت کی طرف نہ دیکھنا، البتہ اسلام کی اجازت کے مطابق اس میں تصرف کر سکتے ہو، نیز محتاجوں کی روزی کا بندوبست کرنا، حقداروں پر خرچ کرنا اور ان کی عزت وتکریم کرنا۔

اولیاء سے محبت کرنے والا بادشاہ

خلیفہ حکم اندلس کا باجبروت بادشاہ تھا۔ایک دفعہ اس نے ابوابراہیم نامی ایک فقیہ کو جو کہ مسجد ابوعثمان میں وعظ کر رہا تھا بلایا۔شاہی چوبدار نے آکر ابوابراہیم سے کہا کہ امیر المومنین

نے آپ کو اس وقت بلایا ہے۔ اور باہر انتظار کر رہے ہیں۔ ابوابراہیم نے کہا تم امیر المومنین سے کہہ دو کہ میں اس وقت خدا کے کام میں مصروف ہوں۔ جب تک اس کام سے فارغ نہ ہولوں نہیں آ سکتا۔

چوبدار اس جواب کو سن کر حیران رہ گیا اور ڈرتے ڈرتے جا کر خلیفہ کی خدمت میں ابو ابراہیم کا جواب عرض کیا! خلیفہ حکم نے یہ سن کر کہا کہ تم جا کر ابوابراہیم سے کہہ دو کہ میں اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا کہ آپ خدا کے کام میں مصروف ہیں جب اس کام سے فارغ ہو جائیں تو تشریف لائیں۔ میں اس وقت تک دربار میں منتظر رہوں گا۔ چوبدار نے آ کر یہ پیغام ابوابراہیم کو سنایا تو انہوں نے کہا۔

تم جا کر امیر المومنین سے کہہ دو کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے نہ تو گھوڑے پر سوار ہوسکتا ہوں اور نہ ہی پیدل چل سکتا ہوں۔ باب السدہ یہاں سے زیادہ دور ہے مگر باب الصنع یہاں سے قریب ہے۔ اگر باب الصنع کے کھول دینے کی اجازت دیں تو اس دروازے سے باآسانی حاضر ہوسکوں گا۔

باب الصنع ہمیشہ بند رہتا تھا اور کسی خاص موقعہ پر اس کے کھولنے کی اجازت ہوتی تھی! ابوابراہیم اس کے بعد اپنے وعظ میں مصروف ہو گئے! چوبدار یہ پیغام خلیفہ تک پہنچا کر اور پھر خلیفہ کے حکم سے واپس آ کر ان کی مجلس میں بیٹھ گیا۔ جب ابوابراہیم اپنا وعظ ختم کر چکا تو چوبدار نے عرض کیا کہ باب الصنع آپ کے لئے کھول دیا گیا ہے اور امیر المومنین آپ کے منتظر ہیں! اس کے بعد ابوابراہیم دربار میں گئے!

عطر کے بدلے جواہرات

ملک شام فتح ہو جانے کے بعد قیصر روم کے ساتھ دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خط لکھ کر قیصر روم کے پاس قاصد روانہ کیا تو آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس قاصد کو عطر کی چند شیشیاں دیں تا کہ وہ قیصر روم کی بیوی کو یہ تحفہ پہنچا دے۔ قیصر روم کی بیوی نے جواباً شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا: ''گو عطر تمہارا تھا لیکن جو قاصد لے کر گیا وہ سرکاری تھا۔ اس کے مصارف بیت المال سے ادا کئے گئے تھے اس لئے قیصر روم کی بیوی کے بھیجے ہوئے جواہرات تمہارے نہیں ہو سکتے؟''

آپ نے اپنی اہلیہ سے جواہرات لے لئے اور انہیں بیت المال میں جمع کر دیا۔ ان کے بدلے میں اپنی اہلیہ کو کچھ معاوضہ دے کر راضی کر دیا۔

سوکھے چمڑے بھگو کر کھانے والے مجاہد

اموی خلیفہ الحکم نے فرانس کا کچھ حصہ یلغار کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ جس میں برشلونہ بھی شامل تھا۔ بعدہ اس نے نہ صرف اپنے دامن حکومت کو زیادہ پھیلانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بلکہ مفتوحہ علاقہ کی طرف پوری توجہ بھی نہ دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل فرانس نے اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کی واپسی کے لئے مسلح جدوجہد شروع کر دی۔

اسی جدوجہد میں فرانسیسیوں نے برشلونہ کا محاصرہ کر لیا۔ جس کا حاکم زید نامی ایک بہادر اور پکا مسلمان تھا۔ جو مسلمانان اندلس کی نیابت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ مگر الحاکم کی عدم توجہی کی وجہ سے یہ خود مختار سا ہو گیا تھا۔

فرانسیسیوں نے بہت بڑے لشکر سے اس شہر پر حملہ کیا۔ زید اور اس کی مسلم رعایا نے اس بے جگری کے ساتھ فرانسیسیوں کا مقابلہ کیا۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کی جرأت و بہادری نے بالآخر دشمن کو شہر کے محاصرہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس محاصرہ نے طول کھینچا۔

اہل شہر اس امید میں تھے کہ الحکم ان کی امداد کے لئے فوج بھیجے گا۔ مگر اس نے ملکی مصالح کی بناء پر ان کی کوئی امداد نہ کی۔ اپنے بازوؤں میں جس قدر قوت تھی۔ اس سے انہوں نے دشمن کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ محاصرے کی شدت نے انہیں پریشان کرنے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن یہ مسلمان بھی کوئی سخت جان واقع ہوئے تھے۔

انہوں نے محاصرہ کی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ جو کچھ اپنے پاس موجود تھا۔ وہ جب ختم کر بیٹھے۔ تو حرام جانور ذبح کر کے کھانے شروع کئے۔ جب وہ بھی ختم ہو گئے۔ تو سوکھے چمڑے بھگو بھگو کر کھائے۔ مگر اسلامی غیرت پر آنچ نہ آنے دی اور دشمن کے

سپاہی ہتھیار ڈالنے پر رضامند نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ بھوک نے ان کی ساری قوتیں چھین لیں۔ اور جب یہ مشت استخواں بن کر رہ گئے تو سات ماہ کے محاصرہ کے بعد فرانسیسی شہر میں داخل ہو سکے۔

صاحب ایمان مسلمان نقد جاں پیش کر سکتا ہے مگر دشمن کے سامنے سرنگوں نہیں ہو سکتا۔ لیکن اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ روٹی کے چند ٹکڑوں کے عوض ایمان تک فروخت کر دیا جاتا ہے۔

سچ بولنے پر دونوں بیٹے موت کے منہ میں چلے گئے مگر!

حجاج بن یوسف جو ظلم و تعدی میں ایک مشہور شخص گذرا ہے دو باغی نوجوان کی گرفتاری کے لئے از حد پریشان تھا۔

یہ دونوں اس ربعی بن حراش کے صاحبزادے تھے جو اپنی راست گفتاری میں مشہور تھے اور اپنے باپ ہی کے مکان میں کسی نامعلوم جگہ روپوش تھے۔

جب پولیس اردگرد کے شہروں اور مواضعات میں نوجوانوں کو تلاش نہ کر سکی تو کسی نے حجاج کو مشورہ دیا کہ خود ربعی بن حراش سے کیوں نہ دریافت کر لیا جائے کہ ان کے لڑکے کہاں ہیں؟ کیونکہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے ہیں اس لئے اپنے لڑکوں کے معاملے میں بھی وہ سچا بیان دیں گے۔

حجاج نے کہا جاؤ آج خوب آزمانے کا موقع ہے۔ جب پولیس ربعی بن حراش کے پاس پہنچے اور ان سے ان کے دونوں باغی اولاد کے متعلق سوال کیا کہ وہ دونوں کہاں ہیں تو صاف صاف سچ سچ کہہ سنایا کہ **ھما فی البیت** وہ دونوں گھر میں موجود ہیں۔ پولیس گھر میں داخل ہوئی اور دونوں کو بآسانی گرفتار کر لیا۔

جب یہ ماجرا حجاج کے سامنے پیش ہوا اور گرفتار شدہ باغی نوجوان بھی پیش ہوئے تو ربعی کی صداقت پسندی و راست گفتاری پر حجاج عش عش کرنے لگا اور کہا کہ اس سخت وکڑی آزمائش میں بھی ربعی پورے اتر گئے ہیں۔ ان کی صداقت و سچائی کی وجہ سے ان کے دونوں بچوں کی جاں بخشی کرتا ہوں اور ربعی کے اس فضل و مقام کا اعتراف کرتا ہوں جوان کی صدق بیانی و راست بازی سے انہیں حاصل ہوئے ہیں۔

تاتاری فتنے کا توڑ کس نے کیا؟

ساتویں صدی ہجری میں جب علم کلام کی ٹھنڈی ہواؤں نے مسلمانوں کے سینوں کو بالکل یخ کر دیا تھا، اس وقت تاتاری فتنہ اٹھا اور ہلاکو خان نے اسلامی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں سے کھینچ لی۔ ہر جگہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنا محکوم بنالیا۔ یہ بے دین لوگ تھے جو تقریباً سارے عالم اسلام پر غالب آ گئے۔ اس وقت تمام مسلمان غلام بن گئے۔

تخت و تاج کفر کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ حکومت ان کی تھی، قانون ان کا تھا اور مسلمان رعایا بن کر زندگی گزار رہے تھے۔ اس وقت مسلمان تلوار کے ساتھ مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ دلوں میں اتنی بزدلی آ چکی تھی کہ تاتاریوں نے جب جلال الدین خوارزم شاہ کی واحد اسلامی سلطنت اور عباسی خلافت کا چراغ گل کر دیا تو یہ ضرب المثل بن گئی کہ **اذا قیل لک ان التاتار انھزموا فلا تصدق** (اگر کوئی کہے گا کہ تاتاریوں نے شکست کھائی تو یقین نہ کرنا۔)

اس وقت کون لوگ تھے جنہوں نے اس ڈوبتی کشتی کو سہارا دیا؟ یہ مشائخ صوفیاء ہی تھے۔ کہیں مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیٹھ کر اسی دور میں مثنوی شریف لکھی اور لوگوں کے دلوں کو گرمایا اور کہیں حضرت محمد دربندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہی تاتار شہزادوں کے سینوں پر توجہات ڈالیں۔ ان کے سینوں پر نگاہیں گاڑ کر ان کے دل کی دنیا کو بدلا۔ حتیٰ کہ تیس سال کے بعد انہی شہزادوں میں سے ایک شہزادہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا۔ اس کے بعد باری باری سب شہزادے مسلمان ہوتے گئے۔ بالآخر وہ تخت و تاج جو عالم اسلام کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا دوبارہ اسلام کو نصیب ہوا۔

یہ کس کی برکت تھی؟ کون سی تلوار چلی؟ ظاہر کی تلوار نہیں چلی تھی بلکہ قلب و نظر کی تلوار نے وار کیا تھا، جس نے ان کے سینوں سے پار ہو کر ان کے دلوں کو بدل دیا تھا۔

چنانچہ وہ وقت بھی آیا کہ یہ تاتار خود اسلام کا جھنڈا لے کر پوری دنیا میں کھڑے ہوئے اور سلطنت دوبارہ اسلام کے ہاتھوں میں آئی۔ یہ انہی مشائخ صوفیاء کا فیضان تھا۔ علامہ اقبال نے لکھا ہے:

ہے عیاں آج بھی یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہ مشائخ صوفیاء ہی تھے جنہوں نے صنم خانوں سے بت پرستوں کو اور ظلمت کدوں سے ان فتنہ انگیز لوگوں کو نکال کر ان کے دلوں کو گرما کر انہیں موحد بنایا اور اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھوں میں تھمایا۔

باپ کی موت کی دعا کرنے والا شہزادہ

بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک شہزادہ اپنے خدا پرست و دین پسند والد ماجد سے نہ معلوم کیوں اس قدر عداوت رکھتے تھا کہ وہ اپنے والد کی موت وہلاکت کے لئے خدا سے دعائیں کرتا تھا۔

بادشاہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خفیہ پر چہ نویسوں کے ذریعہ صاحبزادہ کا خیال معلوم ہوا تو ایک خط اس کے نام لکھا، ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی مفہوم کو نظم میں یوں ادا کیا ہے:

ندانی کہ آن کہنہ نخچیر گیر
بدام دعائت نہ گروہ اسیر

کیا تو نہیں جانتا کہ وہ پرانا شکاری یعنی حق تعالیٰ تیری دعا کے جال میں گرفتار ومقید نہیں ہوسکتا یعنی تمہاری بدعا کے جال میں وہ پھنسنے والا نہیں ہے۔

جب شہنشاہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے متقی وباخدا ہستی کی اولاد نا خلف ہوسکتی ہے تو ہمارے شمار کا ذکر ہی کیا ہے۔

تاریخ میں ایسے سینکڑوں واقعات موجود ہیں کہ بادشاہوں کی اولاد نے اپنے والدین سے عداوت ومخالفت رکھی اور ان کے دینی مزاج وحق پسندی کی روش سے نہ صرف کوسوں دور رہے بلکہ ایسے نالائق ونا خلف دشمنان اسلام اولاد سے اہل ایمان کو حق تعالیٰ نے پرحذر رہنے کی تلقین وترغیب دی ہے۔

ترکِ جماعت پر خلیفہ عمر کی سزا

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے ایک صاحبزادے وطن سے کافی دور تعلیم حاصل کر رہے تھے، انہیں کے متعلق ایک دن خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اطلاع ملی کہ آپ کے صاحبزادے حجامت بنوانے میں ایسا مشغول ہوئے کہ انہوں نے فلاں دن عصر کی نماز جماعت سے ادا نہیں کی، تو خلیفہ موصوف اس قدر خفا ہوئے کہ استاد کے نام ایک رقعہ لکھا اور ایک درہ بھیجا کہ ترک جماعت کی سزا میں اس کو اسی درہ سے اس قدر پیٹئے کہ مارتے ہوئے درہ ٹوٹ جائے اور ٹکڑا ٹکڑا ہو جائے اور خط میں لکھا کہ ایسے تنگ وقت میں حجامت کیوں بنوائی کہ اس کی عصر کی نماز جماعت سے فوت ہوگئی۔

یہ عذر کوئی عذر شرعی نہیں ہے اس لئے ترک جماعت کی سزا میں اس کو درہ سے اچھی طرح کاٹ دیجئے تاکہ آئندہ ترک جماعت کی ہمت نہ رہ جائے۔

فتح بیت المقدس کے بعد عیسائیوں کا ظلم وستم

جب ۱۰۹۹ء مطابق ۴۹۱ھ میں یروشلم پر عیسائیوں نے فتح پائی تو مغلوب مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ جو ظالمانہ حسرت ناک جگر دوز اور زہر شگاف سلوک انہوں نے کیا تہذیب وشائستگی آج تک اس پر آنسو بہا رہی ہے۔ یہ دردناک کیفیت عیسائی اور مسلمان مورخوں نے صلیبی جنگوں کے ضمن میں بالوضاحت لکھی ہے یہاں ہم ایک فرانسیسی مصنف مچاؤ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔

وہ لکھتا ہے۔ ”گلی کوچوں، گھروں اور مسجدوں وخانقاہوں میں جہاں جہاں مسلمان نظر آئے ان کا قتل عام شروع ہوگیا جب عیسائی، مسجد عمر پر قابض ہوگئے تو دیکھا کہ وہ مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ عیسائی سوار اور پیادے اس میں داخل ہوگئے اس مہیب ہنگامہ کے درمیان سوائے گریہ وزاری اور موت کی چیخوں کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔“

ریمنڈ دی اگلیس کا یہ چشم دید بیان ہے کہ مسجد کے اندر اور صحن میں عیسائی سواروں کے

گھوڑے خون میں گھٹنوں تک ڈوبے ہوئے تھے اور یروشلم کی گلی کوچے اور معبد بے گوروکفن لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔

اس قتل عام سے جو مسلمان بچ گئے ان کی نسبت تیسرے دن کی کونسل نے موت کا فتویٰ دے دیا۔ مچاؤ لکھتا ہے۔

جب مسلمانوں کو اس فتویٰ کا علم ہوا تو بعضوں نے شہر پناہ سے کود کر موت سے بچنے کی ناکام کوشش کی کئی اجل گرفتہ گروہ در گروہ محلوں اور میناروں خاص کر مسجدوں میں جا گھسے لیکن عیسائیوں نے ان کو کہیں بھی پناہ نہ لینے دی۔ لاشوں کے ڈھیر ہر جگہ نظر آرہے تھے، جو مسلمان بچ رہے تھے ان کو حکم ہوا کہ بازاروں اور گلیوں میں لاشوں کے جو انبار ہیں ان کو خندقیں کھود کر دفن کریں تاکہ راستے صاف ہوں اور وبائی بیماری نہ پیدا ہو جائے۔ مسلمان روتے تھے اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر باہر لے جاتے تھے۔ یہ خون ریزی برابر ایک ہفتہ تک جاری رہی۔ مشرقی اور لاطینی مورخ مسلمان مقتولوں کی تعداد بیان کرنے میں متفق ہیں کہ ستر ہزار۔

فتح بیت المقدس کے بعد مسلمانوں کا عدل

گنتی کے ان چند مسلمانوں نے جو عیسائیوں کے ہاتھوں سے بچ کر بھاگ نکلے تھے۔ مسلمانوں کے شہروں میں اس بے دردانہ قتل عام اور بے رحمانہ خوں ریزی اور مسلمانوں کی تباہی اور ان کی جگر خراش مصیبت کی خبریں پہنچائیں۔ دمشق کے قاضی نے خلیفہ کے روبرو اپنی داڑھی نوچ ڈالی اور سب درباری مسلمانوں کی اس تباہی و رسوائی اور بیت المقدس جیسے پاک مقام کے ہاتھوں سے نکل جانے پر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت سے اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں چلا آرہا تھا۔ زارو قطار رو رہے تھے۔ کمزور خلیفہ بغداد کے پاس آنسوؤں اور دعاؤں کے سوا اور کیا تھا۔

تاہم مسلمانوں کے دلوں میں یہ آگ سلگتی رہی ۵۶۸ھ میں سلطان ملک العادل نور الدین زنگی نے مسلمانوں کی تباہی کے حالات سن کر بیت المقدس کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس کی موت نے اس کو مہلت نہ دی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نور الدین زندگی کی طرف سے مصر کا حاکم تھا۔ نور الدین کے

بعد اس کا گیارہ سالہ بیٹا رہ گیا صلاح الدین نے اس کا خطبہ جاری رکھا اور اس کو اطلاع دی۔ مگر نالائق درباریوں کی وجہ سے مصر اور شام کے تعلقات خراب ہوتے گئے یہاں تک کہ صلاح الدین کو آ کر شام پر چڑھائی کرنی پڑی جس سے اس کے ملک میں بہت توسیع ہو گئی۔

مسلمانوں کی بہت سی خانہ جنگیوں سے فائدہ اٹھا کر یروشلم کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ۵۷۴ھ مطابق ۱۱۷۸ء میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی مڈبھیڑ ہوئی ایک دو لڑائی کے بعد عیسائیوں اور مسلمانوں میں دو سال کے لئے صلح ہو گئی۔ مگر کرک (جو عرب اور فلسطین کی سرحدات پر واقع ہے) کا عیسائی رئیس عہد و پیمان اور ایمان وانسانیت کی حقیقت پر کاہ سے بھی کم سمجھتا تھا۔ وہ مسلمان حاجیوں کے کارواں لوٹ لیتا اور کسی قول اور کسی وعدہ کا کوئی پاس نہ کرتا۔

صلاح الدین نے بادشاہ بالڈون سے بارہا ان زیادتیوں کی شکایت کی مگر اس نے کبھی کوئی قابل اطمینان جواب نہ دیا۔

جب سلطان کو معلوم ہوا کہ رئیس کرک بے شمار بے گناہ اور بے ضرر حاجیوں اور تاجروں اور ان کی عورتوں اور معصوم بچوں کو قید کر لیتا اور ان میں سے اکثروں کو قتل بھی کر ڈالتا ہے تو اس نے آخر ہاتھ اٹھائے کئی سال کی متواتر خوں ریز لڑائیوں کے بعد بروز جمعہ ۱۷ ربیع الاول ۵۸۳ ہجری کو سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔

صلاح الدین کو عیسائیوں کے وہ ظلم خوب یاد تھے جو انہوں نے بیت المقدس میں داخلہ کے وقت مسلمانوں پر روا رکھے تھے سلطان نے قسم کھائی تھی کہ میں بھی عیسائیوں کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے۔

عیسائی بھی اپنے اعمال سے بے خبر نہ تھے وہ خوب جانتے تھے کہ ہمارے بزرگوں نے آج سے بانوے سال پیشتر کس قیامت کے ظلم وستم مفتوح ومغلوب اور بے کس و بے بس مسلمانوں کے ساتھ کئے تھے اس لئے ان کو اپنی بے دردانہ موت اور اپنی ذلت ورسوائی کا کامل یقین تھا۔

وہ خونیں منظر جہاں شہداء کی لاشیں عرصہ تک بے گور وکفن پڑی رہیں اور وہ بلند اور سنگین دیواریں جہاں سے شیر خوار بچوں کو نیچے پھینکا گیا اور وہ گھر جہاں عفت وعصمت کی پردہ دری

کی گئی اس وقت سلطان کی آنکھوں کے سامنے تھے مگر اس نے یونانی اور شامی عیسائیوں کے سوا باقی تمام عیسائیوں کو زر مخلصی (جزیہ بشرح دس دینار فی مرد پانچ دینار فی عورت اور دو دینار فی بچہ) ادا کرنے کے بعد یروشلم سے نکل جانے کا حکم دیا۔

عیسائیوں کو ایسے نرم سلوک کی ہرگز توقع نہ تھی۔ انہوں نے بہت خوشی منائی کہ جان بچی لاکھوں پائے لیکن جب میعاد مقررہ کے بعد یروشلم سے روانہ ہونے کا دن آیا تو انہوں نے رنج وفکر کی وجہ سے مسیح کی قبر کو اپنے آنسوؤں سے تر کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایک تخت پر بیٹھا ہوا عیسائیوں کی روانگی کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ بڑے بڑے پادری گرجاؤں کے قیمتی سامان اٹھائے ہوئے ہیں۔

یروشلم کی ملکہ بہت سی عورتوں کے ہمراہ آئی جن کی گودوں میں ان کے بچے تھے اور وہ دردناک چیخیں مار رہی تھیں۔ ان عورتوں نے صلاح الدین کے تخت کے قریب آ کر کہا۔ ”اگر آپ ہمارے خاوندوں کو رہا کر دیں تو ہماری جلاوطنی کی مصیبتیں کم ہو جائیں گی۔“

تربوز چور ڈاکو اور سلطان جلال الدولہ کا انصاف

سلطان جلال الدولہ ایک روز شکار کو نکلے۔ تو ان کو ایک دیہاتی ملا۔ جو رو رہا تھا۔ پوچھا کیوں روتے ہو۔ تو کہا کہ میرے پاس تربوز تھے۔ جو میری کل پونجی تھی۔ تین لڑکوں نے وہ تربوز مجھ سے چھین لئے ہیں۔ سلطان نے کہا۔ تم میرے لشکر میں چلے جاؤ اور وہاں فلاں مقام پر جا کر بیٹھ جاؤ میں شام کو واپس آ ؤں گا۔ اور تمہیں خوش حال کر دوں گا۔

چنانچہ وہ دیہاتی لشکر میں گیا۔ اور سلطان کے بتائے ہوئے مقام پر بیٹھ گیا۔ سلطان جب لشکر میں آیا۔ تو اپنے ملازمین سے کہا کہ مجھے تربوز کی خواہش ہے۔ لشکر اور خیموں میں پتہ لو۔ شاید مل جائے۔ ملازموں نے ادھر ادھر پتہ لیا۔ تو ایک ملازم تربوز لے کر آ گیا۔

سلطان نے پوچھا کہ یہ تربوز کس سے ملا؟ تو اس نے بتایا کہ فلاں حاجب کے خیمہ میں تھا۔ سلطان نے حکم دیا کہ اس حاجب کو حاضر کرو۔ حاجب آیا۔ تو اس سے پوچھا کہ یہ تربوز کہاں سے لیا۔ اس نے بتایا۔ کہ کچھ لڑکے لائے تھے۔

سلطان نے کہا کہ ان لڑکوں کو حاضر کرو۔ وہ حاجب گیا تو یہ معلوم کر کے کہ معاملہ کوئی

سنگین معلوم ہوتا ہے۔لڑکے کہیں قتل ہی نہ کر دیئے جائیں۔ان لڑکوں کو بھگا دیا اور سلطان سے کہہ دیا کہ وہ لڑکے کہیں بھاگ گئے ہیں۔

سلطان نے اس دیہاتی کو بلا کر پوچھا۔کیا یہی وہ تربوز ہے جو تجھ سے چھینا گیا تھا؟

اس نے کہا، ہاں۔

تو اس سے کہا کہ اس صاحب کو لے جاؤ۔ یہ ہمارا غلام ہے۔ہم تجھے بخشتے ہیں۔اس لئے اس صاحب کو لے جاؤ۔اس لئے کہ اس نے ان لڑکوں کو حاضر نہیں کیا۔جنہوں نے تمہارے تربوز چھینے تھے۔اور خدا کی قسم! اگر تو نے اسے چھوڑ دیا۔تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔چنانچہ دیہاتی نے اس حاجب کا ہاتھ پکڑا اور اسے باہر لے آیا۔

اب حاجب نے اپنے آپ کو آزاد کرانے پر اس پر تین سو دینار پر سودا طے کر لیا۔اور اسے تین سو دینار دے کر اس کے پنجے سے آزاد ہو گیا۔پھر وہ دیہاتی سلطان کے پاس آیا۔اور کہا حضور! جو غلام آپ نے مجھے دیا تھا۔وہ میں نے تین سو دینار پر بیچ دیا ہے۔

سلطان نے کہا۔اور تم اس سودے پر خوش بھی ہو۔وہ بولا۔ بڑا خوش ہوں۔فرمایا اچھا جا قیمت اپنے قبضہ میں کر اور سلامتی کے ساتھ رخصت ہو جا۔ (کتاب الاذکیا ص ۱۰۰)

سانحہ میدان کربلا

میدان کربلا میں کوفہ کے یزیدی گورنر ابن زیاد کی طرف سے جناب حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا معاملہ نپٹانے کے لئے عمرو بن سعد چارہ ہزار کا لشکر لیے پڑا تھا۔

حضرت حسین کے تقدس و بزرگی کے پیش نظر اس کی کوشش شروع شروع میں یہ تھی کہ کسی طرح یہ معاملہ جنگ وجدال کے بغیر طے ہو جائے۔اس نے جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل کر گفتگو کے ذریعے سے کوئی فیصلہ کرنے کی ٹھانی۔حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے تین باتیں پیش کی گئیں کہ ان میں سے کسی ایک کو مان لیا جائے تو لڑائی تک نوبت نہیں آئے گی۔

(i)......انہوں نے فرمایا پہلی بات یہ ہے کہ اہل کوفہ نے مجھے بلایا تھا اور اب وہ اس سے منحرف ہو گئے ہیں تو مجھے مکہ معظمہ واپس جانے دیا جائے اور وہاں پہنچ کر عبادت الٰہی میں

مشغول ہو جاؤں۔

(ii)......اگر پہلی بات منظور نہیں تو مجھے کسی سرحدی مقام کی طرف نکل جانے دو۔ تاکہ کفار کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔

(iii)......اگر دوسری بات بھی ناقابل قبول ہے تو تم لوگ میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے سیدھا یزید کے پاس دمشق جانے دو۔ اگر تم چاہتے ہو تو اپنے اطمینان کی غرض سے میرے پیچھے پیچھے آسکتے ہو میں یزید سے براہ راست اپنا معاملہ خود طے کرلوں گا۔

ابنِ سعد اس گفتگو سے بہت خوش ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ ان معقول شرائط میں سے کوئی نہ کوئی ضرور مان لی جائے گی اور اس کے ہاتھ خون حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رنگے جائیں گے۔

اس نے یہ تینوں باتیں ابن زیاد کوفہ میں پہنچادیں۔ ابن زیاد نے یہ باتین سن کر کہا کہ جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ بات پیش کی ہے جس سے فتنے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ لیکن شمر بن ذی الجوش نے ابن زیاد کو ان میں سے کسی بات کو بھی نہ ماننے پر اکسایا اور اپنی رائے پر اصرار کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود یزید سے جا ملے تو عین ممکن ہے کہ دونوں میں اتفاق رائے ہو جائے اور ان کی عزت و منزلت یزید کے ہاں دوسرے سب لوگوں سے زیادہ ہو جائے۔

اس پر ابن زیاد نے کربلا میں ابن سعد کو لکھا کہ ہمیں یہ تینوں باتیں منظور نہیں۔ صرف ایک صورت ہوسکتی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے میرے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کریں۔ پھر میں انہیں زیر اہتمام یزید کی طرف روانہ کردوں گا۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب ابن زیاد کا یہ پیغام پہنچا تو آپ نے فرمایا: ”ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کرنے سے تو مرجانا بہتر ہے۔“

اے بڈھے تو نے اسلام قبول کرنے میں بڑی دیر کردی

کہتے ہیں کہ حضرت حویطب بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ ساٹھ سال زمانہ جاہلیت میں گذرے اور ساٹھ سال اسلام میں۔ جب مروان بن حکم

مدینے کا والی بنا تو وہ ایک دن اس سے ملنے آئے۔ مروان نے پوچھا کیسے آئے ہو؟

انہوں نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو مروان انہیں کہنے لگا۔ اے بڈھے! تم نے اسلام بہت دیر سے قبول کیا حتیٰ کہ واقعات تم سے سبقت لے گئے۔ وہ کہنے لگے اللہ کی قسم میں نے متعدد مرتبہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا لیکن ہر مرتبہ تیرا والد (ابوسفیان) رکاوٹ ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا ''کیا محمد (ﷺ) کے دین کی خاطر تم اپنے آباء کے دین کو ترک کرنا چاہتے ہو؟'' یہ سن کر مروان ندامت کے مارے چپ ہو گیا۔

امام زین العابدین کے اخلاق

ہشام بن اسماعیل گورنر مدینہ اہل بیت کا جانی دشمن تھا۔ برسر منبر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کو ناقابل برداشت گالیاں دیتا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعلانیہ سب وشتم کیا کرتا تھا۔

حسن اتفاق سے خلیفہ ولید کسی وجہ سے ناراض ہو گیا۔ اس نے ہشام کو معزول کر کے حکم دیا۔ ''اسے لوگوں کے مجمع میں کھڑا کیا جائے۔ اور جس جس کو اس سے تکلیف پہنچی ہے۔ وہ اس سے بدلہ لے۔''

اس کی بداعمالیوں سے ظاہر ہے کہ اس کے قول وکردار سے سب سے زیادہ تکلیف جن کو پہنچی تھی وہ اہل بیت تھے۔ اس لئے اسے اس بات کا از حد خطرہ لاحق ہوا کہ جنہیں وہ برسر اجلاس گالیاں دیتا تھا۔ وہ انتقام لینے میں سب سے پیش پیش ہوں گے اور وہ سلوک کریں گے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا۔

لیکن ہشام کا یہ خطرہ غلط ثابت ہوا جن کے ہاتھوں اسے سب سے زیادہ اذیت پہنچنے کا ڈر تھا۔ وہی سب سے زیادہ کریم نکلے۔ جس کی تفصیل اس دشمن اہل بیت نے خود ان الفاظ میں دنیا کو بتلائی۔

''مجھے سب سے زیادہ خطرہ امام زین العابدین سے تھا کہ وہ بااثر آدمی تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے لڑکوں اور حامیوں کو منع کر دیا۔ کہ کوئی شخص ہشام سے تعرض نہ کرے۔''

آپ کے صاحبزادہ عبداللہ نے عرض کیا، کیوں؟

خدا کی قسم اس نے ہمارے ساتھ بہت برائیاں کی ہیں۔ ہم کو تو ایسے وقت کا انتظار ہی تھا۔

فرمایا کہ اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔

ان کے اس اشارہ کے بعد کسی نے ہشام کے متعلق ایک لفظ تک منہ سے نہ نکالا۔ ہشام پر اتنا اثر ہوا کہ اسے امام زین العابدین کے فضل کا اعلانیہ اعتراف کرنا پڑا۔ مہر ہو تو ایسا ہو، اور صابر ہو تو ایسا ہو، حرف شکایت یا سعی انتقام مہر کے اجر کو زائل کر دیتی ہے۔

ابراہیم تیمی طرحجاج کے مظالم

ابراہیم بن یزید تیمی بہت بڑے عابد وزاہد گزرے ہیں۔ نماز میں کیف واستغراق کا یہ عالم تھا کہ سجدہ کی حالت میں پیٹھ پر چڑیاں اڑ اڑ کر بیٹھتی تھیں اور چونچیں مارا کرتی تھیں۔ اس زمانہ کے مشہور تابعی اور ممتاز عالم ابراہیم بن یزید نخعی حجاج ثقفی کے زیر عتاب تھے۔ اس نے ان کی گرفتاری کے لئے آدمی چھوڑ رکھے تھے۔

ابراہیم تیمی کو حجاج اور ابراہیم نخعی کی مخالفت کا بخوبی علم تھا ابراہیم تیمی نے ابراہیم نخعی کو اس ظالم کی دست برد سے بچانے کے لئے تلاش کنندگان کے روبرو اپنے آپ کو یہ کہہ کر تلاش کر دیا کہ ''ابراہیم میں ہوں۔''

گرفتار کرنے والے اور حجاج دونوں ابراہیم نخعی کی شکل سے شناسا نہ تھے۔ اس لئے گرفتار کرنے والوں نے ابراہیم تیمی کے اقرار پر اسے گرفتار کر کے حجاج کے پیش کر دیا۔

حجاج نے ابراہیم تیمی کو زنجیروں میں جکڑوا کر دیماس کے قید خانہ میں بھجوا دیا۔ جو ''موت کے گھر'' کے نام سے مشہور تھا اور صرف سنگین مجرموں کے لئے بنوایا گیا تھا اس میں سردی اور گرمی۔ بارش اور دھوپ سے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔

قید کی صعوبتوں نے ابراہیم تیمی کا ایسا حلیہ بگاڑا کہ انہیں خود ان کی والدہ شناخت نہ کر سکیں اور آپ ایک عالم وقت کی جان بچانے کے شوق میں نہایت صبر واستقلال سے تمام مصائب برداشت کرتے کرتے راہی ملک عدم ہو گئے۔

ان کی شب وفات کو حجاج نے خواب دیکھا کہ شہر میں ایک جنتی فوت ہو گیا ہے۔ صبح اس

نے پتہ کرایا کہ آج کون مرا ہے۔ تحقیقات پر پتہ چلا کہ جیل میں ابراہیم فوت ہوا ہے۔ اس جفا شعار نے یہ سن کر ان کی نعش گھور پر پھینکوادی۔ یہ ایک ایسی قربانی ہے جس کی مثال ملنی محال ہے۔ غیروں کے لئے جان تک قربان کرنا تو ایک طرف رہا۔ اس زمانہ میں اپنوں کی خبر گیری سے بھی گریز کیا جاتا ہے۔

چیتھڑوں والے

کسی زمانہ میں کابل پر ایک ترک راجہ کی حکومت تھی، یہ راجہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دس لاکھ درہم سالانہ خراج دیتا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت کے بعد اس راجہ نے خراج دینا بند کر دیا، جب وقت کے بادشاہ کے نمائندے اس کے پاس خراج کا مطالبہ لے کر کے پہنچے تو اس نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے، ان کے پیٹ فاقہ کشوں کی طرح دبے ہوتے تھے، پیشانیوں پر سیاہ نشان پڑے رہتے تھے، ان کے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے ہوتے تھے، اور وہ کھجوروں کی چپلیں پہنا کرتے تھے۔''

آنے والوں نے اسے بتایا کہ وہ تو دنیا سے چلے گئے، اب ہم ان کے نائب ہیں۔ اس نے جواب دیا: ''ان سے ہم ڈرتے تھے، مگر تم سے ہم ہرگز خوف نہیں کرتے، تم جو چاہو کرلو، ہم تمہیں خراج نہیں دیں گے۔''

اس راجہ کی نظر میں وہ کھجور کی چپل پہننے والے اور چیتھڑوں والا لباس زیب تن کرنے والے طاقت ور تھے، لیکن نوکروں اور خادموں کے جلو میں چلنے والوں اور شان وشوکت والا لباس پہننے والوں کی اس نظر میں کوئی وقعت نہ تھی، اس کی کیا وجہ تھی کہ انسان اور جماعت کی طاقت کا راز اس کی ظاہری شان وشوکت نہیں بلکہ اس کی طاقت کا راز اس کا ایمان اور اس کا اتفاق واتحاد ہے، پہلے والوں کا ایمان بھی مضبوط تھا اور اتفاق واتحاد بھی مثالی تھا، اس لئے ان سے بڑی بڑی طاقتیں ڈرتی تھیں، بعد والوں کا ایمان بھی کمزور اور اتحاد بھی پارہ پارہ ہو چکا تھا لہٰذا ان کا رعب ودبدبہ بھی ختم ہو گیا۔

ہمارے اسلاف کی حالت تو وہ تھی جو کسی شاعر نے بیان کی ہے

قباؤں میں پیوند، پتھر شکم پر
قدم کے تلے تاج کسریٰ وقیصر
غذا نان جو وہ بھی کمتر میسر
مگر ہاتھ میں زور تسخیر خیبر
کبھی اہل ایمان کی پہچان یہ تھی
کبھی اہل اسلام کی شان یہ تھی

اندلس میں مسلمانوں کے زوال کا سبب

اندلس، جس کے ساحل پر مشہور اسلامی جرنیل طارق بن زیاد نے کشتیاں جلاڈالی تھیں۔ جہاں آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے انتہائی شان وشوکت سے حکمرانی کی، جہاں کی جامع مسجد قرطبہ آج بھی مسلمانوں کی عظمت رفتہ پر آنسو بہارہی ہے، جہاں کی نہریں اور باغات، محل اور کوٹھیاں آج بھی اپنے معماروں کو یاد کرتی ہیں آپ جانتے ہیں وہاں کیسے اور کب زوال آیا!

وہاں اسی وقت زوال آیا جب مسلمانوں نے کلام اللہ کو پس پشت ڈال دیا تھا، اور وہ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تھے، وہ ایک دوسرے پر فتوے لگا رہے تھے اور اسلام کے بجائے اپنے خاندانوں اور قوموں پر فخر کرتے تھے، ایک مسلمان سردار دوسرے مسلمان سردار کو دیکھنا گوارہ نہیں کرتا تھا بلکہ ایک دوسرے کے خلاف عیسائیوں سے بھی مدد طلب کر لیتے تھے، مسلمانوں نے خود عیساؤں کے ہاتھوں سے خوشی خوشی مسلمانوں کو ذبح کرایا، جس کی وجہ سے عیسائیوں کے دل سے اسلام اور مسلمانوں کا وقار اور رعب ختم ہوگیا۔

اختلاف مسلم اور عیسائیوں کی سازش

عیسائیوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے جس قسم کے فروعی مسائل کھڑے کئے ان میں سے ایک مسئلہ سمجھانے کے لئے عرض کیا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ ایک منظم سازش کے تحت ایک بہت بڑا عیسائی رئیس ایک مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور

ان کی خدمت میں کچھ اشرفیاں ہدیہ کے طور پر پیش کیں اور اس کے بعد مولانا کی علمی اور دینی خدمات کی تعریف کی۔

اس کے بعد کہنے لگا کہ حضرت ایک اہم مسئلہ ہے جس کو آج تک کوئی عالم دین حل نہیں کر سکا، میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس مسئلے کا حل نکال سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ کیا تھا، اب ظاہر ہے کہ مولانا کے تجر علمی کی بے انتہا تعریف ہو چکی تھی، اشرفیوں کی تھیلی بھی مل چکی تھی۔

مولوی صاحب کیسے خاموش رہ سکتے تھے، انہوں نے اٹکل سے کہہ دیا کہ جناب اصحاب کہف کے کتے کا رنگ سفید تھا، عیسائی رئیس نے خوب داد دی کہ حضرت آپ نے تو ایسا مسئلہ حل کر دیا جو آج تک بڑے سے بڑا عالم دین بھی حل نہیں کر سکا تھا۔ پھر ان سے گذارش کی کہ حضرت بہت سارے مسلمان اس مسئلے سے ناواقف ہیں اور ناواقفیت ہی کی حالت میں وہ مر رہے ہیں ازراہ کرم اگلے جمعہ کو یہ مسئلہ ذرا کھول کر بیان فرما دیں۔ حضرت نے فوراً وعدہ کر لیا اور کہا کہ ہمارا کام ہی حق بات کو بیان کرنا ہے۔

اس کے بعد وہ ایک دوسرے مشہور عالم کی خدمت میں حاضر ہوا ان کو بھی ہدیہ پیش کیا اور ان کی وسعت علمی اور دینی خدمات کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے۔ پھر ان سے بھی مؤدبانہ دریافت کیا کہ حضرت! اصحاب کہف کے کتے کا رنگ کیا تھا، انہوں نے اٹکل سے کہہ دیا کہ اس کا رنگ کالا تھا۔ عیسائی رئیس نے ان سے بھی مؤدبانہ گذارش کی کہ جمعہ کے بیان میں اس اہم مسئلہ کی وضاحت فرما دیں تا کہ جاہلوں کے علم میں اضافہ ہو۔

مولوی صاحب نے اس کو تسلی دلائی کہ جناب آپ مطمئن رہیں، میں اپنے خطبات جمعہ میں اس مسئلہ کے ہر گوشے کو واضح کروں گا، چنانچہ اپنے اپنے خطبات جمعہ میں دونوں علمائے کرام نے اس فضول مسئلے کو اپنے من گھڑت دلائل سے خوب واضح کیا، نماز جمعہ سے فارغ ہو کر دونوں علماء صاحبان کے مقتدی جب ایک چوک میں اکٹھے ہوئے تو ایک گروہ نے کہا کہ ہمارے حضرت نے آج ایک ایسا مسئلہ حل کر دیا، جسے اتنی صدیاں گذرنے کے باوجود کوئی عالم حل نہیں کر سکا تھا، وہ یہ کہ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ کالا تھا۔

دوسرا گروہ کہنے لگا کہ نہیں اس کا رنگ تو سفید تھا، بات بڑھتے بڑھتے گالم گلوچ تک

جا پہنچی، پھر مناظرے ہونے لگے، دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر فتوے لگانے شروع کر دیئے کہ جو شخص اصحاب کہف کے کتے کو کالا کہے گا اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی ادھر سے جواب آیا کہ جو اس کتے کو گورا کہے گا اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔

بادشاہ کا اعتراف

ولی عہد ہشام بن عبدالملک عمائدین شام کے ہمراہ حج پر گیا۔ طواف کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے کئی بار آگے بڑھا۔ مگر ہجوم کی وجہ سے ہر بار ناکام رہا۔ آخر تھک کر قریب ہی ایک کرسی منگا کہ ہجوم کی دھینگا مشتی کا تماشہ دیکھنے لگا۔

اسی اثناء میں امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ طواف سے فارغ ہو کر حجر اسود کی طرف بڑھے ان کو دیکھتے ہی لوگ خود بخود ہٹ گئے اور آپ نے اطمینان سے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ شامی امراء اس واقعہ پر تلملائے اور ہشام سے پوچھا یہ کون ہے جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیبت ہے ہشام امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جانتا تھا مگر اپنی خفت مٹانے اور ان کی عظمت گھٹانے کے لئے کہا کہ میں انہیں نہیں جانتا۔ عوامی رہنماؤں کی عظمت و وقعت بادشاہوں تک کے لئے باعث رشک و حسرت ہوتی ہے۔

اختلاف کے باوجود سنتوں کی رعایت

جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کس قدر سخت مخالفت تھی کہ اصل جنگ ہی ان دونوں حضرات کی تھی لیکن جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زہر کے اثر کا غلبہ ہوا تو اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا اور اس کی اجازت منگائی کہ میں ان کے گھر میں اپنے نانا ﷺ کے قریب دفن ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اس ساری لڑائی کے بخوشی اس کو قبول فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ شاید میری زندگی میں میری شرم ولحاظ کی وجہ سے اجازت دے دی ہو، میرے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت لے لینا، اگر وہ بخوشی اجازت دیں تو وہاں دفن کر دینا ورنہ عام

قبرستان میں دفن کر دینا۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھائی کے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت چاہی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''نعم وکرامۃ'' ہاں ہاں بڑے اکرام کے ساتھ۔

امراء بنی امیہ نے اس وجہ سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخالفین نے وہاں دفن نہ ہونے دیا تھا مزاحمت کی اور کہا کہ:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن نہیں ہونے دیا، تو حسن بھی دفن نہیں ہو سکتے۔

لیکن اس کے باوجود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے امیر مدینہ سعید بن العاص کو بڑھایا اور فرمایا کہ یہی سنت ہے۔

کیا ہم بھی سنت کی رعایت میں اپنے دشمنوں کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں جہاں معمولی سے معمولی اختلافات پر مصلوں سے ہٹا دینا، امامت سے علیحدہ کر دینا روزمرہ کے معمولات ہیں، دو چار واقعے ہوں تو کوئی گنوائے جہاں ہزاروں لاکھوں واقعات اسی نوع کے ہوں تو کہاں تک گنوائے جائیں، یہ مسلمانوں کے ساتھ ان حضرات کے معاملات تھے۔

کبھی اپنے ماضی کو نہ بھولنا

ایاز نے اپنی پرانی پوستین اور پھٹے پرانے جوتوں کو ایک کوٹھڑی میں چھپا کر رکھا تھا۔ روزانہ ایک مقررہ وقت پر دوسروں کی آنکھ بچا کر، اس کوٹھڑی میں جاتا اور بوسیدہ پوستین اور پرانے جوتوں کو دیکھ کر کہا ''اے ایاز، قدر خود شناس'' (اے ایاز، اپنی قدر پہچان) بادشاہ کی خدمت میں آنے سے پہلے تیری یہ اوقات تھی کہ پیوند پر پیوند لگی یہ سڑی ہوئی پوستین پہنا کرتا اور یہ پھٹے پرانے جوتے گھسیٹتا پھرتا تھا۔ خبردار! شیطان کے بہکاوے میں مت آؤ اور کبر وغرور کے جال میں مت پھنسیو ورنہ تیرا براحشر ہوگا۔

غرض بلاناغہ اپنے آپ کو وعظ ونصیحت کیا کرتا تھا، لیکن حاسدوں کی دوربین نگاہ سے اس کا روزانہ اس کوٹھڑی میں جانا بھلا کب تک پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ انہوں نے سوچا، ضرور ایاز نے

اس کوٹھڑی میں مال و دولت چھپا رکھا ہے جس کی دیکھ بھال کے لئے یہ مقررہ وقت پر کوٹھڑی میں جاتا ہے اور زرو جواہر دیکھ دیکھ کر جی بہلاتا ہے۔

ایک دن ایاز کی غیبت میں، حاسدوں اور دشمنوں نے بادشاہ کے کان میں کہا ''حضور، غلام ایاز نے ایک کوٹھری بنائی ہے۔ اس میں بے انتہاء سونا چاندی جمع کیا ہے۔ شراب کا ایک گھڑا ابھی بھرا ہوا وہاں موجود ہے۔ اس کوٹھڑی میں کسی کو جانے نہیں دیتا۔ ہمیشہ دروازے پر قفل لگائے رکھتا ہے۔''

سلطان محمود نے یہ بات سن کر کہا ''ہمیں ایاز پر تعجب ہے کہ اس نے ایسا کام کیا۔ اس کی کوئی بات ہم سے چھپی نہیں۔ بہرحال ہم حکم دیتے ہیں کہ آدھی رات کو اس کوٹھڑی کا قفل توڑ کر زبردستی اندر گھس جاؤ۔ جتنا مال دولت اس نے ذخیرہ کیا ہے، سب لوٹ لو، اور بعد ازاں واپس آ کر ہمیں بتاؤ کہ اس کوٹھڑی میں سے کتنا زرو جواہر برآمد ہوا ہے۔ یہ تو بہت بری بات ہے کہ ہمارے کرم کی انتہا کے باوجود وہ بدفطرت اتنا مال چھپا کر رکھتا ہے۔''

بادشاہ نے ان بددیانتوں اور حاسدوں کا منہ بند کرنے کے لئے یہ اجازت دی تھی، ورنہ اسے ایاز کی دیانت داری اور پاک بازی پر پورا یقین تھا۔

بادشاہ کا حکم پاتے ہی تمام امیر بغلیں بجاتے ہوئے آدھی رات کو اس کوٹھڑی پر دھاوا بولنے گئے۔ جاتے ہی قفل توڑ ڈالا اور اندر گھسے۔

انہوں نے کوٹھڑی کا گوشہ گوشہ، چپہ چپہ چھان مارا، لیکن سوائے بوسیدہ پوستین اور پھٹے جوتوں کے کچھ دکھائی نہ دیا۔ آپس میں کہنے لگے، ایاز بہت چالاک اور مکار ہے۔ یہ سڑی ہوئی پوستین اور بدبودار جوتے تو محض دکھاوے کے لئے ہیں۔ ضرور اس نے زرو جواہر دفن کر رکھے ہوں گے۔ وہ کدالیں اور پھاوڑے لے کر تمام کوٹھڑی کی دیواریں توڑنے لگے کہ شاید وہ خزانہ اینٹوں کے اندر چھپا ہوا ہو۔ مگر ہر اینٹ میں سے لاحول کی آواز آنے لگی۔ آخر ندامت اور پشیمانی کا پسینا ان کی پیشانیوں سے بہہ بہہ کر چہرے پر آنے لگا۔ ان کی گمراہیوں اور بے ہودگیوں کا ثبوت وہ گڑھے اور ٹوٹی ہوئی دیواریں تھیں جنہیں ان حاسدوں نے حسد کی آگ میں اندھے ہو کر گرایا تھا۔

اس بے ہودہ کارروائی کے بعد انہیں یہ خوف دامن گیر ہوا کہ بادشاہ کو کیا جواب دیں

گے؟ وہ تو غضب ناک ہوگا کہ ناحق ایاز پر تہمت تراشی۔ آخر کار اپنی جان سے مایوس ہو کر سروں اور سینوں کو عورتوں کی طرح پیٹتے، روتے اور چہروں پر راہ کا گردوغبار ملتے، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حالت یہ تھی کہ اکثر کا منہ اپنے ہی طمانچوں اور دو ہتڑوں سے لال انگار ہو رہا تھا۔

بادشاہ نے نائب وزیر کی طرف دیکھ کر کہا ''سناؤ، کامیابی نصیب ہوئی؟ ایاز کی کوٹھڑی سے مال و متاع کا کتنا انبار برآمد ہوا؟ لیکن میں تعجب سے دیکھتا ہوں کہ تمہاری بغلیں زرو جواہر کی تھیلیوں سے خالی ہیں۔ اگر وہ بیش بہا دولت تم نے آپس میں بانٹ لی ہے تو خیر۔ مگر تمہاری صورتوں پر وحشت کیوں برس رہی ہے اور تمہارے رخساروں کا خون چرا کر لے گیا ہے؟''

بادشاہ کے ان کلمات کی تاب نہ لا کر سب کے سب حاسد اس کے قدموں میں گڑے اور زمین چاٹنے لگے۔ ان میں جرأت نہ تھی کہ بادشاہ کے روبرو کھڑے ہی ہو سکتے۔ ہر امیر کہہ رہا تھا کہ اے سلطان عالی قدر، اگر آپ ہمیں سولیوں پر لٹکائیں یا جلاد سے کہیں کہ وہ ہماری گردنیں اڑا دے، تب بھی وہ خون آپ پر حلال ہے۔ اگر آپ ہمیں معاف فرمادیں تو یہ بھی آپ کا اکرام اور احسان ہوگا۔

سلطان نے ارشاد فرمایا ''میں نہ تمہیں چھوڑوں گا نہ سزا دوں گا۔ یہ معاملہ ایاز کی صوابدید پر ہے۔ کیونکہ اس کی آبرو سے تم نے کھیلنے کی کوشش کی ہے اور گہرے گھاؤ اسی نیک نہاد کی روح پر لگے ہیں۔''

یہ کہہ کر سلطان محمود نے ایاز کو طلب کر کے فرمایا ''اے ایاز، یہ مجرم تیرے ہیں اور تجھے پورا اختیار ہے کہ انہیں جو سزا چاہے، دے۔ اس کی توثیق ہماری جانب سے ہوگی۔''

ایاز نے اپنے آقا کے قدم چوم کر عرض کیا ''اے بادشاہ، اختیار تو تجھی کو حاصل ہے۔ جب آفتاب جہاں تاب رخ روشن رکھتا ہے، تب ستارے نابود ہو جاتے ہیں۔ زہرہ، عطارد یا زحل کی کیا مجال کے آفتاب کے سامنے اپنا وجود ثابت کریں۔''

سلطان نے یہ بات سن کر کہا ''اے ایاز، ہمیں پتا چلا کہ تو نے اپنی کوٹھڑی میں ایک بوسیدہ پوستین اور پرانے جوتے بڑی حفاظت سے رکھ رکھے ہیں، اور تو روز ان چیزوں کے دیدار کے لئے کوٹھڑی میں آتا ہے۔ اس بھید سے ہمیں بھی آگاہ کر۔ تجھے اس پوستین اور ان

جوتوں سے عشق ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو کیا یہ شرک میں داخل نہیں؟ ان دو بے کار اور فرسودہ چیزوں سے جان کے برابر عشق قائم کر کے تو نے انہیں اس کوٹھڑی میں چھپا رکھا ہے۔ یہ بتا کہ کیا وہ پوستین ہے یا حضرت یوسف علیہ السلام کا پیرا ہن؟ اور وہ جوتے کس عظیم ہستی کے ہیں جنہیں تو چھاتی سے لگاتا اور چومتا چاٹتا ہے؟"

ایاز نے آنکھوں میں آنسو لا کر کہا "اے آقا، کیا عرض کروں، اور کیا نہ کروں۔ اتنا جانتا ہوں کہ سب کچھ تیری بخشش اور عطا ہے۔ ورنہ میری حقیقت تو وہی سڑی ہوئی پوستین اور پھٹے ہوئے جوتے ہیں۔ میں ان کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ اپنی اصل ذات کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہوں۔"

مسلمانوں کی پریشانی دور کرنے کے لئے

قیمتی انگوٹھی بیچ دی

حضرت سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی انگشتری میں ایک ایسا نگینہ جڑا ہوا تھا جس کی صحیح قیمت کا اندازہ جوہری بھی نہ کر سکتے تھے۔ وہ گویا دریائے نور تھا جو رات کو دن میں بدل دیتا تھا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ ایک سال سخت قحط پڑ گیا۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ حضرت کو ان حالات کا علم ہوا تو لوگوں کی امداد کے لئے اپنی انگشتری کا وہ قیمتی نگینہ بھی فروخت کر دیا اور جو قیمت ملی اس سے اناج خرید کر تقسیم کروا دیا۔

جب اس بات کا علم آپ کے بہی خواہوں کو ہوا تو ان میں سے ایک نے آپ سے کہا، یہ آپ نے کیا کیا؟ ایسا بیش بہا نگینہ بیچ ڈالا؟

حضرت نے یہ بات سن کر فرمایا کہ وہ نگینہ مجھے بھی پسند تھا، لیکن میں یہ بات گوارا نہ کر سکتا تھا کہ لوگ بھوک سے تڑپ رہے ہوں اور میں قیمتی انگوٹھی پہنے بیٹھا ہوا ہوں۔ کسی بھی حکمران کے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو تکلیف میں مبتلا دیکھے اور اپنے آرام اور زیب و زینت کے سامان کو عزیز رکھے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

جھوٹی حدیث بنانے پر خلیفہ مہدی کی ناراضگی

خلیفہ مہدی کے پاس ایک مرتبہ دس عالم آئے انہیں میں فرح بن فضالہ اور غیاث ابن ابراہیم بھی تھے غیاث کو معلوم تھا کہ مہدی کو کبوتر بازی کا شوق ہے مہدی نے غیاث سے کہا۔ کوئی حدیث بیان کیجئے۔غیاث نے کہا۔فلاں شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سبقت گھوڑوں میں مناسب ہے یا تیر اندازی میں یا پرندوں کے رکھنے میں۔مہدی کو اس جھوٹے اور خوشامدی محدث پر غصہ آیا لیکن باوجود غصہ کے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا اور غیاث سے کہا۔

''باطن تمہارا جیسا کچھ ہو اس کا علم نہیں لیکن تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم سخت دروغ گو اور دھوکہ دینے والے اور مصنوعی حدیثیں بنانے والے ہو۔''

ان کے جانے کے بعد حکم دیا کہ چونکہ اس شخص نے ایک جھوٹی حدیث بیان کر کے مجھے لہو ولعب کی طرف اور زیادہ مائل کرنا چاہا ہے اس لئے کبوتر خانہ منہدم کر دیا جائے۔ملازمین موقوف اور تمام کبوتر ذبح کر دیئے جائیں۔

ایک وہ تھے۔ایک ایسے بھی ہیں جو اپنے عیبوں اور گناہوں اور ظلموں اور اپنی سیاہ کاریوں کو چھپانے کے لئے خود غرض مفتیوں اور مولویوں سے اپنے حسب منشا فتوے لکھاتے ہیں اور اپنے ساتھ ان کے ایمانوں کا بھی صفایا کر رہے ہیں۔

فتح دمشق اور بشارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دمشق اور اردن کی فتح کے بعد شام کے اہم ترین شہر قنسرین کا محاصرہ کیا۔اہل مفسرین اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے کافی دیر سے تیاری کر رہے تھے۔

چنانچہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔جب محاصرے نے طعل کھینچا تو ایک دن حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنفس نفیس شہر پناہ کے دروازے کے پاس پہنچے۔اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا کر آواز دی۔فصیل کے برج سے محافظوں نے دیکھا،تو آنے کا سبب پوچھا۔حضرت خالد رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے حاکم یا اس کے نمائندے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ حاکم کا نمائندہ فصیل پر چڑھا تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا:

تمہاری یہ حرکت بالکل فضول اور بے فائدہ ہے کہ محصور ہو کر قلعہ میں بیٹھ گئے ہو، واللہ! ہمارے پیش نظر نہ مال غنیمت حاصل کرنا ہے، نہ ملک فتح کرنا، ہم تو محض خدا کے نام کی سربلندی کے لئے یہاں آئے ہیں، ہم سے ہمارے پیغمبر کا وعدہ ہے ہم یہ ملک فتح کر کے رہیں گے۔

خدا کی قسم! اگر تم بادلوں میں بھی جا چھپو تو ہم تمہیں وہاں سے بھی نیچے اتار لائیں گے۔ زود یا بدیر تمہیں بخوشی یا بزور ہماری اطاعت قبول کرنا ہی ہوگی۔

حاکم قنسرین کو جب یہ پیغام پہنچایا گیا تو وہ کانپ اٹھا اور فوراً مشورہ کرنے کے لئے دربار آراستہ کیا۔ ایک بوڑھے پادری نے رائے دی کہ شہر کا دروازہ کھول دیا جائے اور مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ مسلمانوں کے سپہ سالار نے جو کچھ کہا ہے یہ اس کا اپنا قول نہیں "مجھے اس میں اقوال نبوت کی بو آتی ہے۔" چنانچہ اسی رائے پر عمل ہوا اور قنسرین پر بآسانی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

امام اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حق گوئی

امام سلیمان بن مہران رحمہ اللہ (م ۱۴۸ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے آپ کی آنکھوں میں چونکہ چندھیا پن تھا اس لئے اعمش مشہور ہو گئے تھے۔

آپ کی عبادت و ریاضت کا یہ حال تھا کہ امام وکیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "تقریباً ستر برس آپ نے جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھی ہے کہ ایک بار بھی آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔"

امام وکیع یہ بھی فرماتے ہیں کہ: میں ساٹھ برس تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے اس عرصہ میں کبھی ایک رکعت بھی قضا کی ہو۔"

عیسیٰ ابن یونس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ: "ہم نے اور ہم سے پہلوں نے اعمش جیسا انسان نہیں دیکھا۔"

ابن یونس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں: میں نے نہیں دیکھا کہ امام اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مالداروں اور بادشاہوں سے بڑھ کر کوئی شخص حقیر و ذلیل ہو حالانکہ آپ تنگ دست و حاجت مند تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے آپ کے پاس اپنا ایک معتمد اس غرض سے بھیجا کہ آپ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوبیاں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برائیاں لکھوالائے، جب ایلچی نے خلیفہ کا شقہ دیا تو آپ نے اس کو پڑھ کر ایک بکری کے منہ میں دے دیا بکری اس کو چبا چکی تو معتمد خلافت سے فرمایا: اپنے آقا سے کہہ دینا اس کے پروانہ کا یہی جواب ہے۔

قاصد نے کہا کہ اگر میں آپ سے تحریری جواب نہ لے گیا تو خلیفہ مجھے قتل کروادے گا، قاصد نے آپ کی منت ساجعت کی کہ جو کچھ جواب ہو لکھ دیجئے۔ ہم نشین حضرات نے بھی اصرار کیا۔ آپ نے قاصد کی منت ساجت اور ہمنشین حضرات کے اصرار پر یہ لکھ دیا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اما بعد یاامیر المؤمنین فلو کانت لعثمان رضی اللّٰہ عنہ مناقب اھل الارض مانفعتک ولو کانت لعلی رضی اللّٰہ عنہ مساوی اھل الارض ماضرتک فعلیک بخویصۃ نفسک و السلام.

"اے امیر المومنین اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سارے جہان کی خوبیاں ہوں تو تمہیں ان سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سارے جہان کی برائیاں ہوں تو تمہارا کوئی نقصان نہیں لہذا تم انہیں چھوڑو اپنی خبر لو۔ والسلام۔"

حضرت یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلمہ حق

حضرت یزید بن ابی حبیب مصری رحمہ اللہ (م ۱۲۸ھ) جلیل القدر تابعی ہونے کے ساتھ ساتھ اہل مصر کے مفتی بھی تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مصر میں تین مفتی مقرر کئے تھے جن میں سے ایک یزید ابی حبیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''یزید بن ابی حبیب مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو مصر کا حاکم حوثرہ بن سہل ان کی عیادت کو آیا، باتوں باتوں میں اس نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اے ابورجاء (آپ کی کنیت ہے) کپڑے میں مچھر یا کھٹمل کا خون لگا ہو تو اس سے نماز ہوگی یا نہیں؟ آپ نے یہ سن کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا، جب وہ اٹھ کر جانے لگا تو اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ روزانہ کتنی ہی مخلوق خدا کا خون بہاتے ہو تو کچھ نہیں اور کھٹمل یا مچھر کے خون کا مسئلہ دریافت کرنے آئے ہو۔''

ایک دفعہ زبان بن عبدالعزیز (مصر کے گورنر کے لڑکے) نے حضرت یزید بن ابی حبیب کے پاس پیادہ بھیج کر کہلایا کہ مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، ذرا دیر کے لئے تشریف لے آیئے، آپ نے کہلا بھیجا کہ تم خود آ کر پوچھ جاؤ تمہارا میرے پاس آنا تمہارے حق میں خوبی و زیبائش ہے اور میرا آنا تمہارے لئے عیب و بدنمائی ہے۔

بادشاہ کو گناہ سے بچانے کے لئے اللہ کا نظام قدرت

سلطان غیاث الدین شاہ دہلی کو لڑکے کی بڑی تمنا تھی لیکن قدرت الٰہی کہ جب بھی اس کے حرم میں ولادت ہوتی لڑکی ہوتی۔ سلطان نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر لڑکی پیدا ہوگی تو جان سے ماردوں گا۔ چنانچہ وہ کئی لڑکیاں ضائع کر چکا تھا۔ اتفاقاً پھر ایک حرم کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو حرم نے ممتا سے مجبور ہو کر لڑکی کو ایک مٹکے میں بند کر کے دریا کے کنارے جنگل میں رکھوا دیا اور بادشاہ سے کوئی بہانہ کر دیا۔ ایک دھوبی جنگل میں آیا تو اس کی مٹکے پر نظر پڑی اور وہ اس لڑکی کو گھر لے گیا اور اپنی بیٹی بنا کر پال لیا۔

جب یہ لڑکی بارہ برس کی ہوئی تو سلطان نے شکار کھیلتے ہوئے اس کو دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہوگیا۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا، لیکن بادشاہ جب بھی اس سے ہم بستری کی خواہش کرتا، لڑکی کے خون جاری ہو جاتا۔ بادشاہ نے حکیموں اور نجومیوں سے ہر چند اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر بادشاہ سب طرف سے مایوس ہو کر حضرت قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مقصد بیان کیا۔

حضرت نے فرمایا دو تین دن بعد آنا۔ اس وقت جواب دوں گا۔ بادشاہ کے جانے کے بعد مراقبہ کیا تو اصل حقیقت حضرت پر منکشف ہوگئی۔ جب بادشاہ دوبارہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، غیاث الدین تیرے معاملے میں عجیب انکشاف ہوا ہے۔ وہ لڑکی جس سے تو ہم بستری چاہتا ہے، تیری بیوی نہیں ہے بلکہ بیٹی ہے۔ اس کو محض اس کے لئے خون آجاتا ہے کہ اللہ تجھے اس گناہ کبیرہ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ جا اور اپنی فلاں حرم سے اس بات کی تحقیق کرلے۔

بادشاہ نے واقعہ کی تحقیق کی تو بالکل درست نکلا۔ بادشاہ خوف الٰہی سے کانپ گیا۔ توبہ واستغفار کی۔ پھر حضرت نے بادشاہ کے حق میں دعا کی اور خدا نے اس کو چار بیٹے عنایت کئے۔

جیسے لوہے کو زنگ لگتا ہے

اسی طرح انسان کو بھی زنگ لگ جاتا ہے

۹۷ھ میں خلفاء بنوامیہ کا نامور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک حج بیت اللہ کے لئے دمشق (ملک شام) سے روانہ ہوا، ہمراہ شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ اہل علم وفضل کی ایک بڑی جماعت بھی تھی جنہوں نے ندائے ابراہیمی کی تعمیل میں حج بیت اللہ کا ارادہ کرلیا تھا اس عظیم قافلے کی پہلی منزل مدینہ منورہ تھی جہاں سلام بحضور خیر الانام کی سعادت حاصل کرنی تھی۔

خلیفہ وعلماء وفقہاء ومحدثین نے روضہ اقدس پر حاضر ہوکر ادب واحترام سے سلام عرض کیا اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

زیارت پاک سے فارغ ہوکر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اہل شہر کو ملاقات کا موقعہ دیا، اہل شہر جوق درجوق ملاقات کرنے آئے لیکن مدینہ منورہ کے قاضی وامام شیخ سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ملاقات کرنے والوں میں شامل نہ تھے۔

ملاقات اور ضروری امور سے فراغت کے بعد خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ شہر پاک میں چند یوم قیام کرنا چاہئے تاکہ یہاں کے فضائل وبرکات حاصل کئے جاسکیں۔

خلیفہ کی تجویز پر سب نے اتفاق کیا، اس طرح حجاج بیت اللہ کا یہ تاریخی قافلہ چند دنوں

کے لئے مدینہ منورہ میں مقیم ہو گیا۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے ساتھیوں میں یہ بھی تجویز رکھی کہ جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے اسی طرح انسانی قلوب کو بھی زنگ لگ جاتا ہے ہمارے قلوب کی صفائی کے لئے نیک صحبت ضروری ہے، قلوب کا یہ زنگ آخرت سے غفلت اور ذکر اللہ سے بے لطفی کی علامت ہے۔ کیا مدینہ منورہ میں ایسی کوئی شخصیت ہے جس کی تعلیم وصحبت سے ہم استفادہ کریں؟

لوگوں نے کہا، امیر المومنین مدینہ منورہ میں سب سے بڑے عالم شیخ سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت پائی ہے اس وقت ان کی حیثیت امام ومقتدا کی ہے، اقطاع عالم سے علماء ومحدثین ان کی خدمت میں آیا کرتے ہیں۔ کثرت ہجوم کی وجہ سے وہ کہیں ملاقات وگیرہ کے لئے باہر نہیں جاتے مسجد نبوی شریف ان کی مستقل قیام گاہ ہے، امیر المومنین کی یاد فرمائی پر ممکن ہے وہ تشریف لائیں؟

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنی قاصد کو روانہ کیا، اس نے نہایت ادب واحترام سے خلیفہ کا پیام پہنچایا اور زحمت فرمائی کی دعوت دی۔

شیخ سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قاصد کے ہمراہ روانہ ہوئے، خلیفہ نے اپنے محل میں شیخ کا نہایت عزت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور ناز ومحبت میں اس طرح شکایت کی۔

ما هذا الجناء یا اباحازم.

جناب ایسی بے رخی کیوں؟

شیخ سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعجب سے فرمایا، کیسا ظلم کیسی بے رخی؟

سلیمان بن عبدالملک نے کہا یہاں میری آمد پر اہل شہر ملاقات کے لئے آئے لیکن جناب نے زحمت نہ فرمائی؟

شیخ نے فرمایا، امیر المومنین بے رخی تو اس وقت سمجھی جائے گی جب آپ کی تشریف آوری کا مجھ کو علم ہوتا اور پھر ملاقات نہ کرتا، آپ کی تشریف آوری کا آج ہی علم ہوا جب کہ آپ نے خود یاد کیا۔ میں آپ کی یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں۔

خلیفہ نے شرمندہ ہوکر اپنے ارکان دولت سے کہا، شیخ کا اعتذار صحیح ہے حقیقت یہی ہے کہ میں نے الزام دینے میں عجلت کی، براہ کرم معاف فرمادیں۔

شیخ نے خلیفہ کی معذرت قبول کی۔

پھر خلیفہ نے کہا، جناب سے چند امور دریافت کرنے ہیں اجازت ہوتو عرض کروں؟ شیخ نے فرمایا،ضرور!ضرور!

خلیفہ نے کہا: یہ کیا بات ہے کہ ہم موت کو پسند نہیں کرتے؟

شیخ نے فرمایا: یہ اس لئے کہ ہم نے اپنی دنیا آباد کرلی ہے اور آخرت کو ویران بنادیا ہے، لہذا آبادی سے ویرانی کی طرف جانا پسند نہیں ہوتا۔

خلیفہ ے کہا: بے شک یہی بات ہے، پھر کہنے لگا جناب ہم کس طرح جانیں کہ آخرت میں ہمارا کتنا ذخیرہ موجود ہوگا؟

شیخ نے فرمایا: اپنی زندگی کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش کرو تمہیں معلوم ہوجائے گا۔

خلیفہ نے کہا: کس آیت میں اس کا ذکر ہے؟

شیخ نے فرمایا:

ان الا برار لفی نعیمO و ان الفجار لفی جحیمO

(سورہ انفطار آیت نمبر ۱۳و۱۴)

”نیکی کرنے والے نعمتوں والی جنت میں ہوں گے اور گناہ کرنے والے دہکتی آگ میں۔“

خلیفہ نے کہا: اگر ایسا ہی ہے تو اللہ کی رحمت کہاں رہی؟

شیخ نے فرمایا:

ان رحمت اللہ قریب من المحسنین

(سورۃ اعراف آیت نمبر ۵۶)

”اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔“

خلیفہ نے کہا: قیامت کے دن اللہ کے حضور کیسے حاضری ہوگی؟

شیخ نے فرمایا: نیک لوگ تو اس طرح آئیں گے جیسے طویل سفر کے بعد آدمی خوشی

خوشی اپنے گھر آتا ہے۔اور گنہگار اس طرح جیسا بھگوڑا غلام اپنے آقا کے پاس زبردستی لایا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر خلیفہ رو پڑا اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور آواز بلند ہوگئی۔

خلیفہ نے کہا: جناب پھر ہماری اصلاح کی کیا صورت ہے؟

شیخ نے فرمایا: اپنی شان وعزت کو ترک کردو اور اچھے اخلاق وتواضع سے اپنے آپ کو زینت دو۔

خلیفہ نے کہا: یہ مال ودولت جو ہمارے یہاں ہے اس میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

شیخ نے فرمایا: جب تم حق کے مطابق اس کو حاصل کرو اور اس کو اس کے محل میں خرچ کرو اور اس کی تقسیم میں انصاف سے کام لو، انشاءاللہ تعالیٰ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

خلیفہ نے کہا: جناب یہ بتایئے کہ سب سے بہتر انسان کون ہے؟

شیخ نے فرمایا: وہ جو تقویٰ اور پاس داری کا لحاظ کرنے والا ہو۔

خلیفہ نے کہا: سب سے بہتر کون سی بات ہے؟

شیخ نے فرمایا: جس شخص سے خوف واندیشہ ہو اس کو حق بات سنانا

خلیفہ نے کہا: وہ کون سی دعا ہے جو جلد قبول ہوجاتی ہے؟

شیخ نے فرمایا: نیک آدمی کی دعا نیک لوگوں کے لئے۔

خلیفہ نے کہا: بہترین صدقہ کیا ہے؟

شیخ نے فرمایا: غریب کا وہ صدقہ جو مصیبت زدہ فقیر کو ملے۔

خلیفہ نے کہا: عقلمند انسان کون ہے؟

شیخ نے فرمایا: وہ شخص جس نے عبادت الٰہی پر قدرت پائی اور اس پر عمل کیا پھر دوسروں کو اس کی رہنمائی کی۔

خلیفہ نے کہا: اور بے وقوف کون ہے؟

شیخ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے گنہگار دوست کی ناجائز خواہش پوری کرتا ہو گویا اس نے اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے لئے فروخت کردیا۔

خلیفہ نے کہا: جناب کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں تا کہ ہم آپ سے استفادہ کریں اور آپ بھی ہم سے نفع پائیں؟

شیخ نے فرمایا: امیر المومنین اللہ کی پناہ! ایسی کوئی تمنا نہیں ہے۔

خلیفہ نے کہا: ایسا کیوں؟

شیخ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں آپ کی دولت وریاست کی طرف مائل ہو جاؤں پھر مجھ کو اللہ حیات وموت کا دہرا مزا چکھائے۔

خلیفہ نے کہا: اگر ایسا ممکن نہیں تو پھر آپ اپنی شخصی ضروریات کا اظہار فرمائیں؟

شیخ نے اس پر سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

خلیفہ نے اپنی گزارش پھر دہرائی، جناب آپ بے تکلف اپنی حاجت ظاہر فرمائیں خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو؟

شیخ نے فرمایا: سنو! میری اول وآخر یہی حاجت ہے کہ آپ مجھے اندیشہ نار جہنم سے بچادیں اور جنت میں داخلہ دلوادیں؟

خلیفہ نے کہا: یہ اختیار تو میرے بس کا نہیں ہے۔

شیخ نے فرمایا: تو پھر آپ سے اور کوئی حاجت نہیں ہے۔

خلیفہ نے کہا: میرے لئے دعا خیر فرمادیں؟

شیخ نے فرمایا: اے اللہ آپ کا بندہ سلیمان بن عبدالملک آپ کے مقبول بندوں میں شامل ہے تو اس کو دنیا وآخرت کی بھرپور سعادت نصیب فرما اور اگر اس کا شمار آپ کے مردود بندوں میں ہے تو اس کی اصلاح فرما اور اس کو اپنی مرضیات کی توفیق دے۔

حاضرین میں ایک شخص بول پڑا، اے شیخ امیر المومنین کی شان میں آپ کی جرأت بہت بے باک ہوگئی ہے۔ نصیحت ووصیت میں امیر المومنین کا پاس وادب ملحوظ نہ رکھا۔ آپ نے امیر المومنین کو دشمنان خدا کی فہرست میں شمار کیا اور ان کی اصلاح کی دعا کی۔

شیخ نے فرمایا: برادر زادے آپ نے انصاف سے کام نہ لیا اللہ تعالیٰ نے خود علماء امت سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ہر جگہ کلمہ حق ظاہر کردیا کریں۔

لتبیننه' للناس و لاتکتمونه'(سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۸۷)

پھر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

امیر المومنین گذشتہ امتوں میں جو لوگ تھے وہ اسی صورت میں خیر و عافیت میں رہے ہیں جب کہ ان کے امیر لوگ علماء کرام کے یہاں دین حاصل کرنے ذوق وشوق سے آیا کرتے تھے پھر کچھ عرصہ بعد کم ظرف و برے لوگ علم دین حاصل کرنے لگے اور انہوں نے اہل دنیا سے دنیا طلبی کی اور اس کے لئے ان کی خدمت میں اپنی آمد و رفت جاری رکھی تو امیر لوگ علماء سے بے نیاز ہو گئے جس کے نتیجے میں خوب ذلیل و خوار ہوئے اور اللہ کی نظر و کرم سے محروم بھی، اگر یہ علماء اہل دنیا کی دولت و حشمت سے بے نیاز رہتے تو امت کے یہ امراُ ان کے علم و عمل کے محتاج ہوتے اور ان کی خدمت میں اپنی حاضری کو سعادت مندی سمجھتے، لیکن ایسا نہ ہوا علماء نے امراء کی رضا و خوشنودی چاہی خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اس طرح دنیا میں اہل علم کی قدردانی جاتی رہی اور لوگ آخرت سے غافل ہو گئے۔ خلیفہ نے کہا بے شک شیخ نے سچی بات کہی۔ فجزاکم اللہ خیر الجزاء۔

خلیفہ نے کہا: براہ کرم اپنی نصیحت میں اور اضافہ کیجئے، اللہ کی قسم علم و حکمت کی یہ باتیں میں نے کسی سے نہ سنی ہیں۔

شیخ نے فرمایا: اگر آپ میں قبول حق کی صلاحیت موجود ہے تو یہ مختصر باتیں ہدایت و نصیحت کے لئے کافی ہیں، اور اگر ایسا نہیں تو پھر میں اپنا تیر بے نشانہ کیوں چلاؤں؟

خلیفہ نے کہا: اللہ کی قسم میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ آپ کی ہر نصیحت قبول کر لوں۔

شیخ نے فرمایا: تو پھر ٹھیک ہے سنو! اپنی آخری نصیحت عرض کرتا ہوں۔

اللہ کی عظمت و جلال کا ہر وقت استحضار رکھو اور اس بات سے دور رہو کہ وہ تم کو ایسے عمل میں دیکھے جس کو وہ پسند نہیں کرتا ہے، اور اس بات سے بھی بچو کہ وہ تم کو بے عمل دیکھے۔ اس نصیحت کے بعد شیخ سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سلام کیا اور رخصت ہو گئے۔

ابھی شیخ گھر بھی نہ پہنچے تھے کہ امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک کے خادم کو اپنے دروازے پر کھڑا پایا، خادم نے اشرفیوں سے بھری تھیلی پیش کی اور کہا امیر المومنین نے آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ پیش کیا ہے اور قبول کر لینے کی گزارش کی ہے اور آئندہ بھی قبول کرنے کی توقع ظاہر کی ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امیر المومنین کا قیمتی ہدیہ واپس کر دیا اور لکھا:

امیر المومنین میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ آپ کے سوالات فضول ہوں اور میرا جواب باطل ہو جائے۔ امیر المومنین جب میں آپ کے لئے یہ بات پسند نہیں کرتا تو اپنے لئے کیوں پسند کروں؟ امیر المومنین آپ کے مرسلہ دینار اگر مسلمانوں کے بیت المال سے میرا حق تھا تو کیا دوسرے مسلمانوں کو بھی اتنا حصہ دیا جاتا ہے؟ مسلمانوں کے بیت المال میں سب کا حصہ برابر برابر ہونا چاہئے۔ والسلام علیکم۔

خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے موقعہ کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے مزید اصرار نہیں کیا اور ہدیہ واپس لے لیا۔

حضرت سعید بن مسیّب کی بیباکی

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ ایک نہایت جلیل القدر تابعی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد ہیں آپ نے چالیس حج کئے پورے پچاس برس عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی اور اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی آپ کی طبیعت میں بے نیازی تھی اس لئے کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے عطیہ کو قبول کرنا گوارا نہیں کیا۔

''ایک دفعہ تیس ہزار درہم کی (بنو امیہ کی طرف سے) آپ کو پیش کش کی گئی تو فرمایا: نہ مجھ کو بنو امیہ کی پروا ہے نہ ان کے مال و دولت کی، میں خدا کے سامنے جاؤں گا وہ میرا اور ان کا فیصلہ کرے گا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''ابن سائب کا کہنا ہے کہ ایک دن میں اور سعید بن مسیب دونوں بازار میں بیٹھے تھے کہ بنو مروان کا قاصد وہاں سے گزرا ابن المسیب نے اس سے پوچھا کہ تم بنو مروان کے قاصد ہو؟

اس نے کہا جی ہاں۔

آپ نے پوچھا تم نے ان کو کس حال میں چھوڑا؟

قاصد: بخیر و عافیت۔

ابن المسیب، نہیں بلکہ تم نے ان کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ آدمیوں کو بھوکا مارتے

ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔

قاصد یہ سن کر بگڑ گیا اور آنکھیں نکال کر ان کی طرف دیکھنے لگا، ابن سائب کہتے ہیں کہ میں دہشت زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا کہ دیکھے اب کیا ہو، کچھ دیر بعد قاصد چلا گیا، جب وہ چلا گیا تو میں نے کہا: ابن المسیب خدا تم کو معاف کرے تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟

آپ نے فرمایا: اے بیوقوف چپ رہ خدا کی قسم جب تک میں اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں لگا ہوا ہوں اللہ مجھے دشمنوں کے قبضے میں نہ دے گا۔"

طارق ابن زیاد کا وعظ

۷۱۰ عیسوی میں شمالی افریقہ کی فتوحات سے فارغ ہو کر موسیٰ ابن نصیر نے طنجہ کے گورنر طارق بن زیاد کو ان کی خداداد فوجی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے پیش نظر اسپین پر حملہ کرنے کے لئے منتخب کیا۔

طارق ابن زیاد نے سات ہزار فوج کو چار بڑی کشتیوں میں سوار کر کے آبنائے طارق کو عبور کیا۔ آپ نے ساحل پر اترتے ہی پہلا حکم یہ دیا کہ ان تمام کشتیوں کو جلا دیا جائے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور کشتیوں کا یہ مختصر سا بیڑا جلا کر راکھ کر دیا گیا۔

طارق ابن زیاد کے اس عاجلانہ اقدام نے بعض فوجی مدبروں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ انہوں نے طارق سے پوچھا۔

"آپ نے یہ کیا کیا۔ اگر خدانخواستہ ہمیں سکست کا سامنا ہوا۔ تو ہم اپنے وطن کو کیسے واپس لوٹ سکیں گے۔"

طارق نے جواب دیا:

"ہم یہاں اس لئے نہیں آئے کہ بھاگ کر وطن کر لوٹ جائیں۔ ہمارے آنے کے صرف دو مقصد ہیں۔ اول سپین کی فتح تاکہ خدا کی زمین عدل وانصاف سے بھر جائے اور ظلم وفساد کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ دوسرا مقصد یہ کہ اگر ہم کو کفار کے ہاتھ سے شکست ہو جائے۔ تو ہم درجہ شہادت حاصل کریں اور اسی سرزمین پر اپنے خون

کے قطرے ٹپکا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ یاد رکھو۔ ہمارا
وطن اب یہی سرزمین ہے۔ یا تو اس کی خاطر مریں گے یا اس کو فتح کر
کے دم لیں گے۔"

اس تقریر نے تذبذب کی حالت استقامت میں بدل دی۔ فور کے حوصلے زیادہ مضبوط ہوگئے اور کامیابی وکامرانی کے ساتھ آگے بڑھ چلی گئی۔ غور کیجئے! کہ اس مجاہد کا مقصد اپنی حکومت وامارت قائم کیا نہیں تھا۔ بلکہ اپنے خالق و مالک کے نام کو بلند کر کے اس کے دین کو پھیلا اور ظلم کو مٹانا تھا۔ جس نے اس کے نام اور اس کے دین کی سربلندی کو مقام حیات ٹھہرایا۔ اس نے اپنے پرستارو پروانہ کے نام کو بھی دنیا مٹنے نہیں دیا۔ بلکہ آ بنائے طارق جبل الطارق اور طاریقا بزبان اس کی عظمت وشوکت کا نقارہ بجا رہے ہیں۔

۴۰ ہزار درہم کا زیتون بہا دیا

محمد بن سیرین عراق کے باشندے تھے۔ عین التمر میں دکان کرتے تھے۔ وہ عین التمر کے معرکہ میں گرفتار ہو کر بحیثیت غلام کسی مجاہد کی حصہ میں آئے۔ اور آخیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی میں رہ کر پیکر علم وعمل بن گئے۔ جنہوں نے بعد میں انہیں آزاد کر دیا۔ آپ کا محبوب مشغلہ تجارت تھا۔ جس میں ہر ممکن احتیاط برتتے تھے۔ خواہ اس کی وجہ سے تکلیف یا نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

ایک مرتبہ آپ نے چالیس ہزار کا غلہ خریدا۔ سودا طے ہو جانے کے بعد کچھ ایسی باتیں اس سلسلہ میں ان کے علم میں آئیں جو ان کے نزدیک مکروہ تھیں۔ اس لئے انہوں نے مکروہ حالات میں خریدا ہوا غلہ لوگوں کے پاس فروخت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بیع مکمل ہو چکی تھی۔ غلہ واپس نہ ہو سکا۔ اس لئے آپ نے یہ غلہ خیرات کر دیا۔

ابن سعد کی مذکورہ بالا روایت کے خلاف تہذیب الاسماء میں یہ واقعہ یوں درج ہے کہ آپ نے چالیس ہزار کا روغن زیتون خریدا تھا۔ اس کے ڈرموں میں چوہا نکل آیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ کولہو میں پڑ گیا تھا۔ اور وہاں سے ڈرموں میں پہنچا۔ اس لئے آپ نے یہ سالم تیل پھینکوا دیا اور اسے بیچنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن اتنی کثیر رقم ادا نہ کر سکے۔ اس لئے اس کی عدم

ادائیگی میں قید با مشقت اٹھائی۔

بہر حال اپنے ذاتی مفاد کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کے پاس مکروہ سودا کی گندم یا چوہے سے خراب شدہ تیل بیچنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اس خسارہ کے عوض خود قید بھگتی۔ مگر آج کتنے تاجر ایسے ہیں جو اس طرح ہزاروں کا نقصان برداشت کر کے لوگوں کو مکروہ یا حرام مال کھلانے سے رکتے ہوں؟

اس کے برعکس موقعہ ملنے پر حرام مال کو حلال اور ناجائز کو جائز بتلا کر بیچنے سے بھی بعض دریغ نہیں کرتے۔

۳۰ ہزار مجاہدین اور ۳ لاکھ کفار کا مقابلہ

ایران میں حضرت سعدؓ اور یزدجرد کا جس وقت میدان جنگ میں آمنا سامنا ہوا۔ اس وقت تیس ہزار مجاہدین دشمن کی تین لاکھ فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے بیتاب کھڑے تھے۔ دشمن کے پاس بہترین سامان حرب موجود تھا۔ مسلمانوں کے پاس چرخے کے تکلے برابر صرف نیزے تھے۔ ایرانی سپاہیوں کے نیچے بڑے بڑے قد آور گھوڑے زرق برق ہتھیاروں سے لیس تھی۔ عرب گدھوں کے برابر گھوڑوں کی ننگی پیٹھوں پر سوار تھے۔

جنگ شروع ہونے سے قبل رستم و سعد کی درمیان نامہ و پیام شروع ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی کے فرائض ادا کرنے کے لئے ربعی کو بطور قاصد رستم کے دربار میں بھیجا گیا۔ اس وقت رستم کے دربار کے جاہ وجلال کی یہ حالت تھی۔

رستم سونے کے تخت پر جلوہ افروز تھا سنہری تاروں سے بنے ہوئے زرق برق تکیئے تخت کی زینت بڑھا رہے تھے سنہری فرش بچھا ہوا تھا۔ رستم تاج پہنے ہوئے تھے۔ درباری اطراف میں بہترین قسم کے لباس پہنے ہوئے باقاعدہ ایستادہ تھے۔ دربار کے اطراف میں کوہ پیکر ہاتھی زرق برق جھولوں سے دربار کے رعب کو بڑھا رہے تھے کہ ربعی گردن میں تلوار ڈالے ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے میں کمان سنبھالے ہوئے گھوڑے پر سوار نیزے سے قیمتی فرش کو کچوکے دیتا ہوا اور درباری ہیبت سے بے پرواہ ہو کر تخت کے قریب آ کر گھوڑے سے اترا اور وہیں گھوڑا باندھ دیا۔ ادھر نیزے کی نوک سے فرش پھٹا جاتا تھا۔ ادھر اس کی ہر حرکت

درباریوں کا سینہ چاک کررہی تھی۔

قوت وشوکت کی اس دہشت ناک سامان کو خاطر میں نہ لانے والے قاصد کے انداز آمد سے درباری چیخ اٹھے کہ اس بے ادب کو روکئے۔ رستم نے ایسا کرنے سے منع کیا۔ یہ بے خوف بہادر عین تخت کے سامنے جا کر رکا۔ اور نیزے سے پر زور دے کر کہا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اسلام اس تخت تک پہنچے گا۔ رستم کی ہر بات کا اس نے حکیمانہ جواب دیا۔ جس سے رستم کا دل لرز گیا اور درباریوں پر ہیبت چھا گئی شاہی فرش کی یہ کاٹ نیزہ کی نہ تھی بلکہ اس قوت ایمانی کی تھی جو ہم میں نہیں۔

سکندر لودھی کا مندروں کو توڑنے کا مشورہ کرنا

زمانہ شہزادگی میں تھانیسر کے ہندوؤں کی بعض حرکتوں پر سکندر لودھی ناخوش ہوگیا اور تھانیسر کے مندر اور تالاب کو ڈھانا چاہا۔ علماء سے دریافت کیا انہوں نے کہا۔ قدیم مندروں کو توڑنا جائز نہیں ہے شہزادے نے غضبناک ہو کر خنجر پر ہاتھ رکھ کر علماء سے کہا کفار کی طرف داری کرتے ہو، ایک عالم نے کہا ہم کسی کی طرف داری نہیں کرتے۔ شریعت کا حکم سناتے ہیں اور اس سے ہم کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ یہ جواب سن کر شہزادہ خاموش ہوگیا۔

واثق باللہ اور اس کے بیٹے مہتدی باللہ کی توبہ

احمد بن سندی خداد کہتے ہیں کہ احمد بن منیع کو یہ بات بتائی گئی اس وقت میں بھی موجود تھا اور سن بھی رہا تھا کہ صالح بن علی بن یعقوب ہاشمی نے اپنے بارے میں بتایا کہ:

ایک دفعہ میں امیر المومنین مہتدی باللہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور اس وقت امیر المومنین کھلی کچہری میں مظلوموں کے معاملات اور حالات دیکھنے کے لئے موجود تھے۔ میں نے دیکھا کہ لوگوں کی شکایات از اول تا آخر آپ کے سامنے پڑھی جاتیں۔ آپ ان پر دستخط کا حکم دیتے پھر آپ کے سامنے پیش کی جاتیں اور مہر لگا کر اسی وقت متعلقہ آدمی تک پہنچا دی جاتیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی اور اس کام کو میں نے بہت سراہا۔

میں نے خلیفہ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ خلیفہ نے بھی اس چیز کو جان لیا اور میری

طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ تین بار ایسا ہو کہ جب خلیفہ نے دیکھا تو میں نے نگاہیں جھکا لیں اور اگر وہ کہیں اور مشغول ہوتا تو میں دیکھنا شروع کر دیتا۔

پھر خلیفہ نے کہا اے صالح تیری دل میں ضرور کوئی بات ہے جو ہم سے کہنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ خلیفہ نے کہا اپنی جگہ تشریف رکھیں۔ یہاں تک کہ جب تمام لوگ چلے گئے تو کہا کہ صالح کو میرے پاس بھیج دینا۔ میں اندر گیا امیر المومنین کو دعا دی اور بیٹھ گیا۔

امیر المومنین نے کہا اے صالح بیان کرو جو تمہارے دل میں آیا ہے یا میں بیان کرتا ہوں کہ یہ بات تمہارے دل میں آئی ہے۔ میں نے کہا جیسے آپ کی مرضی۔ خلیفہ نے کہا تو نے ہمارے کام کو دیکھ کر پسند کیا ہے اور دل میں کہا ہے کہ ہمارا خلیفہ کتنا عظیم ہوتا اگر وہ قرآن کو مخلوق نہ سمجھتا۔

یہ سن کر میں گھبرا گیا پھر اپنے دل سے کہا، اے صالح کیا تو اپنی اجل سے پہلے مر سکتا ہے؟ اور کیا تمہیں دوبار موت آئے گی؟ اور کیا مزاح اور سنجیدگی میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔

میں نے کہا امیر المومنین جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے وہی میرے دل میں کھٹکا تھا۔ پھر آپ نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور کہا تیرا بھلا ہو۔ مجھ سے سنو اور بخدا حق کے سوا تم اور کچھ نہیں سنو گے۔ میں نے کہا جناب آپ سے بڑھ کر حق بیان کرنے کا اور کون اہل ہو سکتا ہے کیونکہ آپ رب العالمین کے خلیفہ اور سید المرسلین ﷺ کے چچا کی اولاد ہیں۔

مہتدی باللہ نے کہا میں واثق باللہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل تھا۔ یہاں تک کہ (مشہور معتزلی) احمد بن ابی داؤد ہمارے پاس ایک شیخ کو لے کر آیا۔ وہ شیخ نام کے سرحدی علاقے ''اذنۃ'' کے رہائشی تھے۔ شیخ کو واثق کے دربار میں پابجولاں لایا گیا۔

حضرت شیخ ایک خوبرو، خوش قامت اور حسین بڑھاپے کے مالک تھے۔ میں نے دیکھا کہ واثق کو ندامت محسوس ہو رہی ہے اور دل نرم ہو گیا ہے۔ واثق باللہ نے ان کے اپنے قریب کیا تو شیخ نے انہیں ایک بہترین سلام اور دعا سے نوازا۔ واثق نے کہا تشریف رکھئے وہ بیٹھ گئے۔

واثق نے کہا اے شیخ! احمد بن ابی داؤد کے ساتھ مناظرہ کرو۔ شیخ نے کہا اے امیر

المومنین ابی داؤد بدمذہب بھی ہے اور کمزور بھی میرے ساتھ مناظرے کی تاب نہیں لا سکے گا۔
یہ سننا تھا کہ واثق غصے سے بھر گیا اور کہا کیا احمد تیرے ساتھ مناظرے میں کمزور ہے۔ شیخ نے کہا امیر المومنین صبر کیجئے کر آپ ہماری گفتگو پر ہمیں امان دے سکتے ہیں تو میں مناظرے کے لئے تیار ہوں۔
واثق باللہ نے کہا تمہیں امام ہے۔
شیخ نے کہا، اے احمد مجھے: آؤ جو بات تم کہہ رہے ہو کیا یہ ضروریات دین میں سے ہے کہ اس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا۔ احمد نے کہا ہاں۔ تب شیخ نے کہا مجھے بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنے بندوں کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ ﷺ نے دین کے بارے میں کوئی چیز پوشیدہ رکھی؟
احمد نے کہا نہیں۔ شیخ نے فرمایا پھر کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہاری اس بات کی طرف امت کو دعوت دی؟ ابن ابی داؤد خاموش ہو گیا۔ آپ نے فرمایا جواب دو لیکن وہ خاموش رہا۔ تب آپ واثق کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا امیر المومنین ایک نمبر ہو گیا۔
دوسری بار شیخ نے فرمایا احمد یہ تو بتاؤ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تکمیل دین، اتمام نعمت اور اسلام کے لئے پسندیدہ دین ہونے کا اعلان فرمایا تو کیا اللہ کا ارشاد سچا ہے کہ دین مکمل ہو گیا ہے یا تیرا قول سچا ہے کہ دین اس وقت تک نامکمل ہے جب تک تیرے بتائے ہوئے اعتقاد پر یقین نہ کیا جائے۔
احمد اس بات پر بھی خاموش رہا۔ شیخ نے کہا امیر المومنین دو نمبر ہو گئے۔ امیر المومنین نے کہا ہاں دو نمبر ہو گئے۔
حضرت شیخ نے کہا احمد یہ بھی بتاؤ کیا حضور ﷺ اس بات کو جانتے تھے یا نہیں۔ احمد نے کہا ضرور جانتے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا حضور ﷺ نے لوگوں کو اس بات کی طرف بلایا؟ احمد خاموش ہو گیا۔ آپ نے پھر فرمایا امیر المومنین تین پوائنٹ ہو گئے۔
آخری مرتبہ حضرت شیخ نے فرمایا احمد تیرے اپنے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ اس چیز کو جاننے کے باوجود خاموش رہے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام نے علم ہونے کے باوجود سکوت اختیار فرمایا۔ آپ نے پھر واثق کی

طرف توجہ کی اور فرمایا:

''امیر المومنین! میں نے پہلے کہا تھا کہ احمد بد مذہب اور ضعیف ہے۔ مناظرہ نہیں کر سکے گا۔''

امیر المومنین! اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات سے سکوت کی توفیق نہ دی جس بات سے سکوت اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عطا فرمایا تو اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس بات کی توفیق نہ عطا کرے جس کی بات کی توفیق اس نے ان ہستیوں کو عطا کی ہے۔ خلیفہ نے اس بات کی تائید کی اور کہا کہ حضرت شیخ کی بیڑیاں اتار لی جائیں۔ جب آپ کی بیڑیاں اتار لی گئیں تو آپ نے بیڑیوں کو پکڑ لیا۔ حداد نے بیڑیوں کو اپنی طرف کھینچا۔ واثق نے حداد سے کہا شیخ کو بیڑیاں پکڑ نے دو۔

آپ نے بیڑیوں کو اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا۔ واثق نے کہا جناب آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے آواز آئی ہے کہ میں یہ بیڑیاں اپنے وارثوں کو دے کر وصیت کروں کہ جب میں مر جاؤں تو یہ بیڑیاں میرے کفن میں رکھ دی جائیں تا کہ روز حشر میں اللہ کی بارگاہ میں اس ظالم سے بدلہ لینے کے لئے جھگڑ سکوں اور یہ کہہ سکوں۔ میرے پروردگار اس بندے سے پوچھ کیوں اس نے مجھے قید سے وہ چار کیا کیوں میری اولاد اور میرے بھائیوں کو ناحق رلایا۔ یہ کہہ شیخ رو پڑے، واثق بھی رو پڑا اور سارا مجمع رو پڑا۔

بعد ازاں واثق نے کہا: ''جو کچھ میری طرف سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے، معاف کر دیجئے۔''

آپ نے فرمایا ''اے خلیفہ! میں نے پہلے روز سے ہی تمہیں معاف کر رکھا ہے رسول اللہ ﷺ کے احترام کی وجہ سے کیونکہ تم آپ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔''

اس کے بعد واثق نے کہا مجھے آپ سے ایک کام ہے آپ نے فرمایا اگر ممکن ہوا تو ضرور پورا کروں گا۔ واثق نے کہا آپ ہمارے پاس رہیں تا کہ ہم آپ سے اور آپ ہم سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ نے فرمایا امیر المومنین میرا اس جگہ واپس جانا جہاں سے اس ظالم نے مجھے نکالا ہے تیرے لئے میرے یہاں رہنے سے زیادہ سود مند ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف جا کر انہیں آپ کے حق میں بددعا سے روک سکوں گا کیونکہ جب سے میں وہاں سے نکلا ہوں میرے گھر والے آپ کے لئے بددعائیں کر رہے ہیں۔

واثق نے کہا، پھر کچھ ہدیہ قبول کر لیجئے تا کہ اپنی ضرورت میں اس سے مدد حاصل کر سکو۔
آپ نے فرمایا امیر المومنین میرے لئے یہ جائز نہیں کیونکہ میں صحت مند اور غنی آدمی ہوں۔
خلیفہ نے کہا پھر کوئی اور حاجت طلب کرو۔ آپ نے فرمایا کیا تم اسے پورا کرو گے اس نے کہا ہاں۔
آپ نے فرمایا مجھے سرحد کی طرف بھیج دو۔ خلیفہ نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ سن کر شیخ نے کہا السلام علیکم اور اپنی راہ لی۔
مہتدی باللہ نے کہا میں نے حضرت شیخ کی گفتگو سن کر اپنے اعتقاد سے رجوع کر لیا اور میرا خیال ہے کہ واثق نے بھی رجوع کر لیا تھا۔

دو سگی بہنوں سے نکاح کرنے والا بادشاہ

امیر کبیر سید علی ہمدانی کشمیر تشریف لے گئے۔ سلطان قطب الدین حسن فرمانروائے کشمیر بڑی عقیدت سے پیش آئے اور کئی دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر بھی دی۔ امیر کبیر کو معلوم ہوا سلطان کے عقد میں دو سگی بہنیں ہیں۔ انہوں نے نہایت تعجب کا اظہار کیا اور ان مفتیوں اور عالمان دین کی دینی حمیت پر رنج و افسوس ظاہر کیا جنہوں نے بادشاہ کا نکاح دو سگی بہنوں سے کر دیا اور کسی نے بادشاہ کی اس حرکت پر انگشت نمائی نہ کی۔ ایک دن بادشاہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا۔
شریعت اسلامیہ ایک ہی وقت میں دو حقیقی بہنوں کے ایک ہی شخص سے نکاح کی اجازت نہیں دیتی۔ آپ بادشاہ اسلام ہو کر یہ کیا ظلم کر رہے ہیں۔
سلطان نے کہا حضرت مجھے آج تک کسی نے یہ مسئلہ نہیں بتلایا۔ یہ کہا اور ایک بہن کو طلاق دے دی۔

نادر شاہ کا ہندوستان پر حملہ

مغلیہ سلطنت کھوکھلی ہوگئی۔ حکمران عیش پرست اور ناکارہ ہو گئے۔ بیرونی فاتحین نے ہندوستان کو کچل کر رکھ دیا۔ محمد شاہ رنگیلا کے دور میں جب کہ طاؤس ورباب کی محفلیں عروج پر

تھیں نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور برق رفتاری سے بغیر کسی روکاوٹ کے دلی پہنچ گیا۔ مال واسباب ہتھیالیا حتی کہ کوہ نورہ یرا لے لیا اور محل شاہی کو اپنی رہائش گاہ بنالیا۔ ایک دن کسی چرسی نے نادر شاہ کے مارے جانے کی خبر اڑادی۔

بس پھر کیا تھا دلی کے لوگ نادر شاہی فوج پر پل پڑے۔ نادر شاہ کو علم ہوا تو اپنے آپ سے باہر ہو گیا۔ تلوار نیام سے نکال کر کھڑا ہو گیا اور قتل عام کا حکم دے دیا۔ دلی ہمیشہ سے اجڑتی آئی ہے اس دن بھی اجڑی اور ایسی اجڑی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

نظام الملک بھاگ کر نادر شاہ کی خدمت میں آئے اور دست بستہ ہو کر یہ شعر پڑھا:

کے نہ ماند کہ اور ابہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

(مخلوق خدا میں سے باقی کوئی نہیں بچا کہ اس پر تیغ آزمائی کرے مگر ہاں مرے ہوؤں کو زندہ کر کے پھر مشق ستم کر)۔

ہزار ہا مسلمان ویسے ہی قتل ہو چکے تھے نادر شاہ کا غصہ دھیما پڑ گیا۔ تلوار نیام میں ڈال لی اور کہا تیری سفید داڑھی دیکھ کر بخش دیا۔

وعدہ پورا کرنے کے لئے ایک لاکھ درہم کی قربانی

ایک مرتبہ ماموں رشید کے چچا ابراہیم نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ ماموں رشید نے اعلان کرا دیا کہ اسے گرفتار کر کے لانے والے کو ایک لاکھ درہم انعام دیا جائے گا۔

ابراہیم کو جب اس اعلان کی خبر ملی تو اس نے فوراً راہ فرار اختیار کی۔ تاکہ کسی طرح گرفتاری سے بچ سکے۔ گرمی کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ پریشانی کے عالم میں ابراہیم ایک ایسے کوچہ میں داخل ہو گیا جو سر بستہ تھا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ کوچہ سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اور پیچھے مڑنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔

اس کشمکش میں ابراہیم کی نظر ایک شخص پر پڑی جو اس کوچہ میں اپنے دروازہ پر کھڑا تھا۔ ابراہیم نے اس سے کچھ دیر کے لئے پناہ چاہی اس نے دروازہ کھول دیا۔ ایک مزین کمرہ میں اسے بٹھا کر خود باہر چلا گیا۔ ابراہیم بہت گھبرایا کہ شاید وہ پولیس کو اطلاع دینے چلا گیا

ہے۔تھوڑی دیر بعد وہ کچھ کھانے پینے کا سامان لایا۔ جسے دیکھ کر ابراہیم کی جان میں جان آئی۔اس نے کہا۔

''میں حجام اور غلام ہوں۔میرے گھر کا کھانا آپ کی شان کے شایان نہیں تھا۔اس لئے بازار سے لایا ہوں۔آپ یہاں اطمینان سے رہیں۔آپ نے اس غریب خانہ کو جوشرف بخشا ہےاس کے مقابلہ میں ایک لاکھ درہم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔''

ابراہیم نے اسے آفریں کہی۔چند یوم کے بعد افشائے راز کے خوف سے اخفائے حال کے لئے زنانہ لباس میں وہاں سے نکل پڑا۔راستہ میں اسے ایک فوجی سپاہی نے تاڑلیااور پکڑنے کی کوشش کی ابراہیم نے اسے دھکا دے کر گرادیااور خود ایک گلی میں گھس گیا۔جہاں دروازہ پر ایک عورت کھڑی تھی۔اس سے پناہ مانگی۔اس نے بخوشی اسے اپنے گھر ٹھہرالیا۔تھوری دیر بعد وہی فوجی وہاں آنکلا۔دراصل یہ اسی کا گھر تھا۔یہ پناہ دینے والی عورت اس فوجی کی بیوی تھی۔

فوجی شکار کو جال میں پھنسا دیکھ کر بہت خوش ہوا۔بیوی سے انعام کا حال بیان کیا،لیکن اس پاکباز عورت نے خاوند کوایک لاکھ درہم کے لالچ میں آنے سے بصد مشکل روکا کہ پناہ دی جاچکی ہےاسے گرفتار کرانے سے جوذلت ہوگی۔اس کے مقابلہ میں ایک لاکھ درہم ہیچ ہیں۔خاوند مجبور ہوگیا۔عورت نے ابراہیم کوتین دن تک پناہ دینے کی ذمہ داری لی۔

تیسرے دن ابراہیم وہاں سے نکل کر بچتا بچاتا اپنی ایک کنیز کے گھر پہنچا۔اس نے بظاہر بڑی غم خواری اور خاطر داری کی۔لیکن بباطن پولیس کواطلاع دے کراسے گرفتار کرادیا۔

غیروں کے مقابلہ میں اپنوں کا سلوک ملاحظہ کیجئے۔ایک غلام حجام نے لاکھ درہم کواس اعزاز کے مقابلہ میں ہیچ سمجھا۔جوابراہیم کو پناہ دینے کے باعث اسے حاصل ہوا تھا۔ایک معمولی سپاہی کی بیوی نے اس بےعزتی پرایک لاکھ درہم کی قربانی کی ترجیح دی۔جو وعدہ خلافی کے باعث ابراہیم کی گرفتاری کی صورت میں اسے اٹھانی پڑتی۔مگراپنی کنیز نے ابراہیم کوگرفتار کرادیا۔

سبحان اللہ اس زمانہ کے ادنیٰ طبقہ کے لوگ بھی کتنے مستغنی المزاج واقع ہوئے تھے۔کہ

زر و دولت کے ڈھیر بھی انہیں قول و اقرار کی پابدی سے منحرف نہیں کر سکتے تھے۔ جب کہ اس دور میں مال و زر کے حصول میں ایمان تک بیچنے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔

بادشاہ کی نصیحتیں اپنے بیٹے کو!

عبدالرحمان کے بعد ہاشم بعمر ۳۳ سال مسند نشین ہوا اس بادشاہ نے علماء واطباء کی دستگیری کی عربی مدارس ملک میں جاری کئے تمام ملک میں تعلیم مفت کر دی اور ان کا سارا خرچ خزانہ پر ڈالا ۷۹۶ء میں اس نے وفات پائی۔

مرنے سے قبل اپنے بیٹے الحکم کو بلایا جو اس وقت ۲۲ سالہ نوجوان شہزادہ تھا اس سے کہا اے فرزند! سلطنت اور حکومت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے، جب چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ جب تو اس عطایائے ربانی سے فیضیاب ہو تو اس کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ نیکی کر۔ خصوصاً ان کے ساتھ جو ہماری حفاظت میں ہیں، امیر اور غریب کے ساتھ برابر عدل، ظلم روا نہ رکھ ظلم تباہی کا پیش خیمہ ہے، اپنی رعایا پر مہربان رہنا اور حکومت صرف ان لوگوں کو عطا کر جو کہ صفات پسندیدہ رکھتے ہوں، اپنے وزراء اور اعمال حکومت کو بے رحمی سے سزا دے جو رعایا پر سختی کریں اور محصولات (ٹیکس) کی زیادتی سے رعایا کو ہمیشہ تباہ حال رکھیں۔ ایسا نہ ہونے دینا۔ جب تو فوج کشی پر مجبور ہو تو یاد رکھ کہ ہمارا لشکر محافظ ملک ہو، جو وعدہ ہو پورا ہو کام نکالنے اور ٹال دینے کے لئے نہ ہو۔ اے فرزند! اس بات سے غافل مت رہ کر رعایا کی محبت ملک کی حفاظت ہے اور رعایا کی ناراضگی وحقارت زوال سلطنت کا باعث ہے، رعایا میں سب سے زیادہ خبر گیری کے قابل کاشت کاروں کا فرقہ ہے۔ یہ وہ محنتی اور جفاکش لوگ ہیں جو ہماری روزی کے لئے زمین سے غلہ نکالتے ہیں اور ہم اپنے محلوں میں آرام سے بیٹھ کر کھاتے ہیں، ان کی زراعت، ان کے باغات اور ان کی ہر قسم کی پیداوار کو پامالی اور تباہی سے بچانا ہر بادشاہ کا فرض ہے۔ اے فرزند! اگر میری باتوں پر عمل کرو گے تو رعایا بھی خوشحال اور آباد رہے گی اور تمہارا شمار بھی روئے زمین کے نامور بادشاہوں میں ہوگا۔ (تاریخ اسپین ص ۲۴۵، ۲۴۶)

بادشاہ اور غریب عورت کا مقدمہ قاضی کی کچہری میں

الحکم باپ کے مرنے پر ۷۹۶ء مطابق ۱۸۰ ہجری میں تخت پر بیٹھا اور ۸۲۰ء یعنی پچیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ الحکم سے لوگوں کو بہت کچھ توقعات تھیں۔ وہ حکمرانی کے قابل تھا مگر طبیعت کا بڑا سخت تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے دشمنوں کے تین سو سرون کو اپنے محل پر لٹکوایا تھا اس لئے کسی کو اس کے سامنے بولنے کی طاقت نہ تھی۔ بایں ہمہ اس کے عہد حکومت میں جرات وحق گوئی اور فیاضی کا ایک بے نظیر واقعہ گزرا ہے جو تاریخ اسپین میں تو بڑی تفصیل سے درج ہے مگر یہاں خلاصتاً درج کیا جاتا ہے۔

الحکم کو ایک مرتبہ ایسی جگہ بنگلہ بنانے کا خیال ہوا جو آب وہوا کے لحاظ سے تو بہت اچھی جگہ تھی لیکن ایک بیوہ عورت کے قبضہ میں تھی جو اپنی کٹیا بنا کر وہاں زندگی کے دن کاٹ رہی تھی خلیفہ نے اس کا مکان خریدنا چاہا لیکن اس نے دینے سے انکار کردیا آخر زبردستی وہ زمین لے لی گئی۔

بادشاہ نے وہاں ایک خوشنما بنگلہ تعمیر کرایا۔ عورت ہر چند بیوہ تھی اور غریب بھی۔ لیکن اسلام نے جو حقوق مساوات وآزادی کے عطا کئے تھے ان سے آگاہ تھی اس نے محکمہ قضا میں بادشاہ پر استغاثہ دائر کردیا اور قاضی سے کہا ایک غریب بیوہ کا مقابلہ بادشاہ سے ہے انصاف کی توقع کم ہے لیکن اگر تم آزادی اور جرات اور اپنے ان اختیارات سے جو تم کو حاصل ہیں انصاف کرو گے تو میں کبھی اپنے حق سے محروم نہیں رہ سکتی۔

قاضی نے کہا اے بوڑھیا بے فکر رہ میں عدل وانصاف کی کرسی پر بادشاہ اور ایک غریب عورت کو ایک ہی نظر سے دیکھوں گا۔

قاضی بادشاہ کی تند مزاجی اور اس کی طبیعت کی تلخی سے واقف تھا اس نے ضابطہ اور قانون کے ساتھ دوسری تدابیر سے بھی کام نکالنا چاہا۔ چنانچہ جب بادشاہ اپنے بنگلہ اور محل کو ملاحظہ کررہا تھا اور باغات کو دیکھ رہا تھا تو قاضی ایک گدھا مع خالی بورے کے ہانکتا ہوا خلیفہ کے پاس لے گیا اور اس سے اجازت طلب کی کہ میں اس جگہ کی مٹی لینے آیا ہوں۔ خلیفہ نے اجازت دے دی۔

جب قاضی نے بورا مٹی سے بھر لیا تو خلیفہ سے کہا مجھے تھوڑی سی مدد دیجئے کہ میں بورے کو گدھے پر رکھ لوں۔ خلیفہ قاضی کے تمسخر پر خوش ہوتا رہا۔ بوجھ اٹھانے میں اس نے مدد دی لیکن بہت بھاری ہونے کی وجہ سے بورا اٹھ نہ سکا۔

قاضی نے کہا جب آپ ایک بورے کا بوجھ دوسرے کی مدد سے بھی نہیں اٹھا سکتے تو اس دن جب احکم الحاکمین ذرہ ذرہ کا حساب لے گا اور جب عدل وانصاف گدا گر بادشاہ اور فقیر و غنی سب کو ایک قطار میں کھڑا کر دے گا اور جب گدڑی پوش اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے ناانصاف بادشاہوں پر سبقت لے جائیں گے تو آپ ساری زمین کا بوجھ کس طرح اٹھا سکیں گے اور جب قیامت کے دن وہ غریب بوڑھیا جس کا مکان زبردستی چھین کر اور گرا کر آپ نے یہ محل تیار کرایا ہے خدا کی جناب میں جو آہ مظلوماں کی دادرسی کی خاطر اجابت وقبولیت کو استقبال اور پیشوائی کے لئے دور تک آگے روانہ کر دیتا ہے اپنا استغاثہ پیش کرے گی تو آپ وہاں کیا جواب دیں گے۔

خلیفہ الحکم قاضی کی یہ تقریر سن کر کانپ اٹھا اور اس کی حق گوئی وجرات کی تعریف کی اور چونکہ اس زمین پر جو اس نے زبردستی حاصل کی تھی اب محل تیار ہو چکا تھا اس لئے بادشاہ نے وہ محل اور باغ معہ تمام ساز وسامان جو لاکھوں روپوں کی ملکیت کا تھا اس غریب بڑھیا کو دے دیا جس سے وہ مالا مال ہو گئی۔

بادشاہ مزدور

ہشام بن عبدالرحمٰن تخت اندلس پر تیس سال کی عمر میں رونق افروز ہوا۔ اس نے رعایا کی فارغ البالی اور خوشحالی کو ہی اپنا مقصد زندگی بنالیا تھا۔ وہ اپنی ذات پر بہت کم خرچ کرتا تھا۔ زیادہ تر علماء کی صحبت میں رہتا۔ رات بھر شہر کی گلیوں اور کوچوں میں پھر کر لوگوں کی ضروریات معلوم کر کے ان کی حاجت روائی کرتا۔ جن تک خود نہ پہنچ سکتا۔ ان کو اپنے پاس بلاتا۔ یہ اپنے وقت میں ''العادل'' کے نام سے مشہور ہوا۔

ہشام پہلا بادشاہ تھا جو ایک ادنیٰ مزدور کی طرح اپنے والد کی بنا کردہ جامع مسجد کی تعمیر میں روزانہ کام کرتا تھا۔ اس نے ایسے آدمی مقرر کر رکھے تھے جو صوبوں میں پھر کر عدالتوں۔

خزانوں کا محاسبہ کرتے۔ تعلیم گاہوں۔ ہسپتالوں اور دوسرے پبلک اداروں کا اچانک جائزہ لیتے رہتے تھے تاکہ ملک میں کہیں ناانصافی اور ظلم وستم نہ ہو سکے۔

اس کے ملک میں نہ کوئی مفلس رہا۔ اور نہ کوئی محتاج۔ نہ مظلوم رہا اور نہ بیکس۔ جو حاکم خود ظالم نہ ہو وہ دوسروں کو بھی ظلم نہیں کرنے دیتا۔ وہ جب تک خود رعایا کے حقوق کی پاسبانی نہ کرے۔ رعایا ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت نہیں کرسکتی۔ ایک بار خلیفہ کو سرکاری ضرورت کے لئے ایک مکان خریدنے کی ضرورت پڑی۔ اس نے ایک اچھا سا مکان خرید کرنے کے لئے تلاش کیا۔ کچھ دنوں کے بعد اسے پتہ چلا کہ اس مکان پر اس کے ایک ہمسایہ کا حق شفع ہے۔ جسے اس نے خریدنے کی خواہش ترک نہیں کی مگر اس وجہ سے اپنا جائز وشرعی حق حاصل کرنے سے محروم ہے کہ یہ مکان خود شہنشاہ وقت خریدنا چاہتا ہے۔ ہشام نے یہ مکان خریدنے سے انکار کردیا۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا دور حکومت خلافت راشدہ کے کس قدر قریب تھا۔

اس دور میں یہ حالت ہے کہ حکومت بعض اوقات اپنے حکام واہلکاران کے لئے خود مکانات تعمیر کرنے کی بجائے بعض قوانین کی رو سے رعایا کے مکانات اپنے تصرف میں لے لیتی ہے جس سے بعض لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

دوسروں کے حقوق کی حفاظت وادائیگی کا احساس بھی ایک عبادت ہے۔ جب کہ اس زمانہ میں دوسروں کے جائز حقوق غصب کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

درویش سپاہی کے بھیس میں

ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ پر چڑھائی کی۔ دشمن نے قلعہ بند ہوکر نہایت بے جگری سے مقابلہ کیا اور قلعہ پر قابض ہونے کی تمام شاہی کوششیں ناکام بنادیں۔ بادشاہ محاصرہ کی طوالت سے اکتا گیا۔ اسی دوران میں ایک رات سخت طوفان بادوباراں آیا۔ اس سے شاہی فوج کے بیشتر خیمے گر پڑے اور جگہ جگہ پانی بھر گیا۔ ہوا کے جھکڑ اور موسلا دھار بارش کی وجہ سے تمام خیموں میں آگ بجھ گئی۔

ادھر سردی کی وہ شدت ہوئی کہ رگوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ اس حالت میں بادشاہ کا خادم خاص (یاسقہ) بادشاہ کے لئے وضو کا پانی گرم کرنے کے لئے آگ کی تلاش میں نکلا اسے دور ایک جگہ روشنی نظر آئی وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک خیمہ کھڑا ہے اور اس میں چراغ جل رہا ہے اس کی روشنی میں ایک درویش صورت سپاہی قرآن حکیم کی تلاوت کر رہا ہے۔ خادم پر ہیبت چھا گئی اور اسے آگ مانگنے کا ہوش ہی نہ رہا۔

درویش نے خود ہی سر اٹھا کر پوچھا۔ ''کیوں بھائی آگ کی ضرورت ہے۔ خادم نے اثبات میں جواب دیا تو درویش نے کہا۔ جتنی آگ چاہتے ہو بے دھڑک لے جاؤ۔'' خادم نے خیمے کے اندر داخل ہو کر ایک لکڑی سلگائی اور شاہی آبدار خانہ میں آ کر حمام گرم کیا۔ لیکن اس واقعہ سے اس کے دل میں بڑی بے قراری پیدا ہوگئی۔

صبح کاذب کے وقت مشک لے کر پھر اس درویش کے خیمے پر گیا دیکھا تو وہ درویش خیمہ میں موجود نہ تھا۔ ادھر ادھر دیکھا تو کچھ دور ایک تالاب نظر آیا۔ وہاں وہ درویش وضو کر رہے تھے۔

خادم ایک گوشہ میں کھڑا ہوگیا۔ درویش نے فارغ ہو کر نماز فجر ادا کی اور اپنے خیمے میں آ گئے۔

خادم اب تالاب پر پہنچا تو دیکھا تو جس جگہ درویش نے وضو کیا تھا وہاں کا پانی گرم تھا حالانکہ سردی کی شدت سے ادرگرد کا پانی جم گیا تھا۔ خادم نے اسی جگہ سے اپنی مشک میں پانی بھرا۔ اس کو لے کر آبدار خانے میں گیا اور اپنی عقل سے معلوم کر لیا کہ یہ سب اسی درویش کی عظمت و برکت کے سبب سے ہوا ہے۔ لیکن اس راز کو دل میں ہی رکھا۔

دوسرے دن نماز فجر سے کچھ پہلے تالاب پر پہنچا اور پانی کو دیکھا کہ جما ہوا ہے۔ وہ ایک درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں وہ درویش تالاب پر آئے اور اس کے کنارے پر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ان کے سامنے پانی نے اسی وقت جوش مارا۔ انہوں نے وضو کیا اور تشریف لے گئے۔

خادم نے وہاں سے گرم پانی کی مشک بھری اور سیدھا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان اس وقت دربار عام میں بیٹھا ہوا تھا۔ خادم نے دست بستہ عرض کی حضور اگر میرے

ایک راز کو خلوت میں سنیں تو گوش گزار کروں۔ سلطان نے خلوت میں جا کر اس کو اپنی بات کہنے کا موقع دیا۔

خادم نے تمام واقعات من وعن سلطان کے گوش گزار کر دیئے۔ سلطان بہت حیران ہوا اور خادم سے کہا کہ کل ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔ تم میری خواب گاہ کے باہر ٹھہرو اور وقت معینہ پر مجھے جگا کر ساتھ لے چلنا۔

جب رات ہوئی تو سلطان خواب گاہ میں چلا گیا اور دروازہ کی کنجی خادم کے حوالے کر دی۔ جب دو چار گھڑی رات باقی رہ گئی تو خادم نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا۔

سلطان مسلح ہو کر باہر نکلا اور خادم کے ہمراہ تالاب کے قریب ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ درویش حسب معمول تشریف لائے۔ پانی نے جوش مارا۔ انہوں نے وضو کیا اور نماز پڑھ کر واپس تشریف لے گئے۔

سلطان نے پانی کو ہاتھ لگایا تو گرم تھا۔ وہ بہت حیران ہوا اور سمجھ گیا یہ درویش سپاہی کے بھیس میں کوئی مرد خدا ہیں اسی وقت خادم کو ساتھ لے کر درویش کے خیمے پر پہنچا۔ وہ کلام پاک کی تلاوت کرر ہے تھے۔ سلطان دست بستہ سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ ایک عجیب وغریب منظر تھا۔ ہندوستان کا فرمانروا جس کی ہیبت و جبروت کا اطراف عالم میں ڈنکا بج رہا تھا۔ ایک بوریا نشین فقیر کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور زبان سے بات نہ نکلتی تھی۔

درویش تلاوت سے فارغ ہوئے تو ان کی نظر سلطان پر پڑی۔ تعظیم کے لئے اٹھے اور سلام کیا۔

سلطان نے مؤدبانہ عرض کیا کہ یہ میری خوش بختی اور سعادت ہے کہ آپ جیسے بزرگ میرے لشکر میں موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود افسوس ہے کہ یہ قلعہ ابھی تک فتح نہیں ہو سکا۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ لشکر اسلام کو فتح عطا فرمائے۔

درویش نے ہر چند اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی لیکن سب بے سود۔ کیونکہ سلطان جو اپنی آنکھوں سے ان کی کرامت دیکھ چکا تھا کسی طرح نہ مانا۔ آخر انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر فرمایا اسی وقت حملہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ فتح ونصرت عطا فرمائے گا۔

سلطان خوش خوش رخصت ہوا اور لشکر میں پہنچ کر اسی وقت قلعہ پر دھاوا بول دیا۔ محصورین نے بہت جلد ہتھیار ڈال دیئے اور قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ سلطان اس عظیم فتح پر سجدۂ شکر بجالایا اور دوسرے دن برہنہ پا درویش کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ انہیں بادشاہ کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنا تمام مال واسباب فقرا میں تقسیم کر دیا اور خود وایک کمبل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے۔ بادشاہ ان کے خیمے پر گیا تو اس کو خالی پایا۔

یہ درویش خواجہ شمس الدین ترک تھے۔ وہ شاہی لشکر سے نکل کر سیدھے اپنے مرشد مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچے وہاں سے چند دن بعد ان کو پانی پت جانے کا حکم ہوا اور انہوں نے باقی زندگی اسی شہر میں اصلاح وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہوئے گزار دی۔

خلیفہ کا مہمان کی خود خدمت کرنا

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ایک رات رجاء بن حیوۃ سے گفتگو فرمارہے تھے۔ دفعتاً چراغ جھلملانے لگا۔ اس وقت پہلو میں ایک ملازم بھی سورہا تھا۔ رجاء نے کہا۔

''اس کو جگادوں؟''

فرمایا۔ ''نہیں اسے سوئے رہنے دو۔''

انہوں نے کہا۔ ''میں خود اٹھ کر چراغ کو ٹھیک کر دیتا ہوں۔''

فرمانے لگے۔ ''مہمان سے کام لینا مروت کے خلاف ہے۔''

آپ چادر رکھ کر خود ہی اٹھے۔ برتن سے زیتون کا تیل نکال کر چراغ میں ڈالا۔ اسے ٹھیک کر کے پلٹے تو فرمایا۔ ''جب میں اٹھا تھا۔ تب بھی عمر بن عبدالعزیز تھا۔ جب پلٹا ہوں تب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔''

ایک اور موقعہ پر ایک لونڈی آپ کو پنکھا کر رہی تھی کہ اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کے ہاتھ سے آہستہ آہستہ پنکھا لے لیا۔ اور لونڈی کو جھلتے رہے۔ اسے ہوا پہنچنے سے ذرا لطف آ گیا۔ کافی دیر سوئی رہی۔ اور خلیفہ وقت پنکھا کرتے رہے۔ جب وہ جاگی تو اس نے شور کیا۔ حضور یہ کیا؟ مجھے معاف کیجئے۔

فرمایا۔ ''تو بھی میری طرح ایک انسان ہے۔ میری طرح تجھے بھی گرمی محسوس ہوتی ہے اس لئے میں نے چاہا کہ جس طرح تو نے مجھے پنکھا جھلا ہے۔ میں بھی تجھے پنکھا جھل دوں۔''

اسی تواضع اور فروتنی کا اثر تھا کہ جو انہیں شاہی کروفر مین دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ ان کو اس وقت تک نہ پہچان سکتے تھے۔ جب تک کہ ہاتھ لگا کر نہ بتلایا جاتا تھا کہ یہ امیر المومنین ہیں۔

بادشاہ کا ملازموں سے روزانہ جو ''سلوک'' ہوتا ہے۔ اس کو ایک طرف رکھئے۔ کیا تاریخ اقوام عالم کوئی ایک نظیر بھی ایسی پیش کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں یہ اسلام کی شان ہے جس کے امیر السلطنت خود کو اپنے نوکروں سے برتر نہیں سمجھتے تھے۔

ایک عورت کی فریاد! اور قاضی شریح کا فیصلہ

کوفے میں عدالت کا اجلاس ہو رہا تھا۔ قاضی شریح مقدمات کی سماعت کر رہے تھے۔ عدالت کے باہر اہل مقدمہ کا ہجوم تھا اور دربان انہیں باری باری ایک ایک کر کے اندر بھیج رہا تھا۔ فریقین قاضی کی خدمت میں حاضر ہوتے، اپنا معاملہ پیش کرتے۔ قاضی صاحب ان کا بیان لیتے۔ ان کی شکایتوں کی چھان بین کرتے اور حق وعدل کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔

ایک عورت بھی اس ہجوم میں منتظر کھڑی تھی۔ فکر وتردد اور ضعف اس کے چہرے سے صاف نظر آ رہا تھا۔ عورت کھڑے کھڑے اکتا گئی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ انتظار طویل تر ہوتا چلا گیا۔ وہ تھک کر چور ہو گئی۔ آخر اس نے دور ہی سے با آواز بلند دربان کو اپنی جانب متوجہ کیا اور التجا کی کہ مجھے عدالت میں پیش ہونے کی اجازت دی جائے۔

دربان نے اسے اندر بھیج دیا۔ قاضی صاحب نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پوچھا۔ ''بی بی تمہارا کیا معاملہ ہے؟''

اس نے کہا ''میں قاضی کے پاس فریاد لے کر آئی ہوں۔''

''تم پر کس نے ظلم کیا؟''

اس نے کہا ''امیر المومنین موسیٰ بن عیسیٰ نے۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟ امیر المومنین کے چچا نے۔

اس نے کہا ''جی ہاں۔''

تفصیل سے بتاؤ قصہ کیا ہے؟

دریائے فرات کے کنارے میرا کھجور کا باغ تھا۔عورت نے کہنا شروع کیا۔''مجھے اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔میرے بھائیوں نے اسے تقسیم کیا تو میں نے اپنے حصے کے درمیان دیوار بنالی اور باغ کی حفاظت، پرورش اور دیکھ بھال کے لئے ایک نوکر رکھ لیا۔کچھ مدت بعد امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے میرے بھائیوں کے حصے کا باغ خرید لیا اور میرے حصے پر حریصانہ نظریں گاڑ دیں اور مجھ سے کہا تم بھی اپنا باغ بیچ دو۔لیکن میں نے انکار کر دیا۔ایک روز امیر چند نوجوان ساتھ لئے باغ میں آیا اور اس دیوار کو ڈھا دینے کا حکم دے دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ باغ کی حدود گڈمڈ گئیں۔مقصد یہ تھا کہ میں باغ بیچنے پر آمادہ ہو جاؤں۔اے قاضی! اب میں آپ کی خدمت میں اپنا حق لینے آئی ہوں۔اور آپ کے سامنے اعلان کرتی ہوں کہ اپنا باغ امیر کے ہاتھ ہرگز نہ بیچوں گی۔قاضی شریح نے لمحے بھر کے لئے سر جھکایا اور پھر آواز دی۔

غلام۔جناب حاضر ہوں۔

''مٹی کا ایک ڈھیلا لاؤ'' غلام نے ڈھیلا پیش کر دیا۔قاضی نے اس پر اپنی مہر لگائی اور غلام کو دے کر کہا۔امیر موسیٰ بن عیسیٰ کے ہاں جاؤ،انہیں یہ ڈھیلا دو اور اپنے ساتھ لے کر آؤ۔

غلام امیر کے محل پر پہنچا اور قاضی شریح کا جاری کردہ سمن اس کے حوالے کیا۔امیر مارے غصے کے لال پیلا ہو گیا۔آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں۔غیظ وغضب میں کبھی مسند پر بیٹھ جاتا کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔پھر اپنے باڈی گارڈ افسر کو طلب کیا اور حکم دیا۔

''قاضی شریح کے پاس جاؤ میری طرف سے کہو تم بھی عجیب آدمی ہو،ایک عورت کا بالکل جھوٹا دعویٰ تم نے مان لیا اور اب مجھے اس کے دوش بہ دوش کھڑا کرنے کے لئے اپنی عدالت میں بلا رہے ہو۔''

''امیر مکرم، میں معافی کا خواستگار ہوں، میری جگہ کسی اور کو بھیج دیجئے۔'' افسر نے دست بستہ عرض کیا۔

''کیا تمہیں اس سے ڈر لگتا ہے؟ جاؤ ابھی جاؤ۔'' امیر چیخا۔

گارڈ افسر قاضی شریح کی عدالت میں حاضر ہوا اور امیر کا پیغام پہنچا دیا۔قاضی نے باوقار آواز میں غلام کو حکم دیا۔''اس شخص کو پکڑ لو اور جیل میں ڈال دو۔''

''کیا آپ مجھے قید کرنے چلے ہیں؟ افسر نے حیرت اور خوف بھرے لہجے سے پوچھا۔''

''ہاں میں تمہیں قید کردوں گا۔''

اس نے کہا ''میں تو صرف قاصد ہوں۔''

قاضی نے کہا ''تم ایک ناجائز کام کروانے میرے پاس آئے ہو، تم شریعت کا حکم معطل کرنا چاہتے ہو۔''

امیر کو خبر ملی کہ قاضی نے گارڈ افسر کو جیل بھیج دیا ہے تو اس کا پارہ اور چڑھ گیا اپنا حاجب شریح کی عدالت میں بھیجا۔ اس نے معزز جج سے گزارش کی۔

وہ گارڈ افسر تو صرف پیغام لے کر آیا تھا۔ اس کا قصور کیا تھا کہ آپ نے اسے جیل میں ٹھونس دیا؟

''غلام......'' قاضی شریح نے آواز دی۔ وہ حاضر ہوا تو کہا اس حاجب کو بھی اس کے دوست کے ساتھ قید کردو۔''

دن ختم ہو چکا تھا۔ امیر حاجب کا نہایت بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ آخر کھوج لگایا تو حقیقت آشکار ہوئی۔ اسنے کوفے کے بڑے بڑے معزز شہری جن میں قاضی شریح کے دوست احباب بھی تھے طلب کئے۔ انہیں سارا قصہ سنایا اور کہا ''آپ لوگ قاضی کے پاس جائیں۔ انہیں میرا اسلام کہیں اور بتائیں کہ انہوں نے میری توہین کی ہے۔ میں عام آدمی نہیں کہ عدالتوں میں حاضری دیتا پھروں۔''

قاضی شریح کے احباب ان کے ہاں گئے اور امیر کا پیغام پہنچایا۔

''تم لوگ مجھے ایسی بات کہنے آئے ہو جس کا تمہیں کوئی حق نہیں۔'' قاضی نے جواب دیا اور پھر خدام کو آواز دی...... کچھ لوگ ہیں...... چند نوجوان دوڑتے ہوئے آئے۔ قاضی نے کہا ''ان لوگوں کو جیل پہنچادو۔''

قاضی کے دوست دم بخود رہ گئے۔ انہیں توقع نہ تھی کہ قاضی صاحب اس طرح بے رخی سے پیش آئیں گے۔ ''بولے ہمارا جرم کیا ہے؟''

''تم لوگ فتنہ ہو، حق کی راہ میں مزاحم اور قوانین شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ بن رہے ہو۔ تمہاری سزا قید ہی ہو سکتی ہے۔''

انہوں نے کہا۔ ''کیا واقعی کر گزرو گے؟''

''ہاں تا کہ آئندہ کسی ظالم کا پیغام نہ لاؤ۔'' قاضی صاحب نے کہا۔

امیر موسیٰ بن موسیٰ کو پتہ چلا تو اپنا گھڑ سوار دستہ لے کر جیل خانے پہنچ گیا۔ دروازہ کھلوایا اور ان سب قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ جنہیں قاضی نے قید کیا تھا۔

اگلے روز صبح سویرے قاضی شریح کچہری لگائے بیٹھے تھے کہ جیل کا داروغہ حاضر ہوا اور امیر موسیٰ نے جو کچھ کیا تھا اس کی ساری روداد سنائی۔ قاضی شریح فوراً اٹھ کھڑے ہوئے گھر پہنچے اور غلام سے کہا میرا سامان بغداد پہنچا دو۔

''کیا جناب منصب عدالت چھوڑ دینا چاہتے ہیں؟'' غلام نے پوچھا۔

''بخدا ہم نے یہ منصب ان سے مانگا نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود یہ کام زبردستی ہمارے سپرد کر دیا تھا اور ہمیں ضمانت دی تھی کہ وہ عدالت کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔''

امیر کو خبر ملی کہ قاضی صاحب نے استعفیٰ دے دیا ہے اور بغداد جا رہے ہیں تو بڑا گھبرایا۔ انہوں نے خلیفہ کو اس مظلوم خاتون کی داستان سنا دی تو کیا ہو گا؟ فوراً باڈی گارڈ ساتھ لیا اور قاضی صاحب کو راستے ہی میں جا لیا اور لگا منت سماجت کرنے۔ ابوعبداللہ، دیکھئے نا۔ آپ نے میرے آدمی قید میں ڈال دیئے۔

''ہاں میں نے انہیں قید و بند میں ڈال دیا۔ وہ میرے پاس پیغام لے کر آئے تھے اور تو نے ایک بے کس عورت پر ظلم کیا ہے۔''

''آپ واپس تشریف لے چلئے اور اپنے فرائض ادا کیجئے میں عہد کرتا ہوں جو کچھ آپ چاہیں گے وہی کروں گا۔''

''نہیں جب تک وہ سب لوگ جیل نہیں چلے جاتے، میں یہاں سے ہرگز جنبش نہ کروں گا۔''

''قید خانے واپس چلے جائیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں، ورنہ میں امیر المومنین مہدی کے دربار میں جاؤں گا اور جو بوجھ انہوں نے میرے کندھوں پر لاد رکھا ہے، اسے اتار کر ان کی خدمت میں رکھ دوں گا۔''

امیر موسیٰ کے لئے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ان سب لوگوں کو جیل بھجوا دیا جنہیں قاضی صاحب نے قید کیا تھا۔ اب قاضی نے اپنے معاونین سے کہا۔ امیر کی سواری کی

لگام پکڑ واور اسے میری عدالت میں حاضر کرو۔

حکم کی تعمیل ہوئی امیر موسیٰ عدالت میں حاضر کیے گئے۔ قاضی شریح نے مظلوم عورت کو امیر کے ساتھ کھڑا کیا اور کہا۔" بی بی فریق ثانی حاضر ہے جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہو۔"

"لیکن سب سے پہلے ان لوگوں کو تو جیل سے رہا کریں۔ میں حاضر ہو چکا ہوں۔" امیر موسیٰ نے کہا۔

"ہاں اب انہیں رہا کر دیا جائے گا۔" قاضی صاحب نے کہا اور پھر امیر سے پوچھا۔" اس خاتون نے جو دعویٰ کیا ہے اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ یہ سچ کہتی ہے۔"

اس نے کہا۔" ہاں۔"

"جو مال آپ نے لیا ہے اسے واپس کر دیجئے اور جو دیوار گرائی تھی ویسی ہی نئی دیوار فوراً بنوا دیجئے۔"

"حکم کی تعمیل ہوگی۔"

"بی بی، کوئی شکایت باقی تو نہیں رہی؟" قاضی صاحب نے پوچھا۔

"نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جان و مال میں برکت دے اور آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔"

کاش! ایسے عدل انصاف کے دور کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی ذات سے مایوسی گناہ ہے اس لئے امید رکھنی چاہئے کہ انشاء اللہ وہ دور پھر سے ضرور آئے گا۔ تاہم دوا اور دعا نہیں چھوڑنی چاہئے۔

اے دعا تو عرض کر عرش الٰہی تھام کے
یا خدا! تو پھیر دے رخ گردش ایام کے
رحم کر اپنے نہ آئین کرم کو بھول جا
ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تو نہ ہم کو بھول جا

مامون رشید کے دستر خوان کی وسعت

بادشاہ بغداد مامون رشید کا دستر خوان بھی درحقیقت عجائبات میں شمار کرنے کے قابل

ہے مشہور عالم محمد بن حفص انماطی کا بیان ہے کہ عید کے دن ہم لوگ دو پہر کے کھانے میں مدعو ہو کر گئے تو تین سو سے زائد قسم کے کھانے دستر خوان پر رکھے گئے اور جو کھانا ستر خوان پر رکھا جاتا مامون رشید اس کو دیکھ کر یہ کہتا کہ یہ کھانا فلاں فلاں امراض کے لئے مفید اور فلاں فلاں بیماریوں کے لئے مضر ہے بلغمی مزاج والے اس کو نہ کھائیں۔ صفروی مزاج والے اس کو ضرور کھائیں۔ سودادی مزاج والوں کو اس سے احتیاط و پرہیز بہتر ہے۔

غرض ہر کھانے کے بارے میں اس کے فوائد و نقصانات پر سیر حاصل گفتگو کرتا یہاں تک کہ مامون رشید کی اس وسعت معلومات کو دیکھ کر قاضی یحییٰ بن اکثیم یہ کہنے لگے کہ اے امیر المومنین! آپ جب علم طب میں بحث کرتے ہیں تو اپنے وقت کے جالینوس معلوم ہوتے ہیں اور علم نجوم میں آپ پر ''ہرمس'' کا گمان ہوتا ہے بات کی صداقت میں دیکھئے تو حضرت ابو ذر کی شان یاد آجاتی ہے فقہی معلومات میں مولائے کائنات حضرت علی کی فقاہت کا جلوہ نظر آتا ہے سخاوت میں ''حاتم طائی'' اور ایفاء وعدہ میں ''سموئل بن عادیا'' نظر آتے ہیں۔

یہ سن کر ماموں رشید نے کہا کہ قاضی صاحب! تمام جاندار مخلوقات میں انسان اشرف المخلوقات اسی لئے تو ہے کہ وہ جوہر عقل کی دولت سے مالا مال ہے ورنہ انسان کے گوشت وخون اور دوسرے جانوروں کے خون اور گوشت میں کیا فرق ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

ایمان خراب ہونے کے خوف سے بڑے عہدہ سے انکار کردیا

مشہور محدث ابراہیمؒ کو خلیفہ دمشق ہشام بن عبدالملک نے مصر کی ذہنوں کا خراج (زکوٰۃ) وصول کرنے کا سربراہ کا عہدہ پیش کیا آپ نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ ''میں اس کا اہل نہیں ہوں۔''

خلیفہ آپ کا انکار سن کر آگ بگولا ہوگیا اور غضب ناک ہو کر کہنے لگا کہ یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا ورنہ آپ سخت سزا کے مستحق ہوں گے آپ ہشام کی قہر آلود دھمکیوں کو نہایت سکون واطمینان کے ساتھ سنتے رہے جب ہشام خاموش ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

انا عرضنا الا مانه علی السموت والارض والجبال فاب

ین ان یحملنها و اشفقن منها

''ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو ان سبھوں نے خائف ہوکر اس بار امانت کو اٹھانے سے انکار کردیا۔''

اے امیر المومنین جب بار امانت اٹھانے سے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر ناراض نہیں ہوا تو آپ مجھ کو بار امانت اٹھانے سے انکار کرنے پر اس قدر ناراض ہوکر کس طرح سزا دے سکتے ہیں؟ ابراہیم محدث کی یہ حقانی تقریر سن کر ہشام کے ہوش وحواس کا طوطا اڑ گیا۔ اور بالکل لاجواب ہوکر خاموش ہوگیا اور اس عہدہ پر کسی دوسرے شخص کو مقرر کردیا۔

حضرت مجدد الف ثانی اور جہانگیر

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ان علمائے حق میں سے ہیں جو اکبری دور کی مشرکانہ وملحدانہ مراسم اور جہانگیری عہد کی کفرنوازیوں کو مٹانے کے لئے اپنی زبان وقلم سے عمر بھر مصروف جہاد وسرگرم عمل رہے۔ دربار کے خوشامدی علماء سوء نے آپ کے خلاف جہانگیر سے ایسی الٹی سیدھی لگائی کہ جہانگیر اپنی سلطنت کے غرور میں آپ کے درپے آزاد ہوگیا اور آپ کو دربار میں طلب کرکے نہایت تلخ کلامی کے ساتھ آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے جہانگیر کے تمام سوالوں کا نہایت ہی معقول ومسکت جواب دیا اور جہانگیر کی قہر آلود دھمکیوں کا ذرہ بھر بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ کی کھری کھری باتوں سے جہانگیر جل بھن گیا۔

کوئی جواب تو بن نہیں پڑا مگر حکومت کے نشہ میں آپ کی توہین کرنے لگا اور گوالیار کے قلعہ میں آپ کو قید کردیا۔ آپ نے جہانگیر کے اس ظالمانہ سلوک کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرمالیا اور قلعہ کی چہار دیواری میں محبوس ہوکر قیام پذیر ہوگئے۔ ہندوستان میں آپ کے لاکھوں مریدین ومعتقدین تھے بلکہ دربار کے بعض امراء سلطنت بھی آپ ہی کے مرید ومعتقد تھے۔ آپ کے ایک ادنیٰ اشارے پر جہانگیر حکومت کا تختہ الٹ پلٹ ہوسکتا تھا مگر آپ نے حکومت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں فرمایا لیکن اکبر وجہانگیر کی خلاف شرع مشرکانہ رسوم

اور کفر نوازیوں کے خلاف برابر اپنی زبان وقلم سے نعرہ جہاد بلند فرماتے رہے۔

جہانگیر کو جب آپ کی جلالت شان اور تبلیغی کارناموں کا علم ہوا اور امراء دربار کی نگاہیں بھی کچھ پھری پھری سی نظر آنے لگیں تو اس کو ہوش آیا فوراً آپ کو قید سے رہا کر کے دربار میں انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ مدعو کیا۔ معافی کا خواستگار ہوا۔ بلکہ آپ کے دست حق پرست پر تائب ہو کر آپ کا مرید ہو گیا۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے فرزند شہزادہ خرم (شاہجہان) کو آپ اپنی خدمت میں رکھ کر اس کی تربیت فرمائیں۔

خلیفہ مہندی کا دسترخوان کے خرچ کو ۱۰۰ گنا کم کرنا

جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اموی خلفاء کا بھرم قائم کیا تھا۔ اسی طرح عباسی خلفاء میں مہتدی نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ زہد ورع اور سادگی میں اپنی مثال آپ تھا۔ خلفائے عباسیہ کے دسترخوان کا خرچ ہر روز دس ہزار درہم تھا۔ مہتدی نے اس کو گھٹا کر سو درہم کر دیا تھا اور اکثر وبیشتر روزہ سے رہتا لباس بھی نہایت سادہ ہوتا تھا۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ مہتدی ایک کپڑا بہت بہت دنوں تک پہنے رہتا۔

جب مہتدی کو قتل کر دیا گیا تو لوگوں کو ایک بکس ہاتھ آیا وہ سمجھے کہ اس میں جواہرات ہوں گے لیکن جب کھولا گیا تو صرف ایک جبہ اور معمولی بنڈی نکلی۔ خادم سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ مہتدی رات گئے ان کپڑوں کو پہن کر صبح تک عبادت میں مصروف رہتا تھا۔

(مروج الذہب ج۹ ص۲۰)

خلیفہ عضد الدولہ کا ڈاکوؤں کو زہر آلود حلوہ کھلانا

خلیفہ عضد الدولہ کے زمانہ میں کرو قوم کے ڈاکوؤں نے بڑا ادھم مچایا۔ یہ لوگ پہاڑی گھاٹیوں میں چھپے رہتے۔ اور آنے جانے والے قافلوں کو لوٹ لیتے تھی۔ ان ڈاکوؤں پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ تو عضد الدولہ نے ایک تاجر کو بلایا۔ اور اسے ایک خچر دیا جس پر دو صندوق لدے ہوئے تھے ان صندوقوں میں ایک ایسا حلوہ بند تھا۔ جس میں بہت تیز اور نفیس خوشبو ملی ہوئی تھی۔ اور اس حلوے کو بڑے خوبصورت برتنوں میں بند کر کے صندوقوں میں رکھا گیا تھا۔

عضد الدولہ نے اس تاجر کو یہ خچر دے کر حکم دیا۔ کہ فلاں قافلہ کے ساتھ روانہ ہو جاؤ اور ظاہر یہ کرو کہ ان بعض حکام اوران کی عورتوں کے لئے بطور ہدیہ شاہی حلوہ بھیجا جارہا ہے۔

تاجر نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور قافلہ کے آگے آگے روانہ ہو گیا۔ جب قافلہ ڈاکوؤں کے مقام کے پاس پہنچا تو ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کر دیا اور قافلہ والوں کو لوٹ لیا اور اس خچر کو بھی اپنے قبضہ میں کرلیا۔ جس پر حلوے کے صندوق لدے تھے۔ پھر انہوں نے جب ان صندوقوں کو کھولا تو حلوہ کی نفیس اور تیز خوشبو سے سب ڈاکو اس حلوے کے گرد جمع ہو گئے۔ بھوکے تھے، اس لئے سب ہی اس پر ٹوٹ پڑے، اور خوب سیر ہو کر کھایا۔

بس کھا کر لوٹے ہی تھے کہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ پھر تو اس قافلہ والوں نے دوڑ کران کے مال و متاع پر قبضہ کرلیا اوران کے ہتھیار بھی لے لئے اور جس قدر مال لوٹا ہوا تھا۔ وہ بھی مل گیا۔

سبق:۔ جھوٹ، مکر، فریب اور لوٹ کھسوٹ سے جمع کردہ دنیا کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ اور ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے اوران کا دین اور دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے۔

خدا تمہیں خوش رکھے

طغرل بادشاہ نے اپنے معتمد وزیر ابو منصور کو صبح ہی صبح بلا بھیجا لیکن نماز فجر کے بعد ابو منصور کا معمول تلاوت اور اوراد و اذکار کا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے معمولات پورے کرنے کے بعد دربار میں پہنچے تو بہت دیر ہو چکی تھی، طغرل غصے سے بھرا بیٹھا تھا، درباری کاسہ لیسوں اور حاسدوں کی باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ بادشاہ نے انتہائی غضب ناک لہجے میں سوال کیا ''تم نے ہمارے حکم کی فوراً تعمیل کیوں نہیں کی اور اتنی تاخیر کیوں کی؟''

ابو منصور نے انتہائی تحمل اور بے خوفی سے جواب دیا ''بادشاہ معظم! میں خدا کا بندہ ہوں اور تیرا نوکر۔ جب تک میں اپنے پیدا کرنے والے کی بندگی سے فارغ نہ ہو جاؤں تیری نوکری پر نہیں آسکتا۔''

حاسدوں کا خیال تھا کہ اس گستاخانہ جواب پر ابو منصور کی گردن اڑانے کا حکم دیا جائے گا لیکن اس وقت ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی جب انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ کے چہرے پر

ندامت کے آثار تھے اور وہ کہہ رہا تھا: ''ابومنصور خدا تمہیں خوش رکھے اللہ کی بندگی کو ہمیشہ میری نوکری پر ترجیح دینا، انشاءاللہ تمہاری عبادت اور بندگی کی برکت سے ہمارے سب کام درست ہو جائیں گے۔''

ہمارے اکابرین نے چھوٹی چھوٹی کہانیاں اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ جیسے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے بڑے عجیب وغریب نتائج نکالے ہیں۔ بڑی معرفت کی باتیں نکالی ہیں۔ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک بات جو اس موقع کے مناسب ہے وہ یہ کہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، ایک بڑا نیک مسلمان بادشاہ گزرا ہے۔ غزنی ایک علاقہ ہے افغانستان کا اس کے پاس ایک غلام تھا اور اس غلام کا نام ایاز تھا۔ تھا تو دیہاتی آدمی لیکن جب بادشاہ کے پاس آیا۔ تو وہ اتنا اچھا خدمت گار تھا کہ بادشاہ کو پسند آ گیا اور بالآخر بادشاہ کے مقربین میں شامل ہو گیا۔

اب دوسرے لوگ جب کبھی ایاز کو دیکھتے کہ اتنی عزت مل گئی تو حسد پیدا ہوتا۔ حاسدین پیدا ہو جاتے ہیں جہاں فضل وکمال ہوتا ہے وہاں حاسدین ضرور ہوتے ہیں اب وہ حاسدین آپس میں منصوبے کرتے رہتے، سوچتے رہتے کہ ہم کیسے بادشاہ کی نظر سے اس کو گرائیں تاکہ یہ یہاں سے دفع دور ہو جائے۔ موقع کی تلاش میں رہے۔

حسد کی آنکھیں نہیں ہوتیں مگر حسد کے کان بہت بڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ چھوٹی چھوٹی باتیں سن سنا کے ان کو بڑا بتنگڑ بنانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ کیا ہوا کہ ایک دن ان لوگوں نے مل کر بادشاہ سے کہا کہ بادشاہ سلامت ہم آپ کے مقرب ہیں، پڑھے لکھے ہیں، خاندانی لوگ ہیں، امراء ہیں۔ لیکن جو آپ کی محبت کی نظر ایاز پر ہے وہ اور کسی پر نہیں تو بادشاہ نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ کو میں کبھی اس کا جواب دوں گا۔

ایک دن بادشاہ نے ایک پھل منگوایا جو کھانے میں ذرا کڑوا تھا، اس کی قاشیں بنوائیں اور قاش بنوا کر اس نے ان سب مصاحبین میں تقسیم فرمائیں۔ ایک قاش ایاز کو بھی دے دی۔ اب جس نے بھی کھائی، تو کڑوی۔ بادشاہ سلامت بہت کڑوے ہیں...... بالکل ہی کڑوے ہیں...... بہت کڑوا۔

لیکن جب بادشاہ نے ایاز کو دیکھا تو مزے سے پھل کھا رہا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا ایاز

کڑوانہیں ہے؟ بادشاہ سلامت! کڑوا تو بہت ہے۔

تم نے آرام سے کھالیا۔ بادشاہ نے کہا۔

کہنے لگا بادشاہ سلامت! مجھے خیال آیا آپ کے جن ہاتھوں سے میں زندگی میں سینکڑوں مرتبہ میٹھی چیزیں لے کے کھا چکا۔ اگر آج کڑوی بھی مل گئی تو میں اس کو واپس کیسے کروں گا۔ مجھے واپس لوٹاتے ہوئے شرم آئی، حیا آئی۔ میں نے کڑوی چیز کھالی، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کاش ہمارے اندر بھی یہ خوبی پیدا ہو جائے۔ کہ ہم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے اس کی شکرگذاری بجالائیں۔

تو مجھے حرام کھلانا چاہتا ہے

یحییٰ برمکی کے ایک گورنر نے ایک خط کے ذریعے سے ایک تاجر کے مرنے کی اطلاع دی اور یہ بھی لکھا ’’تاج، دولت ایک بچہ اور ایک حسین کنیز چھوڑ کر مرا ہے اور آپ کو یہ حق ہے کہ آپ انہیں اپنی ملکیت قرار دے لیں‘‘۔

جواب میں یحییٰ برمکی نے لکھا ’’تمہارا خط ملا۔ خدا مرحوم پر رحمت کرے۔ مال میں برکت دے۔ بچے پر اپنا کرم کرے۔ کنیز کی حفاظت کرے اور تم پر لعنت کرے کہ تم نے مجھے ایسا غلط مشورہ دیا ہے۔‘‘

اے خلیفہ معتصم تو نے جو مال جمع کیا سپاہیوں پر خرچ نہ کیا، اب اس کی سزا بھگت

عباسیوں کا آخری خلیفہ معتصم ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ ویسے بھی اب اس کی کوئی ضرورت باقی نہ تھی۔ وہ بھوکا پیاسا ایک طرف پڑا رہا۔ جب بھوک حد سے زیادہ بڑھی تو اس نے نگرانوں کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔

یہ اطلاع ہلاکو تک پہنچی۔ ہلاکو کے حکم سے ایک خوان اس کے سامنے لاکر رکھا گیا کہ کھاؤ۔ معتصم نے خوان پوش اٹھایا تو اس میں جواہرات بھرے رکھے تھے۔ مستعصم نے یہ دیکھ

کر کہا۔ ''بھلا یہ کوئی کھانے کی چیزیں ہیں۔ان سے بھی کسی کا پیٹ بھرا ہے۔ میں ان کو کیسے کھاؤں۔''

ہلاکو خان نے کہلوا بھیجا کہ ان سے اگر پیٹ نہیں بھرتا تو اس طرح ان کو سمیٹ سمیٹ کر رکھا کیوں؟ اپنی جان اور لاکھوں مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے ان کو خرچ کیوں نہیں کیا؟ یہ دولت سپاہیوں کو کیوں نہ دی کہ وہ لڑنے کے قابل ہوتے؟ پھر تم بھی محفوظ رہتے اور تمہارا ملک بھی محفوظ رہتا۔''

مثالی احتساب: محمود کے سپہ سالار کو شراب پینے پر کوڑا لگنا

سلطان محمود کی افواج کے سپہ سالار علی نوشتگین کی کمان میں پچاس ہزار فوج تھی۔ ایک دن نشے کی حالت میں فوجیوں میں آ نکلا اور سپاہیانہ جوش میں محتسب کی بھی پرواہ نہ کی۔ محتسب اسلام کی کھلی توہین کو برداشت نہ کر سکا اور سپہ سالار کے رتبے کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے گھوڑے سے اتار لیا اور احکام شریعت کے مطابق اپنے ہاتھ سے اس کی پشت پر درے لگانے شروع کئے۔ سوار اور پیادے کھڑے تکتے رہے اور دم نہ مار سکے۔

سلطان محمود کو سپہ سالار کے شراب پینے کی خبر تو تھی۔ مگر محتسب کے ملنے اور حد شرعی جاری کرنے کا علم نہ تھا۔ دوسرے دن علی نوشتگین جب سلطان کی خدمت میں آیا تو اس نے محتسب کے ادائے فرض کا اندازہ لگانے کے لئے اپنے سپہ سالار کی پیٹھ کھول کر دیکھی، اس پر دُوں کے نشان تھے۔ ہنس کر کہا ''توبہ کرو، اب کبھی یہ حرکت نہ کرنا۔''

سلطان ناصر الدین کا حکومت کے باوجود ذاتی ملازم نہ رکھنا

سلطان ناصر الدین اولین ۶۴۴ھ میں تخت دہلی پر متمکن ہوا۔ بیت المال میں لاکھوں کروڑوں روپے موجود تھے۔ لیکن وہ اپنی روزی ہاتھ سے کماتا تھا۔ دوسرے بادشاہوں کے برعکس اس کی بیگم بھی ایک ہی تھی جس کا نام سلیمہ تھا۔ اس کے پاس کوئی لونڈی تھی نہ باندی۔ وہ

اپنے ہاتھ سے خود ہی کھانا پکاتی۔ایک روز روٹی پکاتے اس کا ہاتھ جل گیا۔

اس نے سلطان سے ایک ملازمہ کی فرمائش کی۔لیکن سلطان نے کہا۔بیگم! گو میں بادشاہ ہوں لیکن سلطنت کے روپے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ وہ رعایا کا مال ہے اور اسے رعایا کی آسودگی پر صرف ہونا چاہئے۔میں محنت کش آدمی ہوں ''آمدنی قلیل ہے'' اس میں ایک خادمہ رکھنے کی گنجائش نہیں، آخر غریب آدمیوں کی بیویاں بھی اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی ہیں۔دنیا میں چند روز تکلیف ہے۔اسے برداشت کرلو۔بارگاہ خداوندی سے اس کا اجر ملے گا۔

سلطان محمد تغلق کا ظلم وستم

سلطان محمد تغلق عمدہ سپہ سالار ہی نہ تھا، علماء وفضلاء سے فیاضانہ سلوک بھی کیا کرتا تھا۔ لیکن اس بعض اوقات اس قسم کی حماقتیں اور ناانصافیاں کرتا کہ اس کے صحیح الدماغ ہونے پر بھی شک پیدا ہو جاتا۔دہلی کو اسی نے اجاڑا اور برباد کیا اور لوگوں کو جبراً نئے دارالخلافہ دولت آباد میں نقل مکانی کے لئے گھروں سے باہر لے گیا۔ان باتوں کے باوجود خود کو عادل تصور کرتا تھا اور عادل آباد کے نام سے اس نے ایک قصر ہزار ستون تعمیر کرایا تھا۔

اس کے عہد میں شیخ شہاب الدین حق رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی میں ایک نامور بزرگ گزرے ہیں، سلطان نے انہیں مجبور کیا کہ اس کے عادل ہونے کا فتویٰ صادر کریں اور خطبے میں ان کا نام پڑھیں۔

سلطان کے مشیروں نے ان بزرگ کو سلطان کے غیظ وغضب سے ڈرایا اور ناکام ہو کر ہر قسم کا لالچ بھی دیا، لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا میں ظالم کو عادل رات کو دن اور ظلمت کو نور نہیں کہہ سکتا، بادشاہ کو خبر ہوئی انہیں گرفتار کرایا اور پھر شاہی قلعے کے نیچے سے گروا دیا۔وہ شہید ہو گئے، لیکن ظالم بادشاہ کو عادل نہیں کہا، اسی وجہ سے حق گو مشہور ہوئے۔

جرأت مند عورت تیمور کی بیوی کیسے بنی

بایزید کی فوج میں ایک ایرانی نسل یزدانی ترکی افواج کا جنرل تھا۔اس کی نوجوان لڑکی

امۃ الحبیب بھی اس فوج میں لیفٹینینٹ تھی۔ یہ شیر دل اپنی بہادری جرات اور اعلیٰ کردار کی وجہ سے بے انتہا مقبول تھا۔ بایزید اپنے ملک میں امن وامان سے حکومت کرر ہا تھا کہ دفعتہً امیر تیمور جیسے خونخوار اور جنگجو دشمن نے حملہ کر دیا۔ بایزید کو شکست ہوئی اور امۃ الحبیب اپنے بہت سے مددگاروں کے ساتھ گرفتار ہوگئی۔

تیمور نے تمام قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ امۃ الحبیب نے جب یہ حکم سنا تو اس کے پاؤں سے زمین نکل گئی اور تیمور کے اس بے رحمانہ قتل اور ترکوں کی بے بسی پر غم وغصے سے بے تاب ہوکر امیر تیمور کے پاس آئی۔ اس وقت یہ مردانہ لباس میں تھی۔ اس نے تیمور سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

اے امیر اتم نے بایزید پر بلاوجہ چڑھائی کی اور ہزاروں بندگان خدا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ خوب سمجھ لو یہ ایسا سنگین جرم ہے جو کبھی معاف نہیں ہوگا۔ ستر ہزار بے گناہ ترکوں کو دفن کر دیا۔ اسلام کو اس خطے سے مکمل طور پر اکھاڑا ہے۔ کیا تو یہ بتا سکتا ہے کہ کس شریعت یا قانون کی رو سے یہ بے رحمی اور ظلم روا رکھا گیا ہے۔ بایزید نے نہایت تواضع اور اخلاق کے تجھے صلح کا پیغام دیا۔ مگر فاتحان اولعزم میں شامل ہونے کی خواہش نے تجھے اس پیغام پر توجہ دینے کی مہلت نہیں دی۔ یاد رکھ ہماری طرح تیری عمر کا پیمانہ بھی لبریز ہونے والا ہے۔ اور عالم کو طے کر کے رب الافواج کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ پھر تو ہی بتا کہ جب وہ ان مظلوم جفا کشوں کے بارے میں تجھ سے سوال کرے گا۔ تو کیا جواب دے گا؟ اے امیر آج تک کبھی بھی مظلوم قیدیوں پر بہادروں کی تلواریں نہیں اٹھیں۔ ہم بے بس قیدی ہیں۔ ہمارے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ نہایت ہی بزدلانہ اور نفرت انگیز فعل ہے۔

اس کے بعد امۃ الحبیب نے اپنا آہنی خود اتار کر زمین پر پھینک دیا اور کہا۔ اے سلطان دیکھ ایک ناتجربہ کار عورت ہوں۔ تو اندازہ کرسکتا ہے کہ جس قوم کی عورتیں ایسی بے باک اور بہادر ہوں اس کے مرد کیسی بے خوف ودلیر ہوں گے۔

اس اثناء میں تیموری دربار کی عجیب کیفیت تھی۔ چاروں طرف خاموشی اور سکوت کا سناٹا چھایا ہوا تھا اور ہر متنفس پر سکتے کا عالم طاری تھا۔ تیمور نے اس شیر دل خاتون کی اس جرأت مندی سے متاثر ہوکر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔

یہ امۃ الحبیب بعد میں حمیدہ بانو کے نام سے امیر تیمور کے عقد میں آ گئی۔ اس خاتون کی حق گوئی نے لاکھوں مسلمان ترکوں کو ہی موت سے نہیں بچایا بلکہ خود تیمور کی زندگی میں بھی ایک زبردست انقلاب برپا کر دیا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لنگر ہر خواص و عام کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا اور اس میں نہایت نفیس اور لذیذ کھانے پکائے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے لنگر کا خرچ بہت بڑھ گیا تھا۔ ان اخراجات کو دیکھ کر کسی نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا فضول خرچی میں کوئی نیکی نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے برجستہ جواب دیا۔ نیکی میں کوئی فضول خرچی نہیں۔ نیکی جتنی بھی ہو کم ہے۔ اس میں فضول خرچی کا کوئی مقام نہیں۔

سلطان ملک ناصر کا قرآن لکھ کر روزی کمانا

سلطان ملک ناصر الدین نہایت نیک حکمران تھا۔ قرآن شریف لکھ کر فروخت کیا کرتا تھا اور اسی آمدنی میں بمشکل گزر اوقات کرتا تھا اور خزانہ سے ایک پیسہ تک تمام عمر نہ لیا۔ ایک قرآن مجید نہایت جانفشانی سے اور اہتمام سے لکھا۔ اس نسخہ کو دربار کے امراء نے دیکھنے کا شوق ظاہر کیا۔

آپ نے دیکھا، سب نے بہت تعریف کی۔ لیکن ایک معتمد درباری نے ایک جگہ کہا کہ یہاں پر زبر نہیں زیر ہونا چاہئے۔ بادشاہ نے کہا یہ درست ہے غلط نہیں اور آپ کا اعتراض کچھ ٹھیک نہیں لیکن وہ اہلکار نہ مانا۔

مجبوراً سلطان ناصر الدین نے اس جگہ پر نشان لگا دیا (یعنی یہ کہ درستی کر لی جائے گی) جب سب لوگ رخصت ہوئے اور باقی صرف ایک آدمی رہ گیا۔ اس نے دیکھا سلطان نے وہ نشان مٹا دیا۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے درستی کرنا تھی، لیکن بغیر درستی کئے آپ نے نشان مٹا دیا۔ سلطان نے کہا کہ وہ صاحب غلط اعتراض کر رہے تھے اور بضد تھے کہ ان کی بات مانی جائے۔ میں نے ان کی دل شکنی نہ کی اور نشان لگایا۔ حالانکہ میں قرآن حکیم کا دوسرا نسخہ لا کر ان

کی غلطی کی نشاندہی کر سکتا تھا، میں نے ایسا نہ کیا اور ان کو شرمندگی سے بچالیا۔ دوسروں کو ذلیل کرنا بڑا گناہ ہے۔

سلطان خلجی کا شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کی درخواست کرنا

شیخ شمس الدین ترک پانی پتی جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ کا شمار جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے تھا۔ آپ مخدوم کی خدمت میں ۲۴ سال تک رہے اور اس قدر خدمت کی کہ اپنی پوری زندگی کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا کبھی بھی ایک روز کے لئے حضرت مخدوم سے جدا نہیں ہوئے۔ جب پورے ۲۴ برس ہو گئے اور قلب نور باطن سے منور ہو گیا تو حضرت مخدوم نے اپنے عزیز ترین مرید سے کہا۔ جاؤ شاہی سواروں میں ملازمت کرو اور شاہی فوج کو نیکی کے راستہ پر لاؤ جس روز تم سے کوئی کرامت ظاہر ہوگی اسی روز میرا انتقال ہوگا۔

پیر و مرشد کا حکم لیتے ہی آپ کلیر سے روانہ ہو گئے اور سلطان علاؤ الدین خلجی کے سواروں میں نوکر ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا جب علاؤ الدین خلجی چتوڑ کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا۔ حضرت شیخ ایک معمولی ملازم سپاہی کی حیثیت سے بڑی دیانت داری کے ساتھ کام انجام دیتے رہے اور خاموشی سے تبلیغ اسلام کرتے رہے اور مسلمانوں کو نیکی و اخلاق کی تلقین کرتے رہے۔

سلطان خلجی نے مسلمان محاصرہ جاری رکھا لیکن وہ قلعہ فتح نہ کر سکا اور ناکام رہا آخر وہ فقراء و مشائخ کی تلاش میں لگ گیا کہ کوئی ایسا بزرگ ملے جس کی دعا کی برکت سے فتح نصیب ہو۔ اس کو فقراء کی تلاش میں سرگرداں دیکھ کر ایک حقیقت شناس مرد بزرگ نے کہا کہ تم فقراء کی تلاش میں کیوں سرگرداں ہوتے ہو۔ خود تمہارے لشکر میں ایک خدا تک پہنچا ہوا بزرگ موجود ہے۔ اگر وہ دعا کرے گا تو تمہاری فتح یقینی ہے۔ اس بزرگ کی شناخت یہ ہے کہ آج رات کو جب ہوا چلے گی تو تمام لشکر والوں کے چراغ گل ہو جائیں گے لیکن اس کا چراغ روشن

رہے گا اور وہ تلاوت کلام اللہ میں مصروف رہے گا۔

سلطان خلجی رات کا نہایت بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ رات آئی سخت آندھی چلی۔ تمام لشکر والوں کے چراغ گل ہو گئے صرف ایک چراغ جلتا رہا۔ سلطان خلجی فوراً اس خیمہ میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شمس الدین تلاوت کلام پاک میں نہایت استغراق کے ساتھ مصروف ہیں۔

سلطان دست بستہ ایک کونہ میں کھڑا ہو گیا۔ جب تلاوت کر چکے تو سلطان کو دیکھا۔ تعظیم کے لئے اٹھے اور اس وقت آنے کی وجہ پوچھی۔ سلطان نے معذرت کی کہ میں آپ کی قدر ومنزلت نہ کر سکا آپ مجھے معاف کر دیں۔ اس کے بعد دعا کی درخواست کی۔

آپ نے فرمایا میں یہاں سے تین کوس دور جا کر دعا کروں گا آپ فوراً حملہ کر دیں انشاء اللہ قلعہ فتح ہو جائے گا۔ سلطان نے بڑی عزت واحترام کے ساتھ رخصت کیا۔ آپ نے تین کوس فاصلہ پر جا کر دعا کی۔ قلعہ فتح ہو گیا۔ حضرت شیخ کو اس وقت اپنے پیرو مرشد کی بات یاد آتی اور سمجھ لینا کہ حضرت مخدوم کا انتقال ہو گیا ہے۔

حضرت مخدوم کا انتقال:

جس وقت حضرت شیخ شمس الدین کی دعا کی برکت سے قلعہ چتوڑ فتح ہو رہا تھا حضرت مخدوم اسی وقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ تاریخ وفات ۱۳ ربیع الاول ۶۹۰ھ ہے۔

عمر بن عبدالعزیز! اے میری بیوی کچھ پیسہ دے دے مجھے انگور کھانے ہیں

مشہور نامور اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک مرتبہ اپنے گھر تشریف لائے تو اپنی بیوی سے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ پیسے ہوں تو انگور خریدوں انہوں نے فرمایا میرے پاس تو نہیں ہے لیکن آپ اتنے جلیل القدر خلیفہ ہو کر بھی انگور نہیں خرید سکتے ہیں۔

اس پر عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ ہاں میرے لئے یہ بات راحت بخش ہے بہ نسبت

اس کے کہ کل میں خیانت کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جاؤں۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارنامے

حضرت مجدد کے تجدیدی کارنامے تفصیل کے ساتھ لکھنے کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے اس مختصر تالیف میں اس کی گنجائش کہاں؟ آپ کے کام کو صحیح سمجھنے کے لئے چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱)......اکبر کا عہد حکومت ہندوستان کی مسلم تاریخ کا سیاہ باب ہے اس کے عہد میں اسلام کو بحیثیت دین کے مٹایا جارہا تھا اور اسلام کو ہندو قومیت میں جذب کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ شعائر اسلام کی علی الاعلان توہین کی جاتی تھی۔ اکبر ایک نئے مذہب کو ہندوستان میں مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ گاؤکشی قانوناً بند کردی گئی۔ مساجد کی تعمیر کے لئے اجازت نہ دی جاتی تھی۔ اکبر بادشاہ خداوند کریم کے ننانوے (۹۹) نام اسمائے حسنیٰ کی بجائے سورج کے نام پڑھتا تھا جب کہ وہ صبح کو قلعہ اکبر آباد کے جھروکوں سے اپنا درشن کراتا تھا ہندوؤں کے تہوار مسلمانوں میں روز بروز پھیلتے جارہے تھے۔ غرض یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مقدس چہرہ کو مسخ کیا جارہا تھا۔

(۲)......اکبر خود جاہل تھا اس لئے وہ اپنی کوئی مستقل رائے نہیں رکھتا تھا۔ پھر اس کی ہندو بیویوں اور ابوالفضل اور فیضی کی صحبتوں نے اس کو اور بھی گمراہ کردیا۔ اکبر کے دور حکومت کی صحیح تصویر ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں کھینچی ہے۔

(۳)......مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر مسلمانوں میں بدعات و شرک پوری طرح پھیل گیا تھا صرف ناموں سے تو پہچانا جاسکتا تھا کہ یہ مسلمان ہے ورنہ مسلمان اپنی وضع اور اعمال سے غیر مسلم سمجھے جاتے تھے۔

(۴)......شیعہ مذہب کی بدعات بھی رواج عام پانے لگی تھیں اکبر کے بعد جب جہانگیر آیا تو اگرچہ نسبتاً بہتر تھا اور عقیدہ کے لحاظ سے مسلمان تھا لیکن فاسق و فاجر تھا۔ شراب کباب کا دلدادہ تھا اس کی بیگم نور جہاں کی وجہ سے شیعہ امراء کو مملکت میں بہت کچھ دخل ہوگیا تھا انہی شیعہ امراء نے بھی حضرت مجدد کے گرفتار کرانے میں سازش کی تھی۔

(۵)..... چند حق پرست علماء کو چھوڑ کر علماء بھی درباری رنگوں میں ڈوبے ہوئے تھے زر پرستی ان کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

یہ وہ حالات تھے جن میں حضرت مجدد نے کام کیا اور اصلاح کی اور آپ اس عظیم مقصد میں کامیاب ہوئے۔ راقم الحروف کی رائے ہے کہ اگر حضرت مجدد نے اپنے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں سے ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت نہ فرماتے تو آج ہندوستان کے مسلمانوں کی وہی حالت ہوتی جو چین کے مسلمانوں کی ہے۔

خلیفہ سلیمان کی خوراک

خلفاء بنو امیہ میں سلیمان بن عبدالملک بڑی شان وشوکت کا سلطان گزرا ہے۔ اس کی چند حکایات بھی آپ پڑھ چکے ہیں اس کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی عجائبات میں سے ہے کہ یہ بہت ہی کثیر خوراک والا تھا چنانچہ منقول ہے کہ ایک نشست میں یہ چھ مرغیاں، ایک بکرا، ستر انار اور تقریباً چھ کلو کشمش کھا کر اٹھا نہایت ہی تندرست اور بے حد وجیہہ و خوش رو اور خوبصورت جوان تھا۔ یحییٰ عنانی کا بیان ہے کہ ایک دن سلیمان بن عبدالملک نے آئینہ میں اپنا حسین وجمیل چہرہ دیکھا تو یہ کہا کہ حضرت محمد ﷺ ''خدا کے نبی'' ہیں اور حضرت ابوبکر ''صدیق'' تھے اور حضرت عمر ''فاروق'' تھے اور حضرت عثمان ''حیادار'' تھے اور حضرت معاویہ ''حلیم'' تھے اور عبدالملک ''سیاسی'' تھے اور ولید بن عبدالملک میرا بھائی ''ظالم'' تھا اور میں ''بادشاہ شباب'' ہوں۔

اس کلام کے بعد ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ ۱۰ صفر بروز جمعہ سن ۹۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۵۷)

اس میں شک نہیں کہ سلیمان بہت ہی کثیر مقدار میں کھانے والا نہایت ہی پیٹو انسان تھا لیکن اس کے شاندار اصلاحی کارنامے بلاشبہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کے بارے میں فرمایا کہ کان من خیار ملوک بنی امیہ یعنی یہ شخص بنو امیہ کے بادشاہوں میں ایک نہایت ہی اچھا بادشاہ تھا۔ فصاحت و بلاغت میں ممتاز اور عدل وانصاف میں یکتا، پابند شرع اور جہاد فی سبیل اللہ کا شیدائی تھا۔ اسی طرح اولیاء و محدثین کے

سرگروہ حضرت محمد بن سیرین اس سلیمان بن عبدالملک کے لئے اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

''اللہ تعالیٰ سلیمان بن عبدالملک پر اپنی رحمت نازل فرمائے اس نے اپنی خلافت کا افتتاح اس طرح کیا کہ پوری سلطنت میں ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کا اہتمام کیا اور اپنی خلافت کا خاتمہ اس طرح کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین بنا کر دنیا سے رخصت ہوا۔'' (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۷)

عمر بن عبدالعزیز کیسے خلیفہ بنے؟

جب سلیمان بن عبدالملک خلیفہ دمشق بہت سخت بیمار ہوا تو اس کو اپنے جانشین کی فکر ہوئی۔ چنانچہ اس نے ایک دستاویز میں اپنے ولی عہد کا نام لکھ دیا۔ مگر سلطنت کے اس انقلاب آفریں کام میں مشورہ کرنے کے لئے ایک مشہور عالم رجاء بن حیوہ محدث شامی کو بلایا۔

حضرت رجاء نے جو دستاویز پڑھی تو اس پر خلیفہ کے ایک نابالغ لڑکے کا نام درج تھا۔ آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین! اگر آپ اپنی قبر میں سکون اور آسودگی چاہتے ہیں تو کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنائیے جو سلطنت کے حسن وخوبی کو چار چاند لگادے۔ یہ نابالغ بچہ بھلا کیا حکومت سنبھالے؟

حضرت رجاء کا یہ کلمہ حق تاثیر کا تیر بن کر خلیفہ کے دل میں چبھ گیا اور اس نے فوراً ہی دستاویز کو پھاڑ کر پرزے پرزے کرڈالا۔ پھر کہا کہ میرے بیٹے داؤد کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے۔

حضرت رجاء نے فرمایا کہ وہ اس وقت دارالخلافہ سے سینکڑوں میل دور قسطنطنیہ کے جہاد میں مصروف ہے اور یہ بھی پتا نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ پھر کس کو میں اپنا ولی عہد بناؤں؟

حضرت رجاء نے فرمایا کہ آپ کا بھتیجا عمر بن عبدالعزیز بہت ہی صالح، فاضل اور سلیم الطبع ہے میرے خیال میں وہ آپ کی جانشینی کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہے۔

خلیفہ نے فوراً ہی عمر بن عبدالعزیز کے لئے ولی عہدی کی دستاویز لکھ دی اور اس کو لفافہ

میں بند کر کے کوتوال کو حکم دیا کہ خاندان خلافت کے کل ارکان دربار میں حاضر کیے جائیں۔

چنانچہ جب سب لوگ دربار میں آ گئے تو حضرت رجاء نے خلیفہ کے حکم سے اس سر بمہر لفافہ پر سب سے بیعت لے کر سب کو رخصت کر دیا۔ اس دستاویز کی تکمیل کے چند ہی گھنٹے بعد خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت رجاء نے دروازے پر پہرہ بٹھا دیا کہ خبردار! کوئی اندر نہ جانے پائے۔ نہ اندر سے باہر نکلے۔ تاکہ خلیفہ کی موت کا حال کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔

پھر کوتوال کو بھیج کر خلافت کے خاندان کے تمام ذمہ داروں کو بلایا اور دوبارہ اس مہر بند لفافہ پر سب سے بیعت لے کر خلیفہ کی موت کا اعلان فرما دیا اور لفافہ کھول کر سب کو عمر بن عبدالعزیز کا نام دکھا دیا۔ جب ہشام بن عبدالملک نے (جو خلافت کا دعوے دار تھا) عمر بن عبدالعزیز کا نام سنا تو بگڑ کر کہا کہ خدا کی قسم ہم ہرگز کبھی بھی ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے حضرت رجاء نے ڈانٹ کر فرمایا کہ تم دو مرتبہ اس مہر بند لفافہ پر بیعت کر چکے ہو۔ اب خیریت اسی میں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی بیعت کر لو۔ ورنہ ابھی تلوار سے تمہارا سر اڑا دیا جائے گا۔

حضرت رجاء کے قہر آلود تیور دیکھ کر ہشام کانپ اٹھا اور فوراً بیعت کر لی۔ ہشام کی بیعت کے بعد حضرت رجاء نے عمر بن عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر خلافت پر بٹھا دیا اور ان کی خلافت کا عملی دور شروع ہو گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۱۱)

نتیجہ:۔ اس واقعہ سے ایک ملا یعنی حضرت رجاء بن حیوہ کی اعلیٰ سیاست، قوت فیلہ حسن تدبیر، اور استقلال طبیعت کا ناظرین خود ہی اندازہ لگا لیں ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں!

حضرت علیؓ سے کوفیوں کی بے وفائی کا انجام

۷۵ ہجری میں حجاج بن یوسف جب بصرہ و کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر وہاں گیا۔ تو اس نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا:

''میں لکڑی کی طرح تمہیں چھیل دوں گا۔ اور پھول کی پتیوں کی طرح جھاڑ دوں گا۔ تمہارے جسموں کی بوٹیاں اڑا دوں گا۔ تمہاری عورتوں کے سہاگ لوٹ لوں گا اور تمہارے بچوں کو یتیم کر دوں گا۔''

اس نے وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ مصعب کے زمانہ سے ہر سپاہی کو تنخواہ کے ہمراہ جو سو روپیہ زائد ملا کرتا تھا۔ اور جسے عبدالملک نے بھی قائم رکھا تھا۔ اس اضافہ کو ختم کردیا اور اعلان کیا کہ ہر سپاہی کو وہی تنخواہ دی جائے گی۔ جو مصعب کے زمانہ سے پہلے دی جاتی تھی۔

عبداللہ بن جارود بصرہ کا ایک بااثر آدمی تھا۔ جو اس کی درندگی سے بخوبی واقف تھا۔ مگر اس کے باوجود اس سے رہا نہ گیا۔ اور اس نے حجاج کے اس فعل پر بڑا احتجاج کیا اور حجاج نے اسے جھڑک دیا۔

کئی ماہ بعد حجاج نے پھر تنخواہوں میں اضافہ کی کمی کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو اب پھر عبداللہ بن جارود نے اسے ٹوکا۔ جس سے بات بڑھ گئی۔ اور بالآخر اس حق گوئی کی پاداش میں اسے حجاج کی محافظ فوج کے ایک تیر کا نشانہ بننا پڑا۔ جس نے اس کا خاتمہ کردیا۔ عبداللہ بن جارود اس کی بدطینتی سے بے خبر نہ تھا۔ مگر اس نے اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس ظالم کے فرمان کو جھٹلایا جس نے بیس سال کے اندر محض غصہ کی بناء پر ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کا خون بہایا اور جن پر ہاتھ اٹھایا وہ لاکھوں تھے مگر آج یہ جرأت کسے؟

کوفیوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بے وفائی اور دغابازی کی تھی۔ قدرت نے اس کی سزا عراق پر حجاج بن یوسف کے تسلط کی صورت میں دی۔ جس نے ان کو ایسی ایسی سزائیں دیں۔ کہ ان کی فطرت تک کو مسخ کرڈالا۔ کسی نے سچ کہا ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت او استقامت

امام عالی مقام حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ جن کی طرف نسبت کر کے ہم حنفی کہلاتے ہیں ان سے کون ناواقف ہوگا۔ آپ کو اپنے زمانہ میں دو حکومتوں بنو امیہ اور بنو عباس سے واسطہ پڑا۔ ہر حکومت نے آپ کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنا چاہا لیکن آپ نے نہایت جرأت و استقامت کے ساتھ استعمال ہونے سے انکار کردیا جس کی پاداش میں آپ کو

دونوں حکومتوں کے ظلم وستم برداشت کرنے پڑے تاریخ کے حوالے سے ہم قارئین کے سامنے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں حکومتوں کے حکمرانوں سے بے باکانہ گفتگو نقل کرتے ہیں۔

بنوامیہ کے آخری حکمران مروان بن محمد کی طرف سے یزید بن عمر بن ہبیرۃ عراق کا گورنر تھا۔ اس نے چاہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ منصب قضاء قبول کرلیں، لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی سختی کے ساتھ انکار کردیا۔ اس سلسلہ میں دونوں میں کیا گفتگو ہوئی ملاحظہ فرمائیں۔

''ابواحمد عسکری روایت کرتے ہیں کہ ابن ہبیرہ نے چاہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کا منصب قضاء قبول کرلیں، لیکن آپ نے انکار کردیا اور عہدہ قضاء قبول نہیں کیا۔

ابن ہبیرہ نے قسم اٹھائی کہ اگر ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ یہ عہدہ قبول نہیں کریں گے تو وہ ان کے سر پر کوڑے بھی برسائے گا اور قید بھی کردے گا۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ صورت حال بتلائی گئی اور عہدۂ قضاء قبول کر لینے کا مشورہ دیا گیا۔

آپ نے فرمایا: ابن ہبیرہ کے کوڑے کھالینا دنیا میں میرے لئے زیادہ آسان ہے بہ نسبت آخرت میں گرزوں کے برداشت کرنے کے، خدا کی قسم میں یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا چاہے وہ مجھے قتل ہی کیوں نہ کردے۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ دیکھئے ابن ہبیرہ آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک آپ یہ عہدہ قبول نہ کرلیں، وہ ایک محل بنارہا ہے اور آپ کو اس کی اینٹیں گننے پر لگانے کا سوچ رہا ہے۔

آپ نے فرمایا: ابن ہبیرہ اگر مجھے کہے کہ میں مسجد کے دروازے گن دوں تو میں اس کی بھی ذمہ داری نہیں لوں گا۔

ابن ہبیرہ کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات پہنچائی گئی تو وہ (غصہ میں تلملاتے ہوئے) بولا کہ اچھا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اتنی جرأت بڑھ گئی ہے کہ وہ اب دست بدست میرا مقابلہ کرنے لگے ہیں، اس نے آپ کو جیل سے بلوایا اور دو بدو بات کی اور قسم کھائی کہ اگر ابو

حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ عہدہ قبول نہیں کریں گے تو میں ان کے سر پر اتنے کوڑے لگواؤں گا کہ یہ مر جائیں گے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انما ھی میتة واحدة ابن ہبیرہ کو صرف میری ایک موت تک ہی اختیار ہے۔ ابن ہبیرہ نے بیس کوڑے آپ کے سر پر لگوائے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بولے: ابن ہبیرہ خیال کر کل تو خدا کے سامنے کھڑا ہوگا (میرا تیرے سامنے کھڑا ہونا تو کچھ بھی نہیں) مجھے ڈرا دھمکا نہیں میں کلمہ گو ہوں کل خدا تجھ سے میرے بارے میں سوال کرے گا اور وہ حق بات کے علاوہ کسی بات کو قبول نہیں کرے گا۔

ابن ہبیرہ نے جلاد کو روک دیا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیل چلے گئے صبح ہوئی تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ اور سر کوڑے کھانے کی وجہ سے سوج رہے تھے۔ روایت ہے کہ ابن ہبیرہ نے نبی علیہ السلام کو رات خواب میں دیکھا آپ ابن ہبیرہ سے فرما رہے ہیں:

اماتخاف اللّٰہ تضرب رجلاً من امتی بلا جرم وتھدہ

''تو خدا سے نہیں ڈرتا کہ میری امت کے ایک فرد کو بلا جرم مارتا ہے اور ڈراتا دھمکاتا ہے۔''

ابن ہبیرہ نے یہ خواب دیکھنے کے بعد امام صاحب کو رہا کر دیا۔

مؤرخ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ:

ابن ہبیرہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سو دس کوڑے لگوائے، روزانہ دس کوڑے لگوانے کا معمول تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مظلومیت یاد آتی تو آپ رونے لگتے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اللہ کے حضور میں اس کے رحم و کرم کی دعا کرتے۔

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے والد حماد رحمۃ اللہ علیہ کی ساتھ مقام کناسہ سے گزرا تو میرے والد رونے لگے میں نے پوچھا کہ ابا جی آپ کیوں رو رہے ہیں؟

فرمایا: بیٹا یہ وہ جگہ ہے جس جگہ ابن ہبیرہ نے میرے والد (اور تمہارے دادا) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مسلسل دس روز کوڑے لگوائے تھے۔ روزانہ دس کوڑے لگائے

جاتے تھے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا جاتا تھا کہ منصب قضاء قبول کرلو، لیکن وہ نہیں مانتے تھے۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابن ہبیرہ کی قید سے چھوٹے تو مکہ مکرمہ چلے گئے پھر جب ۱۳۲ھ میں بنو امیہ کی حکومت کا سورج غروب ہوگیا اور حالات سازگار ہوئے تو آپ واپس کوفہ تشریف لے آئے۔ آپ جب کوفہ آئے تو ابو جعفر منصور تخت خلافت پر متمکن تھا۔

منصور بھی مطلق العنان حکمران ثابت ہوا، اہل حق اس کے خلاف علم جاہد بلند کرنے لگے، اہل بیت میں سے مدینہ طیبہ میں حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ نے اور بصرہ میں حضرت امام زید رحمۃ اللہ علیہ نے منصور کے خلاف خروج کیا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔

منصور نے لوگوں کو یہ باور کرانے کے لئے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ حکومت کے خلاف نہیں ہیں بلکہ حکومت سے متفق ہیں۔ یہ چاہا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کار حکومت میں شریک کرلے اس سلسلہ میں اس نے آپ کو منصب قضاء پیش کیا، آپ نے حسب سابق یہ عہدہ قبول کرنے سے صاف انکار کردیا، منصور نے آپ کو عہدہ قضاء قبول نہ کرنے پر دھمکیاں دیں، لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس سلسلہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور منصور کی گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔

مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں۔

"ابو جعفر منصور نے آپ کو کوفہ سے بغداد بلوالیا تھا، وہ چاہتا تھا کہ آپ کو منصب قضاء سپرد کرے لیکن آپ مانتے نہیں تھے۔ منصور نے قسم اٹھالی کہ یہ کام آپ کو کرنا پڑے گا۔ آپ نے بھی قسم اٹھالی کہ میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا، منصب قضاء کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا۔ منصور کا حاجب ربیع بولا کہ امیر المؤمنین ایک کام کے لئے قسم اٹھا چکے ہیں (تم ان کے مقابلہ میں قسم اٹھا رہے ہو؟)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امیر المومنین کو اپنی قسموں کے کفارے دینے پر زیادہ قدرت حاصل ہے بہ نسبت میری قسموں کے کفاروں کے۔ بہرطور آپ نے منصب قضاء کی ذمہ داری لینے سے صاف انکار کردیا۔

منصور نے اسی وقت آپ کے جیل بھیجنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ ربیع کا کہنا ہے کہ میں نے دیکھا کہ منصور، منصب قضاء کے قبول کر لینے کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی بات سے نیچے لانے کی کوشش کر رہا ہے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں: منصور اللہ سے ڈر اور اپنی امانت کا نگران اسی کو بنا جو اللہ سے (مکمل طور پر) ڈرتا ہو اگر چہ اس کا فیصلہ تیرے خلاف ہی کیوں نہ ہو، خدا کی قسم مجھے تو حالت رضا میں بھی اپنے پر اطمینان نہیں چہ جائیکہ حالت غضب، منصور پھر اگر تو مجھے یہ دھمکی دے کہ یا تو منصب قضا قبول کر لو ورنہ میں تمہیں دریائے فرات میں غرق کر دوں گا تو میں غرق ہونے کو ترجیح دوں گا۔

منصور، تیرے بہت سے ایسے حاشیہ بردار ہیں جو ایسے شخص کے خواہش ہیں جو تیری وجہ سے ان کا اعزاز واکرام کرے، منصور، میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

منصور نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم اس کی صلاحیت رکھتے ہو۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لیجئے آپ نے اپنے خلاف خود فیصلہ کر دیا کیا آپ کے لئے جائز ہے کہ آپ اس شخص کو قاضی بنائیں جو آپ کے نزدیک جھوٹا ہے؟

موفق بن احمد المکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۸ھ) اپنی سند سے تحریر فرماتے ہیں:

''منصور نے آپ کو کوفہ سے بغداد بلایا اور آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ منصب قضاء قبول کر لیں۔ سلطنت اسلام کے تمام علاقوں میں آپ کے ہاتھوں ہی قاضی مقرر ہوں مختلف حیل و حجت سے آپ کو قائل کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ نے انکار کر دیا، منصور نے بڑی سخت قسم اٹھائی کہ اگر آپ یہ منصب قبول نہیں کریں گے تو میں آپ کو قید بھی کر دوں گا اور آپ پر سختی بھی کروں گا۔ اس پر بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (توجہ نہ دی اور صاف) انکار کر دیا، منصور نے آپ کے جیل بھیج دینے کا حکم جاری کر دیا۔

منصور، جیل میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ پیغام بھیجتا رہا کہ اگر آپ میری بات مان لیں اور میرا مطالبہ قبول کر لیں تو میں آپ کو رہا کر دوں گا اور آپ کا اعزاز واکرام کروں گا لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سختی سے انکار فرماتے رہے، منصور (اس پر غضب ناک ہوا) اور حکم دیا کہ ہر روز آپ کو زندان سے باہر لا کر دس کوڑے لگائے جائیں۔

جب مسلسل یہ عمل ہونے لگا تو آپ اللہ تعالیٰ کے حضور میں روئے اور اللہ سے (رہائی

کی) دعا کی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ آپ کی جیل ہی میں پیٹ کی تکلیف اور سخت اذیت کی حالت میں وفات ہوگئی آپ کا جنازہ باہر لایا گیا۔ دنیا آپ پر روئی اور آپ کا جنازہ پڑھا اور خیرزان کے مقبرے میں آپ کی تدفین ہوئی۔

یہودی کا طنز اور اللہ تعالیٰ کا جلال

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ فقر وعسرت اور تنگدستی کا قصہ ہے کہ آپ کے مکان کی گلی میں ایک یہودی نے اپنی دیوار کچھ اس طرح سے بڑھا کر بنائی کہ اس سے عام گلی تنگ ہوگئی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہودی کے اس ناجائز فعل پر اعتراض کیا تو یہودی نے بطور طعنہ اور طنزاً کہا کہ ”جناب! جب آپ کی سواری نکلے گی اور راستہ تنگ ہوگا تو میں دیوار گرادوں گا۔“

خدا تعالیٰ کو اس یہودی کا یہ طعنہ اور طنز پسند نہ آیا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو منصب قضا اور عدل وانصاف کی بااختیار وزارت کا جاہ وجلال عطا فرما دیا اور جب آپ کی سواری شان وشوکت، تزک واحتشام اور اجلال کے ساتھ اسی گلی سے گذری تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہودی کو اس کا وعدہ یاد دلایا جس پر اسے دیوار گرانا پڑی۔

خلیفہ ہارون رشید کے نام امام ابو یوسفؒ کی ہدایات

امیر المؤمنین! خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک بڑی ذمہ داری (حکومت) آپ کے سپرد کی ہے اس کی ادائیگی کا ثواب بھی تمام ثوابوں سے بڑا اور اعلیٰ ہے اور اس میں کوتاہی کی سزا بھی تمام سزاؤں سے بدتر اور سخت تر ہے، آپ کے سپرد اس امت مسلمہ کے تمام معاملات کئے گئے ہیں، آپ دن رات کوشش کریں کہ ان کے حقوق کی بنیادیں مستحکم ہوں اور آپ ان کے جان ومال کے امین ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ ذمہ داری ڈال کر آپ کی آزمائش کی ہے...... میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے خوف اور ڈر پر جس تعمیر کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی اس کے لئے ہر وقت خطرہ ہے کہ کسی وقت خدائے قدوس اوندھے منہ بنانے والے کے اوپر اسے گرادے۔ تو آپ امت اور عام رعیت کے افراد کی اور ان کے حقوق کی حفاظت

کی اوران کے معاملات کی دیکھ بھال میں کوتاہی نہ کریں عمل میں خدا قوت بخشتا ہے...... آج کے کام کوکل پر نہ اٹھار کھئے اگر آپ نے ایسا کیا تو نقصان ہوگا، وقت کو توقع اور امید کے ساتھ نہ رکھئے بلکہ وقت کو عمل کے ساتھ رکھئے (یعنی امید پر کوئی کام اٹھا نہ رکھئے بلکہ ہر کام وقت پر کیجئے) ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے وقت کے بعد کام بیکار ہے......

پھر بہت سی نصیحتیں کرنے کے بعد فرماتے ہیں: قیامت کے دن وہی حکمران سب سے زیادہ خوش بخت ثابت ہوگا جس نے اپنی رعیت کو خوش حال رکھنے کی کوشش کی...... دیکھئے آپ کسی معاملہ میں جادۂ مستقیم سے نہ ہٹئے گا ورنہ آپ کی رعیت بھی ہٹ جائے گی۔ خبردار! کسی معاملہ میں خواہش نفسانی اور اپنے غیض وغضب کو دخل نہ دیجئے گا، جب دین ودنیا میں کشمکش کی صورت پیدا ہو جائے تو چاہئے کہ آپ دین کے پہلو کو اختیار کریں اور دنیا کو چھوڑ دیں، دین باقی رہنے والی چیز ہے اور دنیا فانی ہے۔ آپ تمام کو خدا کے قانون کے لحاظ سے برابر سمجھیں خواہ وہ آپ کے قریب کے ہوں یا بعید کے ہوں، اللہ کے قانون کے نفاذ میں آپ ملامت کرنے والوں کی بالکل پرواہ نہ کیجئے۔

نصف سلطنت...... امام ابو یوسفؒ کا جواب

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نہایت ذکی ذہین اور حاضر جواب تھے، جب بھی کوئی مسئلہ یا اہم بات سامنے آتی تو اس کو فوراً حل فرماتے اور سلجھا ہوا جواب دیتے۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے، ظہر یا عصر کے وقت انہوں نے نماز کی امامت کی، چونکہ یہ مسافر تھے اس لئے نماز کا قصر کیا، یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر نمازیوں سے کہا کہ اپنی نمازیں پوری کرلو میں مسافر ہوں۔

تو اہل مکہ میں سے ایک شخص نے نماز ہی میں کہا: ''ہم لوگ یہ مسئلہ تم سے اور جس نے تم کو سکھلایا ہے اس سے بہتر جانتے ہیں''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ''یہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر تم کو یہ مسئلہ معلوم ہوتا تو نماز میں بات چیت نہ شروع کر دیتے۔'' اس جواب پر ہارون رشید بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ اگر نصف سلطنت کے بدلے مجھے یہ جواب مل جاتا تو بھی میں پسند کرتا۔

ہارون رشید کا اشتیاق اور امام ابو یوسفؒ کی استغناء

ایک مرتبہ ہارون رشید نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''جناب! آپ ہمارے پاس بہت کم آیا کرتے ہیں میں ہر وقت آپ کی صحبت اور زیارت کا مشتاق رہتا ہوں۔''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''یہ اشتیاق اس وقت تک ہے جب تک کہ میں کم آتا ہوں، جب زیادہ آنے لگوں گا تو اشتیاق و اعزاز باقی نہیں رہے گا۔''

ہارون رشید نے اس جواب کی زبردست تحسین فرمائی۔

عدل و انصاف کی عدالت میں شاہ و گدا سب برابر ہیں

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید اور ایک یہودی کا مقدمہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں پیش ہوا اور اس سلسلہ میں دونوں آپ کے پاس عدالت میں حاضر ہوئے۔ تاہم یہودی کو ایک عام رعیت کی حیثیت ہونے کے پیش نظر احساس کمتری بھی تھی، اس لئے وہ خلیفہ سے ذرا پیچھے ہٹ کر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ مگر قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ تفاوت بھی نہ برداشت کیا گیا اور کھلی عدالت میں یہودی کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ذرا آگے اور قریب آ کر خلیفہ کے برابر بیٹھ جاؤ، یہ اسلامی عدالت ہے اس میں ایک کو دوسرے پر کوئی تقدم اور تفوق نہیں، عدل و انصاف کی عدالت میں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔''

محمد بن قاسم ...... ایک مسلم فاتح

ولید بن عبدالملک کے زمانہ حکومت میں مسلمانوں نے سندھ راجپوتانہ، کشمیر اور پنجاب کے کچھ حصوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔ اس سے پہلے سرحدی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن سندھ اور دوسرے علاقوں کی باقاعدہ فتح کا سہرا ۱۷ سالہ نوجوان محمد بن قاسم کے سر ہے۔

دیگر وجوہ کے علاوہ اس کا سندھ کے راجہ داہر کے مسلمانوں کے جہازوں کا مال و اسباب اور عورتوں بچوں سمیت لوٹ لینا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ غیرت اسلامی شباب پر تھی۔ اس فوری

واقعہ نے عرب میں آگ لگادی اور حاکم عراق حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کو اس مہم پر مامور کیا۔

ابن قاسمؒ سے پہلے کئی مہمیں ناکام ثابت ہو چکی تھیں، اس لئے عرب بھر کی نگاہیں اس مہم کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ محمد بن قاسم نے سندھ کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زیروزبر کر ڈالا۔ راجہ داہر قتل ہوا۔ اس کی فوج تتر بتر ہوگئی اور اسلامی حکومت کے قدم پختہ طور پر اس سرزمین میں جم گئے۔

محمد بن قاسم صرف ایک عظیم فاتح اور فنون حرب وضرب کا دھنی ہی نہ تھا بلکہ قدرت کی فیاضیوں نے اس نوجوان کو جہانبانی اور جہانداری کے نشیب وفراز سے بھی پوری طرح بہرہ ور کیا تھا۔ اس نے مفتوحہ علاقوں کا ایسا اچھا انتظام کیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس کی رعایا اس پر جان چھڑکنے گی۔ اس کے اخلاق ورواداری سے متاثر ہو کر کئی راجے مہاراجے اور رئیس داخل اسلام ہو گئے۔ غیر مسلموں کو اس نے پوری مذہبی آزادی دی اور رعیت کے مختلف طبقوں کے درمیان کوئی امتیاز روا نہ رکھا۔

ادھر بنوامیہ کی شان وشوکت کی جڑوں میں گھن لگنا شروع ہو گیا تھا اور برسراقتدار خاندان کے افراد میں گروہ بندی حسد وبغض اور چپقلش شروع ہو چکی تھی۔ ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان سلطنت پر بیٹھا اور اس نے چن چن کر ولیدی دور کے امراء وعمائد پر بے پناہ ظلم وستم کا سلسلہ شروع کر دیا۔

فاتح سندھ محمد بن قاسم، فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر اور دوسرے کئی مشہور لوگ بھی ظلم کی چکی میں پس گئے۔ محمد بن قاسم کی ہندوستانی رعایا اس کی جاں نثار تھی۔ اگر وہ چاہتا تو اس ملک میں ایک خودمختار حکومت قائم کر لیتا اور مرکزی حکومت کے لئے بے پناہ مشکلات کا باعث بنتا لیکن بہادر اور دلیر ہونے کے ساتھ وہ نظم وضبط اور اتحاد واتفاق کا عظیم حامی ثابت ہوا اور جب دارالخلافہ سے اس کی طلب ہوئی تو بلا عذر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عرب کو روانہ ہو گیا۔

جب ابن قاسم روانہ ہو رہا تھا تو سندھ اور پنجاب کی غیر مسلم رعایا دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں اور اس کے دامن سے لپٹ کر واپسی کا ارادہ منسوخ کر دینے کی التجا کر رہی تھیں۔ اس کی روانگی کے بعد ان لوگوں نے ابن قاسمؒ سے محبت وعقیدت کے طور پر اس کا مجسمہ اور

تصویریں بنا کر رکھیں۔

یہ مسجد ہے! تمہارا دربار نہیں

ایک مرتبہ والی خراسان سلطان خوازم شاہ نے اپنے لئے جامع مسجد میں ایک تخت بچھوایا۔ جس پر بیٹھ کر وہ خطبہ دیا کرتا تھا اور نماز پڑھا کرتا تھا۔ تا کہ اس کا شاہانہ وقار و جلال ظاہر ہو۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو چھٹی صدی ہجری کے ایک مایہ ناز خطیب۔ ادیب مفسر اور محدث تھے۔ اس مظاہرہ عظمت و شوکت کو برا محسوس کیا۔ چنانچہ جس وقت شاہ نماز سے فارغ ہوا تو امام رازیؒ نے بھری مجلس میں اس کو یوں ڈانٹا۔

> جلالۃ الملک۔ یہ دربار الٰہی ہے۔ عظمت و شوکت کے مظاہرہ کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں پہنچنے کے بعد سب ادنیٰ و اعلیٰ اور بلند و پست برابر و یکساں ہو جاتے ہیں۔ خدا کے نزدیک زیادہ لائق احترام وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

سلطان اس انداز بیان پر سخت برافروختہ ہوا۔ مگر چاروں طرف ایک نظر دوڑائی تو دیکھا کہ تمام نمازی امام رازی کی تائید کر رہے ہیں۔ سلطان کو ان کے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ تخت وہاں سے اٹھوالیا۔ اور پھر سب نمازیوں کے پہلو بہ پہلو نماز پڑھتے رہے۔ جابر و قاہر حکمرانوں کے سامنے حق گوئی کا لطف و ثواب کچھ اور ہی ہوتا ہے۔

اندلس میں عربی زبان اور عربی معاشرت کو مٹانے کی کوشش، اسلامی کتب خانے نذر آتش

یورپین نصاریٰ کی یہ پالیسی آج کی نہیں بلکہ زوال اندلس کے وقت جب کہ ممالک یورپ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر نصاریٰ کے زیر نگیں ہو گئے اور نصاریٰ نے ہر طرح کے جبر و اکراہ سے یہ چاہا کہ رعیت کو اپنا ہم رنگ اور ہمنوا بنالیں مگر صدیوں کی پیہم کوششوں کے

باوجود اس میں کامیابی نہ ہوئی تو وہاں کے تجربہ کار اس کی تفتیش میں لگے کہ اس کا سبب کیا ہے ایک کمیشن اس کے لئے بنایا گیا۔

اس کمیشن کی رپورٹ یہ ہوئی کہ ہم نے اگرچہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے لیکن اسلامی زبان (عربی) کے مدارس اوراس کی تعلیم وتعلم ابھی تک ہمارے ملک میں عام ہے۔ اسلامی معاشرت وتمدن رائج ہے۔

اسی نے سب کے قلوب کو مسخر کیا ہوا ہے اور ہم سے ان کا رشتہ نہیں جوڑتا جب تک کہ اسلامی زبان، اسلامی کتب اور اسلامی معاشرت کو ممالک یورپ سے ختم نہ کر دیا جائے گا ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

• ۱۵۰۱ء میں ان لوگوں کی یہ رپورٹ سامنے آئی اسی وقت سے حکومتوں نے اپنا تمام تر زور اس پر خرچ کر دیا کہ یہ اسلامی نشانات یکسر ممالک یورپ سے فنا کر دیئے جائیں۔

چنانچہ اس سال قشتالہ وغرناطہ سے ایسے پکے مسلمانوں کو بے سروسامان نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا جن کے متعلق حکومت کو یقین تھا کہ یہ اپنی زبان ومعاشرت کو نہ چھوڑیں گے۔

۱۵۱۱ء میں کردنیا کیسمنس نے اسلامی قلمی کتابوں کی اطراف وجوانب سے جمع کر کے غرناطہ کے میدان میں ایک عظیم الشان انبار جمع کر دیا جو عالم انسان کے منتخب افراد کی صدیوں کی عرق ریزی ومحنت کے نتائج اور علوم شریعت وحکمت اور فلسفہ وریاضی کے علمی خزائن تھے اس ناعاقبت اندیش ظالم نے یہ عظیم الشان انبار نذر آتش کر دیا۔

اوراسی پر بس نہیں کی بلکہ کسی اسلامی کتاب کا رکھنا قانونی جرم بنا دیا اور جس جگہ کوئی کتاب ہاتھ آئی اس کو ضبط کر لینے اور جلا دینے کا حکم عام کر دیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ پچاس سال تک حکومت کی یہ کوشش جاری رہی تب کہیں جا کر ممالک یورپ سے اسلامی کتابوں کو مٹایا جا سکا۔

آپ اس سے ایک طرف تو اس علوم اسلامی کی ہمہ گیری اور جاذبیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور دوسری طرف یورپین نصاریٰ کی اوندھی ذہنیت، کمینہ طبیعت اور اسلام دشمنی کا کچھ تخمینہ کر سکتے ہیں کہ یہ علوم ومعارف کے خزائن جو ہر قوم کے لئے کام آنے والی چیز تھی اور ہزاروں فاضل علماء کی عمر بھر کی کمائی اور یکتا موتیوں سے زیادہ قیمتی خزائن تھے ان درندوں

نے اس کے ساتھ کیا وحشیانہ سلوک کیا۔ خود یورپ کے غیر متعصب عیسائی ان کے ظلم وستم پر ماتم کررہے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ مسلمانوں پر رحم کھاتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ خود ان کتابوں اور علوم کے محتاج تھے۔ (دیکھو غابر الاندلس)

۱۵۲۶ء میں فیلیب امیر ہسپانیہ نے اپنی قلمرو میں یہ حکم جاری کر دیا کہ کوئی شخص کوئی عربی جملہ نہ بول سکے۔ جن لوگوں کے نام عربی ترکیب پر مشتمل ہیں ان کے نام بدل دیئے جائیں اور جو لوگ اس کو منظور نہ کریں وہ اس کی قلمرو سے نکل جائیں۔ چنانچہ لاکھوں مسلمانوں کو اسی قانون کے ماتحت بے سروسامان جلاوطن کر دیا گیا۔ (غابر الاندلس وحاضر ہا ص ۱۵۶)

الغرض نصاریٰ اور مغربی اقوام اس گر کو سمجھتے ہیں جس کی بدولت ہمارے اسلاف نے اسلام اور عرب کا سکہ لوگوں کے قلوب پر بیٹھایا تھا اور اپنی کامیابی کا راز اس میں وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی آثار وشعائر اور زبان ومعاشرت کو فنا کر دیں۔

لیکن افسوس ہے، اسلام کا نام لینے والے اب بھی اس کو نہیں سمجھتے، بلکہ جو کام فیلیب نے بزور قانون اپنی رعیت سے کرایا تھا ہمارے سادہ لوح مسلمان وہ خود اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی اس کو انجام دے رہے ہیں اور یہی نہیں کہ وہ اتفاقی اس بلا میں پھنس گئے ہوں، بلکہ اس رسم قاتل کو آب حیواں اور اس مرض کی دوا سمجھ رہے ہیں۔

الٰہ العالمین! تو ہی مسلمانوں کو عقل دے کہ اب بھی اس حکمت کو سمجھ لیں اور غیروں کی زبان اور غیروں کی معاشرت اور غیروں کی وضع قطع سے اجتناب کرلیں، وہ اگر غیروں کے حاکمانہ اور ظالمانہ تسلط کو اپنے اوپر سے ہٹانے میں کسی قدر مجبور ومعذور ہیں اور انگریزی وغیرہ کو ملازمت وغیرہ کی مجبوری سے نہیں چھوڑ سکتے تو اس میں کیا عذر ہے کہ اپنے قلب ودماغ اور اعضاء وجوارح سے ان کی غلامی کے طوق وزنجیر تار پھینکیں اور اپنے نجی معاملات میں انگریزی زبان بولنا چھوڑ دیں۔

ہماری یہ غرض نہیں کہ سردست انگریزی زبان بولنا چھوڑ بیٹھیں اور جو عہدے اور منصب اس پر موقوف کر دیئے گئے ہیں ان سے یکسو ہو جائیں، غرض یہ ہے کہ ایک تو بے ضرورت اور بلا مجبوری اس زبان کا استعمال اپنے کاروبار میں نہ کریں۔ دوسرے اپنے سیاسی مطالبات میں بھی ان کو شامل کریں کہ ملک کے سب کاروبار ملکی زبان میں ہوں۔

اور اگر وہ یہ کرلیں تو شاید دسری قسط بھی ان کے لئے بہت قریب نظر آنے لگے، مگر یہ دقیا نوسی خیالات کس سے کہیں اور کون سنے۔

می نفہمد کسے زبان مرا
بعزیزاں چہ التماس کنم

وہ جن کی دعا سے شکست فتح میں بدل گئی

جس زمانے میں شاہجہاں ایام شہزادگی میں ملکہ نور جہاں کی مخالفت کی وجہ سے پریشان تھا۔ حضرت شہباز بھاگل پوریؒ کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت طلباء کو درس دے رہے تھے۔ شہزادے کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت کے چہرے پر ناخوش گواری کے آثار ظاہر ہوئے۔

شاہجہاں نے ہمت کر کے عرض کیا، حضرت! میں ایک حاجت لے کر حاضر ہوا ہوں اور آپ بیزار معلوم ہوتے ہیں کیا میں سبب پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم سلطنت کی آرزو رکھتے ہو لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری قبا کا دامن حد شریعت سے بڑھا ہوا ہے اگر تم شریعت محمدی ﷺ کے پابند نہ رہے تو دنیا کی گمراہی کا سبب بن جاؤ گے۔

شاہجہاں نے عرض کیا جو حکم ہو بجالاؤں۔

حضرت نے فرمایا جس قدر تمہارا دامن حد شرعی سے زیادہ ہی، اس کو پھاڑ کر طلباء کے حوالے کردو تا کہ وہ ٹوپیاں بنالیں۔ شاہجہاں نے فوراً اسی وقت دامن چاک کر دیا اور عرض کیا کہ میں سلطنت کی تمنا رکھتا ہوں۔ جنگ کے اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر سلطنت میری قسمت میں ہے تو اس کے لئے جدوجہد کروں۔

حضرت نے فرمایا آثار تو ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں۔

شاہجہاں حضرت کا اشارہ پا کر سلطنت کے حصول میں کوشاں ہو گیا اور ایک دن وہ آیا کہ نور جہاں کی انتہائی مخالفت کے باوجود حضرت کی پیش گوئی کے مطابق وہ تخت و تاج کا مالک بن گیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد شاہجہاں نے ہر چند کوشش کی کہ حضرت اپنی خدمت میں باریابی کی اجازت دیں، مگر حضرت نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا پہلے تمہارے بادشاہت

کے تکبر کی خلافت نہ تھی اس لئے ہم تم سے ملتے تھے اب تم بادشاہ بن گئے ہو لہذا تمہارا ہم سے ملنا بے کار ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب سلطان محمود غزنوی کو سومنات کی فتح میں مشکلات پیش آئیں اور وہ تقریباً ناامید ہو چکا تھا تو اس نے حضرت خرقانی کے عطا کردہ پیراہن کو اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی۔ ''اے اللہ، اس ولی کامل کے پیراہن مبارک کے صدقہ میں مجھے فتح نصیب فرما۔''

دعا کے مانگتے ہی جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا اور سلطان محمود غزنوی نے سومنات پر عظیم الشان فتح حاصل کی۔

اسی رات حضرت ابوالحسن خرقانیؒ سلطان محمود غزنوی کی خواب میں تشریف لائے اور فرمایا۔ ''محمود! تو نے ہماری قمیض کو نہ پہچانا، صرف سومنات کی فتح مانگی۔ اگر اس کے وسیلے سے کافروں کے اسلام لانے کی دعا بھی کرتا تو خدا کے فضل سے تمام کافر مسلمان ہو جاتے۔''

تاریخ الخلفاء میں مذکور ہے کہ جب ہارون رشید نے ایک زندیق کے قتل کا حکم اس بنا پر دیا کہ وہ بہت سی مصنوعی حدیثیں بنا کر لوگوں میں فتنہ عظیم پیدا کر رہا تھا تو اس زندیق نے کہا میں تو بے شک قتل ہو جاؤں گا لیکن میری ان ایک ہزار احادیث کو آپ کیا کریں گے جو ملک کے چاروں طرف پھیل گئی ہیں اور جن کا ایک لفظ بھی رسول اللہ کی زبان سے نکلا ہوا نہیں ہے۔

ہارون الرشید نے کہا اے دشمن خدا تو کس خیال میں ہے! ابو اسحاق فزاری اور عبداللہ ابن مبارک جیسے علماء اس وقت مسلمانوں میں موجود ہیں وہ تیرا ایک ایک حرف نکال کر باہر پھینک دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کتا بہتر ہے یا انسان

تاتاری سلطان کے مسلمان ہونے کا واقعہ بھی خاصا تاریخ ساز اور حیران کن ہے۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ بخارا کے ایک بزرگ جمال الدین کاشغر آئے۔ انہوں نے وہاں کے شہزادے تغلق تیمور کی شکارگاہ میں نادانستہ قدم رکھ دیا۔ حالانکہ وہاں پر کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

شہزادے نے اس قصور پر ان کی مشکیں کسوا کر اپنے دربار میں طلب کیا اور باز پرس کی۔

شیخ نے جواب دیا ہمیں یہ خبر ہی نہیں تھی کہ خدا کی اس زمین پر چلنے کی پابندی ہے۔

شہزادے کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ ایرانی ہیں تو کہنے لگا ایرانی سے تو کتا بہتر ہوتا ہے اور اپنے ایک کتے کی طرف اشارہ کر کے شیخ سے پوچھا کہ یہ بہتر ہے کہ تم بہتر ہو۔ شیخ نے نہایت اطمینان اور انداز بے نیازی سے جواب دیا۔

اگر میں دنیا سے ایمان کے ساتھ چلا گیا تو میں بہتر ہوں ورنہ یہ کتا۔ تغلق تیمور کے دل میں یہ بات چبھ گئی اور بالآخر اس کے مسلمان ہونے کا باعث ہوئی۔

ایک درویش، ایک بادشاہ

رات کی گہری تاریکیوں کا فسوں ٹوٹ رہا تھا۔ صبح کا جھلملاتا ہوا تارا اجالوں کی آمد کا پیغام سنا رہا تھا۔ تغلق تیمور حسب معمول رات کے پچھلے پہر ہی بیدار ہو چکا تھا۔ وہ اپنی خواب گاہ کے دریچے سے اپنے اس دیوتا کے درشن کرنے لگا جسے اس کے باپ نے اپنی فتوحات کی یادگار میں شاہی محل کے عین سامنے نصب کرایا تھا۔

نسیم سحر کے خوشگوار جھونکوں نے اسے دعوت دی کہ وہ اپنے بالا خانے پر چڑھ جائے۔ وہاں سے وہ مغرب میں ڈوبتی ہوئی سیاہیوں اور مشرق سے ابھرنے والے اجالوں کو اچھی طرح دیکھ سکے گا۔

اس نے سوچا کہ اجالوں کے استقبال کے لئے کیوں نہ اپنی ملکہ کو بھی اپنے ہمراہ لے لے مگر یہ سوچ کر کہ وہ رات گئے تک جاگتی رہی ہے، اس نے اپنی ملکہ کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اکیلا ہی بالا خانے پر چڑھ گیا۔

وہ آج سے ایک مہینے قبل اپنے باپ کے انتقال کے بعد تاتاری سلطنت کا شہنشاہ بن گیا تھا۔ اس کی تخت نشینی پر ساری ریاست میں دو ہفتوں تک عظیم الشان جشن منایا گیا۔ وہ اپنی رعایا کا واحد حکمران تھا۔ ان کی موت وحیات اور عزت وآبرو اس کی مٹھی میں تھی۔ اس کی آواز میں بادلوں کی گرج چھپی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں بجلیوں کی سی لپک تھی۔

اس کی کمر پر لٹکنے والی تلوار ملک الموت کا ہاتھ تھی۔ غصے میں آکر جب وہ چلنے لگتا تو زمین

جیسے لپکتا جاتی۔ اس کی سلطنت کے طاقت ور سپاہیوں نے مسلم حکمرانوں اور ایرانی سلطنت کو تخت و تاراج کر دیا تھا۔

تا تاری تلوار جب میان سے نکلتی تو مسلمانوں اور ایرانیوں کے خرمن حیات پر برق بن کر چمکتی تھی۔

تیمور نے دیکھا کہ مشرق کا ماتھا موتیوں کی لڑی کی طرح جگمگا رہا ہے۔ شہر کی خاموشی کا سحر باطل ہو رہا تھا۔ یکا یک شہنشاہ تغلق تیمور کے کانوں سے ایک نئی صدا ٹکرائی:

"اللہ اکبر اللہ اکبر"

یہ کون ہے؟ کیا کہتا ہے؟ کیوں چیخ رہا ہے؟ اس کے ذہن میں کئی سوالات ابھرے۔ اس نے دستک دی۔ فوراً خادم باادب حاضر ہو گئے۔

"دیکھو، ہمارے محل کے قریب اتنے سویرے یہ آواز لگانے والا گستاخ کون ہے؟" تیمور کی آواز گونج اٹھی۔

"آپ کی شوکت و حشمت کی قسم!" خادم نے زمین بوس ہو کر کہا: "وہ کیا چیتھڑے لگایا ہوا بکھاری ہے۔ شہر میں نیا نیا آیا ہے۔"

"اس گنوار بھیک منگے کو ہماری دولت کی جناب میں پیش کرو۔"

تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان کو تیمور کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا۔ تنی ہوئی گردن سے شہنشاہ نے نو وارد کا جائزہ لیا۔

گھنی داڑھی، پرانے اور پیوند لگے ہوئے میلے کچیلے سے کپڑے، دائیں ہاتھ میں تسبیح، بغل میں ایک ٹوپی، اور آنکھوں میں طمانیت کا نور۔

"کون ہے تو؟" شاہی جاہ و جلال سے سب کپکپا رہے تھے۔

"میں!" نو وارد بڑے ہی پرسکون لہجے میں جواب دے رہا تھا:

"میں ایک مسلمان۔ اللہ عز وجل کی بڑائی کا اعلان کرنے والا!!"

"مسلمان! بادشاہ تقریباً چیخ اٹھا: "ہمارا انعام! جسے دیکھ کر ہماری تلوار کی پیاس تیز ہو جاتی ہے۔ یہ کہتے کہتے تغلق تیمور کا ہاتھ تلوار کے قبضے پر آ چکا تھا۔ "تو نے یہ جسارت کیسے کی کہ ہمارے محل کے قریب شور و غل مچائے! سنبھل جا۔ اے موت کو پکارنے والے خود سر غلام!! ہم

بہ نفسِ نفیس تیرا سر قلم کردیں گے!!''

نو وارد مسکرا رہا تھا: ''ہاں میرا سر تیار ہے۔''

وہ کہنے لگا: ''لیکن اے دنیوی شان و شوکت کے متوالے تغلق تیمور! میں تم کو ایک بات یاد دلانے آیا ہوں! آج سے کچھ برس پہلے کا واقعہ، جبکہ تم ابھی سریر آرائے سلطنت نہیں ہوئے تھے!''

تیمور کچھ سوچنے کی کوشش کرنے لگا اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ بول اٹھا: ''وہ بات جلد بتادے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تو بڑا گستاخ ہے۔ ہم اس سر کو کچل ڈالتے ہیں جو ہماری بارگاہ میں نہیں جھکتا، ہم تاتاری بہادر ہوتے ہیں۔ خون کی ندیاں بہتی دیکھ کر ہمارا دل ناچ اٹھتا ہے۔ ہمیں مظلوم عورتوں اور یتیم بچوں کی چیخ و پکار بے حد بھاتی ہے۔ ہم انسانوں کی لاشوں کے انبار پر اپنے حرم کی تعمیر کرتے ہیں۔ جلدی بتادو وہ بات ورنہ ابھی تیرا سر خون میں لت پت ہوجائے گا!''

نو وارد نے دیکھا کہ تیمور کے ہاتھ میں تلوار چمک رہی ہے۔

''اے بادشاہ!'' نوجوان کے چہرے پر وہی پر وقار سکوت چھایا ہوا تھا'' تم اس دن کو یاد کرو جب کہ تم شکار کے لئے جارہے تھی۔ راستے میں تمہیں ایک درویش ملے۔ شیخ جمال الدین۔ اونچے، قد آور، گندمی رنگ والے۔ چاندنی جیسی مقدس داڑھی۔ دودھ جیسا سفید عمامہ۔ مبارک ہونٹوں پر زمین و آسمان کے خالق کی تعریف۔ تمہیں وہ یاد ہوں گے!''

تاتاری تلوار اب میان میں جاچکی تھی ''ہاں، یاد ہے۔''

تیمور کی آواز بلند ہوئی: ''لیکن تو کون ہے؟!''

''میں ان کا بیٹا ہوں!'' نو وارد بول رہا تھا: ''ان کا انتقال ہوچکا ہے۔ ان کی بڑی آرزو تھی کہ وہ تمہاری تخت نشینی تک جیتے رہیں تاکہ تم سے کیا ہوا وعدہ ایفا کرسکیں۔ جب ان کی سانس اکھڑ رہی تھی تو انہوں نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں تم تک پہنچوں اور تمہارے سوال کا جواب دوں۔''

''کون سا سوال؟'' تیمور نے فوراً پوچھا۔

''تم نے اس وقت میرے والد ماجد سے پوچھا تا کہ، کتا بہتر ہے یا شیخ جمال الدین؟'' نووارد کہہ رہا تھا اور تغلق تیمور کا ذہن ماضی کے اوراق الٹنے لگا۔ ماضی جب کہ وہ ابھی شہزادہ تھا۔

چند تاتاری جاں بازوں کی معیت میں وہ شکار کے لئے جار ہا تھا۔ تاتاری روایات کے مطابق شکار پر جانے سے قبل اس نے اپنے مذہب کے مقدس لوگوں سے فال نکلوایا تھا۔

ایک مذہبی سردار نے اسے مشورہ دیا تھا کہ نوجوان شہزادے، شکار میں یقیناً تمہیں کامیابی ہوگی لیکن اس بات کا خاص خیال رہے کہ تمہارے شکار کے رقبے میں کسی ایرانی یا کسی مسلمان کا گزر نہ ہونے پائے۔ یہ بڑے ہی ذلیل ہوتے ہیں۔ چنانچہ شہزادے نے حکم دیا کہ اس کے شاہی قافلے کے اطراف دو میل کے احاطے میں کسی مسلمان یا ایرانی کا گزر نہ ہونے دیا جائے اور اگر کوئی شامت کا مارا آ جائے تو فوراً اسے تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ پھر احتیاطی تدابیر کے باوجود ایک بوڑھا اس کے احاطے میں داخل ہوا۔ فوجیوں نے اس کی مشکیں کس دیں اور اس کی ضعیفی کی وجہ سے اسے قتل کرنے کے بجائے شہزادے کے آگے پیش کر دیا۔ شہزادہ غصے کے مارے آگ بگولہ ہو گیا تھا۔ سکاریوں کا وہم مشہور ہے۔ اس نے چلا کر کہا ''کون نالائق ہے؟ کیا اسے معلوم نہ تھا کہ ہم شکار پر نکلے ہیں۔ ہمارے احکام سے سرتابی کرنے والے کی گردن توڑ دی جاتی ہے۔'' وہ تیزی سے بوڑھے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''مجھے پتا نہیں تھا نوجوان شہزادے۔'' پر اثر اور مطمئن آواز میں بوڑھا بول رہا تھا۔ بوڑھے کی آواز سن کر نہ جانے کیا بات ہوئی کہ شہزادہ سست کام ہو گیا۔

''اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ شکار پر نکلے ہیں تو میں کبھی آپ کا راستہ نہ کاٹتا۔'' بوڑھے کی آواز میں بڑی شیرینی تھی۔''

''تم کون ہو؟ کیا نام ہے تمہارا؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟'' شہزادے نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

''میں مسلمان ہوں!'' بوڑھا کہہ رہا تھا: ''شیخ جمال الدین میرا نام ہے۔ ایران کا رہنے والا ہوں۔''

شہزادے نے محسوس کیا کہ اس بوڑھے میں ''دو ذلتیں'' ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں۔ اس کے

چہرے پر پھر سے نفرت کے آثار نمایاں ہو گئے۔اس نے اپنے شکاری کتے کی طرف دیکھا جو زبان نکالے ہانپ رہا تھا۔ اس نے کتے کو اپنی طرف بلایا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ''اچھا ہم ایک سوال تم سے پوچھیں گے۔ صحیح جواب ملا تو تمہیں معاف کریں گے ورنہ یہ تلوار تمہیں موت کے دروازے تک پہنچا دے گی۔ اب یہ بتاؤ کہ ہمارے کتے اور تم میں کیا فرق ہے؟ ہمارا کتا بہتر ہے یا تم؟''

شہزادے کے تحت الشعور میں یہ بات موجود تھی کہ بوڑھا شیخ کتے سے بھی ذلیل ہے۔ اسکے نزدیک غلام اور کتا ایک ہی لفظ کے دو معنی تھے۔

بوڑھا شیخ اللہ کا آزاد بندہ تھا۔ موت کو وہ کہاں خاطر میں لاتا؟ اس کا تو یہ عقیدہ تھا کہ موت مرد مومن کے لئے ایک تحفہ غیبی ہوتی ہے۔ یہ تحفہ قبول کر کے وہ اپنے رب کا دیدار کر سکتا ہے۔ موت کا تحفہ عطا ہوتے ہی اسے لافانی زندگی کا دل کش مقام مل جاتا ہے۔

''جلد جواب دو!'' شہزادہ پھر گرجا: ''ورنہ پھر موت کے لئے تیار ہو جاؤ!''

شیخ جمال الدین کے چہرے پر وہی سکون اور وہی وقار چھایا ہوا تھا۔ اس نے کہا: ''اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں بہتر رہوں گا ورنہ یہ ہانپتا ہوا کتا ہی مجھ سے بہتر ہوگا۔ ایمان ہی آدمی کو بلندیاں عطا کرتا ہے۔ اگر ایمان کی دولت نہ ہو تو ایسی زندگی کتے ہی کی طرح ہو کر رہ جاتی ہے۔ بلکہ بے ایمان آدمی سے کتا اچھا کہلایا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے آقا کا وفادار ہے اور ہمیشہ اپنے آقا کی تابع داری کرتا ہے۔''

''یہ ایمان کیا ہے؟'' شہزادے نے پوچھا۔

''کتا اگر اپنے مالک کو پہچانتا اور اپنے فرائض انجام دیتا ہو تو وہ وفادار کتا کہلاتا ہے۔'' بوڑھا شیخ بول رہا تھا۔ اسی طرح گھوڑا اپنے آقا کو پہچان کر اس کی خدمت کرتا رہتا ہے تو وہ بھی وفادار کہلاتا ہے۔ بالکل یہی حال آدمی کا بھی ہے۔ اگر آدمی اپنے رب کو پہچانتا ہو، اسی سے ڈرتا ہو، اسی کی بزرگی بیان کرتا ہو، اسی کے آگے اپنی جبین نیاز جھکاتا ہو تو وہ آدمی صاحب ایمان کہلاتا ہے۔ ایمان کی نعمت عظمیٰ پا کر ایک انسان فرشتوں سے بھی بازی لے جا سکتا ہے۔''

شہزادے پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی۔ بوڑھے شیخ کا ایک ایک بول

امرت دھارا بن گیا تھا۔شہزادہ تیمور تغلق کو احساس ہوا کہ واقعی گھوڑا اور کتا کتنے وفادار جانور ہیں لیکن انسان ہوکر اس نے کبھی اپنے مالک سے وابستگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اسے یوں محسوس ہوا کہ بوڑھا شیخ جو کچھ بول رہا تھا وہ وہی باتیں تھیں جن پر وہ کبھی کبھی سوچنے کی کوشش کرتا، لیکن خواہشات اقتدار اور ہوس آدمی کو ضمیر کی اس آواز کی طرف متوجہ ہونے کا موقع کہاں دیتے ہیں؟ اب شہزادے میں کافی نرمی آ چکی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا:

''اے بزرگ شیخ۔اب تم جاؤ میں شکار پر جا رہا ہوں۔ جب تم سنو کہ میں سلطنت تاتار کا شہنشاہ بن چکا ہوں تو تم مجھ سے ملنے کے لئے ضرور آنا۔ میں تم سے کچھ پوچھوں گا۔''

جب شہنشاہ تغلق تیمور ماضی کے دھندلکوں سے باہر آیا تو نو وارد کہہ رہا تھا:''میں آپ کو یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ میرے والد محترم کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول اور نیک بندے تھے۔''

تغلق تیمور نے دیکھا کہ رات کے اندھیرے ختم ہو چکے ہیں اور مشرقی افق پر سرخیاں پھیل گئی ہیں۔ بڑی ہی متانت سے تغلق تیمور نے کہا:

''نوجوان باہر چلے جاؤ، ہم تمہیں پھر یاد کریں گے۔''

نوجوان جا چکا تو اس نے اپنے وزیر اعظم کو طلب کیا اور کہا:

''وزیر اعظم! ہم تم سے ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں۔کئی برس سے ہمارے سینے میں ایک خواہش پرورش پا رہی ہے۔شیخ جمال الدین کا ایمان بہت پسند آیا ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ اسلام قبول کر کے ہم بھی شیخ جیسے صاحب ایمان بن جائیں۔

''خوب! خوب!'' وزیر اعظم مسرت سے جھومنے لگا۔

''جہاں پناہ میں تو کئی برس پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہوں۔ ایران کے ایک مرد درویش نے میرے دل کو اسلام کے لئے کھول دیا تھا۔اب تک میں نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا ہے۔آیئے ہم پھر اللہ کی بندگی میں داخل ہوکر ایک نئی زندگی، ایک نئی عدل پرور سلطنت کا آغاز کریں!''

تغلق تیمور کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔دور مشرق کے ماتھے پر اجالوں کا پیام لانے والا سورج خوبصورت کنول کی طرح کھل رہا تھا۔

شہید کون ہے؟

تیمور لنگ بادشاہ کی یہ عادت تھی کہ وہ جب کسی شہر کو فتح کرتا تو وہاں کے علماء کو اپنے دربار میں بلاکر کچھ خاص قسم کے سوالات کرتا اوران کے جوابوں کو بہانہ بنا کر انہیں قتل کرادیتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے حلب کو فتح کیا تو شہر میں قتل عام کرایا اور ہزاروں مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ پھر علمائے شہر کو قلعہ میں بلاکر اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے درباری مولوی عبدالجبار بن علامہ نعمان الدین حنفی سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ ان علماء سے کہہ دیجئے کہ میں ان سے ایک ایسا مسئلہ پوچھوں گا جو میں نے سمرقند بخارا اور ہرات وغیرہ کے عالموں سے بھی دریافت کیا۔ مگر ان لوگوں نے اس کا شافی جواب نہیں دیا۔ لہٰذا ان علماء کی طرح یہ لوگ بھی میرے سوال کا محل اور گول مول جواب نہ دیں بلکہ صاف صاف وضاحت کے ساتھ جواب دیں۔ اوران علماء میں جو سب سے زیادہ صاحب علم ہو وہی جواب دے۔

چنانچہ درباری عالم عبدالجبار نے کہا کہ ہمارے سلطان آپ لوگوں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کل کی جنگ میں ہمارے اور تمہارے آدمی بکثرت قتل ہوئے تو آپ لوگ یہ بتائیں کہ ہماری فوج کے مقتولین شہید ہوئے یا تمہاری فوج کے؟ یہ سوال سن کر تمام علماء گھبرا گئے۔ مگر علامہ ابن شحنہ جواب دینے کے لئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ گئی ہے۔

> ایک اعرابی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ایک شخص مال غنیمت کے لالچ میں جنگ کرتا ہے اور ایک شخص شہرت اور ناموری کے لئے قتال کرتا ہے اور ایک شخص خدا کی راہ میں کلمہ اللہ کی بلندی کے لئے لڑتا ہے تو ان میں سے شہید کون ہے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے خدا کی راہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جنگ کی وہی شہید ہے۔ لہٰذا اے بادشاہ ہماری فوج کے مقتولین ہوں یا آپ کی فوج کے جنہوں نے خدا کی راہ میں کلمہ حق کی بلندی کی نیت سے جنگ کی ہو گی وہ شہید ہوں گے اور جو مال غنیمت یا ناموری کے لئے لڑتے

ہوئے مارے گئے ہوں گے وہ شہید نہیں ہوں گے۔

علامہ ابن شحنہ کا یہ مسکت اور شافی جواب سن کر تیمور حیران رہ گیا۔ اور بے اختیار تیمور کی زبان سے نکلا خوب! خوب!

درباری عالم عبدالجبار نے بھی یہی کہا کہ ''مااحسن ماقلت ''یعنی آپ نے کیا ہی اچھا جواب دیا۔ (روح البیان ج۴ص ۲۷۹)

اسپین میں مسلمانوں کے عروج کی ابتداء

خلیفہ ولید اسپین میں مسلمانوں کا بادشاہ تھا اس کی اجازت سے موسیٰ بن نضیر نے طارق ابن زیاد کو اس ملک کی دیکھ بھال کے لئے بھیجا۔

طارق ابن زیاد جولائی ۷۱۰ء میں چار جہازوں میں فوج سوار کر کے طاریفہ کی جانب روانہ ہوا وہاں سے کونٹ جولین کے قلعہ میں گیا جہاں اس کی بڑی خاطر داری ہوئی اور اسے معلوم ہوا کہ لوگ ڈون روڈ یرک کے ظلم وستم سے بہت تنگ ہیں اور چونکہ مسلمانوں کے عدل وانصاف اور ان کے حقوق مساوات کا عام چرچا تھا اس لئے لوگوں نے طارق کا بڑی خوشی سے استقبال کیا اور اس کو ہر قسم کے حالات بہم پہنچائے۔

موسم بہار میں طارق نے پانچ ہزار فوج کے ساتھ حملہ شروع کر دیا اور اپنے آپ کو ایک پہاڑ میں جس کا نام اس نے اپنے نام پر جبل الطارق (جبرالٹر) رکھا تھا حصار بند کیا۔

اہل عرب کے حملہ کی طارق فوراً دربار ٹولیڈو میں پہنچی جہاں عربوں کے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ کا لشکر جمع ہو گیا۔ طارق کی فوج بعد کی مدد سے بارہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ گوڈاپسٹ کے کناروں پر طارق اور روڈیرک مقابلہ ہوا اسی لڑائی میں گوتھ خاندان کا آخری بادشاہ قتل ہو گیا۔

جب اس فتح کے بعد طارق دارالخلافہ یعنی ٹولیڈو کی طرف روانہ ہوا تو وہاں کے تمام باشندے اس کے استقبال کے لئے تیار تھے۔ لیکن بایں ہمہ فاتح قوم کے خوف سے؟ شہر کے اکثر زن ومرد بھاگ گئے۔ طارق کو خبر ہوئی اس نے اس حالت میں شہر میں داخل ہونا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے باشندگان شہر کے ایک وکیل کو بلوایا وہ رحم کا طالب ہوا۔ طارق اس

سے اور اس کے ہمراہیوں سے ملا ان کو تسلی دی ہر طرح کا اطمینان دلایا اور شرائط ذیل ان کے سامنے پیش کیں۔

(۱)......جو آدمی شہر کو چھوڑنا چاہیں وہ چھوڑ سکتے ہیں لیکن وہ اپنی جائیداد اپنے ہمراہ نہیں لے جا سکتے۔

(۲)......جو لوگ شہر ہی میں رہنا چاہیں وہ اپنی جائیدادوں کے بدستور مالک رہیں گے۔

(۳)......باشندوں کو اجازت ہے کہ اپنے رسومات مذہبی کی تعمیل اور گرجا گھروں کا استعمال آزادانہ طور سے کریں لیکن ایک ملائم محصول ادا کریں اور جدید گرجا گھر اجازت لے کر بنائیں۔

(۴)......عیسائیوں کے مقدمات خاص ان کے مذہبی حکام فیصل کیا کریں گے۔

شہر کے باشندوں نے ان شرائط کو خوشی کے ساتھ تسلیم کیا اور طارق ٹولیڈو میں داخل ہوا جہاں قوم گوتھ کے پچیس بادشاہوں نے تین سو سال تک حکومت کی تھی۔

طارق تو دارالخلافہ پہنچ گیا لیکن اس کا افسر موسیٰ سپہ سالار مریدا کی تسخیر میں مصروف تھا جہاں روڈیرک کی بیوہ شہزادی اجیلونا اور شاہی خاندان کے اکثر شہزادے مقیم تھے ۷۱۱ عیسوی مطابق ۹۳ ہجری میں موسیٰ نے مریدا پر قبضہ کر لیا۔ موسیٰ کا بیٹا عبدالعزیز استنبیلیہ (سوئل) کے باشندوں کی سرکوبی پر مامور تھا۔ جب اس نوعمر سردار نے فتح پائی تو موسیٰ نے فوج کو شہر کے لوٹنے کا حکم دیا مگر عبدالعزیز نے سپاہیوں کو لوٹ مار سے منع کر دیا بلکہ ان کو اسپین کے جنوب میں لے گیا تا کہ ان کی توجہ کسی اور طرف ہٹ جائے۔

عبدالعزیز مرسیا پہنچ کر وہاں کے حاکم تھیوڈ میر پر بھی فتح یاب ہوا۔ تیھوڈ میر نے صلح کی درخواست کی اور عربوں کے حالات دیکھنے کے لئے بھیس بدل کر خود ایلچیوں میں شامل ہو گیا چنانچہ عبدالعزیز اور تھیوڈ میر کے درمیان جو عہد نامہ لکھا گیا اس کے مندرجہ ذیل الفاظ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

''عیسائیوں کے مذہب میں کسی طرح کی دست اندازی نہ کی جائے گی اور نہ کے مذہبی مقامات خراب کئے جائیں گے۔''

یہ عہد نامہ ۴ رجب ۹۴ ہجری کو لکھا گیا۔ تھیوڈور کے سامنے مسلمانوں کی شکل نہایت بدنما

اور خوفناک بیان کی گئی تھی۔ لیکن ان شرائط سے وہ نہایت مطمئن اور محفوظ ہوا اور اس نے اپنا مصنوعی لباس اتار دیا اور دونوں نے ایک ہی جگہ بیٹھ کر اکٹھا کھانا کھایا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لڑکپن ہی سے بے تکلف دوست ہے۔

مسلمان عورت کی جرأت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے دستبردار ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی سلطنت کے سربراہ بن گئے۔ وہ غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے اور اپنی ان تھک سعی و کوشش کی وجہ سے اور بہت ہوشیار ہونے کے سبب وہ اپنی مخالفت کو دبانے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے مگر کچھ لوگ ایسے بھی موجود تھے جو ان کی اس بات کی اعلانیہ طور پر مخالفت کرتے تھے کہ ان کا سابق خلیفہ ان کے بیٹوں سے اچھا سلوک نہ تھا۔

اسی قسم کے مخالفین میں سے ایک عورت دریمہ بھی تھی جو بڑی زبان دراز تھی۔ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بلایا اور کہا:

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کیا یہ سچ ہے کہ تم ایک متقیہ اور عقلمند عورت ہو؟

دریمہ: یہ بات تمہیں میں نے نہیں بتائی، اس لئے اس کا بارِ ثبوت مجھ پر نہیں۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کیا یہ درست ہے کہ تم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت کرتی ہو؟

دریمہ: بالکل درست ہے۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وجہ؟

دریمہ: علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاف کا دلدادہ تھا۔ نیکوں کی عزت کرتا تھا۔ غربا کی امداد کرتا تھا۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ بھی درست ہے کہ تم مجھے اچھا نہیں سمجھتیں؟

دریمہ: ہاں۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کیوں؟

دریمہ: تم خلق خدا کو چھوڑ کر حکومت سے پیار کرتے ہو۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کرتا تھا؟

دریمہ: وہ حکومت کو خلق خدا کی خدمت کا ذریعہ گردانتا تھا۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اچھا، چھوڑو اس بات کو لو۔ بولو میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔

دریمہ: کچھ نہیں۔ اگر تم ضرور ہی کچھ میرے لئے کرنا چاہتے ہو تو مجھے ایک سرخ اونٹ اور ایک غلام دے دو۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اگر میں تمہیں ایک سرخ اونٹ اور ایک غلام دے دوں تو مجھے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر سمجھو گی؟

دریمہ: نہیں۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اچھا، نہ سہی، میں پھر بھی تم پر احسان کرنا چاہتا ہوں آج ہی تمہارے گھر ایک سو سرخ اونٹ اور ایک سو غلام پہنچ جائیں گے مگر یاد رکھو اگر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ ہوتا تو وہ تمہیں ایک اونٹ بھی نہ دیتا۔

دریمہ: اونٹ تو بڑی بات ہے، وہ مجھے بیت المال میں سے ایک چوہیا بھی نہ دیتا۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: تو پھر مجھ سے یہ چیزیں کیوں طلب کرتی ہو؟

دریمہ: صرف یہ دکھانے کے لئے کہ تمہارا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موازنہ نہ ہو سکے۔

دربار میں خاموشی چھا گئی۔ خود معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔

نیک حکمران اور اچھے اثرات

حجاج کے زمانے میں جب لوگ صبح کو بیدار ہوتے اور ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی تو باہم پوچھتے: گزشتہ رات کون قتل کیا گیا، کس کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا اور کس کی پیٹھ کوڑوں کی بوچھاڑ سے چھلنی ہوئی؟

ولید بن عبدالملک کثیر مال و جائیداد والا اور عمارتیں بنانے کا خواہاں تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ میں لوگ ایک دوسرے سے مکانات کی تعمیرات، نہروں کی کھدائی اور درختوں کی افزائش کے متعلق پوچھا کرتے تھے۔

جب سلیمان بن عبدالملک نے ولی عہد کی کرسی سنبھالی تو وہ کھانے پینے اور گانے بجانے کا شوقین تھا۔ چنانچہ لوگ اچھے کھانے، گانے والیوں اور لونڈیوں کے متعلق ایک دوسرے سے پوچھتے اور یہی ان کا موضوع سخن بھی ہوتا۔

اور جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ منصب خلافت کی زینت بنے تو لوگوں کی آپس میں اس قسم کی گفتگو ہوتی: قرآن کتنا یاد کیا، ہر رات کتنا ورد کرتے ہو، رات کو کتنے نوافل پڑھتے ہو، فلاں آدمی نے کتنا قرآن یاد کیا، اور فلاں شخص مہینے میں کتنے دن روزے سے رہتا ہے؟

امیر المومنین ولید بن عبدالملک کا درباری کو جھوٹی حدیث سنانے پر سزا

ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں ایک شخص نے ان کی آمد کے لئے ایک موضوع حدیث گھڑی اور موضوع سند کے ساتھ ان کے سامنے پیش کی۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ:

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو خلیفہ اور امیر المومنین بناتے ہیں تو اس کی حسنات لکھی جاتی ہیں اور سیئات نہیں لکھی جاتیں۔''

ولید بن عبدالملک نہ کوئی ولی ہیں نہ متقی، نہ صلحاء و اتقیاء کے طبقہ میں ان کا شمار ہے گر عہد نبوت کے قرب کی برکت کا اثر سب میں تھا۔ یہ حدیث سنی تو فوراً کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ حدیث نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

یاداؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب

''اے داؤد علیہ السلام ہم نے آپ کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے سو آپ لوگوں میں حق کا فیصلہ کریں اور خواہشات کا اتباع نہ کریں کہ اتباع

ہو آپ کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دے گا۔ بے شک جو لوگ اللہ کے
راستہ سے گمراہ ہوتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس وجہ سے
کہ وہ بھول گئے دن حساب کو۔''

اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کو خلیفہ بنانے کے ساتھ یہ ارشاد ہے کہ اگر (بالفرض) خلاف حق فیصلہ کریں گے تو عذاب شدید کے مستوجب ہوں گے پھر کسی دوسرے انسان کا کیا پوچھنا۔ (فتح الباری بتوضیح ص۹۷، ج۱۳)

الغرض ولید بن عبدالملک نے سمجھ لیا کہ روایت اس نے محض میری خوشامد کے لئے گھڑی ہے تو بجائے خوش ہونے کے اس کے خلاف کیا۔ اور یہ شخص جو دین کو دنیا کے بدلے بیچنا چاہتا تھا دنیا میں بھی خائب و خاسر رہ گیا۔ نعوذ باللہ منہ۔

تنبیہ:۔ اس واقعہ سے اس ارشاد کی تصدیق ہوئی جو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ کے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایذاء و تکلیف کے لئے اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں۔ (اخرجہ الترمذی)

عضد الدولہ کے انصاف کا ایک حیرت انگیز واقعہ

عضد الدولہ کو اس کے ایک مخبر (خفیہ پولیس کے اہلکار) کے ذریعہ خبر ملی کہ قاضی القضاۃ کے پاس ایک شخص بیس ہزار دینار امانتاً رکھ گیا تھا وہ شخص حج کے بعد روم کی ایک مذہبی لڑائی میں جہاد کا ثواب حاصل کرنے کے لئے شامل ہوا اور زخمی ہو کر قید ہو گیا۔ جہاں سے چار سال کے بعد رہائی ملی اور دس برس کے بعد جب واپس اپنے شہر میں آیا اور قاضی سے روپے طلب کئے تو اس نے جان پہچان تک سے انکار کر دیا۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر زیادہ دق کرو گے تو دیوانہ قرار دے کر بیمارستان (ہسپتال) میں بھجوا دوں گا جہاں ساری عمر سڑتا رہے گا۔

بادشاہ نے اس شخص کو بلوایا اور اس سے ساری داستان مفصل سنی اور دو سو دینار خرچہ کر دے کر رخصت کر دیا اور کہا جس وقت میں بلاؤں اس وقت جہاں ہو اور جس حال میں ہو چلے آنا۔

اس کے جانے کے بعد بادشاہ نے قاضی کے امتحان کے لئے ایک دن اس کو خلوت میں بلوایا اور شہزادوں اور شہزادیوں کے متعلق گفتگو کر کے کہا کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، شہزادوں کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ اپنی بہنوں کو واجبی حصہ نہ دیں گے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ جیسے متدین اور متقی دیندار کے پاس جواہرات اور کچھ نقدی روپیہ جمع رکھ دوں تا کہ جب وہ زمانہ آئے جس کا مجھے خطرہ ہے تو لڑکیوں پر مصیبت نہ پڑے اور آپ اس کام کے لئے وسیع تہہ خانہ بنوائیں اور میرے اور آپ کے اور اس علام الغیوب کے سوا جو دلوں کے تمام حالات جاننے والا ہے اور کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔ بادشاہ نے دو سو دینار تہہ خانہ بنوانے کے لئے بھی دیئے۔

قاضی صاحب دل میں خوش ہو کر رخصت ہوئے کہ بڑھاپے میں خدا نے سنی۔ اس قدر مال مفت ملنے لگا ہے کہ جس کی کبھی توقع بھی نہ ہو سکتی تھی۔ بیس ہزار دینار بھی خدا نے گھر بیٹھے دلوائے اب وہ لاکھ روئے پیٹے ایک حبہ بھی نہیں پا سکتا اور بادشاہ کے مرنے کے بعد یہ جواہرات اور خزانہ بھی سب میرا ہی ہے نہ کوئی دستاویز ہے نہ کوئی گواہ۔

تہہ خانہ تیار کرا کے قاضی نے اطلاع دی۔ بادشاہ نے ایک سو چالیس آفتابوں میں دینار اور تین ڈبوں میں مرداریرا اور چند پیالوں میں یاقوت لعل فیروزہ بھر کر خزانے میں پہلے ہی رکھوا لئے تھے۔ قاضی یہ دیکھ کر نہال ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا آج ہی یہ امانت پہنچ جائے گی اور یہ کہہ کر اس کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد اس مظلوم کو بلوایا اور کہا آج قاضی سے جا کر سختی سے تقاضا کرو۔ اگر وہ نہ مانے تو کہو میں بادشاہ سے کہہ دوں گا جو آپ کی عزت کو خاک میں ملا دے گا اور مجھے میرا روپیہ بھی دلوا دے گا۔

وہ شخص گیا اور سختی سے تقاضا کرنے لگا۔ قاضی نے سوچا کہ اگر اس کم بخت نے شور مچایا تو شاید بادشاہ تک نوبت پہنچ جائے اور ادھر بادشاہ نے آج ہی خزانہ بھجوانے کا وعدہ کیا ہے ایسا نہ ہو کہ اس بیس ہزار کے بدلے وہ لاکھوں روپے اور جواہرات ہاتھ سے جاتے رہیں اور بے اعتباری و بے عزتی الگ ہو۔

یہ سوچ کر اس کی ساری رقم دے دی اور کہا جو کچھ اب تک ہوا وہ تمہارے ہی فائدہ کے

لئے تھا۔ اب تم صبر نہیں کرتے تو لے جاؤ ہمارا کیا ہے تمہارا ہی مال ہے۔

وہ شخص دینار مزدوروں کے سر پر اٹھوا کر بادشاہ کے پاس لے گیا۔

بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ قاضی نے واقعی خیانت کی ہے اور اگر اس کو ان جواہرات کا طمع نہ ہوتا تو کبھی وہ امانت واپس نہ دیتا بادشاہ نے قاضی کا تمام اسباب ضبط کر لیا، اس کو عہدہ قضا سے ہٹا دیا اور اس کی ضعیفی کی وجہ سے اس سے زیادہ کوئی سزا اس کو نہ دی۔

(نظام الملک طوسی، حصہ دوم، ص ۲۶۲)

فاروقی خون رنگ لا کر رہا!

بنو امیہ نے بالعموم اور مروان نے بالخصوص حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالعزیز کو ان کے اصلاحی ارادوں سے روکنے کے بڑے جتن کئے۔ خفیہ خط لکھے۔ دھمکیاں دیں بغاوت سے ڈرایا رشتہ داری کے واسطے دیئے۔ لیکن عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لئے جو راستہ منتخب کر چکے تھی وہ اسی پر بڑھتے چلے گئے۔ جب ان کے اہل خاندان نے دیکھا کہ وہ کسی طرح باز نہیں آتے تو ایک دفعہ ان کی پھوپھی فاطمہ بنت مروان کو سفارشی بنا کر ان کے پاس بھیجا۔

عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالعزیز اپنی پھوپی کا بہت ادب لحاظ کرتے تھے اور اسی احترام کو بنی امیہ نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا۔ فاطمہ بنت مروان نے ان سے کہا کہ بیٹا: ''تمہارے رشتہ دار شکایت کرتے ہیں کہ تم نے ان سے دوسروں کی دی ہوئی روٹی بھی چھین لی ہے، چہ جائیکہ خود آنہیں کچھ دیتے۔''

انہوں نے جواب دیا کہ: ''پھوپھی جان! میں نے ان لوگوں کا کوئی حق نہیں روکا۔''

پھوپھی نے کہا۔ ''سب لوگ شکایت اور چیخ پکار کر رہے ہوں اور مجھے خوف ہے کہ وہ تمہارے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔''

عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالعزیز بولے کہ: ''اگر میں قیامت کے دن کے سوا کسی اور دن سے ڈروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی برائیوں سے نہ بچائے۔''

اس کے بعد انہوں نے ایک اشرفی، گوشت کا ایک ٹکڑا اور آگ کی انگیٹھی منگوائی۔ اشرفی کو آگ میں تپا کر گوشت پر رکھا۔ جب وہ بھن گیا تو فرمانے لگے۔ پھوپھی جان! کیا تم

اپنے بھتیجے کے لئے اس قسم کے عذاب سے پناہ نہیں مانگتیں؟"

پھر بولے۔ "اے پھوپھی! سنئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے ایک ایسا چشمہ چھوڑا، جس میں سے پانی پینے کا حق سب کے لئے یکساں تھا۔ پھر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس چشمہ کو اسی حالت میں رکھا۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے وہ چشمہ یزید، مروان، عبدالملک، ولید اور سلیمان کے ہاتھوں میں آیا اور ان لوگوں نے اس چشمے میں سے نہریں نکالیں جن کی وجہ سے وہ خشک ہو گیا ہے۔ اب جب تک اس چشمے کو دوبارہ اس کی پہلی حالت پر نہ لایا جائے گا، لوگ اس سے سیراب نہ ہو سکیں گے۔ خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو تمام نہروں کو بند کر کے چشمے کو اس کی اصلی حالت پر لے آؤں گا۔"

فاطمہ یہ سن کر کہنے لگی۔ "بیٹا! تمہارے بھائیوں کے اصرار سے میں تم کو سمجھانے آئی تھی لیکن جب تمہارا خیال یہ ہے تو اب میں کچھ نہیں کہتی!"

یہ کہہ کر فاطمہ بنت مروان واپس بنو امیہ کے پاس گئی۔ انہیں سارا قصہ سنایا۔ اور کہا: "یہ سب تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ نہ تم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب کے بیٹے عاصم کی لڑکی کو عبدالعزیز سے بیاہتے نہ آج یہ دن دیکھنا پڑتا۔ عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالعزیز اپنے ننھیال پر گیا ہے۔ اس میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الخطاب کا خون اور انہی کا سارا دم خم ہے۔ اب تو تمہیں سب کچھ بھگتنا ہی ہوگا۔ چپکے سے برداشت کرو۔"

اللہ اپنے دوستوں کو پہلے سے آنے والے حالات بتا دیتا ہے

حضرت سید محمد گیسو دراز دہلی سے گلبرگہ آئے۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی کو خبر ہوئی وہ مع اپنے امراء کے شہر سے باہر ان کے استقبال کے لئے آیا اور بڑی خاطر داری کی۔ بعد میں اپنے نالائق ولی عہد کے لئے دعا طلب کی۔ انہوں نے فرمایا۔

جب آپ نے اسے تخت دے دیا ہے تو فقیر کی دعا کی کیا ضرورت ہے۔

فیروز شاہ نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا۔

خداوند تعالیٰ نے تو سلطنت کا فرمان تمہارے بھائی احمد خان کے نام لکھا ہے اور وہ اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے موزوں بھی ہے دوسروں کے لئے کوشش بے سود ہے۔
بادشاہ نے ناراض ہو کر کہلا بھیجا آپ کے مرید شور مچاتے ہیں آپ شہر خالی کر دیجئے۔
حضرت وہاں سے چلے گئے لیکن بادشاہ کا نامناسب فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر فیروز شاہ کے بعد اس کا بھائی احمد شاہ ہی تخت دکن پر جلوہ افروز ہوا۔

سیاسی لوگوں کے لئے واقعہ عبرت

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہوتے ہی نبی کریم ﷺ نے ان کی جرأت و دلیری کے پیش نظر صاحب صدق و مقال، نرم دل و نرم خو ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ترجیح دیتے ہوئے انہیں فوج میں عہدہ دار بنا دیا اور ابوذر کو فوجی خدمات کا اہل نہ سمجھا۔
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہوتے ہی خالد بن ولید کو سپہ سالار بنا دیا۔ جب سخت دل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت آیا۔ انہوں نے اس جری کو معزول کر کے سپہ سالاری نرم دل ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دی مگر کسی نے اپنی حق تلفی یا تزلی پر رنج و ملال نہ منایا کیونکہ سب ایک ہی شمع کے پروانے اور ایک ہی مقصد کے دیوانے تھے اور سمجھتے تھے کہ سیاست میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے کہ امیر سلطنت نرم دل ہو تو اس کا نائب سخت گیر ہونا چاہئے۔ اگر امیر سخت گیر ہو تو اس کا نائب نرم دل ہونا ضروری ہے۔
ہماری سیاست نہ اعتدال کے رخ چل رہی ہے نہ قابلیت کا راستہ اختیار کرتی ہے اس کا تمام تر دارومدار کوٹہ سسٹم اور اقربا نوازی پر ہے اس موقع پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمان عمر پر معزولی کے وقت کیا خوب کہا کہ:

> ''عمر سے کہہ دینا مجھے آپ کا حکم سر آنکھوں پر منظور ہے میں سپہ سالاری سے سبکدوش ہوتا ہوں اب میں عام سپاسی کی حیثیت۔''

حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کا کلمہ حق

عمر بن ہیرہ جب یزید بن عبدالملک بادشاہ دمشق کی طرف سے عراق و خراسان کا گورنر

بن کر آیا تو اس نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ، امام شعبی مجھ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان علماء حق کے سامنے یہ تقریر کی کہ:

یزید بن عبدالملک کو خداوند عالم نے اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر فرمایا ہے اور مجھ کو خلیفہ کی طرف سے گورنری کا عہدہ ملا ہے لہذا مجھے خلیفہ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے میں بلا چوں و چرا اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ اس بارے میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟

گورنر کی اس سیاسی گفتگو کا خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے جو صاف اور سچا جواب دیا ہے وہ انتہائی عبرت انگیز ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن ہیرہ تو یزید بن عبدالملک کے بارے میں خدا سے ڈر اور خدا کے بارے میں ہرگز ہرگز یزید بن عبدالملک کا خوف مت کر۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ تجھ کو دونوں جہاں میں یزید بن عبدالملک کے شر سے بچا سکتا ہے۔ مگر یزید بن عبدالملک خدا کے قہر و عذاب سے تجھ کو ہرگز ہرگز نہیں بچا سکتا۔ یاد رکھ! وہ قہار و جبار عنقریب تیرے پاس ملک الموت کو بھیجے گا جو تجھ کو تیرے وسیع گورنمنٹ ہاؤس اور شاندار تخت سے یک لخت اندھیری اور تنگ قبر میں پہنچا دے گا۔ وہاں تجھ کو بجز تیری اعمال کے کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ لہذا تو خدا کے فرمان کے خلاف کسی بادشاہ کے حکم سے جسارت مت کر۔ کیونکہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی اس ولولہ انگیز اور ہدایت افروز تقریر سن کر گورنر ایک عالم ربانی کی مجاہدانہ جرات پر محو حیرت ہو کر خاموش ہو گیا اور تینوں علماء حق دربار سے اٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

سلطان طغرل کا خواب

ایک دفعہ سردی کے زمانے میں سلطان طغرل جب گشت لگا کر رات کو واپس ہوا اور محل کے اندر جانے لگا تو اس نے ایک چوکیدار کو دیکھا جو سردی سے کانپ رہا تھا۔ طغرل کو اس کی حالت پر بڑا رحم آیا وہ اس سے یہ کہہ کر محل کے اندر چلا گیا کہ میں تمہارے لئے ابھی ایک گرم کوٹ بھیجتا ہوں مگر محل میں جاتے ہی طغرل اپنے ضروری کاموں میں کچھ ایسا مشغول ہوا کہ

اپنا وعدہ بالکل بھول گیا۔ کاموں سے فارغ ہوا تو اپنے نرم بستر پر جا کر لیٹ گیا اور سو گیا ابھی چند ہی منٹ سویا تھا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اس سے یہ کہہ رہا ہے کہ اے طغرل کیا اللہ کی نعمتوں کا اسی طرح شکر ادا کرتے ہیں اس نے تو تم کو سب کچھ دے رکھا ہے اور لمحہ بھر بھی تم سے غافل نہیں رہتا مگر تمہارا یہ حال ہے کہ تم اپنے ایک چوکیدار کو بھی یاد نہ رکھ سکے۔ تم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں ابھی گرم کوٹ بھیجتا ہوں۔ وہ غریب سردی میں اکڑ رہا ہے اور تمہارا آسرا لگائے ہوئے ہے اور تم یہاں غافل سو رہے ہو۔

طغرل نے یہ خواب دیکھا تو فوراً جاگ اٹھا اور اسی وقت ایک گرم کوٹ لے کر چوکیدار کے پاس خود گیا اور دیر ہونے کی اس سے معذرت چاہی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دنیا سے بے رغبتی

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں بیت المال سے تھوڑا وظیفہ ملتا تھا۔ آپ بمشکل گزارہ کرتے۔ جب فتوحات ہونے لگیں۔ مملکت اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہو گیا اور بیت المال میں مال غنیمت بکثرت جمع ہو چکا تو صحابہ کبار نے فیصلہ کیا کہ آپ کا وظیفہ بڑھا دینا چاہئے لیکن اس سلسلہ میں آپ سے کچھ کہنے کی کسی کو ہمت نہ پڑتی تھی۔ آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ یہ بات آپ کے گوش گزار کی گئی تو آپ نے نہایت غصہ کے ساتھ فرمایا۔

بیٹی تو ہی بتا کہ تیرے گھر میں رسول اللہ ﷺ کا عمدہ سے عمدہ لباس کیا تھا؟

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا، وہ کپڑے جنہیں نماز جمعہ کے لئے یا وفدوں سے ملاقات کے وقت پہنا کرتے تھے۔

پھر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، رسول اللہ ﷺ نے تیرے ہاں کون سا عمدہ سے عمدہ کھانا کھایا؟

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا، ہماری غذا جو کی روٹی ہوتی تھی۔ ایک دن ہم نے گرم گرم روٹی گھی کے تلچھٹ سے چپڑ دی تو رسول اللہ ﷺ بڑے مزے لے لے کر کھا رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلا رہے تھے۔

پھر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، بیٹی! یہ تو بتا کہ تیرے پاس عمدہ سے عمدہ بستر کون سا تھا؟

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا، ایک موٹا سا کپڑا جسے گرمیوں میں چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردیوں میں آدھا نیچے بچھاتے اور آدھا اوپر اوڑھ لیتے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سب کچھ سن چکے تو فرمایا، بیٹی حفصہ! رسول اللہ ﷺ نے ایک اندازہ مقرر فرمادیا اور آخرت کے اجر پر صبر کیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کروں گا۔ میری اور میرے دو دساتھیوں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال ان تین مسافروں کی ہے جو ایک راستے پر چلے۔ دوسرا پہلے کے نقش قدم پر توشہ لے کر چلا اور جہاں پہنچنا تھا (منزل مقصود پر) پہنچ گیا۔ پھر تیسرے (عمر فاروق) نے چلنا شروع کیا۔ اگر وہ اپنے ساتھیوں کے طریقے پر چلے گا تو ان سے جا ملے گا۔ اگر ان کا راستہ چھوڑ دے گا تو کبھی ان سے نہ مل سکے گا۔

بوڑھی عورت کا عمرؓ سے شکوہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے دورے سے واپس آئے تو تنہائی میں لوگوں سے مل کر ان کے حالات دریافت کرنے شروع کر دیئے اسی مقصد کے تحت ایک بڑھیا کے نزدیک سے گزرے اور اس سے حال احوال دریافت فرمایا، بڑھیا نہیں جانتی تھی کہ آپ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بڑھیا نے آپ سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ تو ابھی ابھی شام کے دورے سے واپس آئے ہیں۔

بڑھیا شکوے کے انداز میں کہنے لگی، اللہ تعالیٰ ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، کیوں کیا بات ہوگئی آخر اس کا سبب کیا ہے؟

بڑھیا نے کہا جب سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے ہیں مجھے آج تک بیت المال سے کچھ بھی نہیں ملا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو تمہارا حال معلوم نہیں ہے۔

بڑھیا کہنے لگی، سبحان اللہ! یہ آپ نے کیا بات کہہ دی جو شخص خلیفہ ہو اور پھر اس کو اس بات کی بھی خبر نہ ہو کہ مشرق و مغرب کے درمیان کیا ہو رہا ہے؟ میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آ سکتی۔

بڑھیا کہ یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اپنے آپ سے فرمایا، اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! افسوس ہے تجھ پر، تیری رعایا تجھ سے کیسے جھگڑا کرتی ہے ہر شخص تجھ سے زیادہ معاملہ فہم ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھیا سے فرمایا کہ تم اپنی دادخواہی کتنی قیمت پر بیچ کر اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو سکتی ہو؟ میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات پر رضا مند کر لوں گا۔

بڑھیا کہنے لگی اے شخص! خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے میرے ساتھ مذاق نہ کرو۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں تم سے مذاق نہیں کرتا۔ آخر کار بیس درہم میں بڑھیا راضی ہو گئی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس دراہم ادا کر کے اس کی دادخواہی خرید لی۔ ابھی اس معاملے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور آتے ہی کہنے لگے۔ یا امیر المومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) السلام علیکم!

بڑھیا نے جب امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ سنا تو حیران و پریشان ہو گئی اور اس بات پر افسوس کرنے لگی کہ میں نے امیر المومنین کے سامنے ہی ان کو برا بھلا کہہ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھیا کی یہ کیفیت دیکھی تو اس سے فرمایا کہ اے بڑھیا، تم افسوس نہ کرو تم نے جو کچھ کہا ہے بالکل ٹھیک کہا ہے اور کوئی غلط بات نہیں کی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوستین کے ایک ٹکڑے پر یہ تحریر لکھی:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عبارت اس بات کے بارے میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فلاں بڑھیا سے اپنی خلافت کے ابتدائی دور سے لے کر اب تک اس کی دادخواہی

بیس درہم میں خرید لی ہے اب اگر وہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کرے تو میں اس سے بری ہوں۔علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملے پر گواہ ہیں۔''

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر گورنر ۳ دن دھوپ میں کھڑا رہا، کیوں؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سے مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہوئے ہر وقت عوام کی فلاح و بہتری کے بارے میں فکر مند رہا کرتے تھے۔آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ مختلف شہروں کے گورنروں کے حالات کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتے رہا کرتے تھے ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ نے حمص کے لوگوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کا امیر کیسا ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ہمارا امیر انتہائی اچھا آدمی ہے لیکن اس میں صرف ایک خامی ہے وہ یہ کہ اس نے اپنے رہنے کے لئے ایک محل نما عمارت بنا رکھی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلال میں آ گئے اور غصہ کے عالم میں اسی وقت ایک قاصد کو حمص کے امیر کے محل کی طرف روانہ فرمایا اور ساتھ ہی اسے حکم بھی دیا کہ امیر حمص کے محل پر پہنچتے ہی لکڑیاں اکٹھی کر کے محل کے دروازے پر آگ لگا دینا۔

چنانچہ وہ قاصد محل کے دروازے پر پہنچا اور لکڑیاں اکٹھی کر کے محل کے دروازے پر آگ بھڑکا دی۔لوگ بھاگم بھاگ امیر کی خدمت میں پہنچے اور بتایا کہ ایک شخص نے لکڑیاں اکٹھی کر کے محل کے دروازے پر آگ لگا دی ہے۔

امیر حمص نے یہ سن کر بے فکری کے انداز میں جواب دیا کہ اسے آگ لگانے دو، وہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاصد ہے۔اس کے بعد امیر حمص بذات خود چل کر قاصد کے پاس آئے۔قاصد نے ان کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم نامہ سنایا جس میں لکھا تھا کہ امیر حمص فوری طور پر امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔

چنانچہ فرمان کے مطابق امیر حمص مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ امیر حمص کو تین دن تک دھوپ میں رکھو۔ چنانچہ ان کو تین روز تک دھوپ میں رکھا گیا۔

جب چوتھا دن ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر حمص کے پاس پہنچے اور ان کو اپنے ہمراہ سنگستان میں لے کر گئے اس سنگستان میں زکوٰۃ کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے امیر حمص کے امیرانہ کپڑے اتروا کر ان کو پہننے کے لئے ایک کمبل دیا اور پھر حکم دیا کہ ان تمام اونٹوں کو پانی بھر بھر کر پلاؤ۔

جب وہ سب اونٹوں کو پانی پلا کر تھک گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ کر ان سے فرمایا، اے امیر حمص! تھک گئے ہو گے؟ پہلے بھی تو یہی کام کرتے تھے۔

امیر نے جواب دیا۔ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کام کو چھوڑے ہوئے مجھے ایک مدت گزر چکی ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ! نے فرمایا، پھر یہی وجہ تھی کہ تم نے بالا خانہ بنوایا تھا اور مسلمانوں سے اونچے ہو کر سوتے تھے۔

امیر حمص کا ندامت کے مارے برا حال تھا اس کے بعد امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب اپنے عہدے پر واپس چلے جاؤ لیکن یاد رکھو ایسا کام آئندہ ہرگز نہ کرنا۔ چنانچہ امیر حمص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ نصیحت قبول کر کے حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔

خلیفہ وقت صدقے کا اونٹ کی تلاش میں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ایک اونٹ پر سوار وادی کی طرف چلے جا رہے ہیں، میں نے آواز دے کر پوچھا، اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا صدقہ کے اونٹوں سے ایک اونٹ گم ہو گیا ہے اس کو تلاش کر

رہا ہوں۔

میں نے کہا، اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ نے اپنے بعد میں آنے والے خلفاء کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ اے ابو الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ! مجھے ملامت نہ کرو رب کائنات کی قسم! جس نے محمد ﷺ کو رسول برحق بنا کر مبعوث فرمایا ہے اگر دریائے فرات کے کنارے ایک سالہ بھیڑ کا بچہ بھی مر جائے تو قیامت کے دن اس کے متعلق بھی مواخذہ ہوگا کیونکہ اس امیر کی کوئی عزت نہیں جس نے مسلمانوں کو ہلاک کر دیا اور نہ اس بد بخت کا کوئی مقام ہے جس نے مسلمانوں کو خوفزدہ نہ کیا۔

۱۰۰۰ غلے سے لدے ہوئے اونٹ اللہ کے راستے میں

خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں قحط پڑا۔ لوگ بہت پریشان تھے۔ ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، آج شام تک اللہ تمہاری پریشانی دور کر دے گا۔ اسی اثناء میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے آئے۔ مدینہ منورہ کے تاجر غلہ خریدنے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔ یہ بتاؤ کہ ملک شام سے یہ غلہ جو میرے پاس آیا ہے تم اس پر کس قدر نفع دو گے؟

تاجروں نے کہا کہ دس روپیہ کے غلہ پر دو روپے۔

مگر عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے زیادہ ملتا ہے۔ آخر ہوتے ہوتے ان تاجروں نے کہا، جو مال آپ نے دس روپے میں خریدا ہے اس کی قیمت پندرہ روپے دیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، مجھے اس سے بھی زیادہ مل رہا ہے۔ تاجروں نے تعجب سے کہا، وہ زیادہ دینے والا کون ہے؟ مدینہ کے تاجر تو ہم لوگ ہیں۔

آپ نے فرمایا، مجھے ایک روپیہ کے مال کی قیمت دس روپے مل رہی ہے۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو۔ تاجروں نے انکار کر دیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

فرمایا، تم لوگوں کو میں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے یہ سب غلہ اللہ کی راہ میں فقراء مدینہ کو دے دیا۔

خلیفہ کی حسرت

خلیفہ المتوکل کو فتح بن خاقان سے بہت محبت تھی۔ اکثر ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے۔ اگر فتح بن خاقان کہیں چلے جاتے۔ تو خلیفہ کا عیش و آرام حرام ہو جاتا۔ دونوں ایک جان دو قالب کا صحیح نمونہ تھے یہ محبت و رفاقت آخر وقت تک قائم رہی۔ اور دونوں ایک ہی دن ایک ہی وقت اور ایک ہی جگہ قتل ہوئے۔

ایک دن فتح بن خاقان جب خلیفہ کے پاس آئے تو خلیفہ سر جھکائے مغموم و متفکر بیٹھے تھے۔ فتح بن خاقان نے پوچھا۔

"امیر المومنین۔ آپ کو تو ہر قسم کا عیش و آرام میسر ہے۔ جو روئے زمین پر اور کسی کو حاصل نہیں۔ پھر یہ غم و فکر کیوں؟"

متوکل نے نہایت حسرت سے جواب دیا۔

"مجھ سے بھی زیادہ وہ شخص آرام میں ہے۔ جسے اسباب معیشت حاصل ہوں۔ جو وسیع مکان اور ایک صالح و نیک بخت بیوی رکھتا ہو۔ نہ وہ ہمارا احتاج ہے کہ ہم اسے ذلیل سمجھ سکیں۔ اور نہ کسی کی مجال ہے کہ اسے آواز دے سکے۔"

واقعی ایک شہری کو جو آزادی و حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ وہ کسی بادشاہ کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ بلندی مراتب کے ساتھ ذمہ داری اور جواب دہی کا بوجھ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ جو ان کی زندگی کو بے لطف بنا دیتا۔ اسی لئے یہ لوگ بسا اوقات عام شہریوں پر رشک کرنے لگتے ہیں۔

دشمن کو معاف کرنے والی انتہائی حیرت ناک شخصیت

بنی امیہ کی سلطنت و خلافت کے خاتمہ کے بعد جب خلیفۃ المسلمین منصور عباسی کا دور آیا تو کسی شخص نے ان کو خبر دی کہ فلاں شخص کے پاس بنی امیہ کے بہت سے اموال و خزائن ہیں جو اس کے پاس بطور امانت ان کی طرف سے رکھے ہوئے ہیں۔

منصور نے اس شخص کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ فوراً قید کر کے حاضر کیا گیا۔ منصور نے اس سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے پاس بنی امیہ کی امانتیں اور اموال ہیں وہ سب لاکر یہاں حاضر کر دو۔ اس شخص کی حیرت انگیز ہمت واستقلال قابل دید ہے کہ نہایت اطمینان سے کہتا ہے۔

قیدی:۔ اے امیر المومنین، کیا آپ بنی امیہ کے وارث ہیں؟

منصور:۔ نہیں!

قیدی:۔ تو کیا آپ ان کے وصی ہیں؟

منصور:۔ نہیں!

قیدی:۔ جب آپ نہ ان کے وارث ہیں نہ وصی تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کے اموال کا آپ مطالبہ کریں۔

منصور:۔ (کچھ دیر سر جھکائے ہوئے سوچنے کے بعد) بات یہ ہے کہ بنی امیہ نے مسلمانوں پر ظلم کیا اور ناجائز طریق سے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب میں مسلمانوں کا وکیل ہوں۔ یہ چاہتا ہوں کہ ان کے غصب شدہ حقوق واموال کو ظالموں کے ہاتھ سے لے کر بیت المال سرکاری میں جمع کر دوں۔

قیدی:۔ امیر المومنین، آپ کا یہ ارشاد اس وقت تک قابل تسلیم نہیں۔ جب تک کوئی شہادت شرعیہ اس بات کی نہ پیش کریں کہ جو کچھ اموال میرے پاس ہیں۔ وہ بنی امیہ کے انہی اموال میں سے ہیں جو انہوں نے ظلم وغصب سے جمع کئے تھے کیونکہ بلاشبہ بنی امیہ کے پاس خود ان کے ایسے مملوک واموال بھی تھے جن میں ظلم وجور کا کوئی دخل نہ تھا۔

منصور:۔ (تھوڑی دیر سر جھکانے اور سوچنے کے بعد اپنے وزیر ربیع سے مخاطب ہوکر) اے ربیع! یہ شخص بات درست کہتا ہے، بے شک اس کے ذمہ ہمارا کوئی حق نہیں۔ (اس کے بعد بشاشت وانبساط کے ساتھ اس قیدی کی طرف متوجہ ہوکر کہا) کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟

قیدی:۔ ہاں، میری ایک حاجت تو یہ ہے کہ آپ فوراً ایک قاصد کے ہاتھ میرا خط میرے گھر بھجوا دیں تاکہ وہ میری سلامت وعافیت کی خبر سن کر مطمئن ہو جاویں، کیونکہ میری غیر حاضری نے ان کو سخت پریشانی میں ڈال دیا ہے اور دوسری حاجت یہ ہے کہ آپ اس شخص کو

میرے سامنے بلالیں جس نے آپ سے میری چغلی کھائی، کیونکہ میرے پاس بخدا بنی امیہ کا کوئی مال موجود نہیں۔ لیکن جب میں آپ کے سامنے کھڑا کیا گیا اور مجھ سے اس معاملہ میں سوال کیا تو میں نے وہی جواب زیادہ جلد نجات دلانے والا سمجھا جس کو میں نے پیش کیا۔

منصور:۔ (اپنے وزیر ربیع سے مخاطب ہوکر) اس شخص کو بلاؤ جس نے یہ خبر دی تھی۔ ربیع نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اس شخص کو حاضر کردیا۔

قیدی:۔ (اس شخص کو دیکھتے ہی) امیر المومنین، یہ میرا غلام ہے جو میرے تین ہزار دینار لے کر بھاگا ہے۔

منصور:۔ (غصہ کے لہجہ میں غلام سے مخاطب ہوکر) سچ بتلاؤ۔ کیا واقعہ ہے؟

غلام:۔ (مجبور ہوکر) جہاں پناہ واقعہ یہی ہے جو انہوں نے بیان کیا۔ فی الواقع میں ان کا غلام ہوں اور جتنا مال انہوں نے بیان کیا ہے لے کر بھاگا ہوں۔

منصور:۔ (پہلے قیدی سے مخاطب ہوکر) میں آپ سے سفارش کرتا ہوں کہ اب اس کو معافی دیجئے۔

قیدی:۔ امیر المومنین، میں نے اس کا جرم بھی معاف کیا اور جتنا مال لے گیا ہے وہ بھی معاف کیا اور تین ہزار دینار اور اپنے پاس سے دیتا ہوں۔

منصور:۔ (متعجب ہوکر) اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد امیر المومنین منصور ہمیشہ اس شخص کے استقلال اور عفو کرم پر تعجب کیا کرتے تھے کہ یہ عفو وکرم کی ایک عجیب مثال ہے۔

(منقول ومترجم از ثمرات الاوراق للحموی علی ہامش المستطرف ص ۲۲۴۔ جلد ا)

نیک دل شہزادہ

شہزادہ الپ ارسلان کو سپاہیانہ جوہر تو وراثت ہی میں ملے تھے لیکن اس کی ذاتی عظمت اس کے علم وفضل کی بدولت تھی۔ وہ بغداد کے تقریباً تمام نامی علماء فقراء کا صحبت یافتہ تھا۔ وہ علم کے ساتھ عمل بھی رکھتا تھا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ نے اسے عضد الدولہ عضد الدین کا خطاب بھی دیا تھا۔ ایک رات شہزادہ مغربی بغداد کے پل پر تنہا ٹہل رہا تھا کہ ایک صوفی منش بزرگ سے ملا

اور اس نے کہا۔ شہزادے اور بادشاہ اس طرح اور ایسے وقت میں سیر کو نہیں نکلا کرتے۔

شہزادہ:......اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں کہ مبادا انہیں تنہائی میں کوئی نقصان پہنچائے الحمد اللہ کہ میں ایسا نہیں ہوں۔

بزرگ:......اور اب یہ بھی سمجھتے ہیں کہ رعب میں فرق آتا ہے۔

شہزادہ:......یہ بھی صحیح ہے لیکن ہر شخص کو بہ حیثیت انسان اپنے برابر خیال کرتا ہوں۔ بلحاظ مسلمان اس کی عزت کرتا ہوں اور آپ جیسے بزرگوں کی خدمت میں رہنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔

شہنشاہ قسطنطنیہ یورپی امدا کے علاوہ ایک لاکھ سوار لے کر مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لئے نکلا۔ ادھر سے الپ ارسلان بھی چالیس ہزار سوار لے کر استقبال کو بڑھا۔ اور فتح یاب ہوا۔ بہت سے اسیران جنگ الپ ارسلان کے ہاتھ آئے لیکن اس نے زرفدیہ لینے کی بجائے زادراہ دے کر سب کو چھوڑ دیا۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کو شکست سے اور بھی طیش آیا۔ وہ پورے زور کے ساتھ پھر آگے بڑھا۔ الپ ارسلان کو خبر ہوئی۔ اس نے بہت کوشش کی کہ لوگوں کا خون پانی کی طرح نہ بہے اور کسی طرح یہ خوں ریز جنگ ٹل جائے۔

الپ ارسلان نے (بقول مشہور مورخ گبن) شہنشاہ کو صلح کا پیغام بھیجا لیکن اسے صلح میں کامیابی نہ ہوئی بلکہ سختی وتشدد کا جواب ملا۔

الپ ارسلان کو جب کامل یقین ہو گیا کہ رومی شہنشاہ کی نخوت اور بے ہودہ گوئی خدا جانے کس قدر بندگان خدا کا خون ناحق کرائے گی تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ تخت سے نیچے اتر آیا۔ فرش خاک پر سر رکھ کر اللہ عزوجل کے حضور خضوع وخشوع کے ساتھ اپنی فروتنی اور عاجزی کا اظہار کیا۔ اور اپنے طرز عمل سے ثابت کر دکھایا کہ مسلمان کبھی لڑائی کی ابتداء نہیں کرتا۔

اسی موقعہ پر الپ ارسلان نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کے دوران کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ تمہاری وفاداری اور جاں نثاری جس کا ثبوت تم کئی مرتبہ دے چکے ہو تمہیں مجھ سے جدا نہ ہونے دیگی۔ مگر میں بخوشی

اجازت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص لڑنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ بے تکلف واپس جا سکتا ہے۔''

شہنشاہ روم اپنی کثرت افواج کے نشہ میں مست تھا ادھر الپ ارسلان کو صرف ذات الٰہی کا بھروسہ تھا۔ قسمت نے عظیم الشان فتح کا سہرا الپ ارسلان کے سر باندھا۔ مغرور شہنشاہ بھی اسیران جنگ کے ساتھ دربار سلطانی میں پیش ہوا۔

جانتے ہو اس نیک دل بادشاہ نے اس مغرور و متکبر شہنشاہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کوئی مسلمان مورخ نہیں بلکہ گبن لکھتا ہے۔

جب شہنشاہ روم الپ ارسلان کے سامنے آیا تو سلطان تخت سے اٹھا چند قدم آگے بڑھا نہایت تپاک کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور عزت واحترام کے ساتھ اپنے برابر اسے جگہ دی ہفت روزہ جشن شاہانہ کے بعد سلطان نے شہنشاہ سے کہا۔

شکست کے بعد تمہیں کس سلوک کی امید ہو سکتی ہے۔ شہنشاہ نے بے ساختہ کہا۔ اگر ظالم ہو تو قتل کر دو، متکبر ہو تو مجھے قید میں ڈال دو اور اگر دور اندیش اور فیاض ہو تو فدیہ لے کر آزاد کر دو۔

سلطان نے کہا۔ اگر مجھے شکست ہوتی اور میں قید ہو جاتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

شہنشاہ نے جواب دیا۔ اگر تم قید ہوتے تو میں تمہارے لئے سزائے تازیانہ تجویز کرتا۔

یہ جواب کس قسم کا تھا انگریز مورخ گبن اس کے متعلق لکھتا ہے اگر یہ جواب دور اندیشی کے مقتضی نہ تھا تو احسان فراموشی میں ضرور شامل ہے۔ سلطان یہ گستاخانہ جواب سن کر ہنس پڑا اور کہا۔

''عیسائیوں میں یہ دستور ہو تو ہو لیکن اسلام ہمیں ایسی تعلیم کی اجازت نہیں دیتا۔ الحمد اللہ کہ میں تمہاری قید میں نہیں ہوں۔ میں آپ کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جس کی مجھے اسلام نے اجازت دی ہے۔''

چنانچہ سلطان نے دس لاکھ دینار بطور فدیہ ساٹھ ہزار دینار سالانہ خراج اور کل مسلمان اسیران جنگ کی رہائی پر شہنشاہ سے صلح کر لی۔

بادشاہت کے لئے باپ کو قتل کروادیا

شاہجہاں نے تخت وتاج حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو قتل کرایا تھا۔ جو کچھ اس نے دوسروں کے ساتھ کیا وہی اسے خود پیش آیا۔ حبس بول کے مرض نے جب شاہجہان کو کاروبار سلطنت سنبھالنے سے معذور کردیا تو اس کے سرکش، خود پسند اور خودرائے سب سے بڑے چہیتے بیٹے داراشکوہ نے عنان حکومت سنبھال کر اپنے والد کو آگرہ کی ناموافق آب وہوا میں اس کی مرضی کے خلاف رہنے پر مجبور کردیا۔ اور اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے اورنگ زیب عالمگیر کو ہٹانے کے درپے ہوا۔ مگر ناکام رہا۔ شاہجہان کو جو اپنے لاڈلے بیٹے داراشکوہ کے پنجہ سرکشی میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ عالمگیر نے اس وقت کے حالات کے پیش نظر صرف اتنا لکھ بھیجا۔

حضور اب قلعہ سے باہر ''آئیں۔''

یہی حکم شاہجہان کی قید اور اس نیک نام کی بدنامی کا باعث ہوا۔ داراشکوہ عالمگیر کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ مگر خود اس کے ہاتھوں ختم ہوگیا۔ مراد نے اپنے بھائی عالمگیر کے دست وبازو ہونے کے باوجود غلط مشوروں کی بناء پر اس سے تاج وتخت چھیننا چاہا۔ مگر خود اس کے ہاتھوں اپنی زندگی کھو بیٹھا۔ اس طرح قدرت نے ہر ایک کو اس کی نیت کا پھل اسی دنیا میں چکھادیا۔

عالمگیر اپنے باپ کی طرح اپنے بھائیوں کے خون سے اپنی عبائے زہد وتقویٰ رنگین کر کے جب تخت ہند پر خاندان مغلیہ کی شان وشوکت کا آخری نظارہ دنیا کو دکھلانے کے لئے جلوہ افروز ہوا تو اس وقت حالات کچھ خوشگوار نہ تھے۔ مکدر فضا کو سازگار بنانے کے لئے عالمگیر نے ایک دربار خاص منعقد کیا۔ جس میں ملک کے امراء فضلاء او علماء مدعو تھے۔ اس دربار میں مولانا علاؤالدین بھی آئے ہوئے تھے جو اس وقت کے مشاہیر سے تھے۔

شہنشاہ ہند نے اپنے والد کی داراشکوہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننے۔ اپنے بھائیوں کی سازشوں اور تخریبی کارستانیوں کے مقابلہ میں اپنی حفاظت خوداختیاری کے جواز میں تقریر کرتے ہوئے کہا میرا اس طرح حکومت حاصل کرنا کسی دنیاوی مفاد کے لئے نہ تھا بلکہ محض خلق خدا کے فائدہ کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔

تمام حاضرین دربار نے اورنگ زیب کے اس اقدام کی تائید کی۔ فاضل وقت ملا نظام وغیرہ نے سکوت اختیار کیا مگر مولانا علاؤالدین سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے اسی وقت کھڑے ہو کر دربار خاص میں اس باجبروت بادشاہ سے کہا۔

”جو بادشاہ اپنے باپ کو جیل خانہ میں بند کرسکتا ہے اس سے خلق خدا کو اگر فائدہ پہنچ جائے۔ تو تعجب ہے۔“

آپ کی اس صاف گوئی سے دربار میں سنسنی پھیل گئی۔ اہل دربار حیرت میں آ گئے اور بادشاہ علاؤالدین کا منہ تکتا رہ گیا۔ مگر کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اکثر اوقات کلمۃ الحق جابر حکمرانوں کے لبوں پر مہر سکوت ثبت کر دیتا ہے اور ان کا سکوت ان کی غلطی کا عملی اعتراف ہوتا ہے۔

مگر اورنگ زیب نے جو کچھ کہا اسے سچ کر دکھایا۔ پچاس سال تک بے نظیر خدمت خلق کی اور خود کتابت قرآن کی اجرت پر گزارہ کرتا رہا۔

ہارون کے سامنے درباری چور کا سونے کا جام چوری کرنا

ایک دفعہ ہارون الرشید کے دربار میں حاضرین کی تواضع شربت سے کی جارہی تھی۔ جام سونے کے تھے۔ ایک درباری نے چپکے سے ایک جام اپنی آستین میں چھپا لیا۔

اتفاقاً خلیفہ نے اسے دیکھ لیا جب محفل برخاست ہونے لگی تو ساقی نے آواز دی کہ کوئی درباری باہر نہ جائے کیونکہ ایک جام گم ہو گیا ہے۔

خلیفہ نے کہا کہ سب کو جانے دو کیونکہ جس نے چرایا ہے وہ مانے گا نہیں اور جس نے دیکھا ہے وہ بتائے گا نہیں۔“

رات کو مصلہ پر سوار دن کو گھوڑے پر سوار

ملک شام میں اجنادین کے مقام پر جب رومیوں اور مسلمانوں کی فوجیں ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوئیں۔ تو ہرقل کے بھائی لشکر روم کے سپہ سالار نے ایک عربی کو بطور جاسوس اسلامی فوج میں مسلمانوں کے اخلاق وعادات کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا۔ اس نے واپس

آ کر بتلایا کہ "یہ لوگ رات کو راہب اور عابد ہیں۔ اور دن میں بہادر شہسوار اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کر لے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں اور اگر زنا کرے تو رجم کر دیں۔ حق کے جاری کرنے میں کسی کی رعایت نہیں کرتے۔"

سپہ سالار نے سن کر کہا۔ "اگر تو نے سچ کہا ہے۔ تو زمین کے اندر اتر جانا اس سے بہتر ہے کہ ان لوگوں کا مقابلہ کیا جائے۔"

یہی وہ حالات تھے جن کو دیکھ کر ہر مخالف متاثر اور حقانیت اسلام کا قائل ہو جاتا تھا۔ مگر ہمارے اعمال سوء دیکھ کر نفرت کرنے لگتا ہے۔

والی خراسان کا عالم کی تعظیم کرنا

والی خراسان اسماعیل بن محمد فرماتے ہیں کہ میں ایک روز سمرقند میں درباری معاملات ومقدمات کی سماعت میں مصروف تھا کہ یکا یک شیخ الاسلام عالم ربانی حضرت محمد بن نصر مروزی تشریف لے آئے۔ میں ان کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو گیا۔ اور ادب سے لا کر اپنے پاس بٹھایا۔ وہ کچھ بات چیت کر کے جب واپس تشریف لے گئے۔ تو میرے بھائی اسحاق نے مجھ سے فرمایا۔

تقوم لرجل من الرعية

"تم رعایا کے کسی آدمی کے آنے پر تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہو؟"

مقصد یہ کہ یہ انکساری و خاکساری وقار سلطنت کے خلاف ہے۔ والی خراسان کہتے ہیں کہ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور عالم ﷺ تشریف لائے ہیں۔ اور میرا بازو پکڑ کر مجھ سے فرماتے ہیں کہ:

ثبت ملكك وملك بنيك باجلالك محمد بن نصر.

تمہاری اور تمہاری اولاد کی سلطنت محمد بن نصر کی تعظیم و تکریم کی سبب سے دائم الثبوت کر دی گئی ہے۔ اور تمہارے بھائی اسحاق کا ملک عنقریب چھن جائے گا۔ کیونکہ اس نے محمد بن نصر کی تخفیف کی ہے، ان کو ذلیل کیا۔

(تذکرۃ الحفاظ ص ۲۰۳ ج ۲ و تہذیب الاسماء ص ۹۳)

سبق :۔ معلوم ہوا کہ علماء واولیاء کی تعظیم وتکریم سے خدا ورسول کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مقبول حق کے لئے قیام تعظیمی کرنا جائز۔ بلکہ حضور ﷺ کی رضا وخوشنودی کا موجب ہے۔ پھر اگر خود حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم کے لئے قیام کیا جائے گا تو کیوں نہ حضور بھی خوش ہوں گے اور خدا بھی خوش ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے ہر فعل کا آج بھی حضور ﷺ کو علم ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء اولیاء کی تخفیف وتوہین سے خدا ناراض ہوتا ہے اور حکومتیں بھی چھن جاتی ہیں۔

سکندر بادشاہ کا چین کی شہزادی سے شکست کھانا

سکندر رومی جس وقت فتوحات حاصل کرتا ہوا ملک چین تک پہنچا تو چین کی شہزادی نے پہلے سے سکندر کی تصویر اتروا کر منگا رکھی تھی اور اسی وجہ سے شہزادی سکندر کو پہچانتی تھی۔ سکندر نے فوج کو شہر سے باہر ٹھہرایا۔ خود لباس بدل کر فقیر بن کر شہر کے اندر داخل ہوا اور شاہی محل تک پہنچا۔

شہزادی نے اس فقیر کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ فقیر سکندر بادشاہ ہے حکم دیا کہ اس فقیر کو گرفتار کر کے تین دن تک قید خانہ میں رکھو اور ایک دانہ کھانے کو نہ دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

چوتھے روز شہزادی نے سکندر کو قید خانہ سے طلب کر کے اپنے سامنے بٹھا کر لاکھوں روپیہ کے موتی اور جواہرات اس کے سامنے رکھے اور کہا کہ یہ کھا لیجئے۔ مگر سکندر نے بھوک کی شدت سے اس طرف نگاہ بھی نہ کی۔ اس کے بعد شہزادی نے جو کی روٹی سکندر کے سامنے رکھی۔ وہ روٹی سکندر نے کھا کر پانی پیا۔

تب شہزادی نے کہا کہ ان بیش قیمت جواہرات کی طرف آپ نے توجہ نہ فرمائی اور یہ آپ کو بیکار نظر آئے۔ تو اے بادشاہ! ایسی بیکار چیز کے لئے کیوں دنیا کو قتل کرتا اور تباہ کرتا پھرتا ہے۔ جا قناعت اختیار کر۔ یہ نصیحت سن کر سکندر نے ملک چین سے فوج کو ہٹالیا۔

(سیرۃ الصالحین)

سبق :۔ صرف تین روز کے قید خانہ کی تکلیف نے کروڑہا روپیہ کے جواہرات کو بیکار کر دیا اور صرف جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا کام آیا۔ اسی طرح ایک روز قبر کے قید خانہ میں یہ سب

دنیوی جاہ وجلال اور یہ جو کی روتی وغیرہ بھی سب کچھ بیکار ہو جائے گا۔ اور وہاں صرف نیک اعمال ہی کارآمد ہوں گے:

کہا احباب نے یہ دفن کے تحت
کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کردی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

سکندر اعظم اور ایک ڈاکو برابر! مگر کیسے؟

سکندر اعظم کے سامنے ایک دفعہ ایک قزاق پیش کیا گیا۔ جس کی لوٹ مار سے سارے ملک میں آفت مچ رہی تھی۔ یہ شخص بڑی مشکل سے گرفتار کیا گیا۔ سکندر کے ساتھ اس کی حسب ذیل دلچسپ گفتگو ہوئی۔

سکندر:۔ ہیں! کیا تو تھریس کا قزاق ہے؟ جس کی لوٹ مار کا ملک بھر میں چرچا ہے۔

قزاق:۔ میں تھریس کا باشندہ اور ایک سپاہی ہوں۔

سکندر:۔ سپاہی نہیں بلکہ چور لٹیرا۔ قزاق اور قاتل۔ ملک کے لئے آفت۔ میں تیری جرأت کی داد دیتا ہوں۔ مگر تجھ سے نفرت بھی کرتا ہوں۔ اور تجھے تیرے جرموں کی سزا بھی دوں گا۔

قزاق:۔ آخر میں نے کیا کیا۔ جس کی آپ کو شکایت ہے۔

سکندر:۔ کیا تو نے ملک کے امن میں خلل نہیں ڈالا۔ میری رعایا کے جان و مال کو نقصان پہنچانے میں ساری عمر نہیں گزاری؟

قزاق:۔ سکندر! اس وقت میں آپ کا قیدی ہوں۔ جو بات آپ کہیں اس کا سننا اور جو سزا دیں۔ اس کا سہنا میرے لئے ضروری ہے۔ مگر میری روح پر آپ کی کوئی حکومت نہیں۔ اگر مجھے آپ کی بات کا جواب دینا پڑا۔ تو ایک آزاد آدمی کی طرح جواب دوں گا۔

سکندر:۔ جو کہنا ہو آزادی سے کہو۔ میں ایسا نہیں ہوں کہ اپنی حکومت کے زعم میں کسی کو بولنے سے روک دوں۔

قزاق:۔میں آپ کی بات کا جواب دینے سے قبل ایک اور سوال کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تو بتایئے کہ آپ نے اپنی زندگی کیونکر گزاری؟

سکندر:۔ایک بہادر آدمی کی مانند۔شہرت عام سے پوچھو۔ وہ تم کو بتائے گی کہ میں بہادروں میں سب سے بڑھ کر بہادر اور تاجروں میں سب سے بڑھ کر تاجر ہوں۔ اور فتح مندوں میں سب سے بڑھ کر طاقتور فتح مند ہوں۔

قزاق:۔اور کیا یہی باتیں ''شہرت عام'' میری بابت نہیں کہتیں۔کیا کوئی کپتان مجھ سے بہادر ہوا ہے؟ جس کے پاس میری فوج سے بڑھ کر بہادر فوج رہی ہو۔کیا کبھی کوئی (کہتے کہتے رک گیا اور پھر بولا) مجھے غرور شیخی سے نفرت ہے۔آپ خود جانتے ہیں۔کہ میں آسانی سے آپ کے بس میں نہیں آیا۔

سکندر:۔خیر پھر بھی تو قزاق ہی ہے۔ایک کمینہ بے ایمان قزاق!

قزاق:۔اور فاتح کون ہوتا ہے؟ کیا آپ دنیا میں بھوت بلا کر طرح ادھر ادھر گھومتے نہیں رہے۔کیا آپ نے امن وآسائش اور صنعت وحرفت کے عمدہ عمدہ ثمر برباد نہیں کئے کیا آپ نخومت کی بھوک کو سیر کرنے کے لئے جو کبھی سیر ہونے والی نہیں، بغیر قانون اور بغیر انا صف کے تباہی و بربادی اور قتل و غارت نہیں کرتے رہے؟ جو کام میں نے سو ہمراہیوں کی مدد سے صرف ایک ضلع میں کیا ہے۔وہ کام آپ نے لاکھوں آدمیوں کی مدد سے قوموں کی قوموں کے ساتھ کیا ہے۔اگر میں نے معمولی آدمیوں کو لوٹا ہے۔تو آپ نے بادشاہوں اور شہزادوں کو تباہ کیا ہے۔اگر میں نے چند گھروں کو جلایا ہے تو آپ نے نہایت آباد سلطنتوں کو برباد کیا ہے اور دنیا کے ضایت سرسبز شہروں کو خاک میں ملایا ہے۔پھر مجھ میں اور آپ میں اس کے سوا کیا فرق ہے کہ آپ ایک بادشاہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔اور میں ایک معمولی آدمی کے گھر میں اور اسی لئے آپ مجھ سے زیادہ قوی قزاق بن گئے۔

سکندر:۔ بڑا فرق ہے زمین آسمان کا فرق ہے۔میں نے بادشاہ کی طرح لیا اور بادشاہ کی طرح دیا۔اگر میں نے سلطنتوں کو تہ دبالا کیا تو ان سے بھی زیادہ عظیم الشان سلطنتوں کی بنیاد رکھی۔علم وفن اور فلسفہ کو ترقی دی۔

قزاق:۔ میں نے بھی جو کچھ امیروں سے لیا۔غریبوں کو مفت دیا۔ میں نے نہایت

خونخوار انسانوں میں باقاعدگی اور انتظام قائم کیا۔ اور مظلوموں پر دست حفاظت بڑھایا۔ بیشک جس علم وفلسفہ کا آپ ذکر کرتے ہیں۔ اس کو میں نہیں جانتا۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں۔ کہ جو نقصان دنیا کو ہم نے پہنچائے ہیں نہ میں پورا کر سکتا ہوں نہ آپ!

سکندر:۔ اس کی زنجیریں کھول دو۔ اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ کیا ہم ایک دوسرے سے اس قدر مشابہ ہیں؟ سکندر اور قزاق دونوں یکساں ہیں؟ میں ذرا اس بات کو سوچ لوں۔ (ماخوذ)

حجاج بن یوسف اور حضرت سعید بن جبیر کی گفتگو

حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیر کو جو کہ اعلیٰ درجہ کے محدث ومفسر تھے بلوایا اور پوچھا تم رسول اللہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید نے جواب دیا وہ رحمۃ اللعالمین امام الہدیٰ ہیں۔

حجاج نے پوچھا۔ حضرت علی جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔

انہوں نے جواب دیا جب تک جنت میں جا کر تمام لوگوں کی شناخت نہ کرلوں اس کا جواب کس طرح دے سکتا ہوں۔

حجاج نے پوچھا تمہارے علم میں سابقہ خلفاء میں کون اچھا تھا اور موجودہ خلیفہ کیسا ہے؟

آپ نے جواب دیا وہی اچھا ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کو خوش رکھا!

حجاج نے پھر پوچھا تمہاے علم میں کس نے اللہ اور اس کے رسول کو خوش رکھا؟

انہوں نے جواب دیا اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور وہی غیب دان ہے؟

حجاج نے جواہرات منگوائے اور کہا دیکھتے ہو یہ جواہرات ہیں۔

انہوں نے جواب دیا اگر یہ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے جمع کئے گئے ہیں تو خیر ورنہ اس دن کی گھبراہٹ اور مصیبت سے بچو جب عورت اپنے دودھ پیتے بچے کو بھی فراموش کر دے گی۔

حجاج ان کی راستی، صبر، استقلال اور حق گوئی وحریت سے زچ ہو کر بولا بتاؤ میں کس طریق پر تمہیں قتل کروں۔ انہوں نے کہا جو حیثیت تم اپنے لئے پسند کرو۔ کیونکہ جس حیثیت

سے تم مجھے قتل کرو گے اسی حیثیت سے خود بھی قتل کئے جاؤ گے۔

عالمگیر بادشاہ اور اہتمام تلاوت قرآن

اورنگ زیب مغلیہ خاندان نے ہندوستان پر صدیوں تک بڑی شان وشوکت سے حکومت کی۔اس خاندان میں کئی نامور بادشاہ گزرے ہیں، جن میں ایک بڑا بادشاہ اورنگزیب عالمگیر تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر کا اصل نام محی الدین تھا۔اس کے والد شاہجہان بادشاہ نے اسے عالمگیر کا خطاب دیا تھا۔اورنگ زیب ۱۴ نومبر ۱۶۱۸ء کو اتوار کے دن پیدا ہوا۔وہ شاہجہان کا تیسرا بیٹا تھا۔اس کی والدہ ارجمند بانو بیگم ہیں جو ممتاز محل کے نام سے مشہور ہوئیں۔

اورنگ زیب کی پیدائش کے وقت ہندوستان پر جہانگیر بادشاہ کی حکومت تھی اور اس کا بیٹا شاہجہان یعنی اورنگ زیب کا باپ اس وقت دکن کا صوبے دار تھا۔

جب جہانگیر کا انتقال ہوا تو شاہجہان تخت پر بیٹھا اس نے اورنگ زیب کی تعلیم کے لئے ملک کے نامی گرامی عالم مقرر کئے۔جن میں میر محمد ہاشم اور ملا صالح جوز بردست عالم اور بڑے پائے کے بزرگ تھے۔

مغل بادشاہوں میں اورنگ زیب پہلا بادشاہ تھا جس نے قرآن حفظ کیا وہ ۱۶۵۸ء میں ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا لقب اختیار کرکے دہلی کے تخت پر بیٹھا۔

اورنگ زیب بلا کا محنتی تھا۔وہ رات دن کام کرتا۔ایک انگریز نے ۸۷ برس کی عمر میں اسے دیکھا تھا۔انگریز سیاح اورنگ زیب کے کام اور محنت پر حیران ہوکر لکھتا ہے۔

''وہ سفید ململ کی پوشاک پہنے تخت کے سہارے امیروں کے جھرمت میں کھڑا تھا۔اس کی پگڑی میں زمرد کا ٹکڑا لگا تھا۔وہ لوگوں کی عرضیاں لیتا اور انہیں عینک کے بغیر دیکھتا اور دستخط کرتا جاتا ہے اور اس کے ہشاش بشاش چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی مصروفیات سے بے حد خوش ہے۔''

اورنگ زیب صبح اٹھ کر غسل کرتا اور قرآن کی تلاوت کرتا۔اس کے بعد وہ چاشت کے وقت مسجد میں نکل کر پہلے محل میں جاتا اور پھر وہاں سے انصاف کے تخت پر بیٹھتا۔

یہ گویا اس کی عدالت تھی۔اس کے دربار میں سب برابر تھے وہ عام دربار لگاتا۔جس میں سلطنت کے کاروبار پر سوچ بچار کیا جاتا تھا۔جمعرات کو آدھے دن کی چھٹی اور جمعہ کو پورے دن کی چھٹی ہوتی تھی۔اورنگ زیب بہت سنجیدہ اور بردبار تھا۔اس جیسا عبادت کرنے والا بادشاہ مغلوں کی تاریخوں میں نہیں گزرا۔وہ ہفتے میں چار دن روزے رکھتا تھا۔

آخر پچاس سال تین ماہ حکومت کرنے کے بعد ۹۱ سال کی عمر میں احمد نگر میں اس کا انتقال ہوگیا اور قصبہ خلد آباد ضلع اورنگ آباد میں دفن ہوا۔اورنگ زیب کا مقبرہ دوسرے بادشاہوں کے عظیم الشان مقبروں کے برخلاف بالکل سادہ ہےاور قبر بھی کچی ہے۔

مامون رشید کی کامیابی کا راز

مامون الرشید نے نہایت شاندار اور دبدبے سے حکومت کی۔اس کا دور خلفائے بنو عباس میں مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ایک دن کسی مصاحب خاص نے مامون الرشید سے پوچھا۔''آخر آپ کی کامیابی کا راز کیا ہے؟''

مامون الرشید نے جواب دیا۔''چند بنیادی اصول ہیں جن پر میں ہمیشہ کاربند رہا ہوں۔جہاں تازیانے سے کام نکل سکتا ہو وہاں میں تلوار سے اجتناب برتتا ہوں۔میں حتیٰ الامکان یہ کوشش کرتا ہوں کہ عوام سے دور نہ رہوں۔اگر عوام رسی کھینچ کر توڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو میں انہیں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب ڈھیل ان کی طرف سے ہوتی ہے تو میں کھینچ لیتا ہو۔''

ہندو جل گیا مسلمان مر کر بھی خوشبو پھیلاتا ہے

ایک دن دربار اکبری میں ایک سید صاحب ایک برہمن سے الجھ پڑے اور آخر میں کہا جو کچھ راجہ مان سنگھ کہہ دیں گے وہ صحیح ہوگا۔

راجہ صاحب خوش مزاج آدمی تھے کہنے لگے! میں عالم نہیں کہ اس مذہبی معاملہ پر بحث کر سکوں مگر ایک بات دیکھتا ہوں کہ ہندوؤں میں کوئی کیسا ہی پنڈت، گیانی، دھیانی فقیر ہو جب مر گیا تو جل گیا خاک اڑ گئی۔رات کو وہاں جاؤ تو آسیب کا خطرہ ہے۔لیکن اسلام میں جس گاؤں جس شہر میں جاؤ کئی بزرگ پڑے سوتے ہیں۔چراغ جلتے ہیں۔پھول مہکتے ہیں۔

چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ قرآن خوانی ہورہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہر طرف نور ہی نور ہے اور بے شمار لوگ ان سے فیض پاتے ہیں۔

محمد بن قاسم کا اہتمام نماز

خلیفہ عبدالملک کے حکم سے نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم نے ۹۲ھ مطابق ۷۱۱ء میں سندھ پر فوج کشی کی۔ فوج کی تعداد صرف چھ ہزار تھی لیکن یہ سب جانباز اور تجربہ کار سپاہی تھی۔ سب سے پہلے قلعہ دھیل کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ سندھ کا سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔ سندھ والوں نے قلعہ بند ہوکر مقابلہ کرنا پسند کیا۔ سامان رسد اور مال وزر کی ان کے پاس کمی نہ تھی قلعہ کے استحکام پر انہیں کامل تر اعتماد تھا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ کچھ عرصہ میں محاصرین تنگ آکر چلے جائیں گے اور قلعہ فتح نہ ہوسکے گا۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا۔

غازی محمد بن قاسم نے پوری قابلیت کے ساتھ محاصرہ کیا اور قلعہ کو فتح کرنے کے اہم تدابیر اختیار کیں لیکن کئی مہینے تک قلعہ فتح نہ ہوسکا ظاہری تدابیر سے مایوس ہوکر غازی محمد بن قاسم نے روحانی وسائل اختیار کئے اس نے رات بھر میدان جنگ میں نماز پڑھی۔ صبح کے وقت خود محصورین جوش غضب میں قلعہ سے باہر نکل آئے محاصرہ کرنے والوں کے لئے یہ بہترین موقع تھا انہوں نے سرفروشی کا ثبوت دیا اور شہر پناہ تک جا پہنچے وہ عزم واستقلال کے ساتھ فیصلوں پر چڑھ گئے اور قلعہ کو فتح کرلیا۔ اس کامیابی کے بعد شکرانہ کے نوافل پڑھے گئے۔

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو قبطی بادشاہ مقوقس نے قلعہ سے نکل کر اسی جزیرے کے قلعے میں پناہ لی تھی، اور اس تک پہنچنے کے لئے دریائے نیل پر جو پل بنا ہوا تھا، وہ توڑ دیا تھا، تاکہ مسلمان دریا عبور کرکے جزیرہ تک نہ پہنچ سکیں، دوسری طرف اس نے قیصر روم سے مدد طلب کی تھی کہ وہ مسلمانوں کے عقب سے ان پر حملہ کردے۔

ان حالات میں مقوقس نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے ایلچیوں کے ذریعے خط بھیجا کہ:

تم ایک طرف دریائے نیل اور دوسری طرف رومی فوجوں کے درمیان گھر چکے ہو، تمہاری تعداد بھی کم ہے اور اب تمہاری حیثیت ہمارے ہاتھوں میں قیدیوں کی سی ہے، لہٰذا اگر خیریت چاہتے ہو، تو صلح کی بات چیت کے لئے اپنے کچھ آدمی میرے پاس بھیج دو۔

جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ ایلچی پہنچے تو انہوں نے فوراً کوئی جواب دینے کے بجائے انہیں دو دن دو رات اپنے پاس مہمان رکھا، مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے شب وروز کے معمولات اور ان کے جذبات وخیالات سے اچھی طرح واقف ہوجائیں، دوسری طرف جب ایلچیوں کو دیر ہوئی تو مقوقس کو خطرہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ ایلچیوں کو قتل کرنا جائز نہ سمجھتے ہوں، لیکن دوروز کے بعد ایلچی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ پیغام لے کر پہنچ گئے کہ ہماری طرف انہیں تین باتوں کے علاوہ کوئی چوتھی بات قابل قبول نہ ہوگی۔ (یعنی اسلام، جزیہ یا جنگ) جو ہم پہلے بھی آپ کو بتا چکے ہیں۔

پیغام وصول کرنے کے بعد مقوقس نے ایلچیوں سے پوچھا کہ تم نے ان مسلمانوں کو کیسے پایا؟ اس کے جواب میں ایلچیوں نے کہا:۔

رأينا قوما الموت احب إلى أحدهم من الحياة، والتواضع احب إليهم من الرفعة،ليس لاحد هم في الدنيا رغبة ولا نهمة، وانما جلوسهم التراب، وأكلهم علىٰ ركبهم، واميرهم كوا احد منهم، مايعرف رفيعهم من وضيعهم، ولا السيد من العبد، واذ حضرت الصلاة لم يتخلف عنها منهم احد، يغسلون اطرافهم بالماء ويخشعون في صلاتهم

”ہم نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے جس کے ہر فرد کو موت زندگی سے زیادہ محبوب ہے، وہ لوگ تواضع اور انکسار کو ٹھاٹ باٹ سے زیادہ پسند کرتے ہیں، ان میں سے کسی کے دل میں...... دنیا کی طرف رغبت یا اس کی حرص نہیں ہے، وہ زمین پر بیٹھتے ہیں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر

کھاتے ہیں، ان کا امیر ان کے ایک عام آدمی کی طرح ہے، ان کے درمیان اونچے اور نچلے درجے کے آدمی پہچانے نہیں جاتے، نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون؟ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ان میں سے کوئی پیچھے نہیں رہتا، وہ اپنے اعضاء کو پانی سے دھوتے ہیں اور نماز بڑے خشوع سے پڑھتے ہیں۔''

کہتے ہیں کہ مقوقس نے یہ سن کر کہہ دیا تھا کہ ''ان لوگوں کے سامنے پہاڑ بھی آجائیں گے تو یہ انہیں ٹلا کر رہیں گے، ان سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔'' بالآخر باہمی پیغامات کے تبادلے کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں دس افراد کی ایک سفارت مقوقس کے پاس بھیجی، مقوقس نے ان کو بھی روپے پیسے کا لالچ دینے کی کوشش کی، اور ان کی معاشی تنگ حالی کے حوالے سے یہ یقین دلانا چاہا کہ اس کی پیش کش کو قبول کر کے مسلمان خوش حال ہو جائیں گے، لیکن اس کے جواب میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو عجیب و غریب تقریر فرمائی وہ صحابہ کرام کے ایمان و یقین، ان کے آہنی عزم و ثبات دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی فکر اور شوق شہادت کی بڑی اثر انگیز تصویر ہے، اس تصویر کے کچھ حصے یہ ہیں:۔

اللہ کے دشمنوں سے ہماری لڑائی اس بنا پر نہیں کہ ہمیں دنیا کی رغبت ہے، یا ہم زیادہ دنیا سمیٹنا چاہتے ہیں۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی شخص کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے پاس سونے کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، یا اس کی ملکیت میں ایک درہم کے سوا کچھ نہیں، اس لئے ہم میں سے ہر شخص کو دنیا کی زیادہ سے زیادہ جو مقدار درکار ہے، وہ بس اتنا کھانا ہے جس سے وہ صبح و شام اپنی بھوک مٹا سکے، اور ایک چادر ہے جسے لپیٹ سکے۔

اگر ہم میں سے کسی کو اس سے زائد دنیا نہ ملے تو بھی اس کے لئے کافی ہے، اور اگر اسے سونے کا کوئی ڈھیر مل بھی جائے تو وہ اسے اللہ کی اطاعت ہی میں خرچ کرے گا،...... کیونکہ دنیا کی نعمتیں حقیقی نعمتیں نہیں، اور نہ دنیا کی خوش حالی ہے، نعمتیں اور خوشحالی تو آخرت میں ہوں گی، اسی بات کا ہمیں اللہ نے حکم دیا ہے، یہی بات ہمیں ہمارے نبی (ﷺ) نے سکھائی ہے، اور

ہمیں یہ نصیحت کی ہے کہ ہم دنیا کی اس سے زیادہ فکر میں نہ پڑیں کہ ہماری بھوک مٹ جائے او رستر پوشی ہو جائے، باقی ہماری اصل فکر اور دھن اپنے رب کو راضی کرنے اور اس کے دشمنوں سے جہاد کرنے کی ہونی چاہئے۔

اور یہ جو آپ نے ہمیں ڈرانے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے مقابلے کے لئے رومی فوجیں اکٹھی ہو رہی ہیں، اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے، تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ چیز ہمیں ڈرانے والی نہیں ہے، اور نہ اس سے ہمارے حوصلے ٹوٹ سکتے یں۔ اگر آپ کی یہ بات واقعی درست ہے (کہ روم کا بڑا لشکر ہمارے مقابلے کے لئے آرہا ہے) تو خدا کی قسم اس خبر سے ہمارے شوق جہاد میں اور اضافہ ہو گیا ہے، اس لئے کہ اگر ہمارا مقابلہ اتنے بڑے لشکر سے ہوا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری جواب وہی اور آسان ہو جائے گی، اور اگر ہم میں سے ایک ایک فرد ان کا مقابلہ کرتا ہوا قتل ہو گیا تو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی جنت کا امکان اور مضبوط ہو جائے گا، اور ہامرے لئے کوئی بات اس سے زیادہ محبوب اور آنکھیں ٹھنڈی کرنے والی نہیں ہو سکتی...... ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص صبح وشام یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے شہادت نصیب فرمائے، اور اسے اپنے شہر، اپنی زمین اور اپنے اہل وعیال کے پاس واپس نہ جانا پڑے، ہم لوگ اپنے وطن میں جو کچھ چھوڑ کر آتے ہیں، ہمیں اس کی فکر نہیں، کیونکہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اہل وعیال کو اپنے پروردگار کی امان میں دے کر آیا ہے، ہماری فکر تو اپنے آگے پیش آنے والے حالات کے متعلق ہے۔

رہا آپ کا یہ کہنا کہ ہم اپنے معاشی حالات کے لحاظ سے تنگی اور شدت کی زندگی گذار رہے ہیں، تو آپ یقین رکھیں کہ ہم اتنی وسعت اور فراخی میں ہیں جس کے برابر کوئی وسعت نہیں ہو سکتی، اگر ساری دنیا ہماری ملکیت میں آجائے تب بھی ہم اپنے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں رکھنا چاہتے جتنا اس وقت ہمارے پاس ہے۔

لہذا اب آپ اپنے معاملے پر غور کر کے ہمیں بتا دیجئے کہ ہماری پیش کی ہوئی تین باتوں میں سے کون سی بات آپ کو پسند کرتے ہیں، جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تین باتوں کے علاوہ کسی اور بات پر نہ کبھی راضی ہوں گے، نہ اس کے سوا آپ کی کوئی بات قبول کریں گے، بس

آپ ان تین چیزوں میں سے کسی چیز کو اختیار کر لیجئے اور ناحق باتوں کی طمع چھوڑ دیجئے، یہی میرے امیر کا حکم ہے، اسی بات کا حکم انہیں ہمارے امیر المومنین (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے دیا ہے، اور یہی وہ عہد ہے جو اللہ کے رسول (ﷺ) نے ہمیں عطا فرمایا تھا۔

اس کے بعد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تین باتوں کی تشریح فرمائی دین اسلام کا مفصل تعارف کرایا، اور مسلمان ہونے کے نتائج واضح فرمائے۔ مقوقس حضرت عبادہ کی باتیں سننے کے بعد جزیہ کی طرف مائل ہونے لگا تھا، لیکن اس کے ساتھیوں نے بات نہ مانی۔ بالآخر جنگ ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

بہرصورت یہ جزیرہ اس طرح فتح ہوا، پھر یہاں مسلمانوں نے بحری جہاز بنانے کا ایک کارخانہ لگا لیا تھا۔ اس لئے اس کو ''جزیرۃ الصناعۃ'' بھی کہا جانے لا، یہ کارخانہ مصر میں۔

کس کی تمنا زیادہ ہے! مقابلہ

ایک مرتبہ ولید بن عبدالمالک نے بدیح سے کہا ''آؤ ہم تمناؤں میں مقابلہ کریں، مجھے یقین ہے کہ میں تجھ پر غالب رہوں گا۔''

بدیح نے کہا ''آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے۔''

ولید نے جواب دیا۔ ''نہیں! تم جس تمنا کا اظہار کرو گے میں اس سے دوگنی کا اظہار کروں گا۔''

بدیح نے کہا ''تو سنئے! میری تمنا ہے کہ مجھے ستر قسم کا عذاب دیا جائے اور مجھ پر ہزار لعنت۔''

یہ سن کر ولید نے کہا۔ ''کم بخت تیرا برا ہو، بس تو ہی غالب رہا۔''

میں ہیروں کا پجاری نہیں ہوں

ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی ایک میدان میں کھڑا تھا اس نے اپنے لاڈلے غلام ایاز جسے وہ بیٹوں کی طرح عزیز رکھتا تھا آزمانے کے لئے اپنی فوج کے جرنیلوں اور غلاموں کے آگے ہیرے اور جواہرات پھینکے اور خود سلطان آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دور جا کر اس نے دیکھا

کہ ایاز اکیلا ہی اس کے پیچھے آرہا ہے اور دوسرے جرنیل اور غلام ہیرے چن رہے ہیں۔

سلطان نے ایاز سے پوچھا کیا تم کو ہیرے موتی نہیں چاہئے؟

تو ایاز نے جواب دیا جن کو ہیروں کی ضرورت تھی وہ ہیرے چن رہے ہیں اور مجھے ہیرے نہیں ہیروں والا چاہئے۔

آٹھ کا ہندسہ ساری زندگی چھایا رہا

عباسی خلیفہ معتصم باللہ کو خلیفہ ثمن بھی کہا جاتا ہے۔ اسے آٹھ کے عدد سے خصوصی نسبت تھی۔ معتصم ہارون الرشید کی آٹھویں اولاد تھا۔ وہ سن ۱۸۰ھ اور ۱۷۸ھ میں سے کسی میں پیدا ہوا تھا دونوں سنوں میں آٹھ کا عدد موجود ہے۔ معتصم عباسیہ خلافت کا آٹھواں خلیفہ تھا۔ اس نے ۴۸ سال کی عمر پائی جس میں ۸ کا عدد موجود ہے۔

اس کے آٹھ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں تھیں۔ اس نے آٹھ برس آٹھ مہینے اور آٹھ دن خلافت کی۔ اس نے آٹھ قصر تعمیر کئے۔ اس نے آٹھ جنگیں لڑیں اور فتح یاب ہوا۔ اس کے دربار میں آٹھ بادشاہ حاضر کئے گئے۔ اس نے آٹھ بڑے دشمنوں کو قتل کر دیا (جس میں افشین عجیف، عباس، اکلب، ومازیاز وغیرہ شامل ہیں) اس نے ترکے میں آٹھ لاکھ دینار آٹھ لاکھ درہم چھوڑے۔ آٹھ لاکھ گھوڑے آٹھ ہزار غلام اور آٹھ ہزار لونڈیاں اس کے پاس تھیں۔ اس کا انتقال آٹھ تاریخ کو ہوا۔

آج اللہ نے میری دعوت کی

ماہ رمضان میں حجاج کہیں جا رہا تھا اور بے روزہ تھا۔ دوپہر کا کھانا آیا تو کہا۔ اگر کوئی مسافر یہاں موجود ہے تو اسے بلا لاؤ۔ اس کے غلام ایک بدو کو پکڑ کے لے آئے۔ حجاج نے اسے کھانے کی دعوت دی تو وہ کہنے لگا کہ:

میں آج اللہ کی دعوت سے لطف اندوز ہو رہا ہوں یعنی اس نے مجھے روزہ رکھنے کی دعوت دی اور میں نے قبول کر لی۔

حجاج: ”لیکن آج کا دن تو سخت گرم ہے۔“

بدو: ''اتنا گرم نہیں جتنا یوم محشر۔''

حجاج: ''تم آج افطار کر کے عید کے بعد گنتی پوری کر سکتے ہو۔''

بدو: ''کیا آپ ضمانت دے سکتے ہیں کہ میں عید کے بعد جیتا رہوں گا۔''

حجاج: ''اللہ تمہیں سلامت رکھے تمہاری لاعلمی میرے علم سے ہزار درجے بہتر ہے۔''

عالمگیر کی بہادری

نسل تیموریہ کا آخری شجاع عالمگیر ابھی چودہ ہی برس کا تھا کہ اس پر ہاتھی نے حملہ کر کے اس کے گھوڑے کو سونڈ سے پکڑ کر دور پھینک دیا عالمگیر نے پھرتی سے اٹھ کر اس پر تلوار سے ایسا وار کیا کہ اسے جان بچانی پڑی۔ داراشکوہ کی جنگ میں اس نے صرف پچیس تیس ہزار سے ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیادہ فوج کا مقابلہ کیا۔ اس کے چیدہ چیدہ رسالے پسپا ہو گئے۔ وہ تنہا رہ گیا۔ بمشکل ایک ہزار آدمی اس کے گرد ہوں گے۔

مگر اس کی جبین شجاعت پر بل نہ آیا۔ اور ایک ہزار سے ایک لاکھ پر فتح پائی۔ شہزادگی کے زمانہ میں [illegible] بلخ کی مہم پر بھیجا گیا تھا۔ جہاں یہ عبدالعزیز خاں سے معرکہ آرا ہوا۔ میدان [illegible] تھا۔ تیروں [illegible] ہو رہی تھی کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا عین جنگ کے [illegible] یہ پیکر استقلال اپنے گھوڑے سے اتر۔ نماز کی صف قائم کر کے نہایت سکون واطمینان سے نماز پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔

عبدالعزیز خاں نے جب یہ دیکھا کہ اس نے تیروں کی بوچھاڑ میں فرائض ونوافل نہایت خشوع وخضوع سے ادا کر لئے ہیں تو بہت حیران ہوا۔ اس حیرت انگیز سماں نے عبدالعزیز کو اتنا متاثر کیا کہ وہ یہ کہتے ہوئے کہ ''اس شخص سے لڑنا تقدیر سے لڑنا ہے۔'' لڑائی سے دست بردار ہو گیا۔

جوانی کا یہ جوش بڑھاپے تک قائم رہا۔ جب کہ ۸۲ برس کی عمر میں ستارا کے مقام پر مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے گھوڑا دوڑا کر پہنچ گیا۔ مگر رفقاء جنگ نے بصد مشکل اس عمر میں میدان جنگ میں سرداری سے روکا۔ عالمگیر کی اسی بے نظیر جرأت واستقامت نے اس کے سب سے بڑے مخالف الفنسٹن کو بھی اس کی تعریف پر مجبور کر دیا تھا۔

آج کل ایسی شجاعت کے نظارے کہاں! اب تو معمولی معمولی عذرات پر فرائض وواجبات ترک کردیئے جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب تک اپنے مالک وخالق کے آستانہ کو اپنی جبینوں سے آباد رکھا۔ دنیا پر غالب رہے۔ اور جب انہوں نے اس کے دروازہ کی غلامی چھوڑی تو محکوم ومغلوب ہو گئے۔

ایک عجیب وغریب مسجد

غور میں ایک مسجد لو پاچ کے نام سے مشہور ہے، یہ متبرک مانی جاتی ہے۔ دور دور سے لوگ خدا سے اپنی حاجت طلب کرنے یہاں آتے ہیں۔ اس مسجد کے عجائبات میں سے ہے کہ مسجد کے باہر باہر ہر طرف سے ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا ہے اور مسجد کے اندر زمین سے چھت تک پانچ گز کی بلندی ہے۔ حالانکہ مسجد کی سطح باہر کی سطح کے برابر معلوم ہوتی ہے اور مسجد کے کھمبے گننے سے چالیس سے ایک اوپر یا چالیس سے ایک کم لوگ گن پاتے ہیں۔ یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کھمبوں کی صحیح تعداد کیا ہے۔

ولایت غور میں چشمہ بانگ نماز

غور کے عجائبات میں ایک چشمہ ہے۔ قریہ صد بیشہ میں واقع ہے جس کو چشمہ بانگ نماز کہتے ہیں۔ اس کا پانی ہر وقت ٹھہرا رہتا ہے۔ اگر کوئی اس جگہ اذان دے دے تو چشمہ کا پانی رواں ہو جاتا ہے اور جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پانی پھر ٹھہر جاتا ہے۔ یہ واقعہ ایسے شخص سے سنا گیا ہے جس نے اس چشمہ کو بچشم خود دیکھا ہے۔

محمود غزنوی سے آپ ﷺ کا خوش ہونا

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ایک رات سلطان محمود محل سرا سے پا پیادہ جا رہا تھا، فراش طلائی شمع دان لئے آگے چل رہا تھا، راستہ میں ایک غریب طالب علم کو دیکھا کہ کسی دکان کے چراغ کے سامنے کھڑا کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے، معلوم ہوا کہ وہ طالب علم بتی کا مقدور نہیں رکھتا۔ سلطان محمود نے اسی وقت اپنا شمع دان اسے بخش دیا۔ پچھلی رات خواب میں اس کو رسول

اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی آپ اس علم پروری پر تحسین اور دعائے خیر ارشاد فرماتے ہیں۔
(تاریخ فرشتہ، جلد اول ص ۳۶)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بے داغ کردار نے انہیں وزارت عدل یا قاضی القضاۃ کے عہدہ پر پہنچادیا

سونا پھر بھی سونا ہے جتنا دبایا جائے، مٹی کے ڈھیروں تلے لایا جائے آخر سونا ہی رہے گا۔ حق اور صداقت کی آواز بعض اوقات دبائی تو جاسکتی ہے مگر مٹائی نہیں جاسکتی، آخر حق اپنا راستہ ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کردار نے ہاون الرشید کو اتنا متاثر کیا کہ ان کے دل میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا اور کچھ عرصہ کے بعد ان کے دل میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور انہوں نے انہیں مقرب بارگاہ بنالیا، اور کچھ عرصہ کے بعد پوری سلطنت کی وزارت عدل یا قاضی القضاۃ کے عہدے پر ان کا تقرر بھی کردیا:

> **ثم قرب الرشید محمد ابن الحسن بعد ذلک وتقدم عنده وولاه القضاء القضاة**
>
> پھر ہارون رشید نے محمد بن الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کو قرب عطا کیا، دربار میں ان کو برتری حاصل ہوئی اور ہارون رشید نے قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی ان کے سپرد کردیا۔

امام محمدؒ کا ہارون رشید کی آمد پر کھڑا نہ ہونا

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے تلمیذ خاص محمد بن سماعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوعبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ہم لوگ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خلیفہ ہارون رشید کی مجلس میں حاضر تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جب رقہ کی قضاء سے معزولی کے کافی عرصہ بعد ام جعفر یعنی اپنی والدہ کی مداخلت سے ہارون رشید نے صلح کرلی تھی، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ

عنہ کو آزاد کر دیا تھا اور فتوے اور بیان مسائل کی اجازت بھی دے دی تھی۔ہم لوگ بیٹھے آپس میں باتیں کرر ہے تھے کہ خلیفۃ المسلمین ہارون رشید تشریف لائے تو:

فقام الناس کلهم الا محمد بن الحسن فانه' لم یقم

جملہ حاضرین ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے اور اپنی جگہ سے انہوں نے جنبش تک نہ کی۔

ہارون رشید ان کی طرف گھورنے لگا، پھر اس نے حکم دیا کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا جملہ حاضرین مجلس سے اٹھ جائیں۔راوی کہتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب پریشان ہو گئے اور دل ہی دل میں کہنے لگے کہ خدا خیر کرے،اس گستاخی پر کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ اسے دیکھ کر کھڑے نہیں ہوئے وہ برہم ہو گیا ہے اب انہیں ضرور سزا دے گا۔

بہر حال ہم لوگ باہر انتظار میں بیٹھے رہے کہ دیکھئے کیا سننے میں آتا ہے!اتنے میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ برآمد ہوئے:۔

ثم خرج طيب النفس مسرورا

بڑے ہشاش بشاش اور مسرور وشادان باہر تشریف لائے۔

ابوالحسن حزفانی رح کی محمود غزنوی رح کو نصیحتیں

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی سلطان محمود غزنوی کے ہمعصر تھے۔ان کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی تو سلطان محمود غزنوی کو ان کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔چنانچہ وہ خدم وحشم کے ساتھ غزنی سے خرقان پہنچا اور ایک قاصد کے ہاتھ شیخ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کی زیارت کے لئے غزنی سے یہاں آیا ہوں۔آپ خانقاہ سے میرے خیمہ تک قدم رنجہ فرمائیں۔اس کے ساتھ ہی سلطان نے قاصد کو ہدایت کی اگر شیخ یہاں آنے سے انکار کریں تو ان کو قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ کر سنا دینا۔

اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

''یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور حاکم کی جو تم میں

سے ہو۔''

قاصد نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلطان کا پیغام دیا تو آپ نے فرمایا مجھے معذور رکھو۔ اس نے آیت مذکور پڑھی تو فرمایا۔ دراطیعوا اللہ چناں مستغرق ام کہ اطیعوا الرسول خجالت بادارم تا بہ الوالامر چہ رسد یعنی ابھی میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول کے معاملہ میں نادم اور شرمسار ہوں۔ پھر اولی الامر منکم کی جانب کیوں کر متوجہ ہو سکتا ہوں۔

قاصد نے واپس جا کر سلطان کو شیخ کا جواب سنایا تو اس پر رقت طاری ہوگئی اور وہ شیخ ابو الحسن کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات واقوال سنائیے۔

شیخ نے فرمایا: بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے۔ جس نے مجھے دیکھا بدبختی اس سے دور ہوگئی (یعنی وہ کفر و شرک سے محفوظ ہو گیا۔)

سلطان محمود نے کہا۔ رسول اکرم ﷺ کو ابولہب، ابوجہل اور کتنے ہی دوسرے منکروں نے دیکھا لیکن یہ بدبخت کے بدبخت (یعنی کافر) ہی رہے۔ کیا بایزید کا درجہ (نعوذ باللہ) حضور ﷺ سے بھی بلند ہے؟

یہ سن کر شیخ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ نے جلال کے عالم میں فرمایا۔ محمود حد ادب سے قدم باہر نہ رکھ۔ رسول اکرم ﷺ کو آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے دیکھا تھا۔ ابولہب، ابوجہل اور دوسرے کفار نے فی الحقیقت حضور ﷺ کو دیکھا ہی نہیں۔ کیا تو نے قرآن کریم میں یہ آیت نہیں پڑھی۔

وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون O

''اے رسول تو ان کو دیکھتا ہے جو تیری طرف نظر کرتے ہیں حالانکہ وہ تجھ کو نہیں دیکھتے۔''

سلطان شیخ کے ارشادات سے بہت متاثر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔

شیخ نے فرمایا۔ چار باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو۔

ا.....ایسی چیزوں سے پرہیز جن سے منع کیا گیا ہے۔

۲......نماز باجماعت۔

۳......سخاوت۔

۴......خدا کے بندوں پر شفقت۔

سلطان نے کہا۔میرے لئے دعائے خیر کیجئے۔

شیخ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا۔

اللھم اغفر للمومنین والمومنت.

اے اللہ سب مومنین اور مومنات کو بخش دے۔

سلطان نے عرض کی ''میرے لئے خاص دعا فرمایئے۔''

شیخ نے فرمایا۔اللہ تجھ پر رحمت کرے اور تیری عاقبت محمود ہو۔

اس کے بعد سلطان محمود نے اشرفیوں کی ایک تھیلی شیخ کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ یہ نذر قبول فرمایئے۔

شیخ نے تعجب سے سلطان کی طرف دیکھا اور پھر اس کے سامنے جو کی ایک روٹی رکھ دی اور فرمایا کہ یہ تمہاری دعوت ہے۔اس کو تناول کرو۔سلطان نے بسم اللہ پڑھ کر جو کی روٹی کھانی شروع کی۔لیکن پہلا نوالا ہی حلق میں اٹک گیا۔

شیخ نے فرمایا:''شاید نوالہ حلق میں اٹکتا ہے۔''

سلطان نے اثبات میں جواب دیا تو شیخ نے گھمبیر لہجہ میں فرمایا تو یہ اشرفیوں کی تھیلی بھی میرے حلق میں اٹک جائے گی۔اس کو فوراً اٹھالو۔یہ اشرفیاں بادشاہوں کی خوراک ہیں۔فقیر کے لئے جو کی روٹی ہی نعمت عظمیٰ ہے۔

سلطان محمود نے عرض کی کہ حضرت سب نہیں تو ان میں سے کچھ اشرفیاں ہی قبول فرمالیں۔

شیخ جلال میں آگئے اور فرمایا:

میں دنیا کو طلاق دے چکا ہوں۔میرے لئے یہ اشرفیاں حرام ہیں۔اس لئے اپنی بات پر اصرار نہ کرو۔یاد رکھ کہ ان اشرفیوں پر نہ تیرا حق ہے نہ میرا۔ان کو قوم کی امانت سمجھو۔اگر یہ قوم کی مرضی کے بغیر تقسیم کرے گا تو

قوم کے مال میں خیانت کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا گناہ گار بھی ہوگا۔ اگر تو
ان اشرفیوں کو خیرات ہی کرنا چاہتا ہے تو تیرے ملک میں بہتیرے
مساکین ہیں۔ جب تو سوجاتا ہے تو وہ اس لئے جاگتے ہیں کہ ان کے
پیٹ خالی ہیں اور تیرے ملک میں ایسے شریف اور سفید پوش لوگ بھی
موجود ہیں۔ جو بظاہر آسودہ نظر آتے ہیں۔ لیکن عسرت اور خودداری
قائم رکھنے کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ جب قیامت کا
دن آئے گا تو تیری قوم کے یہ لوگ تیرا گریبان پکڑ لیں گے تو غیر مستحق
لوگوں میں مال بانٹتا رہا اور ہم تیری نظروں سے اوجھل رہے۔ اس وقت
تجھ کو ہر بات کا جواب دینا پڑے گا۔

شیخ کی باتیں سن کر سلطان لرزہ براندام ہوگیا اور اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہوگیا۔
پھر اس نے عرض کیا کہ آپ مجھ سے کچھ قبول نہیں فرماتے تو مجھے ہی کوئی تبرک عنایت فرمائیے۔

شیخ نے فوراً اپنا پیراہن اتار کر سلطان کو عطا فرمایا۔ جب سلطان نے رخصت کی اجازت
مانگی تو شیخ اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سلطان کو شیخ کے رویہ پر بڑی حیرت ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ حضرت جب میں آپ
کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ نے میری طرف التفات فرمانا بھی مناسب نہ سمجھا تھا لیکن
اب جو آپ اس طرح میری عزت افزائی کر رہے ہیں اس کا کیا سبب ہے۔

شیخ نے فرمایا:

جب تم فقیر کے حجرے میں داخل ہوئے تھے تو تمہارے دل ودماغ
میں بادشاہت کی بو تھی اور تم اپنے شاہانہ جاہ وجلال کا مظاہرہ کرنا
چاہتے تھے۔ اسی لئے میں نے بادشاہ محمود کی پروا نہیں کی تھی۔ اب تم
جا رہے ہو تو تمہارا رنگ اور ہے۔ اب تم ایک درویش اور منکر المزاج
انسان کی حیثیت سے رخصت ہو رہے ہو۔ اسی لئے میں نے اپنا
فرض سمجھا ہے کہ تمہاری تعظیم کروں۔ ایسے انسانوں کی تعظیم نہ کرنا
مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے۔

انوکھی مدد انوکھے طریقے سے

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ایک دفعہ سفر حج پر روانہ ہوئے۔ سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے آپ حلّہ کے قصبہ میں پہنچے اور وہیں شب باشی کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ آپ ہمارے گھر میں رونق افروز ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ اس بستی میں سب سے نادار اور محتاج کون سا آدمی ہے۔ لوگوں نے ایک مفلوک الحال بوڑھے کا پتہ بتایا۔ آپ نے سیدھا اس کے گھر کا رخ کیا۔ دیکھا تو ایک شکستہ سا مکان ہے جس کو مکان کے بجائے کھنڈر کہنا موزوں ہے۔ اس کی دیواریں گر جانے کی وجہ سے مکینوں نے پردہ کے لئے چاروں طرف بوسیدہ کمبل لٹکا رکھے ہیں۔ اس مکان کے اندر آپ نے ایک بوڑھے شخص ایک بڑھیا عورت اور ایک لڑکی کو بیٹھے ہوئے پایا۔ آپ نے صاحب خانہ سے مکان میں قیام کرنے کی اجازت طلب کی۔

بوڑھے نے اھلاً وسھلاً کہا اور آپ اس کھنڈر نما مکان میں ٹھہر گئے تھوڑی ہی دیر میں آپ کی آمد اور اس مکان میں قیام کی خبر تمام حلہ میں پھیل گئی اور لوگ تحائف وہدایا لے کر انبوہ در انبوہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ کئی صاحب ثروت لوگوں نے آپ کو اپنے ہاں چلنے کی دعوت دی لیکن آپ نے ان کو نہایت احسن طریقے سے ٹال دیا البتہ سب لوگوں کے تحائف وہدایا قبول فرما لئے۔ ان میں سونا چاندی، گائیں بھیڑیں، بکریاں غلہ اور بے شمار دوسری اشیاء تھیں۔

آپ نے یہ سب کچھ اس بوڑھے کی نذر کر دیا اور خود رات گذار کر دوسرے دن مکہ معظّمہ روانہ ہو گئے۔ آپ کے جانے کے بعد اس بوڑھے کا شمار حلہ کے امیر ترین لوگوں میں ہونے لگا۔ فی الحقیقت اس کے گھر میں قیام سے آپ کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس کی امداد کی جائے اور اس کو ناداری اور فلاکت کی مصیبت سے نجات دلائی جائے۔

حق بات کہنے پر زبان کھینچ لی گئی

مولانا عماد الدین غوری ابتدائے عمر میں طاقت: سمانی یعنی فن پہلوانی کے ستون تھے۔ علماء عصر نے ان میں جو ہر سعادت دیکھے تو درس وتدریس کا مشورہ دیا۔ آپ نے پہلوانی چھوڑ کر علم حاصل کیا یہاں تک کہ عالم متجر بن کر دین کا ستون بنے۔ ایک دن محمد تغلق کے دربار میں بیٹھے تھے۔ محمد تغلق نے کہا فیض خدا منقطع نہیں پھر فیض نبوت کیسے منقطع ہو سکتا ہے اور اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور معجزہ دکھادے تو تصدیق کرنی چاہئے یا نہیں۔

یہ سن کر مولانا کی آنکھوں میں غیرت اسلامی سے خون اتر آیا اور کہنے لگے اے بادشاہ گوہ مخور چہ میگوئی۔ (بادشاہ فضول بات نہ کر) بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا اس کی زبان باہر نکال کر اسے ذبح کردو! آپ نے نہایت بے پرواہی سے یہ حکم سنا اور کلمہ شہادت کہتے ہوئے شہید ہوئے!

پانی پر مصلہ! مصلہ پہ امام شافعی!

سلطان روم جو عیسائی تھا۔ ہر سال ہارون الرشید کو کچھ مال بھیجا کرتا تھا۔ اس نے ایک سال یہ حیلہ کیا کہ چند رہبانیوں کو بھیج کر یہ کہلا بھیجا کہ ان عیسائی رہبانیوں سے اگر آپ کے علماء بحث کریں۔ اور ان پر غالب آجائیں۔ تو مال مقررہ برابر دیتا رہوں گا۔ ورنہ نہیں۔

چنانچہ جب یہ رہبانی ہارون الرشید کے پاس پہنچے۔ تو ہارون الرشید نے دجلے کے کنارے پر علماء اسلام کو جمع کیا۔ اور ان رہبانیوں کو بھی وہاں بلایا۔ اتنے میں حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لے آئے اور ہارون الرشید نے آپ سے التجا کی۔ کہ ان رہبانوں سے آپ بحث کریں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے یہ سن کر اپنا مصلے کندھے سے اتار کر دریا کے پانی کے اوپر بچھادیا اور اس پر جا بیٹھے اور فرمایا کہ جو شخص ہم سے بحث کرنا چاہئے وہ یہاں آکر ہم سے بحث کرے۔

راہبوں نے جب یہ حال دیکھا تو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ سلطان روم کو جب یہ خبر پہنچی کہ وہ سارے راہب امام شافعی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے ہیں۔ تو کہنے لگا۔ شکر ہے کہ

وہ امام یہاں نہیں آیا۔ اگر یہاں آ جاتا تو سارا روم مسلمان ہو جاتا۔

شیر شاہ سوری بحیثیت مثالی بادشاہ

شیر شاہ سوری کا دور نظم ونسق کے لحاظ سے ایک مثالی دور تھا۔ اس کے دور میں کوئی جاگیردار یا زمیندار کسی بھی کاشتکار پر زیادتی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے امراء اور اعیان سلطنت کو ہر لمحہ عدل واحسان کی تلقین کرتا اور رعایا کو حقیر جاننے سے روکتا رہتا۔ جونہی مظلوم، کمزور اور بے بس آدمی اس سے فریاد کرتا تو وہ ہر کام چھوڑ کر اس کی فریاد سنتا۔ اس نے اپنے پہرہ داروں کو یہ مستقل حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی کوئی مظلوم ہمارے دروازے پر آئے اور ہمیں پکارے خواہ کوئی بھی وقت ہو اور ہم کیسے بھی مصروف ہوں اسے ہمارے پاس لے آؤ۔

وہ کہا کرتا کہ میرے نزدیک ظالم سب سے بڑا مجرم ہے اور سب سے بڑا گنہگار ہے۔ بادشاہ رعایا کا نگہبان ہوتا ہے اور اس پر اپنی رعایا کے ایک ایک فرد کی حفاظت لازم ہے۔ اگر میں یہ ذمہ داری نہ نبھاؤں گا تو خدا کے ہاں کیا جواب دوں گا۔

اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے اس نے پوری قلمرو کو ایک لاکھ سولہ ہزار پرگنوں میں تقسیم کیا تھا اور ہر پرگنہ کی دیکھ بھال کے لئے ایک فرض شناس شقدار، ایک افسر مال، ایک محتسب، ایک بڑے قاضی اور ایک بڑے حساب دان کو مقرر کیا تھا۔ کیا مجال تھی کہ ان حکام میں سے کوئی حاکم رعایا کے ساتھ زیادتی کر پاتا۔ اس نے قابل اعتماد پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے جو اسے ہر حاکم کی ہر حرکت سے باخبر رکھتے تھے۔

اس نے ہر علاقہ میں وہاں کے معتبر آدمی کو بحیثیت مقدم کے مقرر کیا تھا۔ جو علاقے میں امن وامان برقرار رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ اگر کسی جگہ قتل ہو جاتا یا ڈاکہ پڑ جاتا تو قاتلوں اور ڈاکوؤں کا سراغ لگانا ان کی ذمہ داری تھی۔

اس سختی اور انتظام نے ملک سے قتل وراہزنی کا نام ونشان مٹا دیا تھا اور لوگ چین اور اطمینان سے زندگی گزارتے تھے۔ ایک دن شیر شاہ سوری کے سامنے ایک قتل کا مقدمہ پیش ہوا جس میں قاتل کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ یہ قتل اٹاوہ کے کسی علاقے میں ہوا تھا۔

شیر شاہ سوری نے مقدمے کی سماعت کی۔ اس نے اٹاوہ کے شقدار کو حکم بھیجا کہ جس

علاقہ میں قتل ہوا ہے اس کے آس پاس واقع کسی درخت کو دو آدمی بھیج کر کٹوائے اور جو سرکاری عامل اس درخت کے کاٹنے کی اطلاع پا کر آئیں انہیں پکڑ کر ہمارے پاس بھیج دو۔

شقدار نے شاہی فرمان کے مطابق دو آدمی درخت کاٹنے کے لئے موقعہ واردات پر بھیجے۔ وہ ابھی درخت کاٹ ہی رہے تھے کہ علاقے کے مقدموں اور معتبروں نے انہیں موقع پر آن پکڑا۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس اشخاص نے درخت کاٹنا چھوڑ دیا اور ان معتبروں کو شاہی فرمان کے مطابق پکڑ کر بادشاہ کے حضور لے گئے۔ صبح کے وقت جب شیر شاہ سوری دربار میں آیا تو ان معتبروں کو پیش کیا گیا۔

بادشاہ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہیں درخت کٹنے کی خبر تو ہوگئی لیکن ایک انسان کی گردن کٹ گئی اور تم اس سے بے خبر رہے۔ میں اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ تین دن کے اندر اندر قاتل کو پیش کر دو ورنہ سزا میں تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔ معتبروں کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور تیسرے دن کا سورج ابھی طلوع بھی نہ ہوا تھا کہ قاتل شاہی دربار کے دروازے پر زنجیر و سلاسل میں جکڑے ہوئے حاضر تھے۔

عدل وانصاف کی اس پاسداری کی وجہ سے برصغیر کا ہر دیانت دار اور مؤرخ شیر شاہ سوری کا نام ادب سے لیتا ہے۔

اپنی خواہشات کو مٹا دو! اپنے رب کو پا جاؤ گے

بعض اکابر نے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں خط لکھا اور ان سے نصیحتوں ومواعظ کا مطالبہ کیا۔

خط کا جواب دیتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ارشاد فرمایا:

''اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ دنیا کا طلب گار کبھی بھی تمہاری خیر خواہی نہیں کرسکتا اور آخرت کو چاہنے والا تمہارے ساتھ مجالست نہیں کرسکتا اپنی خواہشات کو مٹا دو تو اپنے رب کو پا جاؤ گے۔'' (الکنز المدفون)

عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے:

''ان لوگوں کو پیروی نہ کرو جو شیطان کو تو اعلانیہ برا بھلا کہتے ہیں لیکن

چوری چھپے اسی شیطان کی پیروی بھی کرتے ہیں۔''

حضرت فضیل بن عیاض ارشاد فرماتے ہیں:

''دنیا میں ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور عقل کی زکوٰۃ غموں کی زیادتی اور فکر کی گہرائی ہے۔''

مامون کا غریب آدمی کا دل دکھانے سے بچنے کے لئے کڑوا پانی پینا

خلیفہ مامون الرشید ایک مرتبہ جنگل میں شکار کے لئے جا رہا تھا۔ ایک غریب بدو پانی کی ایک مشک بھر کر لشکر میں لایا اور خلیفہ سے کہنے لگا۔ میں آپ کے لئے نہایت سرد اور شیریں پانی کا تحفہ لایا ہوں۔

ماموں نے پیا تو سکت بدبودار اور کڑوا پانی تھا۔ مگر اپنے اخلاق کی وجہ سے ماموں نے کچھ نہ کہا۔ بلکہ یہ کہا کہ واقعی ہم نے ایسا پانی آج تک نہیں پیا تھا۔ اچھا یہ پانی ہمارے برتن میں ڈال دو اور خزانچی کے پاس جا کر اپنی مشک اشرفیوں سے بھرالو۔ اور فوراً یہاں سے واپس اپنے گھر لوٹ جاؤ اس کے چلے جانے کے بعد مصاحبوں نے پوچھا۔ کہ پانی جب اتنا سخت کڑوا تھا۔ تو آپ نے اس سے کیوں نہیں کہا۔ اور کیوں پیا؟ اور پھر اسے انعام بھی کیوں دیا؟ اور اس میں کیا مصلحت تھی کہ اسے آگے جانے سے روک دیا؟

مامون نے کہا کہ وہ بدو بڑے شوق سے اتنی دور سے میرے لئے پانی بھر کر لایا تھا۔ میں اس سے پانی کے کڑوے ہونے کی کیا شکایت کرتا۔ جب اس نے کٹورہ مجھے دیا۔ تو مجھے شرم آئی۔ کہ میں اسے نہ پیوں۔ کیونکہ اس طرح غریب کی دل شکنی ہوتی انعام اس لئے دیا کہ بیچارہ انعام کے لالچ ہی میں تو اتنی دور سے مشک بھر کر لایا تھا۔ میں نے اسے آگے جانے سے اس لئے روکا۔ کہ اگر یہ بغداد جا کر دریائے دجلہ کا پانی پئے گا۔ تو اپنے دل میں شرمندہ ہوگا۔

خلیفہ منصور کو نصیحت کرنے والا بزرگ

مشہور عباسی خلیفہ منصور ایک رات طواف کر رہا تھا کہ اچانک اس کے کان میں آواز پڑی۔

''اے اللہ میں تیری ہی بارگاہ میں ظلم وزیادتی کے عام ہونے، حق اور اہل حق کے دل درمیان حرص وطمع کے داخل ہونے کا شکوہ کرتا ہوں۔''

یہ سن کر خلیفہ منصور وہاں سے نکل کر مسجد کے ایک کونے میں آ کر بیٹھ گیا اور خادم کو حکم دیا کہ اس شخص کو میرے پاس حاضر کرو۔ اس شخص کو جب خلیفہ کا پیغام ملا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھ کر استیلام رکن اور خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔

خلیفہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا ''یہ ہم نے تمہیں کیا کہتے سنا کہ زمین میں ظلم وزیادتی عام ہوگئی ہے اور حق اور اہل حق کے درمیان حرص وطمع داخل ہوگئی ہے؟ بخدا تمہاری اس بات سے ہمیں بڑی تکلیف ہوئی۔''

اس شخص نے کہا۔ ''اے امیر المومنین اگر جان کی امان پاؤں تو حقیقت حال عرض کروں؟''

خلیفہ نے کہا ''ہم نے تمہیں امان دی۔''

وہ شخص کہنے لگا:

''اے امیر المومنین! خود آپ ہی کی ذات حرص وطمع اور دنیوی لالچ کا شکار ہوگئی ہے حرص وطمع کے اس مکروہ جذبے نے آپ کو ظلم وزیادتی کا سد باب کرنے سے روکے رکھا ہے۔''

خلیفہ نے کہا:

''تیرا برا ہو! میرے اندر لالچ اور حرص کیونکر داخل ہوسکتی ہے۔ جب کہ میں سیاہ وسفید کا مالک ہوں اور سونا چاندی میری مٹھی میں ہے؟''

اس شخص نے کہا:

آپ جس طرح دنیوی اغراض ومفادات کا شکار ہوئے ہیں اس طرح کوئی دوسرا نہیں

ہو سکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کندھے پر مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ مگر آپ اس کی انجام دہی سے غفلت برت رہے ہیں اور مال و دولت جمع کرنے میں مگن ہیں۔ آپ نے چونے اور پکی اینٹوں کی دیواریں کھڑی کر کے مضبوط آہنی دیوار اور دروازے لگا کر، مسلح پہریدار اور دربان بٹھا کر مظلوموں پر اپنے دربار تک رسائی کی تمام راہیں مسدود کر دی ہیں۔ لوگوں سے ٹیکسوں کی شکل میں مال و دولت سمیٹنے کے لئے اپنے اعمال کو کیل کانٹے سے لیس کر کے روانہ کر رکھا ہے۔ آپ کی رعایا میں سے صرف مخصوص طبقے کو ہی دربار شاہی میں شرف باریابی کا پروانہ حاصل ہے۔ کمزوروں، غریبوں اور ستم رسیدہ لوگوں کے لئے آپ کے دروازے بند ہیں۔ یہ طبقہ اشرفیہ جسے آپ کا تقرب حاصل ہے اور جسے دربار میں بلا روک ٹوک رسائی حاصل ہے۔ جب آپ کو مال و دولت تقسیم کرنے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے سمیٹتا دیکھتے ہیں تو اسے وجہ جواز بنا کر خود اس بندر بانٹ کے ارتکاب پر کمر بستہ ہو جاتا ہے اور اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر لوگوں کے احوال کی صحیح خبر آپ تک پہنچنے نہ پائے اگر اقتدار میں موجود کوئی نیک بندہ اس طبقے کی غلط روش کی مخالفت کرے تو اس پر الزام تراشیاں اور دشنام طرازیاں کر کے ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا۔ اور جب وہ راہ سے ہٹ جاتا ہے تو لوگ اس طبقے کی ہیئت اور اثر و رسوخ سے مزید مرعوب ہو جاتے ہیں اور اس سے نباہ رکھنے کے لئے مال و دولت اور ہدایا کا سہارا لیتے ہیں اس طرح اس طبقے کے لوگ رعایا پر ظلم کرنے میں پہلے سے زیادہ مستعد ہو جاتے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اثر و رسوخ اور جاہ و مرتبہ کے مالک ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ شہر، ظلم و زیادتی اور فساد کی آماجگاہ بن گئے ہیں۔ طبقہ اشرافیہ کے افراد عملاً آپ کی سلطنت میں شریک ہو گئے ہیں جب کہ آپ اس ساری صورت حال سے بے پرواہ ہیں جب کوئی مظلوم ظلم کی شکایت لے کر آپ کے دربار میں آنا چاہتا ہے تو اس کی راہ روکی جاتی ہے اور اگر آپ کے دربار کے باہر آنے پر آپ کے سامنے مقدمہ پیش کرتا ہے تو آپ کا اتنا کہہ دینا اسے مایوسی کے غار میں دھکیلنے کے لئے کافی ہے کہ یہ وقت فریاد سننے کا نہیں۔ اسی طرح اگر آپ ظالموں کے احتساب کے لئے کوئی محتسب مقرر کریں اور مقربین کو خبر ہو جائے تو وہ ... محتسب کو ... شکایات آپ تک نہ پہنچائے وہ

بیچارہ ان کے خوف سے زبان بند رکھتا ہے اور یوں مظلوم شخص شکوہ ظلم لئے اس کے یہاں چکر پہ چکر لگاتا ہے مگر کچھ شنوائی نہیں ہوتی۔

آخر کار جب ہر طرف سے تنگ آ کر وہ آپ کے نکلنے پر بے اختیار تڑپ کر فریاد کرتا ہے تو اسے اذیت ناک سزا دے کر دوسروں کے لئے نمونہ عبرت بنا دیا جاتا ہے یہ سب کچھ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوتا آ رہا ہے۔ مگر آپ کی پیشانی پر بل تک نہیں آتا۔ کیا یہی اسلام ہے؟

امیر المومنین! میرا ملک چین آنا جانا رہتا ہے ایک مرتبہ میں وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں کے بادشاہ کی قوت سماعت جواب دے گئی ہے اور وہ کانوں سے بہرہ ہو گیا ہے۔ اس دن بادشاہ نے بھری مجلس میں دہاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ اہل مجلس اس مصیبت پر صبر کی تلقین کرنے لگے تو اس نے سر اٹھایا اور کہا ”میرا رونا اس لئے نہیں کہ مجھ پر مصیبت پڑی ہے۔ میں تو اس مظلوم کے غم میں رو رہا ہوں جو ظالم کے خلاف فریاد لے کر میرے در پر دستک دے گا مگر میں سن نہ پاؤں گا۔ کچھ دیر ٹھہر کر کہنے لگا خیر اگر سماعت چلی گئی تو کیا ہوا۔ آنکھیں تو سلامت ہیں۔ جاؤ رعایا میں اعلان کرا دو کہ آج کے بعد ملک میں مظلوم فریادی کے سوا کوئی سرخ کپڑے نہ پہنے تاکہ مظلوم کے سرخ کپڑے دیکھ کر میں اس کی دادرسی کر سکوں۔ پھر وہ ہاتھی پر سوار ہو کر نکل کھڑا ہوتا اور مظلوموں کی دادرسی کرتا۔“

امیر المومنین!! اس بادشاہ نے مشرک ہونے کے باوجود اپنی قوم کے ساتھ ہمدردی کو ذاتی مفاد پر مقدم رکھا اور ایک آپ ہیں کہ خدائے واحد پر ایمان رکھنے اور رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کا فرد ہونے کے باوجود اپنی خواہش نفس کو مسلمان رعایا کی خیر خواہی پر قربان نہیں کر سکتے۔ اگر تو آپ مال و دولت اپنے بیٹے کے لئے جمع کر رہے ہیں تو دنیا میں جو بچہ آتا ہے اس کا کوئی مال و متاع نہیں ہوتا مگر خدائے بزرگ و برتر کا سایہ عاطفت مسلسل اس پر دراز ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اس بچے کی عظمت کے گن گانے لگتے ہیں۔ آپ کسی کو کچھ نہیں دے سکتے اور اللہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اگر مال و دولت جمع کرنے سے آپ کا مقصد سلطنت کی مضبوطی و استحکام ہے تو بنو امیہ کی مثال اور تاریخ آپ کے سامنے ہے کہ ان کا جمع کردہ لاؤ لشکر اور مال و دولت ان کے کسی کام نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ جیسا معاملہ کرنا چاہے گا اسے کوئی روک نہیں سکتا اور نہ ہی مال و دولت کے انبار لگا کر آپ اپنے

موجودہ رتبے سے بلند کوئی مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔
اے امیر المومنین! کیا اپنی نافرمانی کرنے والے کو آپ قتل سے بڑھ کر کوئی سزا دیتے ہیں؟''
خلیفہ نے کہا ''نہیں۔''
اس شخص نے کہا ''تو پھر آپ کا اس بادشاہ کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے آپ کو دنیا کی بادشاہت سے سرفراز فرمایا اور وہ اپنے نافرمان کو قتل نہیں بلکہ دائمی دردناک عذاب کی سزا دیتا ہے۔ وہ بخوبی واقف ہے کہ کس چیز کی محبت میں آپ کا دل جکڑا ہوا ہے اور وہ کیا چیز ہے جو آپ کا مطمع نظر قرار پاتی ہے کہ اس کے حصول کے لئے آپ کے ہاتھ بڑھتے اور قدم اٹھتے ہیں۔ دنیا کی جس بادشاہت پر آپ فریفتہ ہیں کیا وہ اس وقت آپ کے کام آ سکے گی۔ جب وہ قادر مطلق ذات اسے آپ سے چھین لے گی اور آپ کو حساب کے لئے لا کھڑا کرے گی؟''
اس شخص کی باتیں سن کر خوف آخرت سے خلیفہ منصور کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ بے اختیار اس کی زبان سے نکلا:

''کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا'' پھر اس شخص سے مخاطب ہوا ''اب تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ کہ میں کیا کروں؟''

وہ شخص کہنے لگا:

''اے امیر المومنین! دنیا میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی طرف لوگ اپنی دینی معاملات میں رجوع کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آپ بھی ایسے لوگوں کو اپنا مقرب بنائیے۔ وہ آپ کی درست رہنمائی کریں گے۔ اپنے معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے وہ آپ کو لغزش سے بچائیں گے۔''

خلیفہ نے کہا ''میں نے اس کی کوشش کی تھی مگر وہ مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔''
اس شخص نے کہا: ''انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں آپ انہیں اپنی راہ پر چلنے کے لئے مجبور نہ کریں۔ آپ اپنے دروازے پر سے رکاوٹیں ہٹا دیں، مظلوم کے ساتھ انصاف اور ظلم کا

خاتمہ کریں، غنیمت اور صدقات کا مال وصول کر کے ضرورت مند اور مستحقین میں عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم کریں۔''

گفتگو جاری تھی کہ اس دوران مؤذن نے آ کر سلام کیا اور اذان دی، خلیفہ منصور نماز پڑھ کر اپنی مجلس میں چلا آیا اور اس شخص کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا تو تلاش کے باوجود اس کا سراغ نہ مل سکا۔

مومن کو گالی دینے سے ۱۰۰ دن تک دعا قبول نہیں ہوتی

نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے۔ صدقہ دینا ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔ مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے ایسے شخص کی دعا سو دن تک قبول نہیں ہوتی۔ پیشہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ روزی ملتی ہے وہ کافر ہے کیونکہ رازق مطلق خدا ہے۔

مصیبت میں چلانا نوحہ کرنا اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانوں کا خون کرنے کے برابر ہے۔ مومن وہ شخص ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے۔ درویشی، بیماری، موت۔ حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔

اگر کوئی شخص درود و وظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آ جائے تو لازم ہے کہ وہ اس کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے۔ افضل ترین زہد موت کو یاد کرنا ہے۔

جلال الدین اکبر کا ''اللہ اکبر'' کا نقش مہر پر کندہ کرانا

جلال الدین اکبر نے ایک مرتبہ یہ ارادہ ظاہر کیا کہ اللہ اکبر کا لفظ اگر مہر پر کندہ کرایا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔ بادشاہ کو ان اختراعات اور جدتوں پر اپنے ذاتی رسوخ کے لئے جو لوگ مائل کرتے تھے ان سب نے اپنی پسندیدگی ظاہر کی۔ لیکن حاجی ابراہیم ایک بزرگ نے کہا:

اللہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا بڑا ہے اور دوسرا یہ کہ اکبر خدا

ہے۔ اگر اس کے بجائے فلذ کر اللہ اکبر نقش فرمائیں تو بہتر ہوگا۔

بادشاہ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا:

تم اس کے معنی دوسری طرف کیوں لے گئے ہو۔

حاجی ابراہیم نے کہا میں نے دونوں معنی بیان کر دیئے ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔ صرف مناسبت لفظی ہے اور کوئی مدعا نہیں۔

حاجی صاحب نے کہا۔ لیکن خدا کو شرکت اور ایسی مناسبت پسند نہیں ہے!

خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کا واقعہ

یحیٰی بن معاذ کا بیان ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی ایک دفعہ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک مکھی آ کر اس کے منہ پر بیٹھ گئی اور اس کو بے قرار کر دیا۔ خلیفہ نے خدام کو حکم دیا کہ دیکھو دروازے پر کوئی ہے؟

خدام نے جواب دیا کہ مقاتل بن سلیمان ہیں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ۔ جب مقاتل خلیفہ کے سامنے آیا تو خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مکھیوں کو کس غرض سے پیدا فرمایا ہے؟

مقاتل نے جواب دیا جی ہاں رب العزت نے مکھیوں کو اس غرض سے پیدا فرمایا ہے کہ ان کے ذریعہ سے ظالموں اور جابروں کو ذلیل فرمائے۔ یہ جواب سن کر خلیفہ خاموش ہو گیا۔

مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ بن سلیمان کلام اللہ کی تفسیر لکھنے کے سبب سے مشہور ہیں۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک جماعت سے حدیث سنی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ سب لوگ تین شخصوں کے عیال ہیں، تفسیر میں مقاتل بن سلیمان کے، شعر گوئی میں زہیر بن ابی سلمہ کے اور فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے۔

کہتے ہیں کہ مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ بن سلیمان ایک دن بیٹھ کر کہنے لگے کہ سوائے عرش بریں کے مجھ سے جو کچھ چاہو پوچھ لو۔

چنانچہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے پہلی مرتبہ حج فرمایا تو کیا سر منڈوایا تھا؟

یہ سوال سن کر مقاتل نے جواب دیا کہ یہ سوال ہمارے علم سے باہر ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میں نے خود ہی اپنے عجب کی وجہ سے اپنے کو اس ابتلاء میں مبتلا کیا ہے۔ چنانچہ پھر ایک دن کسی نے آپ سے پوچھا کہ لال چیونٹی کی آنتیں اس کے اگلے حصہ میں ہوتی ہیں یا پچھلے حصہ میں؟ مقاتل سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ لیکن یہ ایک قسم کا عتاب تھا جس میں وہ مبتلا کیے گئے تھے۔

عالمگیر کا انصاف

سلطان اورنگ زیب عالمگیر سنبھل مراد آباد کے ایک گاؤں میں خیمہ زن تھے کہ گاؤں کے قاضی صاحب کا قاصد بادشاہ کے نام سمن لے کر آیا۔ بادشاہ نے سمن لے کر پڑھا۔ لکھا تھا کہ ہمارے گاؤں کا چوہدری آپ کی جانب اپنا ایک ہزار روپیہ بتاتا ہے۔ لہذا کل صبح ۱۰ بجے حاضر عدالت ہو کر جواب دہی کرو۔ دوسرے روز بادشاہ ہاتھ میں تلوار لئے عدالت میں حاضر ہوئے انہیں دیکھ کر قاضی نے چپڑاسی سے کہا کہ اورنگ زیب مدعا علیہ عدالت محمدی میں خلاف ضابطہ تلوار لے کر آیا ہے، تلوار اس کے ہاتھ سے لے لی جائے۔ یہ سنتے ہی اورنگ زیب نے فوراً تلوار زمین پر رکھ دی جسے چپڑاسی نے اٹھالیا۔

قاضی صاحب اورنگ زیب سے مخاطب ہوئے کہ مدعی کا دعویٰ ہے کہ بادشاہ سلامت جب شہزادہ تھے تو شکار کھیلنے اس نواح میں تشریف لائے تھے اور کسی ضرورت کے تحت ہزار روپے اس سے لئے تھے اور وعدہ کیا تھا کہ دہلی پہنچ کر بھجوادوں گا مگر اب دس برس ہونے کو آئے، وہ روپے اسے واپس نہیں ملے۔ اب جو حضور تشریف لائے تو اس نے دادخواہی کی۔

بادشاہ نے جواب دیا کہ مدعی بالکل سچ کہتا ہے، میں بھول گیا تھا، معافی چاہتا ہوں یہ ہزار روپے حاضر ہیں۔ عدالت نے مدعی کو ہزر روپے دلوائے اور وہ لے کر چلا گیا۔ عدالت برخاست ہوئی اور قاضی صاحب اور بادشاہ رہ گئے۔ اب اورنگ زیب قاضی کی جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ "آپ ہر روز عدالت میں تلوار لے کر آتے ہیں؟"

قاضی صاحب نے جواب دیا نہیں! بلکہ آج ہی لایا ہوں تاکہ آپ بادشاہت کا گھمنڈ نہ کریں۔ مگر آپ عدالت میں تلوار لے کر کیوں آئے تھے؟"

اورنگ زیب نے جواب دیا۔ ''اس لئے کہ اگر تم میرے ڈر یا لحاظ سے مقدمے کا فیصلہ ٹھیک نہ کرو تو اس تلوار سے تمہاری گردن اڑا دوں۔''

اللہ اکبر کہتے ہی ہتھکڑیاں خود بہ خود کھل گئیں

دربند ایک شہر کا نام ہے۔ ایک تاتاری شہزادہ اپنے گروپ کو لے کر وہاں پہنچا اور مسلمانوں نے وہ شہر خالی کر دیا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگا کہ ہماری بہادری دیکھو کہ مسلمان ہمارا نام سنتے ہیں اور شہر خالی کر کے بھاگ جاتے ہیں۔ پولیس نے اسے اطلاع دی کہ جناب! شہر میں ابھی تک دو بندے موجود ہیں۔ ایک سفید ریش بوڑھے آدمی ہیں اور ایک ان کا خادم لگتا ہے اور وہ دونوں مسجد میں بیٹھے ہیں۔

اس نے چونک کر کہا، کیا وہ ابھی نہیں نکلے؟

بتایا گیا کہ نہیں نکلے۔

کہنے لگا کہ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر میرے سامنے پیش کرو۔

پولیس گئی اور انہیں ہتھکڑیاں ڈال کر لے آئی اور انہیں شہزادے کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا...... ان کا نام شیخ احمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ تھا اور یہ سلسلہ نقش بندیہ کے بزرگ تھے۔

شہزادے نے کہا، تمہیں پتہ نہیں تھا کہ میں اس شہر میں آ رہا ہوں۔

فرمایا، پتہ تھا۔

کہنے لگا، پھر شہر سے نکلے کیوں نہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ ہم کیوں نکلتے، ہم تو اللہ کے گھر میں بیٹھے تھے۔

وہ طیش میں آ کر کہنے لگا۔

اب تمہیں میری سزا سے کون بچائے گا؟

جب اس نے یہ کہا تو حضرت دربندی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش میں آ کر کہا، اللہ۔

جسے ہی انہوں نے اللہ کا لفظ کہا، ان کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں ٹوٹ کر نیچے گر پڑیں۔

جب شہزادے نے یہ منظر دیکھا تو وہ سہم گیا اور کہنے لگا کہ یہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔

چنانچہ وہ کہنے لگا، اچھا میں آپ کو اس شہر میں رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔

امام اوزاعی منصور عباسی کے دربار میں

دل میں ایک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد کیا

مناسب معلوم ہوا کہ ان مضامین عالیہ کو کشکول کا جزو بنا دیا جائے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے ان لائق فرزندوں میں سے ہیں جن کے وجود پر اگر اسلام کو ناز ہو تو بجا ہے۔ آپ کے گرانقدر کارنامے صفحہ تاریخ پر آج تک ایک نمایاں روشنی رکھتے ہیں۔

آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن ہے اور کنیت ابو عمر۔ یہ علم و ہدایت کا آفتاب ۸۸ھ میں بعلبک کے افق پر طلوع ہوا۔ ابھی تک یہ نونہال آغوش مادر سے بھی مستغنیٰ نہیں ہوا تھا کہ حوادث زمانہ نے اس پر یتیمی کا داغ دیا۔

والد کے سایہ عطوفیت کا بچپن میں سر سے اٹھ جانا بچوں کی تعلیمی زندگی کے لئے جس قدر مہلک ہے وہ ظاہر ہے مگر خداوند عالم کے الطاف خفیہ نعما نے غیر متناہیہ کسی کی ریاست اور حشم و کدم یا قبیلہ اور اعزاء واقرباء کی شوکت دیکھ کر نازل نہیں ہوتیں، بلکہ اس کی شان تو یہ ہے۔

انا عبدالمنکسرۃ قلو بنھم۔

''میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں۔''

بہر حال آپ کی تعلیم وتربیت بھی اگر چہ والدہ کی آغوش میں ہوئی لیکن خداوند عالم کے فضل سے ابھی تک ایام شباب کو بھی نہیں پہنچے کہ تمام علوم وفنون میں وہ مہارت حاصل کر لی جو محتاج بیان نہیں، یہاں تک کہ قوت اجتہاد اور علم وعمل، ذکاوت طبع، تقویٰ وطہارت میں اپنے زمانہ کے ممتاز لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔

اسمٰعیل بن عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبدالرحمٰن (اوزاعی) علماء امت کے بہترین افراد میں سے ہیں۔

آپ پر علم کا وہ گہرا رنگ چڑھا تھا کہ اس کے آثار جوارح پر ظاہر ہوتے تھے۔ خشوع وخضوع آپ کے چہرے سے مترشح ہوتا تھا۔ آپ کی ذات مبارک

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

اللہ کے بندوں میں علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

کا مظہر اتم تھی۔

ابو مسہر کہتے ہیں کہ امام موصوف رات بھر نماز اور تلاوت قرآن اور آہ زاری میں گذارتے تھے۔ عمر بھر کسی نے آپ کو قہقہہ کے ساتھ ہنستے نہیں دیکھا بلکہ بلاضرورت کلام بھی نہ کرتے تھے۔ یوں تو آپ جملہ کمالات علمی و عملی میں ممتاز شان رکھتے ہی تھے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کا خاص امتیازی وصف تھا۔ ہر شخص کو بلاتخصیص امیر و غریب اور بلاخوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے آپ کی شان یہ تھی۔

شاہ و گدا بہمت درد زاں یکے است
پوشیدہ است پست و بلند زمیں در آب

بہت مرتبہ آپ امر حق کے ظاہر کرنے کی بنائی پر دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئے مگر وہ ایک کوہ وقار تھے کہ مصائب کی سخت آندھیاں آپ کو اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ٹلا سکتی تھیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ خود امام ہمام بیان فرماتے ہیں کہ حاکم وقت نے مجھ سے بلا کر پوچھا کہ ''فلاں مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے۔''

حق کہنے میں جان کا خوف تھا۔ دل میں توحش پیدا ہوا لیکن معاً یہ خیال آیا کہ دنیا کی تکلیف خدا کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ بلا سے جان جائے مگر حق کہنے سے نہ رکنا چاہئے۔

چنانچہ صاف صاف جو حق تھا بیان کر دیا۔ جس کو سن کر حاکم چراغ پا ہو گیا، مگر الحمد للہ مجھ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

اس وقت ہمیں امام اوزاعی کی سوانح لکھنا نہیں، بلکہ ان کی عالی ہمتی اور اوالوالعزمی کے کارناموں کا صرف ایک ورق ناظرین کے سامنے کھولا جاتا ہے اور ان کا ایک واقعہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے جو ان کو خلیفۃ المسلمین ابو جعفر منصور کے ساتھ پیش آیا ہے جس میں آپ دیکھیں گے کہ ایک خدا سے ڈرنے والا بندہ ایک باجبروت بادشاہ کے سامنے کیسا جری ہو کر بے دھڑک تقریر کر رہا ہے۔

فاروق اعظمؓ کے آنسو

ایک روز امام ہمام (اوزاعی) خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور کے دربار میں تشریف لے گئے، مگر نہ اس لئے کہ مداہنت کر کے اس کے مال وجاہ سے ناجائز نفع اٹھائیں، بلکہ اس لئے کہ اس کو خداوند عالم کے صحیح صحیح احکام بالمشافہہ پہنچادیں۔ چنانچہ آپ نے ایک دل آویز تقریر شروع کی۔ جس کے دوران میں فرمایا کہ اے امیر المومنین! ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ فاروق اعظم (باوجود اس عدل وانصاف کے جو آفتاب کی طرح روشن ہے اور جس کی روشنی کا اعتراف بسرو چشم مخالفین اور کفار کو بھی کرنا پڑتا ہے) فرمایا کرتے تھے کہ اگر فرات کے کنارے پر بکری کا بچہ ضائع ہو کر مرتا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں قیامت کے روز مجھ سے اس کی باز پرس نہ ہو۔

اے ابوجعفر! اب اپنی حالت پر تم غور وفکر کرو کہ تمہاری سلطنت میں اولاد آدم انصاف سے محروم ہیں اور ظلم سے مرتے ہیں۔ آخر تمہارا کیا انجام ہوگا۔

اے امیر المومنین! ہم سے یزید بن جابر نے بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عمرو انصاری نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے انصار میں سے ایک صحابی کو صدقہ زکوٰۃ وغیرہ وصل کرنے پر مقرر کیا۔

یہ صاحب آپ کے پاس سے رخصت ہوگئے۔ آپ کو خیال تھا کہ اپنے کام پر چلے گئے ہوں گے لیکن کچھ دنوں بعد دیکھتے ہیں کہ وہ اب تک مدینہ میں مقیم ہیں۔ کار مفوضہ پر نہیں گئے۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا اور فرمایا کہ آپ نے خدمت مفوضہ میں دیر کیوں کی، کیا آپ کو خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کا ثواب مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔ انصاری نے کہا ہرگز نہیں۔ آپ نے متعجب ہو کر وجہ دریافت کی۔ انصاری بزرگ نے جواب دیا کہ مجھ کو رسول مقبول ﷺ سے یہ حدیث پہنچی کہ:

> ''تمام حکام جن کے قبضہ میں آج لوگوں کے کاموں کی باک ہے وہ قیامت کے روز ایسی حالت میں اٹھائیں جائیں گے کہ ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے بندھے ہوئے ہوں گے۔''

اس مصیبت سے سوائے عدل وانصاف کے اور کوئی چیز نہ چھڑا سکے گی، اس کے بعد ان کو

آ گ کے پل پر کھڑا کیا جائے گا جس کی لپٹ اور اڑنے والی چنگاریوں سے ایک ایک عضو پگھل جائے گا۔ پھر خدا کے حکم سے سب اعضاء جوڑے جائیں گے اور سلسلہ حساب و کتاب شروع ہوگا۔

عدل وانصاف اچھی طرح کرنے کی صورت میں عذاب الٰہی سے نجات ملے گی ورنہ پھٹ جائے گا اور ستر برس جہنم کی دہکتی ہوئی آ گ میں رہنا ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر سہم گئے اور دریافت کیا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے۔ انصاری نے کہا حضرت ابوذر اور حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے۔

فاروق اعظم اس حدیث کے مضمون سے بہت متاثر تھے فوراً ایک آدمی بھیج کر دونوں کو بلایا۔ جب یہ حضرات تشریف لائے تو حدیث مذکور کے متعلق استفسار کیا۔ بس دونوں صاحبوں نے کہا کہ بے شک ہم نے یہ حدیث جناب رسالت مآب ﷺ سے سنی ہے۔

فاروق اعظم کانپ اٹھے اور بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ ہائے عمران تکالیف ومصائب کے موجود ہوتے ہوئے کون ناعاقبت اندیش بار حکومت کو اپنے سر پر لے گا۔

حضرت ابوذر غفار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہو۔

فاروق اعظم زار وقطار رونے لگے اور یہاں تک بولے کہ ان کے رونے پر مجھے رونا آیا۔

اے امیر المومنین! خلیفہ ثانی سے حالات دیکھو اور پھر اپنی حالت کا اندازہ کرو کہ تم نے ان کی جانشینی کا کہاں تک حق ادا کیا۔

اے امیر المومنین! فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آئین جہانداری کے جو مستحکم اصول بیان فرمائے ہیں وہ ہر اس شخص کو اپنے صفحہ قلب پر لکھنے چاہئیں جس کو خداوند عالم نے اپنی مخلوق کا محافظ (بادشاہ) بنایا ہو۔

اے امیر المومنین: فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے نظام حکومت کے رشتہ کو وہی قائم رکھ سکتا ہے جو عقل کامل اور تفقہ فی الدین رکھتا ہو۔ اور اس سے کوئی عیب ظاہر نہ

ہو، اور نہ امر حق میں لومۃ لائم کی پرواہ کرتا ہو۔

مامون کے دربار کا ایک واقعہ

قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا

امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ:

مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثہ اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آ گیا جو صورت شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح و بلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟

اس نے اقرار کیا، مامون نے امتحان لینے کے لئے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔

اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہوگئی۔

یہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سال گذشتہ آئے تھے۔

جواب دیا، ہاں وہی ہوں۔

مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا۔

اس نے کہا میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں

ایک خطاط اور خوشنویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں، میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کئے، جن میں بہت جگہ پر اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر و منزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی، ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا۔

اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اس لئے مسلمان ہو گیا۔

قاضی یحییٰ بن اکثم اس واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے حج کی توفیق ہوئی، وہاں سفیان بن عینیہ سے ملاقات ہوئی، تو یہ قصہ ان کو سنایا انہوں نے فرمایا کہ بے شک ایسا ہی ہونا چاہئے، کیونکہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔

یحییٰ ابن اکثم نے پوچھا قرآن کی کون سی آیت میں؟ تو فرمایا کہ قرآن عظیم نے جہاں تورات اور انجیل کا ذکر کیا ہے، اس میں تو فرمایا **بـمـا اسـتـحـفـظـوا مـن کـتـب اللّٰه** یعنی یہود و نصاریٰ کو کتاب اللہ تورات و انجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب یہود و نصاریٰ نے فریضہ حفاظت ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ و محرف ہو کر ضائع ہو گئیں، بخلاف قرآن کریم کے اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا **انـا لـه لـحـفـظـو ن** یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

ایک ہاتھ بندھا ہوا، دوسرے ہاتھ سے شیر کا قتل

ابن اعرابی کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کے عہد سلطنت میں قبیلہ بنی حنفیہ میں جحدر بن مالک نامی ایک بڑا ڈاکو تھا۔ سینکڑوں قتل و غارت کر چکا تھا، اس نے اہل حجر پر ڈاکہ ڈالا۔ حجاج

ابن یوسف کو اس کی اطلاع ہوئی تو حاکم یمامہ کو ڈانٹ کر خط لکھا کہ تم نے یہ کیا کر رکھا ہے اب تک اس کا انتظام کیوں نہیں کیا۔ فوراً جحدر کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔

حجاج کے قہر وغضب اور قہر مانی حکومت کے خوف سے لوگ ویسے ہی تھراتے تھی۔ خط پہنچا تو حاکم یمامہ کو اپنی موت نظر آ گئی۔ قبیلہ بنی یرموع دینی حنظلہ کے ہوشیار اور بہادر لوگوں کو بلا کر ان کے لئے ایک بڑا انعام مقرر کیا کہ وہ جحدر کو قتل کر دیں۔ یا قید کر کے لے آئیں۔

یہ لوگ اس کی تلاش میں نکلے، جب اس کے مستقر کے قریب ہوئے تو ان میں سے ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم لوگ بھی تمہاری جماعت میں شریک ہو کر رہنا چاہتے ہیں، جحدر کو اس پر اعتماد ہو گیا اور ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ یہ سب لوگ جحدر کے ساتھ رہنے لگے یہاں تک کہ ایک روز موقع پا کر اس کو باندھ لیا اور حاکم یمامہ کے پاس پہنچا دیا۔

حاکم یمامہ نے انہیں لوگوں کے ساتھ حجاج کے پاس روانہ کر دیا اور ان لوگوں کی مساعی بلیغہ کا حال حجاج کو لکھ بھیجا۔

جحدر جب حجاج کے سامنے پیش ہوتا ہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حجاج بن یوسف وہ خونخوار انسان ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو باندھ کر قتل کر چکا ہے (جامع ترمذی) مگر اس کی جرأت دیکھئے کہ جب حجاج نے اس سے پوچھا کہ تجھے اس رہزنی اور ڈاکہ ڈالنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟

تو کہا، تین چیزوں نے، ایک اپنے دل کی جرأت وشجاعت، دوسرے بادشاہ کا ظلم، تیسرے زمانہ کے حوادث۔

حجاج نے کہا، تجھ سے وہ کیا بات سرزد ہوئی ہے جس کی وجہ سے تیری جرأت بڑھی اور سلطان نے تجھ پر ظلم کیا اور زمانہ کے حوادث تجھ پر ٹوٹ پڑے۔

جحدر نے کہا کہ امیر مجھے آزمائے تو مجھے بہترین سیاسی شہسوار اور اپنی رعیت میں سب سے زیادہ خیر خواہ مجھے پائیں گے اور یہ اس لئے کہ جب کبھی کسی سے میرا مقابلہ ہوا ہے تو میں نے اپنے آپ کو اس پر غالب پایا ہے۔

حجاج نے کہا۔ اچھا، ہم تمہیں آزماتے ہیں اور آزمائش یہ ہے کہ تمہیں ایک میدان میں چھوڑتے ہیں جس میں ایک شیر ببر ہوگا۔ اگر اس نے تجھے قتل کر دیا تو ہم تیرے قتل کی فکر سے

بچے اور اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو ہم تجھے آزاد کر دیں گے۔

حجدر نے نہایت خوشی سے اس کو قبول کیا اور کہنے لگا کہ یہ تو میری عین آرزو ہے، ضرور ایسا کیجئے۔

حجاج نے کہا، صرف یہی نہیں کہ شیر کے مقابلے میں تجھے آزاد چھوڑ دیں بلکہ صورت یہ ہوگی کہ تیرے پاؤں میں بھاری بھاری بیڑیاں ہوں گی اور داہنا ہاتھ گردن میں باندھ دیا جائے گا، صرف بایاں ہاتھ کھلا رہے گا اسی میں تلوار دی جائے گی۔

حجدر نے اس کو بھی قبول کیا۔ حجاج نے شیر کے آنے تک حجدر کو جیل خانہ میں محبوس کر دیا اور اپنے ماتحت حاکم کو حکم دیا کہ ایک شیر ببر کہیں سے گرفتار کر کے لایا جائے۔ حکام نے فوراً ببر شیر مہیا کر دیا۔

جب شیر آیا تو اس کو ایک محصور میدان میں چھوڑ دیا اور تین دن کامل اس کو بھوکا رکھا گیا اس کے بعد حجدر کے پاؤں بیڑیوں میں اور داہنا ہاتھ گردن میں باندھ کر لایا گیا بائیں ہاتھ میں تلوار دے کر شیر کے سامنے چھوڑ دیا گیا۔ حجدر اس کو دیکھ کر ایک رجزیہ ترانہ پڑھنے لگا۔

جب شیر نے اس کو دیکھا تو نہایت زور سے دھڑکا اور انگڑائی لے کر حجدر کی طرف بڑھا۔ جب شیر بالکل قریب آ پہنچا اور ایک نیزہ کا فصل رہ گیا تو حجدر نے زور سے جست کی اور اس زور سے تلوار کا اس پر وار کیا کہ ایک وار میں شیر ختم ہو کر زمین پر گرا اور ادھر حجدر پیروں کی بیڑیوں کی وجہ سے پیچھے کو جا پڑا۔

حجاج اور اس کے عنوان ایک دریچہ سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے سب نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ادھر حجدر اٹھا اور حجاج سے خطاب کر کے فی البدیہ یہ اشعار پڑھے:

ولئن قصدت لی المنية عامداً

انی لخیرک یا ابن یوسف راج

''اگر آپ نے میری موت کا قصد کیا تھا تو اے (حجاج ابن یوسف) میں تیرے انعام کا بھی امیدوار ہوں۔''

علم النساء بانني لا انثني

اذ لا يثقن بغيرة الا زواج

''عورتیں تو یہ سمجھتی تھیں کہ میں لوٹ کر نہ آؤں گا کیونکہ وہ شوہروں کی غیرت پر پورا بھروسہ نہیں رکھتیں۔''

وعلمت انی ان کرهت نزاله
انی من الحجاج لست بناج

''اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ اگر شیر کے مقابلہ سے پہلوتہی کی تو حجاج کے ہاتھ سے نجات نہیں پا سکتا۔''

حجاج نے کہا اب اگر تم چاہو تو ہم تمہیں بڑا انعام دیں اور چاہو تو تمہیں بالکل آزاد چھوڑ دیں۔

حجدر نے کہا کہ نہیں، میں امیر کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حجاج نے اس کے لئے اور اس کے سب گھر والوں کے لئے بڑے بڑے وظائف مقرر کر دیئے۔

(تاریخ ابن عساکر ص ۶۳، ۶۴۔ جلد ۴)

سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سومنات میں

حضرت سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سیاحت کا شوق مجھے سرزمین ہند میں لے گیا وار میں پھرتا پھراتا سومنات مندر میں جا نکلا۔ وہاں میں نے ہاتھی دانت کا ایک بہت خوشنما بت دیکھا۔ اس علاقے کے لوگ بہت عقیدت سے اس بت کی پوجا کرتے تھے اور اسے اپنا حاجت روا جان کر اس کے سامنے دعاؤں میں مصروف رہتے تھے۔

ان لوگوں کو اس جہالت میں مبتلا دیکھ کر میں بہت متعجب ہوا اور مندر کے ایک پجاری سے جو میرا آشنا سا تھا، یہ پوچھ ہی لیا کہ جس بت کو ان لوگون نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور جو ایسا بے بس ہے کہ اگر اسے گرا دیا جائے تو اپنے آپ اٹھ بھی نہیں سکتا، اسے اپنا معبود کیوں بنائے ہوئے ہیں۔

میری یہ بات سن کر پجاری بہت بگڑا اور اس نے بڑے پجاری کے سامنے میری شکایت کر دی۔ اب صورت حال کچھ ایسی پیدا ہوگئی کہ مجھے اپنی جان خطرے میں نظر آئی۔ یہ محسوس کر کے میں نے اپنا لہجہ بدلا اور ان پر یہ ظاہر کیا کہ میں نے تو یہ سوال صرف پکا یقین حاصل کرنے

کے لئے کیا تھا۔ اگر بت کی عظمت سے پوری طرح آشنا ہو جاؤں تو بصد شوق اس کی پوجا کیا کروں گا۔

میری یہ بات سن کر بڑا پجاری مطمئن ہو گیا اور بت کی بزرگی سے آشنا کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ دوسرے دن علی الصبح وہ مجھے مندر میں لے گئے۔ مندر بت کے پجاریوں سے کچھا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پجاری سنکھ اور ڈھول بجانے لگے اور بت نے اپنا ہاتھ اس طرح اٹھا دیا جیسے اپنے پجاریوں کو برکت دے رہا ہو۔

یہ تماشا ختم ہوا تو بڑے پجاری نے مجھ سے کہا کہ اب تو تم ضرور قائل ہو گئے ہو گے کہ یہ بت صاحب اختیار ہے۔

میں نے اگرچہ محض ایک ڈھونگ خیال کیا تھا لیکن مصلحت کے مطابق اقرار کیا کہ ہاں میں قائل ہو گیا ہوں۔ لیکن اسی وقت سے اس ٹوہ میں رہنے لگا کہ کسی طرح بت کے یوں ہاتھ اٹھنے کا راز معلوم ہو جائے اور آخر مجھے یہ بھید معلوم ہو ہی گیا۔

بت کے پچھلی طرف مجھے ایک خوشنما پردہ نظر آیا اور جب میں نے پردہ اٹھایا تو دیکھا وہاں ایک پنڈت بیٹھا ہے جس نے ایک رسی تھام رکھی ہے۔ مجھ پر یہ بات فوراً ظاہر ہو گئی کہ یہ پنڈت جب اس رسی کو کھینچتا ہے تو بت کا ہاتھ اوپر اٹھ جاتا ہے۔ پجاری نے بھی مجھے دیکھ لیا اور وہ مجھے مارنے کے لئے دوڑا۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر اس نے مجھ پر قابو پا لیا تو راز افشا ہو جانے کے خوف سے مجھے مار ڈالے گا۔ چنانچہ جان بچانے کے خیال سے میں نے اسے اٹھا کر ایک کنویں میں پھینک دیا اور وہاں سے بھاگ آیا۔

امام ابو یوسف رحؒ کا ہارون رشید کے خلاف فیصلہ

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فیصلہ ہارون رشید کے خلاف بھی دیا تھا مگر اس میں ان سے ذرا سی غلطی ہو گئی تھی جس کا ان کو زندگی بھر افسوس رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ سواد عراق کے ایک بوڑھے نے ہارون رشید کے خلاف یہ دعویٰ دائر کیا کہ فلاں باغ میرا ہے لیکن خلیفہ نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔

اتفاق سے یہ مقدمہ اس روز پیش ہوا جس روز خود ہارون رشید فیصلے کے لئے بیٹھا تھا۔

قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فریقین کے بیانات اور ان کے دعوے ہارون رشید کے سامنے پیش کررہے تھے۔ جب اس مقدمہ کی باری آئی تو انہوں نے خلیفہ کے سامنے اس کو پیش کیا اور کہا کہ آپ کے اوپر دعویٰ ہے کہ اپنے فلاں آدمی کا باغ زبردستی لے لیا ہے، مدعی یہاں موجود ہے، حکم ہو تو حاضر کیا جائے۔

بڈھا سامنے آیا تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا بڑے میاں آپ کا دعویٰ کیا ہے؟

اس نے کہا کہ میرے باغ پر امیر المومنین نے ناحق قبضہ کرلیا ہے جس کے خلاف دادرسی چاہتا ہوں۔

قاضی نے سوال کیا اس وقت وہ باغ کس کے قبضہ اور نگرانی میں ہے؟

بولا امیر المومنین کے ذاتی قبضہ میں ہے۔

اب قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے ہارون رشید سے مخاطب ہوکر کہا کہ دعویٰ کے جواب میں آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں! ہارون رشید نے کہا میرے قبضہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں اس شخص کا حق ہو، نہ خود باغ ہی میں اس کا کوئی حق ہے۔

قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مدعی سے پوچھا کہ تمہارے دعوے کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل بھی ہے؟

کہا ہاں خود امیر المومنین سے قسم لے لی جائے۔

ہارون رشید نے قسم کھا کر کہا کہ یہ باغ میرے والد مہدی نے مجھے عطا کیا تھا، میں اس کا مالک ہوں۔

بوڑھے نے یہ سنا تو اس کو بہت غصہ آیا اور یہ بڑبڑاتا ہوا عدالت سے نکل گیا کہ جس طرح کوئی شخص آسانی سے ستو گھول کر پی جائے، اسی طرح اس شخص نے آسانی سے قسم کھالی۔

ایک معمولی آدمی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ہارون رشید کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا......
یحییٰ برمکی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے ہارون کو خوش کرنے کے لئے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہوکر کہا آپ نے دیکھا اس عدل واحسان کی نظیر دنیا میں مل سکتی ہے؟

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تحسین کی اور کہا مگر انصاف کے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

مذکورہ بالا معاملہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے انصاف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، مگر پھر بھی آخر وقت تک ان کو جب اس واقعہ کا خیال آجاتا تو فرماتے تھے میں اپنے اندر سخت کوفت، اذیت، رنج محسوس کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ میں نے انصاف میں جو کوتاہی کی ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا جواب دوں گا۔

لوگوں نے پوچھا آپ نے انصاف میں کیا کوتاہی کی، اور آپ اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے کہ ایک معمولی کسان کے مقابلہ میں وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا؟

فرمایا تم لوگوں نے نہیں سمجھا کہ مجھے کس خیال سے تکلیف ہوتی ہے، پھر افسوس کے لہجہ میں فرمایا کہ مجھے تکلیف اور کڑھن اس کی ہے کہ میں ہارون رشید سے یہ نہ کہہ سکا کہ آپ کرسی سے اتر جائیے جہاں آپ کا فریق کھڑا ہے وہیں ایک فریق کی حیثیت سے آپ بھی کھڑے ہو جائیے یا پھر اجازت دیجئے کہ اس کے لئے بھی کرسی لائی جائے۔

فتح چین کا تاریخ ساز واقعہ

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں عظیم جرنیل قتیبہ بن مسلم نے صرف بلاد ماوراء النہر کی فتح پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ چلتا گیا۔ فتوحات کا سلسلہ طویل تر ہوتا چلا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر فتوحات اسلامی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ یہاں تک اس عظیم فاتح قتیبہ بن مسلم الباھلی نے ایک جرار لشکر لے کر ۹۶ ہجری کے شروع میں چین پر چڑھائی کر دی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب یہ عظیم جرنیل قتیبہ بن مسلم چین کی طرف گامزن تھا تو راستے ہی میں اسے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی وفات کی خبر ملی۔ مگر اس افسوسناک خبر نے بھی اسے جہاد چین سے واپس نہیں ہونے دیا بلکہ اس عظیم فاتح نے اپنا سفر جاری رکھا اور ایک روایت میں ہے کہ جب اسے خلیفہ کی وفات کی خبر ملی تو اس نے کہا:

"لانقاتل الالاجل اللّٰہ"

''تم تو صرف اللہ کی رضا کے لئے قتال کرتے ہیں۔''

یہ کہا اور اپنا سفر جہاد چین کی طرف جاری رکھا یہاں تک کہ چین کی سرحد پر آن پہنچا۔ اور اپنا وفد سفارت ایک ماہر ترین مگر انتہائی سادہ اور مخلص سفیر هبیرہ بن المشمرج الکلابی کی سربراہی میں چین کے شہنشاہ کے دربار میں بھیجا۔

سفارات کے چند تبادلوں کے بعد ایک روز چین کے شہنشاہ نے قتیبہ کے سفیر هبیرہ سے کہا:

انصرفوا الی صاحبکم فقولوا له ینصرف، فانی قد عرفت حزصه وقلة اصحابه، والا أبعث علیم من یهلککم ویهلکه'' فقال هبیرة: ''کیف یکون قلیل الاصحاب من اول خیله فی بلادک وآخرها فی منابت الزیتون؟ وکیف یکون حریصا من خلف الدنیا قادرا علیها وغزاک'' وأما تخویفک ایانا بالقتل فان لنا آجالا اذا حضرت فأکرمها القتل، فلسنا نکرهه ولا نخافه'' فاجاه ملک الصین فما الذین یرضی صاحبک؟ فقال هبیرة: انه قد حلف الا ینرف حتی یطأ ارضکم ویختم ملوککم ویعطی الجزیة'' فقال الملک: فنا نخرجه من یمینه نبعث الیه بتراک من تراب ارضنا فیطوه، ونبعث ببعض ابنائنا فیختمهم، ونبعث الیه بجزیة یرضاها'' ثم دعا بصحاف من ذهب فیها تراب،وبعث بحریر وذهب وأبعة غلمان من انباء ملوکهم، ثما أجاز الوفد فساروا حتی قدموا علی قتیبة، فقبل الجزیة وختم الخلمة وردهم ووطئی الترابثم عاد الی مرو.''

تم اپنے جرنیل قتیبہ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ اپنی فوجیں لے کر چین سے واپس لوٹ جائے۔ میں اس کی حرص کو بھی جان گیا ہوں جو چین کی دولت اور مال ومتاع میں تمہارے جرنیل کی ہے۔ میں یہ بھی جان گیا ہوں کہ تم کس قدر قلیل العدد ہو۔ سو تمہاری خیر اسی میں ہے کہ تم واپس لوٹ جاؤ ورنہ میں ایسے لشکر جرار کو بھیجوں گا جو تم سب کو ہلاک کر دے گا۔

اس پر قتیبہ بن مسلم کے سفیر هبیرہ نے جواب دیا کہ بادشاہ کی عقل میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ وہ لشکر قلیل العدد کیسے ہوسکتا ہے جس کا پہلا گھوڑا چین کے محل کے دروازے پر

کھڑا اپنے سموں سے چنگاریاں اڑا رہا ہے اور آخری گھوڑا مدینہ کے میدانوں میں ہے۔

اور کیسے بادشاہ چین کے اس جرنیل کو حریص ہونے کا طعنہ دیتا ہے جو پوری دنیا کو فتح کر کے اپنے پیچھے چھوڑ کر صرف جہاد کے لئے تیرے چین پر حملہ آور ہے۔ اور رہا تیرا ڈرانا اور خوف دلانا قتل سے تو سن اے بادشاہ چین! ہماری تو مقرر مدتیں اور عمریں ہیں۔ اور جب وہ اجل پوری ہو جائے تو ہم مجاہدوں کے لئے سب سے بہتر باعزت موت قتل ہی ہوتی ہے۔ پس ہم قتال فی سبیل اللہ سے (یعنی شہادت کی موت سے نہ تو ڈرتے ہیں اور نہ ہی اسے ناپسند کرتے ہیں۔)

اس پر گھبرا کر شہنشاہ چین نے بالآخر ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا: پھر تم ہی بتاؤ کہ اب تمہارے جرنیل قتیبہ بن مسلم کو کون سی بات راضی کر سکتی ہے کہ وہ ہماری جان بخش دے اور جنگ سے ہم بچ جائیں؟

اس پر ہبیرہ نے جواب دیا کہ میرے جرنیل قتیبہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ چین کی سرحد سے واپس نہیں جائے گا یہاں تک کہ وہ ملک چین کو اپنے جہادی گھوڑوں سے روند نہ ڈالے، چینیوں کی گردنوں پر غلامی کی مہر نہ لگائے اور جب تک اسے جزیہ نہ دیا جائے۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ اس وقت تک واپس نہیں جائے گا۔

اس پر چین کے شہنشاہ نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا: ہم کو یہ سب شرطیں قبول ہیں۔ ہم اپنے چین کی مٹی تمہارے جرنیل کی خدمت میں بھیج دیتے ہیں وہ اس پر قدم رکھ دے اور اپنے بعض بیٹے بھیج دیتے ہیں ان کی گردنوں پر غلامی کی مہر لگا دے اور جو بھی رقم وہ فی کس مقرر کرے ہم دینے کو تیار ہیں۔

پھر شہنشاہ چین نے سونے کے تھال منگوائے جن میں چین کی مٹی بھر کر قتیبہ کی خدمت میں بھیجی اور ریشم اور سونے کے ہدایا اور تحائف بھیجے اور چار مختلف بادشاہوں کے بیٹے بھیجے جو غلام بنے۔

اس طرح وفد چین سے چل کر قتیبہ کی خدمت میں مجاہدین کے معسکر میں پہنچا۔ اس پر قتیبہ نے شہزادوں کو غلام بنا کر بھیج دیا جب کہ ان پر مہر غلامی لگ چکی تھی۔ تھالوں کی مٹی پر پاؤں رکھا۔ اور جزیہ وصول کیا۔ پھر واپس مرو کی طرف سفر اختیار کیا۔

گورنرافریقہ موسیٰ بن نصیر کی نافرمانی پر طارق بن زیاد کا کوڑا کھانا

سرزمین اندلس پر طارق فتح کے شادیانے بجاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بعض وجوہات کی بناپر گورنرافریقہ موسیٰ بن نصیر نے اسے حکم بھیجا کہ پیش قدمی روک کر ہمارا انتظار کرو۔ طارق نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ دشمن کو سنبھلنے کا موقعہ دینا قرین دانش نہیں ہے۔

طارق نے اس پر عمل کرتے ہوئے پیش قدمی جاری رکھی اور قرطبہ، ملاغہ، طلیطلہ اور غرناطہ کی طرف پھیل گیا۔

موسیٰ بن نصیر کو جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو بہت جزبز ہوئے مگر انہوں نے آج کل کے حکام کی طرح اس عدول حکمی کو اپنی توہین تصور نہ کیا۔ نہ ہی انتقام لینا چاہا۔ کیونکہ یہاں ذاتی مفاد سامنے نہ تھا بلکہ قوم کی عزت وسربلندی کی مہم درپیش تھی۔ اس لئے موسیٰ بن نصیر نے طارق کو نہ معزول کیا نہ اسے واپس آنے کا حکم دیا اور نہ ہی اس کی پیش قدمی میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالی۔

ایک سال بعد موسیٰ ابن نصیر طارق کے پیچھے گئے۔ بعض علاقے فتح کرتے ہوئے جب طلیطلہ کے قریب پہنچے تو طارق کو بھی خبر مل گئی۔ اس علم کے باوجود کہ موسیٰ نافرمانی کو برداشت نہیں کرتا۔ یہ ''نافرمان'' طارق اپنی پوری فوج اور سامان غنیمت کے ساتھ اپنے حاکم اعلیٰ کو ملنے کے لئے روانہ ہوا۔ دونوں طلیطلہ کے قریب کسی مقام پر ایک دوسرے سے ملے۔

طارق عدول حکمی کی وجہ سے نادم تھے۔ مگر جب اپنے مربی اور استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تعظیماً گھوڑے سے اتر پڑے اور آگے بڑھ کر آداب بجالائے۔ موسیٰ کے ہاتھ میں اس وقت ایک چابک تھا۔ جس سے وہ گھوڑا ہنکاتے تھے۔ موسیٰ نے اظہار ناراضی کے طور پر طارق کو رسید کیا۔

طارق نے اس پر کسی قسم کا ملال ظاہر نہ کیا موسیٰ نے عدول حکمی کی سزا میں یہ چابک

صرف تنبیہاً مارا تھا کہ آئندہ وہ محتاط رہے۔ طارق نے جب اپنی صفائی پیش کی تو موسیٰ نے اسے معاف کردیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر ارغون کی طرف یلغار شروع کردی اور اکٹھے فتوحات کرتے رہے۔

جہاں للٰہیت داسیات پر غالب ہو وہاں انتقام کی آگ ہمیشہ سرد اور عفوو کرم کا دریا موجزن رہتا ہے۔

سفیان ثوری کا کوفہ کی گورنری سے انکار

سفیان ثوری امراء وسلاطین کے یہاں جانا ہمیشہ ناپسند کرتے تھے ایک مرتبہ آپ مہدی کے دربار میں بلائے گئے تو کسی قسم کا شاہی آداب نہیں برتا۔ مہدی نے مزاحاً کہا کہ آپ مجھ سے دور دور رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچا سکتا ہوں۔ اب تو آپ میرے قبضہ میں ہیں جیسا چاہوں آپ کے ساتھ معاملہ کروں۔

سفیان ثوری نے جواب دیا۔ جو حکم تم میرے بارے میں دو گے وہی حکم قادر مطلق تمہارے بارے میں دے گا۔

سفیان ثوری کا یہ کہنا ہی تھا کہ خادموں نے اس بے ادبی پر سفیان ثوری کو سزا دینا چاہا لیکن مہدی نے کہا نہیں بزرگوں کو قتل کر کے خیر و برکت سے محروم ہونا چاہتا ہے اور اسی وقت کوفہ کے عہدہ قضا کا کاغذ ان کے سپرد کردیا اور ان کو یہ آزادی بھی دی کہ ان کے فیصلوں پر کسی قسم کی بھی کوئی مداخلت نہ کی جائے گی۔

سفیان ثوری نے وہ پروانہ تو لے لیا لیکن باہر نکل کر اس شاہی پروانہ کو دجلہ کی مچلتی ہوئی لہروں کے سپرد کردیا اور خود کہیں روپوش ہو گئے۔ مہدی نے سفیان ثوری کو بہت تلاش کیا لیکن کوئی سراغ نہ مل سکا۔

دنیا تو میں نے بنانے والے سے نہیں مانگی

اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک حج کے سلسلہ سے مکہ معظمہ میں موجود ہیں ایک دن کعبہ کے اندر حاضری کا قصد کیا۔ وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت سالم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جلوہ افروز پایا۔

خلیفہ نے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو خدمت کا موقع دیا جائے اور کچھ حکم دیا جائے جس کی تعمیل کا شرف حاصل کروں۔ حضرت سالم نے ارشاد فرمایا کہ:

''اللہ کے گھر میں اللہ کے سوا اور کسی سے مانگنا شرم کی بات ہے۔''

جب دونوں حضرات کعبہ سے باہر نکلے تو خلیفہ نے عرض کیا کہ اب تو کعبے سے باہر ہیں اب کچھ طلب فرمائیں۔

حضرت نے فرمایا میں آپ سے کیا مانگوں؟ دنیا یا دین؟

ہشام نے کہا کہ دنیا۔

ارشاد ہوا:

''دنیا تو میں نے اس کے مالک حقیقی سے بھی کبھی طلب نہیں کی پھر آپ سے (جو اس کے مالک نہیں ہیں) کیسے مانگوں؟''

جوتوں کی جگہ نماز پڑھنے والا بادشاہ

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ ترکستان طرم شیر نے ایک مرتبہ اپنا مصلیٰ مسجد میں اپنی مخصوص جگہ پر بچھوادیا اور امام حسام الدین کو کہلا بھیجا کہ نماز میں اس کا انتظار کریں۔

امام نے جواب دیا۔

''نماز خدا کے لئے ہے یا طرم شیر کے لئے۔''

پھر مؤذن کو حکم دیا تکبیر کہو اور امامت شروع کر دی۔ سلطان آیا تو دو رکعتیں ختم ہو چکی تھیں چنانچہ آخری دو رکعتیں اس نے تنہا پڑھیں۔ جگہ وہاں ملی جہاں نمازیوں کی جوتیاں پڑی تھیں۔ نماز ختم کر کے سلطان نے امام صاحب سے مصافحہ کیا اور محراب کے سامنے بیٹھ گیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

جب اپنے ملک جاؤ تو لوگوں کو بتلانا کہ ایک فقیر نے ترک سلطان کے ساتھ یہ کیا ہے۔

افریقہ کے حاکم علی ابن حمود نے جس وقت زمانہ اقتدار سنبھالی اس وقت ملک کی حالت

بہت خراب تھی۔ ہر طرف بدامنی کا دوردورہ تھا اور رشوت کا بازار گرم تھا۔ علی ابن حمود بڑا ذہین اوراونچے درجہ کا سپہ سالار تھا۔

فوجی مزاج ایسے حالات میں اکثر راس آتا ہے اس نے ملک میں منادی کرادی کہ جس نے ظلم وزیادتی کی۔ اور دوسروں کا حق مارا۔ اسے خوفناک سزا دی جائے گی۔

ایک مرتبہ ایک فوجی سپاہی گھوڑے پر انگوروں کی ٹوکری لادے جارہا تھا۔ علی ابن حمود کی اس پر نظر پڑ گئی۔ وہ اسے خوب جانتے تھے اس نے اسے روکا اور پوچھا کہ یہ انگور کہاں سے لئے۔

سپاہی نے بے پروائی سے جواب دیا۔ جہاں سے ایک سپاہی لے سکتا ہے۔ اس جواب سے علی ابن حمود کو آگ بگولا کردیا۔ اس نے خدام کو حکم دیا۔ اسے گھوڑے سے گھسیٹ کر اس کی گردن اڑادو۔ اس کا سر اسی انگوروں کی ٹوکری میں رکھ کر سارے شہر میں پھراؤ جب کہ اس کا جسم گھوڑے کی پشت سے بندھا رہے اور لوگوں کو بتادو کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو رعایا پر ظلم وزیادتی کرے گا۔

گو بظاہر یہ ایک سخت سزا تھی مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پھر کسی کو رشوت لینے اور زیادتی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے مقابلہ میں اس ملک کی حالت پر نظر ڈالو کہ انسداد رشوت ستانی کے لئے کس قدر قوانین آرڈیننس وغیرہ نافذ ہیں اسپیشل سٹاف مقرر ہیں۔ ''پروڈا'' تک موجود ہے۔ مگر رشوت اس آزادی سے چل رہی ہے کہ الامان والحفیظ۔

جرات کا ایک قدم بے جرأتی کی ساری زندگی سے بہتر ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مثالی انصاف

امیرالمومنین ہم مظلوم ہیں۔ ہم پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ ہماری فریاد سن لیجئے۔ ہمارے ساتھ انصاف کیجئے۔ ہم آپ سے اسی انصاف کی امید لے کر آئے ہیں۔ جس انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ یہ فریادی حمص سے آئے تھے۔ ان کی چھ دکانوں پر ناجائز طور پر قبضہ کرلیا گیا تھا۔ دوکانوں کے اصل مالک تو یہی لوگ تھے مگر ایک حکمران نے یہ دکانیں اپنے بیٹے کے نام کردی تھیں۔

ان کی فریاد سن کر امیر نے ان سے کہا۔ تم مطمئن رہو میں اللہ کی ہدایت اور اس کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اس معاملے میں کسی کی رورعایت نہیں کروں گا۔ تم خود دیکھ لو گے کہ میرا فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق ہی ہوگا۔ بتاؤ تم پر کس نے ظلم کیا ہے اور تمہیں کس چیز سے محروم رکھا گیا۔

انہوں نے کہا کہ یا امیر المومنین! ہمیں بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ کے بھتیجے نے ہماری دکانوں پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور وہ کسی صورت میں ہماری جائیداد واپس کرنے کو تیار نہیں۔

امیر نے اسی وقت اپنے بھتیجے کو دربار میں طلب کیا اور اسے کہا کہ یہ لوگ تمہاری شکایت لے کر آئے ہیں کہ ان کی جائیداد پر تم نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

اس نے جواب دیا کہ یا امیر میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا اور نہ ہی میں نے ان کی کسی جائیداد پر قبضہ کر رکھا ہے۔ جن دکانوں پر یہ اپنا حق جتاتے ہیں وہ ساری دکانیں میرے والد نے میرے نام کی تھیں۔ جس کا دستاویزی ثبوت میرے پاس موجود ہے۔ اس لئے میں ان دکانوں کا بلاشرکت غیرے مالک ہوں۔

امیر نے کہا کہ تمہارے باپ کی تحریر کردہ دستاویز تمہارے کام نہیں آسکتی۔ یہ دکانیں انہی لوگوں کی ہیں اس کا پورا پورا ثبوت فراہم ہو چکا ہے اب تم پر لازم ہے کہ وہ ساری دکانیں ان کو واپس کر دو۔ جن پر تم نے اب تک قبضہ کر رکھا ہے۔ امیر کے اس بھتیجے نے بچپن ہی سے بادیہ میں پرورش پائی تھی۔ اس کی شکل وشباہت، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لباس اور جملہ عادات وخصائل بدویانہ طرز زندگی کے آئینے دار تھے۔ بڑا ضدی اور ہٹ دھرم تھا۔ مغلوب الغضب اتنا کہ کسی کی بات تک برداشت نہ کرتا تھا۔ امیر کے حکم پر ایک شخص اس کے ساتھ ہو لیا تاکہ وہ اس سے اپنی دکانیں حاصل کر لے۔ جب باہر نکلے تو اس نے دعویدار سے کہا کہ اگر اس نے دکانوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو اس کا برا حشر ہوگا۔ اسے خوب ڈرایا اور دھمکایا اور چل دیا۔

فریادی واپس امیر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یا امیر وہ تو مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ ڈرا رہا ہے۔

امیر نے اپنے محافظ دستے کے افسر اعلیٰ کو بلا کر حکم دیا کہ اس شخص کو ساتھ لے جاؤ اگر وہ اس کی جائیداد واپس کر دے تو اچھا ہے اور اگر انکار کرے تو اس کا سر کاٹ کر میرے پاس لے آؤ۔

فوجی سردار جب اس کے پاس پہنچا تو اس کا ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا اور ایک بالشت تلوار نیام سے باہر جھانک رہی تھی۔

امیر کا حکم اسے سنا کر پوچھا کہ اب کیا ارادہ ہے؟

اس نے ساری دکانیں خالی کروا کر اصلی مالک کے حوالے کر دیں۔

امیر کے حکم کی تعمیل ہوگئی اور انصاف کے تقاضے پورے ہو گئے۔ اس صاحب دل امیر کا دور عہد خلافت کا بقیہ تھا۔ عدل وانصاف کی تیز روشنی سے سارے راستے روشن تھے۔

آج کے دور کے حکمرانوں کو جو عدل وانصاف کے دعویدار ہیں اور اپنے آپ کو عدل وانصاف کے علم بردار کہتے ہیں اگر اس مرد حق کے سامنے لا کر کھڑے کئے جائیں تو یقین کیجئے کہ سارے کے سارے ان کے سامنے بہت چھوٹے دکھائی دیں گے۔ اس مرد حق کو اسلامی دنیا حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نام سے یاد کرتی ہے انہیں عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

چار بادشاہ

علامہ سلیمان الجمل رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں۔

وجملة من ملكها كلها اربعة اثنان مؤمنان واثنان كافران فالمؤمنان سليمان وذوالقرنين والكافر ان نمرو ذوبخت نصر

کل روئے زمین پر حکمرانی کرنے والے بادشاہ چار ہوئے ہیں جن میں سے دو مؤمن تھے اور دو کافر، مؤمن بادشاہ تو سلیمان علیہ السلام اور سکندر ذوالقرنین تھے اور کافر بادشاہ نمرود اور بخت نصر تھے۔

ایک عجیب رات

دنیا میں ایک ایسی رات بھی گزری ہے جس میں ایک خلیفہ کا انتقال ہوا دوسرا اس کی جگہ

تخت نشین ہوا اور تیسرا پیدا ہوا مرنے والا خلیفہ مہدی کا بیٹا ہادی ہے۔ تخت نشین ہونے والا ہادی کا بھائی ہارون الرشید ہے اور پیدا ہونے والا ہارون الرشید کا بیٹا مامون رشید ہے

معزول کیوں کیا؟

''خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کر دیا گیا۔''

یہ خبر مسلمانوں کے لئے حد درجے حیرت اور اچھنبے کی تھی۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے اور ان دنوں فتح پر فتح حاصل کرتے چلے جا رہے تھے، ان کی فتوحات کا سلسلہ تو کسی کے روکے نہیں رک رہا تھا، پھر یہ کیا ہوا کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں معزول کر دیا۔

مسلمان اس پر جتنے حیران ہوتے، کم تھا، آخر یہ سوال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا گیا۔ انہوں نے اس سوال کا جواب یہ دیا:

''خالد کو معزول کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ بے موقع سخاوت کر جاتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی نظر خالد بن ولید پر زیادہ ہو گئی تھی، لوگ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ ہمیں فتوحات خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ اس سے ان کے گمراہ ہونے کا اندیشہ تھا، سو میں نے انہیں معزول کر دیا۔''

آپ نے ان کی جگہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ یہ بھی اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میدان جنگ میں موجود تھے، وہیں انہیں یہ حکم ملا۔

یہ بہت تجربہ کار، بہادر عابد اور زاہد بزرگ تھے مگر جنگی معاملات میں خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی مہارت ان میں نہیں تھی جب کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بہادر، دلیر اور جنگ کے ماہر تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

''لوگوں کی نظر خالد بن ولید پر پڑنے لگی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، مجھے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں خالد پر نظر کرنے کی وجہ سے اللہ کی نصرت

میں کمی نہ آ جائے۔“

یہ تھی ہمارے اکابر کی سوچ۔ مطلب یہ کہ تدبیر ضرور اختیار کرو مگر تدبیر کو قبلہ کعبہ نہ بنالو، نظر ہر حال میں اللہ پر ہو۔

اگر آپ نے چوتھی دفعہ شراب پی لی تو نبوت کا دعویٰ کر دیں گے

عباسی خلیفہ (المہدی) عبادت کی غرض سے باہر نکلے ہوئے تھے کہ ان کا گھوڑا بدک کر بھاگ کھڑا ہوا، یہاں تک کہ وہ ایک اعرابی کے خیمہ تک پہنچ گئے اور اعرابی سے کہا: ضیافت کے لئے کچھ ہے کیا؟

تو اس نے ان کے لئے ایک روٹی نکالی، جو انہوں نے کھالی پھر تھوڑا سا دودھ بچا ہوا تھا وہ لا کر دیا، پھر چمڑے کے ایک برتن میں ان کے لئے انگور کی نچوڑی ہوئی شراب لے کر آیا، اسے پی کر انہوں نے اعرابی سے کہا:

کیا تم جانتے ہو میں کون ہوں؟

تو اس نے کہا: نہیں۔

تو انہوں نے کہا: میں امیر المومنین کا خادم خاص ہوں۔

اعرابی نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے منصب میں ترقی دیں، پھر دوبارہ نبیذ پلائی، انہوں نے پی لی۔

پھر کہا: اے اعرابی! کیا تم جانتے ہو میں کون ہوں؟

تو اعرابی نے کہا: آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ امیر المومنین کے خادم خاص ہیں!

تو خلیفہ نے کہا: نہیں میں امیر المومنین کی فوج کا سپہ سالار ہوں۔

تو اعرابی نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے ملک کو اور وسیع کریں اور آپ کی مرادیں پوری کریں، پھر تیسری مرتبہ نبیذ پلا دی۔

پی کر انہوں نے کہا: اے اعرابی! کیا تم جانتے ہو، میں کون ہوں؟

اس نے کہا: آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ امیر المومنین کی فوج کے سپہ سالار ہیں!
تو المہدی نے کہا: نہیں، میں تو امیر المومنین ہوں۔
اعرابی نے ان کے ہاتھ سے نبیذ کا برتن لے کر رکھ دیا اور بولا: بس بہت ہو گیا، اگر آپ نے چوتھی مرتبہ پی لی تو آپ اللہ کے نبی ہونے کا دعویٰ کرنے لگیں گے۔ یہ سن کر المہدی نے زوردار قہقہہ لگایا، پھر وہ بے ہوش ہو گئے! ان کے خدم و حشم وہاں پہنچے اور چاروں طرف سے گھیر لیا، تو خوف کے مارے اعرابی کا دل ہوا ہو گیا۔
المہدی نے اس سے کہا: تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، پھر اس کے لئے بہت سارے کپڑوں اور مال و دولت کا حکم دیا۔ (المستطرف ۲۳۳۲)

خلیفہ منصور کی نصیحت

خلیفہ منصور عباسی خلافت کا اہم ستون مانا جاتا ہے اس کی دانشمندی و تدبر نے عباسی حکومت کو ایک شاندار دور عطا کیا ہے اس کی سیاسی پالیسی اسلامی جذبہ سے معمور تھی۔ ایک موقعہ پر مہدی سے کہنے لگا۔ خدا کی نعمتیں شکر سے قائم رہتی ہیں۔
اپنا وصیت نامہ اس نے مرتب کرتے ہوئے لکھا۔
"بیٹا! امت محمدیہ کی حفاظت کرنا اس کے بدلے میں خدا تمہاری حفاظت کرے گا۔ خونریزی سے بچنا کیونکہ خدا کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ حلال چیزیں استعمال کرنا اس میں ثواب ہے اور دنیا میں بھی بھلائی ہے۔ خدا نے جو احکام بتلائے ہیں اس سے سر مو تجاوز نہ کرنا۔ عدل کے ساتھ حکومت کرنا اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا۔
منصور جہاں ایک اولوالعزم خلیفہ تھا، وہیں کفایت شعاری میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ ایک مرتبہ محل کے پھاٹک میں داخل ہوا تو کئی قندیلیں روشن تھیں پوچھا، کیا ان میں سے ایک قندیل کافی نہ تھی؟ اب آئندہ سے یہاں صرف ایک ہی قندیل روشن رہی۔

برکات بیت اللہ

ابوجہل اپنے غلام کو مارنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا، وہ بیت اللہ شریف میں داخل

ہو گیا ابو جہل بھی اندر داخل ہونا چاہتا تھا کہ اندھا ہو گیا۔ پھر اس نے وہاں سے تھوڑی سی خاک اٹھائی اور آنکھوں میں ڈال لی بینائی بحال ہو گئی۔

نوشیرواں اپنے وزیر اعظم بزرجمبر پر ناراض ہوا اور اسے مکہ مکرمہ میں قید کر دیا، ایک روز اس نے بیت اللہ شریف پر رحمت خداوندی کے نازل ہونے کا منظر دیکھا۔ اسی وقت اس نے اپنے ہاتھ بارگاہ خداوندی میں پھیلا دیئے اور عرض کیا! الٰہی اس گھر کی برکت سے مجھے رہائی نصیب فرما۔ اس کی دعا اس شان سے قبول ہوئی کہ نوشیرواں نے از خود آ کر رہا کیا۔ بزرجمہر اس کرامت کو دیکھ کر توحید پرست بن گیا۔

بیت اللہ شریف کی برکات و کرامت کا احاطہ زبان و قلم کے بس کی بات نہیں، اس کے اوصاف حدود قیود سے ماوریٰ ہیں۔

اپنی لاش کے دو ٹکڑے کروانے والی عورت

کتنے ستم کی بات ہے کہ ہلاکو خان خلیفہ وقت کی بیوی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ اس نیک خاتون کو ہلاکو خان کے اس ارادے کی اطلاع مل چکی ہے۔ اس تباہی و بربادی کے عالم میں اگر آج یہ منحوس واقعہ پیش آ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے کتنی ہی نوجوان عورتیں اس درندگی کا شکار ہو چکی ہیں۔

ملکہ نے جب یہ جان لیا کہ اب بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ ایک آخری تدبیر بھی اختیار کی جائے۔

ملکہ نے اپنی لونڈی سے کچھ کان میں کہا اور مطمئن ہو گئی کہ یہ آخری صورت تو یقیناً اس کو درندگی کا شکار نہ ہونے دے گی۔

جس کمرے میں ہلاکو خان بیٹھا ہے اسی میں ملکہ بھی لائی گئی ہے لیکن چہرے پر کسی قسم کا کوئی اضطراب اور پریشانی نہیں محسوس ہوتی ہے۔ سامنے دیوار پر لٹکتی ہوئی تلوار دیکھ کر ملکہ نے ہلاکو خان سے کہا۔ یہ خلیفہ کی خاص تلوار ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جب تک خلیفہ اس سے وار نہ کرے یہ کسی کو زخم تک نہیں پہنچا سکتی ہے اور اگر آپ کو یقین نہ ہو تو اس کا تجربہ بھی آپ کے سامنے کیئے دیتی ہوں۔

ہلاکو خان ملکہ کی ان باتوں سے سخت تعجب میں ہے اور اپنے شوق کا اظہار کرتا ہے۔ ملکہ نے اسی لونڈی کو اشارہ کیا ہے اور اس نے ایک بھرپور وار ملکہ پر کر دیا جس سے اس مقدس خاتون کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اس طرح اپنی جان گنوا کر اس نے اپنی آبرو کا بھرم قائم رکھا۔

ہلاکو خان اپنی ناکامی پر غصے سے بھر گیا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ قوم کی اس عظیم خاتون نے اپنی اس قربانی سے صنف نازک کے لئے عجیب مثال پیش کر دی اور انسان نما درندوں سے کہہ دیا کہ ہماری جان تو جا سکتی ہے لیکن تم لوگ اپنی درندگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے ہو۔ کبھی نہیں...... کبھی نہیں۔

بے مثال احسان کا انعام

انسپکٹر جنرل پولیس عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں امیر المومنین مامون الرشید کے ایوان خاص میں داخل ہوا تو انہوں نے فرمایا: عباس!

(میں نے کہا) لبیک یا امیر المومنین۔

اسے لے جاؤ اور علی الصبح میرے دربار میں پیش کرنا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیڑیوں، ہتھکڑیوں اور زنجیروں سے جکڑا ہوا بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے ماتحت پولیس ملازمین کو حکم دیا اور وہ اسے اٹھا کر حوالات کی طرف چلنے لگے۔ معاً مجھے خیال آیا کہ امیر المومنین نے جس غیظ و غضب اور سختی سے اسے حراست میں رکھنے اور علی الصبح پیش کرنے کا حکم دیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ میں اسے پولیس ملازمین کے سپرد کرنے کی بجائے اپنے گھر اپنی نگرانی میں رکھوں۔ چنانچہ میرے حکم کے مطابق ملازمین اسے میرے گھر میں نظر بند کر کے چلے گئے۔ پہر رات گزرنے کے بعد میں نے اسے بلایا اور اس سے پوچھا:

عباس: تو کون ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ اور تو کہاں سے آیا ہے اور تیرا قصور کیا ہے؟

قیدی: میں دمشق کا رہنے والا ہوں۔

عباس: اللہ رب العزت دمشق اور اس کے اندر رہنے والوں کو خیریت سے رکھے۔ تم کون سے قبیلے اور کس گھرانے سے تعلق رکھتے ہو؟

قیدی: تم کس کس قبیلے اور کون کون سے گھرانے کو جانتے ہو؟

عباس: تو فلاں قبیلے کے فلاں آدمی کو جانتا ہے؟

قیدی: جب تک آپ مجھے اس آدمی سے اپنی دلچسپی کا سبب نہ بتائیں گے اس وقت تک میں آپ کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتاؤں گا۔

عباس: اس آدمی سے میری دلچسپی کا سبب سنو۔ میں کسی دور میں میں، گورنر دمشق کا افسر تھا۔ وہاں کے لوگوں نے گورنر کے خلاف بغاوت کر دی۔ معاملے کی سنگینی دیکھ کر گورنر دمشق پنجرے میں لٹک کر قلعے سے اترا اور اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ ان فرار ہونے والوں میں، میں بھی تھا۔ میرے پیچھے لوگوں کا جتھا مسلسل دوڑ رہا تھا۔ البتہ میں انتہائی تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا ان کی دسترس سے نکل کر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس دوران میں اس آدمی کے گھر کے سامنے سے گزرا تو اس سے درخواست کی کہ اغثنی اغاثک اللّٰہ۔

اس نے مجھے اپنے محل نما مکان میں داخل ہوا تو اس کی بیوی نے مجھے فوراً مقصورہ (میاں بیوی کا خاص حجرہ) میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ اسی دوران مجھے مکان کے گیٹ پر لوگوں کا شور وغل سنائی دیا جو مالک مکان سے کہہ رہے تھے کہ واللہ وہ شخص تیرے گھر میں داخل ہوا ہے۔ اس نے کہا تلاشی لے لو نا۔ چنانچہ لوگ اندر داخل ہو گئے اور انہوں نے مقصورہ کے علاوہ باقی گھر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ پھر وہ آپس میں مشورہ کر کے کہنے لگے کہ وہ اس مقصورہ میں ہو گا۔ تو مارے خوف کے میرے ٹانگیں کپکپانے اور دل پھڑ پھڑانے لگا تو اس کی بیوی نے جو کہ میرے پاس کھڑی تھی، جرأت کی اور انہیں سخت سست کہا۔ جس کی وجہ سے انہیں اندر داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ باہر نکل گئے اور مجھ پر ایسا خوف اور وحشت طاری ہو رہی تھی کہ میری ٹانگیں میرا بوجھ برداشت کرنے سے جواب دے گئیں۔ وہ آدمی باہر دروازے پر کھڑا ہو گیا اور اس کی بیوی مجھے حوصلہ دینے لگی کہ ڈرو نہیں، آرام سے بیٹھ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے محفوظ کر لیا ہے۔ اب آپ امن وسکون سے رہیں۔ جس پر میں نے ان کو ڈھیروں دعائیں دیں۔

اس کے بعد وہ اللہ کا بندہ مجھ پر مسلسل لطف وکرم اور محبت ومودت کے یادگار موتی برساتا رہا کہ اس نے میرے اندر بیگانگی کا احساس ختم کر دیا۔ اس نے مجھے اپنے محل میں ایک

الگ مکان دے دیا اور مجھے ضروریات زندگی اتنی وافر مقدار میں مہیا کیں اور صبح و شام میری ایسی خبر گیری کی کہ مجھے تمام دکھ بھول گیا۔ چنانچہ میں نے اس کے ہاں زندگی کے بہترین چار ماہ گزارنے کے بعد اس سے اجازت طلب کی کہ اب فتنہ دب گیا ہے اور شہر پرسکون ہے اور میں اپنے غلاموں کا اتا پتہ کرلوں۔

چنانچہ اس نے واپس آنے کا وعدہ لے کر اجازت دے دی۔ میں شہر گیا اور غلاموں کا پتہ نہ پا کر واپس آ گیا۔ اس دوران میری بے مثال اور انتھک خدمت کرنے کے باوجود اس نے نہ میرا نام پوچھا نہ پتہ نہ عہدہ بلکہ وہ مجھے میری کنیت سے بلاتا تھا۔

ایک روز میں نے اس سے بغداد جانے کی اجازت مانگی تو اس نے خوشی سے اجازت دینے سے قبل مجھ سے کہا کہ میں بغداد جانے والے قافلے کا پتہ کرآؤں اور جس روز وہ روانہ ہو اس روز آپ کو الوداع کہوں۔ پھر میں نے اس سے عہد کیا کہ اتنی مدت کے حسن سلوک اور ہمدردی کی بنا پر میں تیرے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر آپ کے احسان کو نہ بھولوں گا۔ اور حسب طاقت اس کا بہترین صلہ دوں گا۔

اس کے بعد اللہ کے اس نیک بندے نے اپنے غلام کو سفر کے لئے گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا اور خود سامان سفر تیار کرنے لگ گیا۔ میں سمجھا کہ وہ خود کہیں جانے کا پروگرام بنا رہا ہے لیکن سارے دن کی دوڑ دھوپ کے بعد وہ رات کو بمشکل سویا ہوگا اور علی الصبح مجھے خبر دی کہ آج قافلہ بغداد روانہ ہونے والا ہے۔ اٹھو اور تیاری کرو اور میں نہیں چاہتا کہ آپ اکیلے جائیں۔ اس دن نہ تو میرے پاس سواری تھی نہ زادراہ۔

میں اسی سوچ میں تھا کہ وہ شریف انسان میرے لئے اعلیٰ اور نفیس ملبوسات اور نئے جوتوں کا جوڑا لایا۔ تلوار اور پیٹی لا کر میری کمر سے باندھ دی پھر اعلیٰ نسل کے خچر پر دو بھرے ہوئے بکس رکھے اور اس پر بستر بچھا دیا اور مجھے گھوڑے پر سوار کر کے ایک غلام بھی ساتھ دیا کہ وہ سواری ہانکے گا اور راہ میں خدمت بجا لائے گا۔ پھر وہ اور اس کی بیوی چند فرلانگ مجھے الوداع کہنے کے لئے میرے ساتھ چلے اور مجھ سے خدمت میں کسی بھی قسم کا قصور معاف کرانے لگے۔ سچ پوچھو تو اس وقت میرا دل رونے لگا، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

میں نے ڈبڈباتی آنکھوں سے انہیں واپس بھیجا اور کئی دنوں کا سفر طے کرنے کے بعد

بغداد پہنچا اور امیر المومنین کی خدمت کی بنا پر اس کا پتہ لینے سے قاصر رہا۔ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ شاید میں اس کے احسان کا بدلہ دے سکوں۔

قیدی: اللہ رب العزت نے تجھے اس حسن سلوک کا بدلہ دینے کا سنہری موقعہ عطا کیا ہے۔

عباس: وہ کیسے؟

قیدی: اللہ کے نیک بندے وہ شخص میں ہی تھا اور میرے اس حال نے تجھ پر میری شناخت اوجھل کر دی ہے۔

یہ سن کر عباس کا دل قابو سے باہر ہو گیا اور دیوانہ وار اٹھا اور بیڑیوں سمیت اسے اٹھا کر سینے لگا کر اس کے سر کو بوسے دینے لگا اور پوچھا:

عباس: آپ اس نوبت تک کیسے پہنچے؟

قیدی: دمشق میں تیرے دور جیسا فتنہ برپا ہوا اور اس کا الزام میرے سر دھر دیا گیا اور مجھے گرفتار کر کے اس قدر تشدد کیا گیا کہ مجھے زندگی کی امید نہ رہی۔ پھر مجھے زندگی کی امید نہ رہی۔ پھر مجھے زنجیروں میں جکڑ کر یہاں امیر المومنین کے دربار میں پہنچا دیا گیا اور ان کے ہاں میرا جرم اس قدر بھیانک ہے کہ وہ لامحالہ مجھے قتل کرا دیں گے اور جس حال میں میری گرفتاری عمل میں آئی، اس نے مجھے وصیت کرنے کا بھی وقت نہ دیا۔ میرے پیچھے میرا غلام آیا ہے اور وہ بغداد میں میرے ملنے والوں کے گھر میں موجود ہے تاکہ میرے گھر والوں کو میرا انجام بتا سکے۔ اگر آپ اس احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں تو اسے بلائیے تاکہ میں موت سے پہلے اس وصیت کر سکوں۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو عہد وفا پورا ہو گیا۔ عباس اللہ خیر کرے گا!

پھر عباس نے راتوں رات لوہار طلب کر کے اس کے ہاتھ پاؤں سے زنجیر، طوق اور بیڑیاں کٹوائیں اور گھر کے حمام میں غسل کرایا اور اسے عمدہ لباس پہنا کر اس کے غلام کو بلوایا۔ جب غلام گھر میں داخل ہوا تو دمشقی آقا اور محسن اپنے غلام کو دیکھ کر رونے لگا اور وصیت کر دی۔ پھر عباس نے اپنے نائب کو بلا کر ہدیے لانے اور گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ اسے انبار تک چھوڑ آئے۔

قیدی: عباس دیکھو امیر المومنین کے ہاں میرا جرم نہایت بھیانک ہے۔ اگر میں فرار ہو

بھی گیا تو وہ مجھے اپنے لاؤ لشکر کے ذریعے پکڑ لیں گے اور قتل کرا دیں گے۔

عباس: تم نجات پاؤ اور مجھے اپنے کام کی تدبیر کرنے دو۔

قیدی: واللہ! میں بغداد سے باہر نہیں جاؤں گا اور مسلسل تیری خبر رکھوں گا اور معاملہ کٹھن ہوا تو حاضر ہو جاؤں گا۔

عباس: چلو اگر تمہارا ارادہ یہی ہے تو بغداد کے فلاں محلے میں ٹھہرو۔ اگر میں سلامت رہ گیا تو خبر کر دوں گا ورنہ خود قتل ہو کر آپ کے احسان کا بدلہ چکا سکوں گا۔

پھر عباس نے اپنے متعلق سوچنا شروع کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ موت۔ یقینی ہے کفن تیار کر لیا جائے اور غسل کر کے حنوط لگایا جائے۔ چنانچہ اس نے طلوع فجر سے پہلے غسل کیا اور حنوط لگا کر کفن تیار کر لیا۔ نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی امیر المومنین کا حکم آیا کہ آدمی کو لے کر ایوان شاہی میں پہنچو۔ جب عباس وہاں پہنچا تو امیر المومنین نے پوچھا ''عباس! مجرم کہاں ہے؟'' (عباس کی خاموشی پر)

امیر المومنین: افسوس مجھ پر، اگر تو نے کہا کہ وہ فرار ہو گیا ہے تو تیرا سر قلم کرادوں گا۔

عباس: نہیں امیر المومنین وہ فرار ہرگز نہیں ہوا بلکہ آپ تھوڑی دیر کے لئے میرا اور اس کا قصہ سن لیجئے اور پھر جو جی میں آئے کر گزریئے۔

اس کے بعد انسپکٹر جنرل عباس نے اپنی اور اس کی مکمل روداد سنائی اور عرض کیا اگر آپ مجھ سے درگزر فرمائیں تو میں نے اس محسن سے حق وفا ادا کر دیا۔ اگر آپ مجھے اس پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہیں تو میں غسل کر کے حنوط استعمال کر چکا اور میرا کفن میری بغل میں ہے۔

مامون: اللہ تجھے تیرے احسان کی جزا نہ دے، تیرا احسان بھلا کب اس کے درجے کو پا سکتا ہے کیونکہ تو نے پہچاننے کے بعد احسان کیا اور اس نے بغیر جانے پہچانے۔ مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تیری طرف سے میں خود اس کے احسان کا بدلہ دیتا۔

عباس: امیر المومنین وہ ابھی دارالحکومت بغداد میں موجود ہے تا کہ میرے معاملے کی خبر رکھے۔ اگر مجھے جان کا خطرہ درپیش ہو تو وہ میری جگہ پیش ہو کر اپنی گردن کٹوا دے۔

مامون: یہ اس کا تجھ پر دوسرا احسان ہے جو پہلے سے بھی بڑا ہے۔ جا اور اسے میرے

پاس آتا کہ تیرے اوپر ہونے والے احسان کا صلہ میں خود ادا کروں۔

چنانچہ عباس اس کے پاس گیا اور خوشخبری سنائی کہ آپ کا خوف دور ہونا چاہئے کہ امیر المومنین نے یوں کہہ کر آپ کو طلب کیا ہے۔ اس نے کہا الحمدللہ شکر ہے اس ذات کا جس کے سوا تنگیوں اور مشکلات کو کوئی دور نہیں کر سکتا، وہی حمد کے لائق ہے۔

پھر وہ سوار ہو کر امیر المومنین کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اپنے قریب بٹھا کر گفتگو کی اور اس کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ پھر اسے دمشق کی گورنری پر متعین کرنا چاہا جسے اس نے شکریے کے ساتھ نامنظور کیا پھر اس کو خلعت فاخرہ دے کر الوداع کیا اور دمشق کے گورنر کو اس سے حسن سلوک کا حکم دیا۔

خلیفہ کا خطبہ کنویں کے کھنڈر میں

خلیفہ متوکل نے اپنے درباریوں سے کہا ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ مسلمان، حضرت عثمان غنی سے کیوں ناراض ہو گئے تھے؟''

حاضرین نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو خلیفہ متوکل نے ان اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ''اس ناراضگی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو وہ منبر پر حضور ﷺ کے مقام سے ایک سیڑھی نیچے کھڑے ہوئے۔

پھر عمر فاروق خلیفہ ہوئے مگر عثمان غنی خلیفہ ہوتے ہی منبر کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ مسلمان ان کے اس طرز عمل کو برداشت نہ کر سکے۔''

حاضرین نے خلیفہ متوکل کی اس نکتہ طرازی کی بہت تعریف کی مگر علامہ عباد نامی ایک شخص کھڑا ہو گیا اور بڑے ادب کے ساتھ خلیفہ سے مخاطب ہوا:

> ''امیر المومنین! آپ پر عثمان غنی کا بڑا احسان ہے۔ اگر وہ منبر کے اوپر چڑھ کر خطبہ نہ دیتے، حضرت عمر کے مقام سے ایک سیڑھی نیچے نہ کھڑے ہوتے اور پھر یہ سلسلہ بعد میں آنے والے خلفاء تک جاری رہتا تو آپ کو جلولا کے کنوئیں میں اتر کر خطبہ دینا پڑتا۔''

اس حاضر جوابی پر درباریوں کے ساتھ خلیفہ متوکل بھی ہنسنے لگا۔

حسن کلام کی بدولت جان بچ گئی

حجاج بن یوسف کے سامنے ایک خارجی کو لایا گیا۔ حجاج نے فوراً اس کی گردن مار دینے کا حکم دے دیا۔

سپاہی جب اسے کھینچ کر لے جانے لگے تو خارجی نے کہا ''میری درخواست ہے کہ مجھے آج کی بجائے کل قتل کر دیا جائے۔''

حجاج نے خارجی کی التجا سن کر کہا ''جب قتل تیرا مقدر بن چکا ہے تو پھر ایک دن کی تاخیر سے کیا فائدہ؟''

خارجی نے جواب دیا ''امیر فطری طور پر رحم دل ہیں۔ یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ امیر کی رحم پر قہر غالب آ گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ رات گزرتے ہی امیر کا فطری جذبہ لوٹ آئے گا۔ آئینے پر گرد و غبار زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔''

خارجی کا جواب سن کر حجاج سناٹے میں آ گیا اور پھر یہ کہہ کر خارجی کو آزاد کر دیا۔ تیرے حسن کلام نے تجھے بچا لیا۔

سلطان فیروز کا شوق عجائبات

سلطان فیروز شاہ تغلق کو نوادرات جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اگر ایک طرف وہ قیمتی پتھر اور دیگر نایاب اشیاء اپنے خزانے میں رکھتا تھا تو دوسری طرف اس نے ایک عجائب خانہ بھی تعمیر کرایا تھا جس میں بعض زندہ چیزیں ایسی تھیں کہ جن کے بارے میں پڑھ کر آج بھی حیرت ہوتی ہے۔

سلطان کے دور میں ایک ایسا کوا لایا گیا جس کا پورا جسم عام کوؤں کی طرح سیاہ تھا لیکن اس کی چونچ اور پنجے بالکل سرخ تھے۔

فیروز شاہ تغلق کے دربار میں دو طویل القامت انسان پیش کیے گئے۔ ان کا قد اس قدر لمبا تھا کہ موجودہ عہد کا دراز ترین شخص بھی ان کی کمر تک پہنچتا۔ دونوں کو ''منکہ'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ سلطان نے بہت دن تک انہیں اپنے محل میں رکھا اور شہر میں پھرایا تا کہ دوسرے

لوگ بھی خدا کی قدرت کا تماشا دیکھیں۔ جب وہ چلتے تھے تو ایسا لگتا تھا جیسے دو مینار حرکت کر رہے ہیں۔

اسی طرح سلطان کے دربار میں دو عجیب الخلقت عورتیں پیش کی گئیں۔ وہ دونوں ہر اعتبار سے مکمل عورتیں تھیں۔ بس ان کی شخصیت کا حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ دونوں کے چہروں پر سرخ رنگ کی لمبی داڑھیاں تھیں۔ ویسے ان کے جسم کی رنگت سیاہ تھی۔

پرانے بادشاہوں میں بزرگوں کا ادب

ایرانی بادشاہ شاہ عباس صفوی نے ایک شخص کی جو خوبصورتی میں بے مثال ہونے کے ساتھ انتہائی ذہین بھی تھی کو زبردستی اپنے حرم شاہی میں داخل کرلیا اس کا بھائی ہر طرف سے مایوس ہوکر اپنے وقت کے عظیم ولی اور عالم حضرت شیخ احمد کے پاس گیا۔

شیخ احمد نے ساری داستان سن کر بادشاہ کے نام رقعہ لکھا کہ برادر شاہ عباس اس شخص کی بہن کو واپس کردو۔

جب یہ رقعہ لے کر شاہ عباس کے پاس گیا تو شاہ عباس نے کہا ایران کے بادشاہوں میں مجھ سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہیں گزرا جس کو مملکت ایران کے روحانی بادشاہ نے لفظ برادر سے مخاطب کیا ہو۔ شاہ عباس نے وہ رقعہ اپنے خزانچی کو دیتے ہوئے کہا اس رقعہ کو میری وفات پر میرے کفن کے ساتھ بطور تعویذ رکھنا اور اس شخص کی بہن کو فوراً بھائی کے ساتھ واپس کردیا۔

نیک دل حاکم اندلس

اندلس کا حکمران ہشام ایک نیک، عادل اور نفیس آدمی تھا۔ مسجد قرطبہ کا مشہور پل اسی نے تعمیر کروایا تھا۔ پل بننے کے بعد ایک دن اس نے اپنے وزیر سے دریافت کیا میرے بارے میں لوگ کیا رائے رکھتے ہیں؟''

وزیر نے دست بستہ جواب دیا ''اعلیٰ حضرت! اگر گستاخی نہ ہو تو عرض کروں، چونکہ آپ شکار کھیلنے کے بے حد شوقین ہیں اس لئے لوگ کہتے ہیں آپ نے یہ پل صرف اس وجہ سے تعمیر کرایا ہے کہ آپ اس سے گزر کر شکارگاہ کی طرف جاسکیں۔''

ہشام نے اس انکشاف کا گہرا اثر قبول کیا اور اس دن کے بعد کبھی شکار کھیلنے نہیں گیا۔ اس کی تمام توجہ قوم کی فلاح و بہبود اور فوجی طاقت بڑھانے پر صرف ہونے لگی۔ ان دنوں امام مالک مدینے میں رہتے تھے۔ وہ کہتے تھے ''کاش ہمارا خلیفہ بھی ہشام جیسا ہوتا۔''

خلیفہ وقت کا کھانا

رمضان شریف میں ایک روز ہاشم بن قاسم خلیفہ المہتدی باللہ کو ملنے گئے۔ جب وہ واپس چلنے لگے۔ تو خلیفہ نے کچھ دیر اور بیٹھنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ بیٹھ گئے۔ روزہ افطار کر کے خلیفہ نے نماز پڑھائی۔

نماز سے فارغ ہو کر خلیفہ نے کھانا منگایا۔ خادم بید کی ایک ٹرے میں کھانا لایا۔ جس میں میدہ کی روٹیاں۔ کچھ نمک۔ سرکہ اور زیتون کا تیل تھا۔

خلیفہ نے ہاشم بن قاسم کو بھی کھانے میں شریک کر لیا۔ ہاشم نے مختصر سا کھانا دیکھ کر یہ خیال کیا کہ مزید کھانا ابھی آئے گا۔ اس لئے آہستہ آہستہ کھانے لگے۔ خلیفہ تاڑ گیا اور پوچھا۔

''تم روزہ سے نہیں تھے؟''

ہاشم نے جواب دیا۔ ''میں روزہ سے تھا۔''

خلیفہ نے کہا۔ ''کل روزہ نہیں رکھو گے۔''

ہاشم بولے۔ ''رمضان شریف کا مہینہ ہے۔ کیوں نہ رکھوں گا؟''

خلیفہ نے کہا۔ ''تو اچھی طرح سے کھاؤ اور یہ نہ سمجھو کہ اور کھانا آئے گا۔ ہمارے ہاں اس کھانے کے سوا اور کھانا اس وقت گھر پر موجود نہیں۔''

یہ سن کر ہاشم بن قاسم بہت حیران ہوئے اور پوچھا۔ ''یا امیر المومنین۔ یہ کیا؟ بفضل تعالیٰ آپ کو سب نعمتیں میسر ہیں؟''

خلیفہ نے بتلایا۔ ''اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر جب میں نے بنو امیہ کے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حالات کا بغور مطالعہ کیا تو دیکھا کہ آپ کم کھاتے تھے اور رعایا کی زیادہ فکر کرتے تھے اس وجہ سے لاغر بھی ہو گئے تھے اور جب میں نے اپنے خاندان پر نظر دوڑائی تو مجھے بہت غیرت آئی کہ ہم لوگ بنی ہاشم ہو کر ان جیسے بھی نہ ہوں۔''

اسی تفکر کا نتیجہ تھا کہ آپ زاہد و عابد ہونے کے علاوہ احکام الٰہی کے اجرا میں بہت سخت تھے۔ مگر اب مسلمانوں میں ایسی غیرت کہاں؟

نواب کا بدکار بیٹے سے چھ ماہ تک بات نہ کرنا

شجاع الدولہ اودھ کے نواب صفدر جنگ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے۔ شجاع الدولہ بنارس کی ایک عورت کے گھر دیوار پھاند کر جا گھسا۔ گھر کے لوگوں کی آنکھ کھل گی انہوں نے فوراً اسے پکڑا اور اسی وقت کوتوال کے پاس لے گئے۔ کوتوال نواب کے بیٹے کو ملزم کی حیثیت سے دیکھ کر شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ شجاع الدولہ سے کیا سلوک کرے۔ آخر وہ نواب صفدر جنگ کے محل پہنچا اور نواب کو نیند سے جگا کر یہ واقعہ سنایا۔

نواب کو غصہ آ گیا۔ اس نے کوتوال سے کہا ''کوتوال! معلوم ہوتا ہے تجھے اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں ورنہ تو آدھی رات کو مجھے نہ جگاتا۔ تجھے خود معلوم ہونا چاہئے کہ غنڈوں سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔''

کوتوال تھانے پہنچا۔ اس نے شجاع الدولہ کو ایک عام ملزم کی طرح زدوکوب کر کے قید میں ڈال دیا۔ سات روز کے بعد شجاع الدولہ کو نواب صفدر جنگ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نواب نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو حقارت سے منہ پھیر لیا اس کے بعد اس نے چھ ماہ تک اس سے بات نہیں کی۔

اسلام کی تڑپ

قیصر روم کی طرف سے سفیر آتا ہے۔ آ کر کہتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو دیکھنے کے لئے آئے ہیں...... اور وہ مسلمانوں کو دیکھ کر گیا۔ جا کر اس نے کہا۔ ''میں نے روئے زمین پر ایسے دیوانے نہیں دیکھے جو حضور اکرم ﷺ کے وضو کا پانی تک زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ ایسے دیوانے میں نے نہیں دیکھے۔''

تری میں خشکی میں ایشیاء میں افریقہ میں یہی مسلمان...... پہلی صدی میں...... جہاں

جہاں جا سکتے تھے جا کر اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔ چین اگر چہ ہے ایشیاء میں لیکن آپ کو معلوم ہے مکہ سے کتنا دور ہے۔

فاتح اسپین طارق کی بہادری

مسلمان ۱۲۰۰۰ کافر ۱۵۰۰۰۰

اسپین میں عیسائیوں کو جنرل طارق کے ہاتھوں جب پے در پے شکستیں ہوئیں۔ تو عیسائی سپہ سالار نے راڈرک شاہ اسپین کو خط لکھا کہ:

''میں بذات خود عربوں کے حملوں کی تاب نہیں لا سکا اس لئے میدان چھوڑ کر چلا آیا ہوں۔ اگر آپ بہ نفس نفیس اس جنگ کا قصد فرما دیں۔ تو ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔''

اس وحشت ناک خبر کے سنتے ہی شاہ اسپین پریشان ہو گیا اور تقریباً ایک لاکھ عیسائیوں کا ٹڈی دل مسلمانوں کے مقابلہ میں لے آیا۔

جنرل طارق بھی پانچ ہزار کی مزید کمک منگا چکے تھے۔ اس وقت بقول ''لین پول'' طارق کے پاس کل فوج بارہ ہزار سے کسی صورت میں زیادہ نہ تھی۔ حالانکہ شاہ راڈرک کے پاس اس سے چھ گنا مسلح فوج تیار تھی۔

رمضان المبارک کے ختم ہونے میں ابھی دو روز باقی تھے کہ بروز یکشنبہ طارق اپنی فوج کی صفیں جما کر دشمن کے مقابلہ میں آئے۔ عیسائی بھی پوری جوش وخروش کے ساتھ آہنی دیوار کی مانند سامنے کھڑے تھے۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے اس بے جگری سے مقابلہ کیا کہ شاہ راڈرک کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے۔

''یہ انسان نہیں ہیں۔ بلکہ دیو یا فرشتے ہیں۔''

آٹھ روز کی مسلسل خونریز جنگ کے بعد شوال ۹۲ ہجری کو بارہ ہزار کی قلیل فوج نے تقریباً ایک لاکھ کی کثیر فوج کو ایسی شکست فاش دی کہ شاہ راڈرک کو میدان سے جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ جب کچھ اطمینان کی فضا قائم ہوئی تو شاہ اسپین کی جوتی اور گھوڑا وادی ملکتہ کے کنارے

سے ملے۔ لیکن لاش دستیاب نہ ہوسکی۔ کیونکہ وہ شرم کے مارے دریا میں ڈوب مرا تھا۔ اور موجوں نے کہیں دور لے جا کر اسے انسانی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔

اس وقت کی صاحب ایمان اقلیت کا آج کی بے عمل اقلیت سے کیا مقابلہ! جو کروڑوں کی تعداد میں ہوں کے باوجود خائف وہراساں ہے۔

سلطان کے رحم وکرم کا اثر

۶۹۱ھ میں چنگیز خاں کا نواسا الغوفکان ایک لاکھ تا تاریوں کی فوج لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ سلطان جلال الدین خلجی ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ کرنے کو نکلا اور ''ہرام'' کے نواحی علاقے میں دریا کے کنارے پڑاؤ کیا یہ جگہ پڑاؤ کے لئے بہت مناسب تھی کیونکہ دریا کے دوسرے کنارے تاتاری لشکر خیمہ زن تھا اور حملہ کی تیاری میں سرگرم تھا۔

بلا تاخیر اگلے دن الغوخاں نے حملہ کر دیا۔ سلطان کی فوج نے نہایت بہادری کے ساتھ تاتاریوں کے حملے روک کر جوابی حملہ کیا۔ گھمسان کی جنگ کے نتیجے میں سلطان فتح یاب ہوا۔ بے شمار مغل (تاتاری) مقتول ہو گئے اور ان کے دو ہزار نامی گرامی سردار اور امراء گرفتار ہوئے۔

الغوخاں نے مجبور ہو کر سلطان کو صلح کی پیش کش کر دی۔ ملاقات کے وقت الغوخاں نے سلطان کو باپ کہہ کر تعظیم دی پھر سر جھکا کر بولا کہ ''میں نے آپ پر ناجائز حملہ کیا ہے اور اپنی اس غلطی پر ندامت ہے اس لئے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔''

سلطان نے الغوخاں کو بہادر بیٹا کہہ کر سینہ سے لگالیا پیشانی کو چوم کر کہا الغو بیٹا ہم بہادروں کی قدر کرتے ہیں اور تم پر رحم کھاتے ہوئے معاف کر دیا۔

پھر سلطان نے حکم دیا کہ تمام قیدی عزت واحترام کے ساتھ رہا کئے جائیں۔ سلطان نے الغوخاں کو اپنے پاس بٹھایا اور اس کی دلجوئی کی باتیں کرنے لگا۔ سلطان نے اپنے وزراء امراء سے کہا اپنے معزز مہمانوں کے اعزاز میں شاندار دعوت کا اہتمام کیا جائے سب نئی پوشاکیں پہنائی جائیں الغرض ہر لحاظ سے الغوخاں کی عزت افزائی کی۔

الغوخاں نے سلطان کے رحم وکرم اور فیاضانہ سلوک کو دیکھ کر کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پڑھا۔ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ دیکھ کر الغوخاں کے تمام لشکریوں نے بھی کلمہ پڑھا اور سب مسلمان ہو گئے۔ بعد میں الغوخاں کو سلطان نے اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ بڑی دھوم دھام کے ساتھ اپنی چہیتی بیٹی کا نکاح الغوخاں سے کر دیا۔

الغوخاں اور اس کے ساتھی ''نومسلم'' کے خطاب سے مشہور ہوئے انہوں نے غیاث پور کو (جہاں شیخ نظام الدین اولیاء کا مزار مبارک ہے) اپنا مستقر قرار دیا اور اس مقام کو مغلپورہ کے نام سے موسوم کیا۔

میں نے اس دن سے بھی زیادہ گرم دن کے لئے روزہ رکھا ہے

ایک سال حجاج نے فریضہ حج ادا کیا اور پانی کے ایک چشمہ کے کنارے پڑاؤ ڈال کر کھانا لانے کا حکم دیا اور اپنے دربان سے کہا: جاؤ اور دیکھ کر ایک ایسا آدمی میرے پاس لے آؤ جو میرے ساتھ کھانے میں شامل ہو اور میں اس سے کچھ پوچھوں۔

دربارن نے باہر نکل کر نظر دوڑائی تو اسے ایک اعرابی نظر آیا جو دو چادریں لپیٹے سو رہا تھا، اس نے پاؤں سے اسے ٹھوکر ماری اور کہا: امیر بلاتے ہیں۔

وہ اعرابی آیا تو حجاج نے کہا: ہاتھ دھو کر میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔

تو وہ بولا: مجھے اس نے دعوت دی ہے جو تم سے کہیں بہتر ہے اور میں نے اس کی دعوت قبول کر لی ہے۔

تو حجاج نے کہا: تمہیں کس نے دعوت دی ہے؟

وہ اعرابی بولا: اللہ تعالیٰ نے مجھے روزے کی دعوت دی اور میں نے روزہ رکھ لیا ہے۔

تو حجاج بولا: ایسے شدید گرمی والے دن میں!

تو وہ بولا: ہاں، میں نے اس دن سے بھی زیادہ گرم دن کے لئے روزہ رکھا ہے۔

تو حجاج نے کہا: افطار کر لو اور کل روزہ رکھ لینا۔

تو وہ اعرابی بولا: بشرطیکہ تم کل تک میرے زندہ رہنے کی ضمانت دے سکو۔

تو حجاج نے کہا: یہ میرے بس میں نہیں۔

تو وہ بولا: تو پھر تم مجھ سے آخرت کے بدلے دنیا کیسے طلب کر رہے ہو، جو کہ تمہارے بس میں نہیں؟

تو حجاج نے کہا: بہت مزیدار کھانا ہے۔

تو وہ بولا: نہ تو تم نے اسے مزیدار بنایا ہے، نہ روٹی بنانے والے، بلکہ اسے عافیت نے مزیدار بنایا ہے۔

تاریخ اسلامی کے حیرت ناک واقعہ

مسلمانوں کی نئی نسل جب واقعات عام پر نظر ڈالتی ہے تو اس کو دنیا کے بیشتر ممالک میں مسلمان مظلوم وستم پر نظر آتے ہیں۔ سرمایہ دری اور اشتراکیت جیسے غیر متوازن نظاموں میں یوں تو ہر جگہ نسلِ انسانی پر مظالم ڈھائے ہیں لیکن مسلمان ممالک خاص طور پر ان کی زیادتیوں کا شکار ہوئے ہیں اور آج اگرچہ سب اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور ہے اور مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہیں مختلف ناموں سے مختلف ممالک میں اسلامی شریعت مقتدر بنانے اور نافذ کرنے کے لئے گذشتہ نصف صدی سے متعدد سرگرم تحریکیں مصرف کار ہیں لیکن ایک نوجوان افغانستان، کشمیر، ہندوستان، مشرق وسطیٰ، فلسطین، قبرص، فلپائن اور دوسرے ممالک میں جب کمزور اور مظلوم مسلمانوں کے حالات اخبار میں پڑھتا ہے یا درد دل رکھنے والے افراد سے سنتا ہے تو رنجیدہ ہو جاتا ہے اور وہ ایسے عالم میں علامہ اقبال کے اس شعر پر عمل کرتا نظر آتا ہے کہ:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبیر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل شالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا
(اقبال)

آیئے! میں تاریخ اسلام کے اولین دور سے تین ایسے واقعات کا ذکر کرتا ہوں کہ جہاں

ایک فرد اور ایک خاندان کے لئے مسلمانوں کی حکومت وجود میں آئی اور ان کی حفاظت کے لئے بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں۔

پہلا واقعہ ۷۱۲ھ کا ہے جب ایک مسافر خاندان کو قید و بند سے نکالنے کے لئے عراق کے گونر حجاج بن یوسف نے راجہ داہر والی سندھ کو خط لکھا۔ راجہ داہر نے اس خط کا جواب توہین آمیز اور گستاخانہ انداز میں جواب دیا۔ حجاج بن یوسف نے امیر المومنین عبدالملک بن مروان کی اجازت سے اپنے نوجوان سترہ سالہ بھتیجے محمد بن قاسم کو چھ ہزار فوج دے کر مسلمان قیدوں کو چھڑانے کے لئے سندھ بھیجا اور مزید چھ ہزار فوج بعد میں امداد کے لئے بھجوادی محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو شکست فاش دی اور قیدیوں کو چھڑا کر برصغیر میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔

دوسرا واقعہ عباسی حکمران المعتصم کے زمانے میں ۸۴۲ھ کا ہے جب بازنطین کے رومی حکمران تیونیس نے مسلمانوں کے سرحدی شہر زیبانہ پر حملہ کیا اسے لوٹا اور مسلمانوں کو سیر کرلیا۔ خلیفہ معتصم بغداد کے قریب اپنی چھاؤنی میں فوج کا معائنہ کررہا تھا اس کو اطلاع ملی کہ رومی ایک مسلمان خاتون کو پکڑ کر لے جارہے تھے اور خاتون یا معتصم کی دہائی دے رہی تھی خلیفہ معتصم اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اس کی فوج اس کے پیچھے روانہ ہوئی اس نے رومی بادشاہ کو شکست فاش دی اور اس کی سفا کی کی اسے سزا دے دی اور قیدیوں کو آزاد کرالیا۔

تیسرا واقعہ سپین کا ہے جب اموی خاندان کے حکمران ہشام کے زمانے میں ابن ابی عامر المعروف صاحب المنصوری نے طاقت حاصل کر کے وزارت عظمیٰ کا عہدہ حاصل کرلیا تھا صاحب المنصور نے پچاس لڑائیوں میں عیسائیوں پر فتح حاصل کرلی تھی اور مسلمانوں کی قوت کا لوہا منوالیا تھا صاحب المنصور کا ایک نمائندہ عیسائی خواب عربیہ کی مملکت میں سرکاری کام کے لئے گیا جہاں اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ علاقہ کی سیر کرتے ہوئے سفیر کو معلوم ہوا کہ ایک گرجے میں ایک مسلمان خاتون کو قید کرلیا ہے اس نے واپسی پر صاحب المنصور کو اطلاع دے دی المنصور فوج لے کر عربیہ کے سر پر پہنچ گیا اور جب اس نے درخواست کی کہ میرا قصور کیا ہے؟ تو اسے بتایا گیا کہ اس نے عہد کیا ہے کہ مسلمانوں کو قید نہیں کروگے، گو ہے میں مسلمان خاتون قید کیوں ہے تو عربیہ نے معافی مانگی، گرجے کی تلاشی لی، خاتون کو آزاد کر

لیا اور گرجے کو مسمار کر کے رپورٹ صاحب المنصور کو بھجوادی۔

مندرجہ بالا تین واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد عروج میں مسلمانوں کی شوکت اور دبدبے کا کیا حال تھا۔ بقول حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

مسلمان اگر صحیح معنوی میں مسلمان بن جائے قرآن وسنت کی اطاعت کرنے لگے تو وہ سابقہ عہد عروج پھر واپس آ سکتا ہے اور پھر مسلمان کی عزت و ناموس کو دنیا کے بڑے بڑے جابر و ظالم نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

بنو عباس کے ہاتھوں بنو امیہ کا قتل عام اور باپ کے قاتل کی مہمان نوازی کرنے والا شخص

خاندان بنو امیہ کی سو سالہ حکومت ختم ہونے کے بعد بنو عباس اسلامی دنیا کے حکمران بنے اور صدیوں تک بڑی شان وشوکت سے حکومت کرتے رہے۔ اس خاندان کا پہلا خلیفہ ابو العباس عبداللہ سفاح تھا جو ۱۳۲ ہجری میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس نے شروع میں اپنے سے پہلے حکمران خاندان بنو امیہ کے ہزاروں لوگوں کو چن چن کر مار ڈالا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس نے اعلان کیا کہ بنو امیہ کے جو لوگ قتل ہونے کے ڈر سے کہیں چھپے ہوئے ہوں اگر وہ سیدھے میرے پاس پہنچ جائیں تو وہ میری پناہ میں ہوں گے اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

بنو امیہ کا ایک شہزادہ ابراہیم بن سلیمان بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔ وہ بیچارہ عرصہ سے عباسیوں سے اپنی جان چھپاتا پھرتا تھا۔ جسم کا خون خشک ہو چکا تھا اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا۔ اس نے خلیفہ سفاح کا اعلان سنا تو سوچا کہ اگر سفاح نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ مجھے قتل کر ڈالے گا لیکن جو میں زندگی گزار رہا ہوں وہ موت سے بھی بری ہے۔ یہ سوچ کر وہ ایک دن سفاح کے دربار میں حاضر ہو گیا۔

سفاح نے وعدے کے مطابق اسے اپنی پناہ دی اور اس سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔
باتوں باتوں میں سفاح نے ابراہیم سے پوچھا کہ تم ایک عرصہ سے بھاگتے اور چھپتے پھرتے ہو اگر اس مصیبت کے زمانے میں تمہیں کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو تو وہ ہمیں سناؤ۔

ابراہیم نے کہا:

''امیر المومنین اس زمانے میں مجھے ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ مجھے ایک ایسے شخص سے واسطہ پڑا کہ میں حیران ہوں کہ دنیا میں ایسے شریف لوگ بھی موجود ہیں۔''

سفاح نے کہا ''یہ واقعہ ہمیں ضرور سناؤ۔''

ابراہیم نے کہا ''بہت بہتر۔ ہوا کچھ یوں کہ جب حکومت آپ کے خاندان کے ہاتھ میں آئی اور بنوامیہ کے لوگوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو میں اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ کر دور ایک گاؤں میں چلا گیا اور وہاں ایک دوست کے مکان میں چھپ گیا۔ مکان کے اندر بند رہتے رہتے میں اکتا جاتا تو چہرے پر کپڑا ڈال کر مکان کی چھت پر چلا جاتا اور وہاں بیٹھ کر جنگل اور کھیتوں کا سبزہ دیکھتا۔ اس طرح میرا دل بہل جاتا۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ عباسیوں کا ایک فوجی دستہ سیاہ جھنڈے اٹھائے اس گاؤں کی طرف آرہا ہے۔ میں اپنی گرفتاری کے ڈر سے فوراً چھت سے اترا اور بھیس بدل کر اس گاؤں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ کئی دن ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتا رہا۔ بدقسمتی سے جدھر جاتا وہیں فوجیوں کو موجود پاتا۔ آخر تنگ آ کر شہر کوفہ پہنچ گیا۔ وہاں میں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ لیکن خیال تھا کہ اتنے بڑی شہر میں بنوامیہ کا کوئی نہ کوئی ہمدرد ضرور مل جائے گا اور میں اس کے پاس پناہ لے سکوں گا۔

اسی خیال سے میں ایک گلی میں گھس گیا۔ یہاں مجھے ایک بہت بڑا احاطہ نظر آیا جس کے اندر چلا گیا ور مکان کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک نوجوان اس احاطے میں داخل ہوا۔ وہ ایک خوبصورت عربی گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے ساتھ بہت سے نوکر چاکر تھے۔ اس نوجوان نے مجھے مکان کے دروازے پر کھڑے دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟

میں نے جواب دیا ''میں ایک پردیسی ہوں مجھے پناہ چاہیئے۔''

یہ سن کر وہ مکان کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ملازم باہر آیا اور مجھے مکان کے

اندر لے گیا۔ نوجوان نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا جاؤ اس کمرے میں ٹھہرو۔

میں اس کو سلام کر کے کمرے میں گیا تو دیکھا کہ اس میں نہایت عمدہ فرش بچھا ہے اور ضرورت کی ہر شے وہاں موجود ہے۔ کھانے کے وقت ملازم آتے اور کھانا کھلا کر چلے جاتے۔ نوجوان امیر بھی روزانہ ایک بار میرے کمرے میں آتا اور میری خیریت دریافت کرتا۔ اسی طرح کئی ہفتے گزر گئے میں حیران تھا اس نے کبھی میرے وطن اور عزیزوں کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ وہ ہر روز گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا اور دیر تک باہر رہتا۔ جب واپس آتا تو بہت مغموم دکھائی دیتا۔

میں نے ایک دن اس سے پوچھا وہ ہر روز سارا دن باہر کیوں گزار دیتا ہے اور جب وہ واپس آتا ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دن بھر دوڑ دھوپ کر رہے ہو اور تھک کر چور ہو چکے ہو آپ کو کیا فکر ہے اور کس چیز کی تلاش ہے؟

اس نے جواب دیا۔ چند سال ہوئے شہزادہ ابراہیم بن سلیمان نے میرے باپ کو قتل کر ڈالا تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیر المومنین سفاح کے خوف سے چھپتا پھرتا ہے میں اس کی تلاش میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ مل جائے تو میں اس سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لوں۔

یہ بات سن کر خوف سے میرا جسم کانپنے لگا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا میں اپنی قسمت پر حیران تھا کہ پناہ بھی ملی تو ایسے شخص کے گھر میں جو میری جان کا دشمن ہے۔

میں نے اس نوجوان سے اس کے باپ کا نام دریافت کیا اور اس کے مارے جانے کا سبب دریافت کیا۔ اس نے سارا حال تفصیل سے بیان کیا۔ جو کچھ اس نے بیان کیا وہ سب سچ تھا۔

میں نے کہا آپ نے مجھے اپنے گھر میں پناہ دی ہے اور نہایت کھلے دل سے میری خاطر مدارت کی ہے۔ آپ نے جو احسان مجھ پر کیا میں چاہتا ہوں کہ اس کے بدلے میں آپ کی کوئی خدمت کروں۔ آپ اگر چاہیں تو میں آپ کے والد کے قاتل کو آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں۔ آپ کو روزمرہ کی دوڑ دھوپ سے بچا سکتا ہوں۔

میری یہ بات سن کر اس نوجوان امیر کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور وہ بولا ”اگر تم یہ کام کر سکو تو میں تمہارا بہت شکر گزار رہوں گا۔“

یہ سن کر میں نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا جو بھیس بدل رکھا تھا اس کو اتار پھینکا اور کہا کہ میں ہی وہ شخص ہوں۔ میں نے آپ کے والد کو قتل کیا ہے اور میں ہی ابراہیم بن سلیمان ہوں۔

نوجوان امیر نے حیرانی سے مجھے دیکھا اور بولا تمہاری شکل تو ابراہیم بن سلیمان سے بہت ملتی ہے لیکن مجھے اس میں شک ہے کہ تم ہی وہ شخص ہو یا کوئی اور۔ ابراہیم تو ہٹا کٹا آدمی تھا مگر تم بالکل دبلے پتلے ہو۔

میں نے کہا خدا کی قسم میں ہی ابراہیم بن سلیمان ہوں جس کی آپ کو مدت سے تلاش تھی۔

امیر نے کہا میں تمہاری بات کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ تمہارا تعلق بنوامیہ کے خاندان سے ضرور ہوگا۔ اس لئے تم عباسیوں سے چھپتے پھرتے ہو۔ اس پریشانی اور مصیبت سے بہت کمزور اور دبلے ہو گئے ہو اور اپنی زندگی سے تنگ آ چکے ہو اب چاہتے ہو کہ اس بہانے سے میرے ہاتھوں مارے جاؤ۔ اس طرح تم میری مہمان نوازی کا بدلہ ادا کر دو اور دوسری طرف اپنی تکلیفوں اور پریشانیوں سے چھوٹ جاؤ۔

میں نے جواب دیا۔ ہرگز نہیں میں واقعی ہی ابراہیم بن سلیمان ہوں جس نے آپ کے باپ کو فلاں روز فلاں مقام پر قتل کیا تھا۔ پھر میں نے اس قتل کی تفصیلات بیان کیں۔ جب نوجوان امیر کو یقین آ گیا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ سچ ہے تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو گئیں۔

وہ دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ خیر تمہارا اور میرے باپ کا سامنا قیامت کے دن ہوگا۔ اس وقت میرا باپ ایسے حاکم سے انصاف مانگے گا جس سے کوئی بات بھی چھپی نہیں۔ وہ خوب جانتا ہے کہ میرا باپ قصوروار تھا یا تم نے ناحق اسے قتل کیا۔ وہ پورا پورا انصاف کرے گا۔ میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہیں پناہ دوں گا اور اپنے ہاں مہمان رکھوں گا۔ اب یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ میں اپنی پناہ میں آئے ہوئے مہمان کو قتل کر دوں لیکن مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ ہو سکتا ہے آئندہ کسی وقت میرا غصہ بھڑک اٹھے اور مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہے۔ ایسی حالت میں اگر میرے ہاتھ

سے تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو میں وعدہ توڑنے کا مجرم بن جاؤں گا۔
یہ کہہ کر نوجوان امیر فوراً مکان کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے کمرے میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی تھی۔ اس نے یہ تھیلی میرے سامنے رکھ دی اور کہا جب تک تمہاری مصیبت کا زمانہ ختم نہیں ہوتا اور جب تک اپنی جان بچانے کے لئے تمہیں چھپے رہنے کی ضرورت ہو اس روپے کو اپنی ضرورتوں پر خرچ کرنا۔
''میں نے کہا اے شریف انسان! آپ نے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے بڑی قربانی دی ہے اور مجھے معاف کر دیا۔ آپ کا یہی احسان حد سے زیادہ ہے۔ اب یہ اشرفیاں میں ہرگز نہ لوں گا۔''
یہ کہہ کر میں نے اسے سلام کیا اور دوبارہ بھیس بدل کر اس کے مکان سے نکل آیا۔
جب آپ کا اعلان سنا تو فوراً دربار میں حاضر ہو گیا۔ اے امیر المومنین میں نے ساری عمر ایسا شریف نیک اور وعدوں کو پورا کرنے والا دشمن کبھی نہیں دیکھا۔''
سفاح یہ قصہ سن کر بہت خوش ہوا اور دیر تک اس نوجوان کی شرافت دریا دلی اور وعدوں کو پورا کرنے کی تعریف کرتا رہا۔

یہ لوگ بھی حکمران تھے

سلطنت سلجوق کے بادشاہ ملک شاہ کا وزیر نظام الملک طوسی (۴۰۸ھ تا ۴۸۵ھ) اعلیٰ درجے کا مدبر، منتظم اور عالم و فاضل تھا، وہ مدارس نظامیہ کا بانی تھا۔ اس نے تعلیم کو عام کرنے کے لئے اس قدر مدرسے تعمیر کئے کہ بادشاہ نے ایک دن اسے بلا کر کہا ''بابا آپ (بادشاہ چھوڑی عمر کا تھا اس لئے وہ وزیر کو عزت سے بابا کہتا تھا) مدرسوں پر جو روپیہ خرچ کر رہے ہیں اگر وہ فوج پر کیا جائے تو دنیا فتح کی جاسکتی ہے۔''
نظام الملک نے اس موقع پر جو جواب دیا وہ آج بھی حکمت و دانش کا بہترین نمونہ ہے اس نے کہا ''بیٹا تم جو فوج بھرتی کرو گے اس کے نیزے چند گز سے زیادہ دور نہ جاسکیں گے لیکن میں اہل علم کی جو فوج تیار کر رہا ہوں اس کی سوچوں اور دعاؤں کے تیر آسمانوں کے بھی پار چلے جائیں گے۔''

یہ وزیر انتہا کا سخی تھا۔ گھر سے باہر نکلتا تو روپوں کی تھیلیاں لے کر نکلتا اور راستہ میں نظر آنے والے محتاجوں میں تقسیم کرتا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس کی سواری کسی سبزی فروش کی دکان کی طرف سے نکلی، وہ سبزی فروش تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں محتاج ہوں۔ میری آمدنی اہل وعیال کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ نظام الملک نے ملازم سے کہا کہ اسے ایک تھیلی دے دو۔ سبزی فروش نے اس پر دعا دی اور دکان سے اٹھ کر دوسرے راستہ پر جا بیٹھا اور ایک کپڑے سے پاؤں چھپا کر لنگڑا بن گیا اور نظام الملک سے کہا کہ میں اپاہج ہوں اولاد بہت زیادہ ہے اور روٹیوں سے محتاج ہو رہا ہوں۔

وزیر نے ملازم کو اشارہ کیا اور اس نے پھر ایک تھیلی دے دی۔ وہ سبزی فروش زرنقد لے کر یہاں سے بھی اٹھا نظام الملک کے پاس ہر شخص آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک عورت شکایت لے کر آئی۔ نظام الملک اس وقت دستر خوان پر تھا۔ حاجیوں نے روک دیا نظام الملک کو کسی طرح خبر ہوگئی۔ اس نے حاجیوں کو تنبیہ کی اور کہا ''میں نے تم کو غریبوں اور فریادیوں کی خدمت کے لئے رکھا ہے معزز لوگوں کے لئے نہیں وہ تو خود ہی پہنچ جاتے ہیں۔''

نور الدین زنگی عدالت میں

نور الدین زنگی (۵۴۱ھ تا ۵۶۹ھ) ایک فاتح، شفیق حکمران، علم پرور اور انصاف کا علمبردار بادشاہ، انتہائی بہادر اور نڈر سپہ سالار تھا۔ ایک مرتبہ جنگ میں اسے دشمنوں کی صفوں میں بار بار گھستے دیکھ کر اس کے ایک مصاحب قطب الدین نے کہا۔

''اے ہمارے بہادر شاہ اپنے آپ کو امتحان میں نہ ڈالئے، اگر آپ مارے گئے تو دشمن اس ملک کو فتح کر لیں گے اور مسلمانوں کی حالت تباہ ہو جائے گی۔

نور الدین نے یہ بات سنی تو اس پر بہت ناراض ہوا۔ اور کہا ''قطب الدین زبان کو روکو۔ تم اللہ کے حضور میں گستاخی کر رہے ہو۔ مجھ سے پہلے اس دین اور ملک کا محافظ اللہ کے سوا کون تھا؟''

اس بادشاہ نے عیسائیوں کی متحدہ قوت کا عرصہ دراز تک تنہا مقابلہ کیا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بیت المقدس کی فتح تھی۔ اس نے مسجد عمر میں رکھنے کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا منبر بھی تیار کرایا تھا۔ مگر زندگی نے یہ خواہش پوری کرنے کی مہلت نہ دی۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے جائیداد کے بارے میں نورالدین پر دعویٰ دائر کردیا۔ عدالت کا چپڑاسی نورالدین کے پاس پہنچا۔ نورالدین اس وقت چوگان کھیل رہا تھا۔ مگر عدالت کا حکم سنتے ہی قاضی کی عدالت میں فوراً حاضر ہوگیا اور قاضی سے کہا کہ میں اس وقت بادشاہ نہیں مدعا علیہ کی حیثیت سے آیا ہوں اس لئے میرے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو عام فرد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

وہ جس کی موت کے بعد بھی انصاف قائم رہا

نورالدین کی وفات کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کے کسی فوجی نے ایک شخص پر زیادتی کی۔ مظلوم نے صلاح الدین سے فریاد کی لیکن اس نے کوئی شنوائی نہ کی۔ وہ مایوس ہوکر روتا پیٹتا نورالدین کے مزار پر پہنچا۔ راستے میں وہ کہتا جاتا تھا ''نورالدین آج تمہارا عدل وانصاف کہاں ہے؟ جس ظلم کا ہم لوگ شکار ہیں اگر تم دیکھ سکتے تو تم کو ہماری حالت پر رحم آجاتا۔''

صلاح الدین اس وقت دمشق میں موجود تھا۔ جاسوسوں نے یہ اطلاع اس تک پہنچائی تو ایوبی نے اس شخص کو فوراً بلایا اور اس کی شکایت رفع کردی۔ روپیہ دے کر اس کی دلجوئی کی۔ اس پر وہ شخص اور رونے لگا۔ صلاح الدین نے پوچھا کہ اب کیوں روتے ہو۔

اس نے کہا ''اس بادشاہ کو روتا ہوں جس کی موت کے بعد بھی اس کی عدالت انصاف قائم ہے۔''

صلاح الدین نے کہا ''سچ کہتے ہو، ہم میں جو کچھ بھی عدل وانصاف ہے وہ صرف اس کے (نورالدین زنگی) کے فیض کا نتیجہ ہے۔''

ایک مرتبہ اس کی بیوی نے کہلا بھیجا کہ سلطان گھر کے مصارف کے لئے جو رقم بھیجتے ہیں وہ اخراجات کے لئے کافی نہیں ہے اس میں کچھ اضافہ کیا جائے۔

سلطان نے اضافہ سے انکار کر دیا اور کہلوادیا کہ اس سے زیادہ کہاں سے لا کر دوں اگر وہ یہ سمجھتی ہے کہ میرے پاس جو مال ہے وہ میرا ذاتی ہے تو غلط ہے۔ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور انہی کے فائدے کے لئے ہے میں تو صرف اس کا خزانچی اور امین ہوں۔

جب عقبہ بن نافع نے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دیا

خلیفہ ولید بن عبدالملک کی فرمانروائی کا زمانہ تھا۔ مما لک افریقہ فتح ہو چکے تھے۔ شمالی افریقہ کو فتح کرنے کے بعد مسلمان سرزمین یورپ پر قدم رکھنے کے لئے بیتاب تھے۔ شمالی افریقہ کی اسلامی افواج کے کمانڈر امیر عقبیٰ نے گھوڑا دوڑا کر یورپ کا رخ کیا۔ اس کی نظر اسپین پر تھی۔ درمیان میں بحر ظلمات حائل تھا۔ جس کی قدرتی روانی نے گھوڑے کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ بحر ظلمات کوئی ایسا دریا نہ تھا۔ کہ اسے محض اپنی ہمت اور بہادری سے پار کرلیا جاتا۔ بحر ظلمات کے طلاطم نے امیر عقبیٰ کے جوش کو ٹھنڈا کر دینا چاہا مگر اسلامی عزم وثبات نے اسے گھوڑا دوڑانے پر مجبور کر دیا۔ لیکن روانی آب نے گھوڑے کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ امیر رک گیا۔ حسرت و یاس بھری نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور درد بھری آواز میں اپنے مالک سے یوں مل جاتی ہو کہ:

> ''اے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی مقابلہ سے گریز نہیں کیا۔ میں کبھی موت سے نہیں ڈرا۔ آج بحر ظلمات کی روانی میرے گھوڑے کو آگے؟ بڑھنے سے روکتی ہے۔ اس لئے میں مجبور ہوں۔ ورنہ میں تیرے کلمہ کو بلند کرنے میں کبھی دریغ نہ کرتا۔''

چونکہ عزم پختہ یقین محکم اور نیت نیک تھی۔ ریا کاری وخود غرضی کو رائی بھر دخل نہ تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے اسے پار کرنے کے دوسرے وسائل اختیار کئے اور آبنائے طارق کو عبور کر کے سرزمین یورپ کے اس جزیرہ نما میں جا پہنچے۔

بادشاہوں سے ملنا ہم فقیروں کو زیب نہیں دیتا

علاؤالدین خلجی کے بعد قطب الدین خان سلطنت دہلی پر قابض ہوا، اس کو اپنی طاقت

پر بڑا غرور تھا۔ ایک دن اس نے حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو یہ پیغام بھجوایا کہ جب دوسرے علماء و بزرگان دین اس کو سلام کرنے دربار میں آتے ہیں تو وہ کیوں نہیں آتے ان کو بھی دربار میں سلام کے لئے پیش ہونا چاہئے۔

اس کے جواب میں محبوب الٰہی نے یہ پیغام بھیجا کہ ''بادشاہوں سے ملنا اور دربار میں حاضر ہونا ہم فقیروں کا شیوہ نہیں ہے۔''

اس پر قطب الدین خان بہت بگڑا کہنے لگا کہ وہ حضرت صاحب کو بزور شمشیر دربار میں آنے پر مجبور کرے گا۔ پھر اس نے حضرت کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر آپ ہر ہفتہ ہمارے دربار میں نہیں آسکتے تو ہر چاندرات کو آجایا کریں، ہم آنے والی چاندرات کو آپ کو اپنے دربار میں دیکھنا چاہتے ہیں اگر آپ کو اس سے بھی انکار ہوا تو پھر ہم آپ کا کوئی اور علاج سوچیں گے۔

اس وقت حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ غیاث پور میں تھے۔ آپ نے بادشاہ کا پیغام سنا تو مسکرائے اور فرمایا ''کیا بادشاہ کو اللہ نے یقین دلایا ہے کہ وہ آنے والی چاندرات تک زندہ رہے گا۔ کسے یقین ہے کہ وہ ایک لمحہ بھی اور زندہ رہے گا مگر بادشاہ اللہ کے قوانین کو ذہن و دل سے محو کر دیتے ہیں۔''

اب ابھی چاندرات کو دو چار دن باقی تھے کہ قطب الدین خان کے اپنے ہی پالے ہوئے ایک نوجوان خسرو خاں نے رات کے وقت اسے قتل کر دیا۔

اصل خوبصورتی یہ ہے

محمود غزنوی خاصا بدصورت آدمی تھا دنیا کے اس عظیم فاتح نے ایک دن آئینے میں اپنی شکل غور سے دیکھی اسے بہت رنج ہوا۔ دوسرے دن اس نے اپنے وزیر سے کہا۔ سنا تھا کہ بادشاہوں کا چہرہ دیکھنے سے آنکھیں خیر ہو جاتی ہیں لیکن ہمیں دیکھ کر لوگوں کو کوفت ہوتی ہوگی۔

وزیر نے کہا ظل الٰہی! آپ کی صورت دیکھنے والے چند ہیں۔ مگر سیرت دیکھنے والے بے شمار، انسان کی سیرت اچھی ہو تو اس کی صورت پر کسی کی نظر نہیں جاتی۔

بہادر شخص کی ہاتھی سے لڑائی

صاحب نشوان نے ذکر کیا ہے کہ ایک خارجی شخص ہندوستان کے کسی بادشاہ کے علاقہ میں گیا۔ بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا اس نے فوراً اپنا ایک لشکر اس کی طرف بھیجا۔

اس خارجی نے جب لشکر کو دیکھا تو فوراً امن طلب کیا۔ چنانچہ اس کو امان دے دی گئی۔ اس کے بعد وہ شخص بادشاہ سے ملاقات کے لئے بادشاہ کے شہر کی جانب روانہ ہوا۔ جب وہ شہر کے قریب پہنچا تو بادشاہ نے اس کے استقبال کے لئے ہر قسم کے آلات حرب وغیرہ سے مزین ایک لشکر بھیجا۔ یہ لشکر اس کے استقبال کے لئے شہر کی آخری حد پر آ کر رک گیا۔ چنانچہ آس پاس کے بہت سے لوگ اس استقبال کو دیکھنے کے لئے وہاں جمع ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ شخص شہر کے بالکل نزدیک آ گیا۔ اس نے ایک ریشمی کرتہ پہن رکھا تھا اور لباس و چہرہ وغیرہ سے وہ ایک دلیر اور بہادر شخص معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہی یہ شخص لشکر کے قریب پہنچا لشکر والے اس سے ملاقات کرنے لگے اور پھر اس کو لے کر محل کی طرف روانہ ہوئے۔

لشکر میں کچھ ہاتھیوں کو بھی بطور زینت شامل کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس لشکر میں بادشاہ کا وہ خاص ہاتھی بھی تھا جس پر بادشاہ ہی سواری کرتا تھا۔ اتفاق سے چلتے چلتے یہ خارجی اس بادشاہ کے اس خاص ہاتھی کے نزدیک آ گیا۔ ہاتھی پر سوار مہاوت نے خارجی کو متنبہ کیا کہ اس ہاتھ سے دور رہو اور اپنی جان کی حفاظت کرو کیونکہ یہ بڑا غصیلا ہاتھی ہے۔ لیکن خارجی نے مہاوت کی اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور مسلسل ہاتھی کے ساتھ چلتا رہا۔

مہاوت نے کئی بار خارجی کو متنبہ کیا۔ مگر اس نے کوئی توجہ نہ کی بلکہ مہاوت سے کہا کہ تم اپنے بادشاہ کے ہاتھی سے کہو وہ راستہ سے ہٹ کر چلے۔ خارجی کا یہ جواب ہاتھی نے بھی سن لیا اور سنتے ہی خارجی کی طرف دوڑا۔ ہاتھی کے مہاوت نے ہاتھی کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر ہاتھی خارجی کے پیچھے بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کو اپنی سونڈ سے پکڑ کر زمین سے اوپر اٹھا لیا۔ پھر اس کو نیچے زمین پر لایا۔ خارجی سمجھ گیا کہ ہاتھی اس کو اپنے پیروں سے کچلنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جب ہاتھی نے اس کو زمین پر رکھا تو خارجی اس کے پیروں کی زد سے بچنے کے لئے ہاتھی

کی سونڈ سے لپٹا رہا۔ جب ہاتھی نے خارجی کی چالا کی محسوس کر لی تو وہ اور غضب ناک ہو گیا اور اس نے پھر اس کو اپنی سونڈ سے اوپر اٹھالیا۔

ہاتھی کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح اس خارجی کی سونڈ پر گرفت نہ رہے تو وہ اس کو دور اچھال دے یا اپنے پیروں میں ڈال کر اس کو کچل دے۔ مگر خارجی بھی نہایت دلیر، بہادر اور دانا شخص تھا۔ اس نے ہاتھی کی سونڈ پر اپنی گرفت مضبوط رکھی اور مسلسل اپنی طاقت اس کی سونڈ کو دبانے میں صرف کرتا رہا۔

دوسری بار اوپر اٹھانے کے بعد ہاتھی نے اس کو اوپر فضاء میں ہی کئی جھٹکے دیئے تا کہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے اور وہ دور جا کر گرے۔ مگر جب ہاتھی اپنی اس کوشش میں نا کام ہو گیا تو اس نے پھر اس کو نیچے زمین پر اپنے پیروں کے درمیان رکھنے کی کوشش کی مگر خارجی بدستور سونڈ سے لپٹا رہا اور برابر اپنا دباؤ سونڈ پر بڑھاتا رہا۔ اب ہاتھی اور بھی مشتعل ہو گیا جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خارجی کی گرفت سونڈ پر برابر بڑھ رہی تھی اور اس سے ہاتھی کو سانس لینے میں مشکل ہونے لگی۔ چنانچہ ہاتھی نے ایک بار پھر خارجی کو اوپر اٹھایا اور کافی جھٹکے دیئے مگر جب نا کامی ہوئی تو پھر اپنی سونڈ نیچے کی اور کوشش کی کہ اپنے پیروں سے خارجی کو کچل دے مگر خارجی نے اس کی سونڈ نہیں چھوڑی بلکہ اس بار اس نے اپنی پوری قوت سے ہاتھی کی سونڈ کو دبایا جس سے اس کی سانس بالکل رک گئی اور ہاتھی دم گھٹنے کی وجہ سے مر کر گر گیا۔

خارجی نے جب دیکھا کہ ہاتھی مر چکا ہے تو اس نے اس کی سونڈ چھوڑ دی اور اس سے علیٰحدہ ہو گیا۔ لوگوں نے اس واقعہ کو بڑی حیرت سے دیکھا اور خارجی کی بڑی تحسین کی۔ مگر جب بادشاہ کو علم ہوا کہ اس کا خاص ہاتھی خارجی کے ہاتھوں مر گیا ہے تو اس کو شدید غصہ آیا اور بادشاہ نے خارجی کے قتل کا حکم دے دیا۔

بادشاہ کے وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر آپ اس کو قتل نہ کرائیں اور اس کو معاف کر دیں تو یہ آپ کے لئے زیادہ مناسب اور باعث شہرت ہوگا۔ کیونکہ اس کے زندہ رہنے کی صورت میں جب بھی کہیں اس کا تذکرہ ہوگا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ اس بادشاہ کا خادم ہے جس نے اپنی عقلمندی اور قوت وحیلہ سے ایک ہاتھی کو ہلاک کر دیا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کو وزیر کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس نے خارجی کو معاف کر دیا۔

کسریٰ کا اپنے قاتل سے قصاص

کسریٰ وہ پہلا مقتول ہے جس نے اپنے قاتل سے بدلہ لیا جیسا کہ ابو الفرج ابن الجوزی نے ''کتاب الاذکیاء'' میں ذکر کیا ہے کہ کسریٰ کو نجومیوں نے اطلاع دی تھی کہ تجھ کو قتل کیا جائے گا تو کسریٰ نے کہا کہ بخدا میں بھی اپنے قاتل سے ضرور بدلہ لوں گا۔

چنانچہ اس نے زہر قاتل لے کر ایک ڈبیہ میں بند کر کے اس پر مہر لگا دی اور اس پر ایک چٹ لکھ کر چسپاں کر دی جس پر یہ تحریر تھا کہ ''اس ڈبیہ میں نہایت مجرب اور مفید دوا ہے جو کہ قوت باہ کے لئے ہے اور جو شخص اس کو کھا لے گا اس میں اس قدر قوت آ جائے گی کہ وہ ایک قوت میں کئی کئی عورتوں سے صحبت کرے۔'' پھر اس نے اس ڈبیہ کو خزانہ میں حفاظت سے رکھ دیا۔

چنانچہ نجومیوں کی پیشین گوئی کے مطابق ایک عرصہ بعد جب اس کے لڑکے نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے خزانہ پر قبضہ کر لیا تو وہ ڈبیہ اس کو خزانہ میں ملی اس پر تحریر شدہ عبارت کو پڑھ کر اس کو یقین ہو گیا کہ اس کا باپ اسی دوا کی وجہ سے اس قدر قوی تھا اور اتنی عورتوں سے اسی دوا کی بدولت صحبت کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس ڈبیہ میں سے وہ دوا (زہر قاتل) اس پرچہ پر درج شدہ مقدار کے مطابق نکال کر کھا لی اور کھاتے ہی مر گیا۔ پس کسریٰ وہ پہلا مقتول ہے جس نے اپنے قاتل سے بدلہ لیا۔ باب الدوال ''دابہ'' کے بیان میں گزر چکا ہے کہ کسریٰ کے حرم میں تیس ہزار عورتیں تھیں۔

دین فطرت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، مسند خلافت پر متمکن تھے۔ ان کے بھائی عقیل نے ان سے امداد چاہی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''انتظار کرو جب میرا وظیفہ آ جائے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔'' مگر عقیل بے صبر ہو رہا تھا اور تقاضے پر تقاضا کئے جا رہا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو بلایا اور کہا: اسے (عقیل کو) بازار میں ہاتھ پکڑے لے جاؤ اور لوگوں کی دکانوں کے سامنے جا کر کہو: ان دکانوں کے تالے توڑو اور جو

ملے لے جاؤ۔

عقیل بولا: کیا تم مجھے چور بنانا چاہتے ہو؟

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اور تم مجھے چور بنانا چاہتے ہو۔

عقیل: (دھمکی کے انداز میں) یقیناً یہ بات میں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہوں گا۔

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ضرور ضرور۔ تو اس کے پاس جاؤ اور وہ شاید تمہیں کچھ دے دے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے انصاف کا اثر

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد خلافت میں موسیٰ ابن اعین کرمان میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ بکریاں، بھیڑیئے اور دیگر درندے ساتھ ساتھ چرا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر ہم کہنے لگے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد صالح جن کی یہ برکت تھی شاید انتقال فرما گئے۔ چنانچہ جب ہم نے صبح کو اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ کی وفات ۲۰/رجب ۱۰۱ھ میں ہوئی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزہد میں مزید نقل فرمایا ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو چرواہے کہنے لگے کہ یہ مرد صالح کون ہے جو ہم پر حاکم ہوا ہے۔ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ تم کو اس کا کیسے علم ہوا؟ تو چرواہوں نے جواب دیا کہ جب سے وہ مرد صالح خلیفہ ہوئے ہیں تب سے ہماری بکریاں شیر اور بھیڑیوں کے خطرے سے محفوظ ہیں اور اب عالم یہ ہے کہ بکریاں، شیر اور بھیڑیئے ایک ساتھ ہیں مگر ان درندوں کے چنگل ہماری بکریوں سے رک گئے ہیں۔

نوشیرواں کا واقعہ

''عجائب المخلوقات'' میں علامہ قزوینی نے نوشیرواں عادل کی ایک حکایت بیان کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ''ریحان فارسی'' پہلے ملک فارس میں نہیں تھا بلکہ ایک سانپ نے اسکا بیج نوشیرواں کو لا کر دیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ نوشیرواں کے زمانے میں ایک سانپ کے

بھائی کو ایک بچھو نے کاٹ کر مار ڈالا تھا تو مرنے والے سانپ کا بھائی یعنی ایک دوسرا سانپ نوشیرواں کے پاس فریاد لے کر آیا تو جیسے ہی یہ سانپ نوشیرواں کے قریب پہنچا اس کے مصاحب اس کو مارنے کے لئے دوڑے۔ نوشیروان نے اپنے مصاحبوں کو روکا اور فرمایا کہ ابھی اس کو نہ مارو مجھے لگتا ہے کہ اس کے آنے کی کوئی خاص وجہ ہے۔ چنانچہ وہ سانپ چل کر نوشیرواں کے قریب آ گیا اور کچھ اس قسم کے اشارے کئے جس سے نوشیرواں سمجھ گیا کہ سانپ مظلوم ہے اور یہ مجھ سے دادرسی چاہتا ہے۔ چنانچہ نوشیرواں نے اس سانپ کے ساتھ اپنا ایک سپاہی بھیج دیا۔

یہ سانپ اس سپاہی کو لے کر ایک کنوئیں کے پاس پہنچا۔ سپاہی نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک سانپ مرا پڑا ہے اور اس مرے ہوئے سانپ کی کمر پر ایک بچھو سوار ہے۔ چنانچہ سپاہی نے برچھے سے اس بچھو کو مار ڈالا اور اس احسان کے بدلہ میں سانپ نے بادشاہ کو تخم ریحان دیا۔ بادشاہ نے اس بیج کو بونے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس سے ریحان کا پودا اگا اور چونکہ نوشیرواں زکام اور دیگر دماغی بیماریوں کا مریض تھا تو اس نے ان امراض کے لئے اس کو استعمال کیا تو بہت مفید پایا۔ اس طرح فارس میں ریحان کی ابتداء ہوئی اور پھر ریحان فارسی بہت سے امراض کے دفعیہ کے لئے مشہور ہو گیا۔

مدائن کے گوانر کا مزدوری کرنا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن کے گورنر ہیں۔ رعایا کی دیکھ بھال کے لئے بازاروں میں گشت کر رہے ہیں لیکن بدن مبارک پر ایسی پوشاک ہے جس سے کسی مزدور پیشہ آدمی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ چونکہ مدائن میں اس وقت ایک بڑا میلہ لگنے جا رہا ہے اس لئے تاجروں کے قافلے ساز و سامان لئے چلے آ رہے ہیں۔

ابھی ابھی ایک قافلہ رکا ہے۔ ان تاجروں کو سامان اٹھانے کے لئے کسی مزدور کی تلاش ہے۔ سامنے ہی سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظر آ جاتے ہیں تو یہ تاجران کو آواز دے کر سامان اٹھواتے ہیں۔

راستہ میں لوگوں کی نظر جب حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑتی ہے تو وہ لوگ

کہتے ہیں کہ تم لوگوں نے یہ کیا غضب کیا۔ یہ تو مدائن کے گورنر سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارسی ہیں۔ یہ سنتے ہی تاجروں کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور وہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کا سامان منزل تک پہنچادوں۔ آخر گورنر کس بات کے لئے ہوں۔

مسلمانوں کی نجات تک نہیں کھاؤں پیوؤں گا غم امت

ایک بار اہل شرک ملک اندلس کے ایک شہر پر لڑائی کے قابض ہو گئے اور گھس آئے اور اہل شہر کو قید کر لیا اور ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ گرفتار کئے۔ اس سے اندلس والے بہت گھبرائے اور یہ خبر پہنچی کہ قیدیوں کو گھوڑوں کے ساتھ گھاس ڈالا جاتا ہے اور ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور وہ منہ سے جانوروں کی طرح گھاس کھاتے ہیں۔ انہیں دنوں میں ایک رات شیخ ابو اسحاق بن طریف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا۔ آپ نے ہمارے آگے کھانا لاکر رکھا اور بسم اللہ کے ساتھ ایک ٹھنڈی سانس بھری اور مجھ سے کہا اے محمد کیا تمہیں معلوم نہیں جو کچھ مسلمانوں پر حادثہ ہوا ہے۔

میں نے کہا ہاں۔ آپ قصہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے رونے کی آواز بلند ہوگئی اور کہا واللہ جب تک مسلمانوں کو نجات نہ مل جائے نہ کھاؤں گا نہ پیوؤں گا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے کھانے پر سے اٹھ گئے۔ پھر کھانے کے پاس الحمد للہ الحمد للہ کہتے ہوئے آئے اور کہا کھاؤ۔ میں نے بھی کھایا اور انہوں نے بھی کھایا۔ مجھے تعجب ہوا کہ انہوں نے اس طرح کھانا چھوڑا تھا پھر کیونکر کھالیا۔ باوجود یہ کہ قسم بھی کھائی تھی۔

پھر ہمیں خبر ملی کہ جس وقت شیخ نے کلام کیا تھا اسی وقت نصاریٰ نے ایک دھما کا سنا جس سے وہ یہ سمجھے کہ مسلمانوں کی فوج پہنچ گئی اور اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جان بچا کر بھاگ گئے اور مال غنیمت اور قیدی چھوڑ گئے۔ اللہ نے ان کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو بلا رنج و تعجب و جنگ کے نجات دی۔ پھر وہ قیدی چھوٹ کر مال غنیمت لے کر مسلمانوں کے شہروں میں آ گئے۔

و الحمدللّٰہ رب العالمین۔

داڑھی کی ہیبت

تسخیر اسپین کے دوران میں مجاہد اسلام موسیٰ ابن نصیر نے ''مریدہ'' کے پر فضا اور خوشنما شہر پر حملہ کیا۔ فصیل شہر توڑنے کی کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ اس مرد مجاہد نے ایک عجیب چال چلی۔ حاکم شہر کو کہلا بھیجا کہ خواہ کتنے سال گزر جائیں۔ ہم اس شہر پر قبضہ کئے بغیر واپس نہیں ہوں گے۔ بخوشی خود شہر کا دروازہ کھول دو۔ ہماری گرفت سے نہ پہلے کوئی بچا ہے۔ اور نہ تم بچ سکو گے۔

حاکم شہر اسلامی فتوحات کی خبریں سن چکا تھا۔ وہ اس دھمکی سے سخت مرعوب ہوا ایک وفد اس پیکر استقلال کے پاس بات چیت کے لئے بھیجا۔ موسیٰ ابن نصیر اس وقت ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ یہ وفد جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس جرنیل کی سفید نورانی داڑھی سے بہت متاثر ہوا۔ اس روز کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ گفتگو دوسرے روز پر ملتوی ہوگئی۔

وفد کی واپسی کے بعد موسیٰ ابن نصیر نے اپنی داڑھی حنا کے خضاب سے سرخ کر لی۔ دوسرے روز جب وہی وفد آیا۔ تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ اس بوڑھی جرنیل کی سفید نورانی داڑھی سرخ ہو چکی ہے۔ آج کی گفتگو بھی کسی فیصلہ کن مرحلہ پر نہ پہنچ سکی۔ اور وفد حیرانگی کے عالم میں واپس چلا گیا۔

وفد کے واپس چلے جانے پر موسیٰ ابن نصیر نے سرخ داڑھی کو سیاہ خضاب لگا کر نوجوان کی سی شکل بنالی۔ تیسرے روز بھی وہی وفد گفتگو کے لئے آیا۔ جب موسیٰ ابن نصیر کے خیمہ میں داخل ہوا۔ تو یہ دیکھ کر ششدرر ہ گیا کہ پرسوں جس شخص کی داڑھی سفید دیکھی تھی۔ کل وہی داڑھی سرخ تھی اور آج بالکل سیاہ!!

اس روز کی گفتگو سے اپنے حاکم کو مطلع کرنے کے لئے جب وفد واپس گیا۔ اس نے حاکم شہر اور درباریوں کو اس حیرت انگیز واقعہ کی تفصیل بتائی۔ سب حیران رہ گئے اور کہا اسلامی فوج کا قائد یقیناً کوئی فرشتہ یا جن معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر ہم کبھی فتح حاصل نہیں کر سکتے۔ اس سے مقابلہ کرنے کی بجائے صلح کر لینی بہتر ہے چنانچہ شرائط صلح طے کر کے

عیسائیوں نے شہر مسلمانوں کے حوالے کردیا۔
تدبر انسان کے لئے کامیابی کی کیسی کیسی راہیں کھولتا ہے۔

مسلمان عہد شکنی نہیں کرتا

عیسائی ہاتھوں میں صلیب لئے ہوئے دوبارہ حملہ آور ہوئی اور شام کے مشہور شہر معرۃ النعمان کا محاصرہ کرلیا مسلمان باشندے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہوئے عیسائی سربراہوں سے انہوں نے جان و مال اور ابرو کا پختہ وعدہ حاصل کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے مران کی حیرت کی انتہاء نہ رہی جب ان درندہ صفت صلیبیوں نے قتل وغارت گری اور بدعہدی کا بدترین مظاہرہ کیا مغربی مورخین کا اندازہ ہے کہ اس واقعہ میں قتل کئے جانے والے مردوں، عورتوں اور بچوں کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ تھی۔

اس ہولناک حادثہ کے بعد صلیبی لشکر نے بیت المقدس کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کرلیا چندروز کے بعد قدس کے باشندوں کو محسوس ہوا کہ انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑے گا چنانچہ انہوں نے صلیبی سپہ سالار سے جان و مال کی امان طلب کی تو اس نے اپنا جھنڈا دیا کہ وہ مسجد اقصیٰ کے بالائی حصہ پر نصب کردیں اور بے خوف ہوکر دروازہ کھول دیں۔

صلیبی لشکر نے شہر میں داخل ہوتے ہی اپنے مجرمانہ کرتوت شروع کردیئے، شہری باشندوں نے مسجد اقصیٰ میں پناہ لی مگر وہاں بھی وہ نہ بچ سکے اور ایک ایک کر کے سب ذبح کر دیئے گئے، مسجد خون سے لبریز ہوگئی۔ شہر کی گلیاں اور سڑکیں انسانی خون، کھوپڑیوں اور کٹے ہوئے اعضاء سے پٹ گئیں مورخوں کا بیان ہے کہ صرف مسجد اقصیٰ کے اندر قتل کئے جانے والوں کی تعداد ستر ہزار تھی، ان شہید ہونے والوں میں بہت سے امام، علماء اولیاء اور بزرگوں کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی تھی مغربی مورخین نے اس کو تسلیم کیا ہے بلکہ بہت سوں نے اس واقعہ کا فخر کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اس کے بعد مسلمانوں کا کردار بھی ملاحظہ کیجئے۔

اس المناک حادثہ کے نوے برس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المق فتح کیا شہر کے اندر ایک لاکھ یورپی عیسائی مقیم تھے ان کو جان و مال کی امان دی اور باحیثیت افراد سے بہت ہی معمولی رقم لے کر چالیس دن کے اندر شہر سے چلے جانے کا موقع دیا۔

چوراسی ہزار عیسائی اپنے بھائیوں سے جا ملے غریبوں کی بڑی تعداد کو بغیر تاوان دیئے چلے جانے دیا سلطان صلاح الدین کے بھائی ملک صالح نے دو ہزار عیسائیوں کا اپنی جیب سے فدیہ ادا کیا اور عورتوں کے ساتھ اتنا باعزت اور شاندار برتاؤ کیا کہ آج اس ترقی یافتہ دنیا کا کوئی سربراہ اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ آخر میں یورپ کا بڑا پادری شہر سے جانے لگا تو اس کے ہمراہ گرجا گھروں، مسجد اقصیٰ، گنبد صخرہ اور قیامہ چرچ کی اتنی بڑی دولت تھی جس کا علم صرف خدائے عز و جل ہی کو تھا۔ سلطان صلاح الدین کے کچھ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اتنی بڑی دولت لے جانے کی اجازت نہ دی جائے، سلطان نے جواب دیا ''میں عہد شکنی نہیں کروں گا'' اور اس بڑے پادری سے بھی فدیہ کی وہی رقم وصول کی جو ایک عام آدمی سے لی تھی۔

آیئے! سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک اور بے مثال کردار ملاحظہ کیجئے، صلیبی لشکر کے ہمراہ مغربی عوام کی بھی ایک بڑی تعداد اپنے عقیدہ کے مطابق قبر مسیح کی زیارت اور بیت المقدس میں قیام کے شوق میں آئی تھی مسلمانوں نے جب بیت المقدس فتح کر لیا اور صلیبی فوج اور عوام بیت المقدس سے باہر نکلے تو حیران و پریشان تھی کہ کہاں اور کس راستہ سے جائیں؟

خوف و ڈر سے ان کے دل کانپ رہے تھے سلطان نے ان کا یہ حال دیکھ کر ان کو مسلمان فوج کی نگرانی میں صلیبی ٹھکانوں صدور و صیدا تک بڑی عزت و امان کے ساتھ روانہ کیا حالانکہ وہ ان کے ساتھ حالات جنگ میں تھا۔ عورتوں کی ایک بڑی تعداد جو فدیہ ادا کر چکی تھی سلطان صلاح الدین کی خدمت میں حاضر ہوئی او عرض کیا کہ ہم ان عیسائی قیدیوں اور قتل کیے جانے والے فوجیوں کی یا تو بیویاں ہیں یا مائیں بہنیں یا لڑکیاں ہیں اور ہمارا ان کے سوا نہ کوئی سرپرست ہے نہ خبر گیری کرنے والا۔

سلطان انہیں روتا دیکھ کر خود بھی رویا اور حکم دیا کہ ان کے آدمیوں کو تلاش کیا جائے جو مل گئے ان کو ان کے حوالے کر کے رہا کر دیا اور جن کے سرپرست مارے گئے تھے انہیں بہت سارا مال دے کر ان سب کو صلیبی پناہ گاہوں اور شہروں صور و عکا میں پہنچا دیا۔ یہ عورتیں جہاں جاتیں سلطان صلاح الدین کی عظمت اور حسن اخلاق کے گن گاتیں۔

امام مالک اور خلیفہ منصور کی ملاقات

علامہ قاضی عیاض ناقل ہیں کہ خلیفہ بغداد منصور مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور امام مالک سے گفتگو کرتے ہوئے اس کی آواز کچھ بلند ہوگئی تو حضرت امام مالک نے ڈانٹ کر فرمایا کہ اے امیر المومنین! خداوند عالم جل جلالہ، کا فرمان ہے کہ:

لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

یعنی اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔

اے امیر المومنین! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب واحترام اب بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ظاہری حیات مبارکہ میں تھا اس لئے قبر انور کے پاس خبردار ہرگز ر بلند آواز سے گفتگو نہ کیجئے۔ امام ممدوح کی ڈانٹ سن کر خلیفہ منصور بالکل خاموش ہو گیا۔

پھر نہایت ہی پست آواز سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اے امام مالک؟ حضرت امام مالک نے جواب دیا تم اپنا چہرہ حضور علیہ والسلام سے کیوں اور کس طرح پھیرو گے؟ جب کہ وہ بارگاہ خداوندی میں تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہے تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے خدا سے دعا مانگو۔ اور ان کو بارگاہ الٰہی میں اپنا شفیع بناؤ تو خداوند کریم ان کے وسیلہ سے تمہارری دعاؤں کو قبول فرمائے گا خداوند قدوس کے اس پیغام کو یادر رکھو کہ:

ولو ان ھم اذ ظلموا انفسھم جائوک فسلستغفرو اللّٰہ واستغفر لھم الرسول لوجدو اللّٰہ توابا رحیما

یعنی اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو انہیں چاہئے کہ اے محبوب وہ آپ کے پاس حاضر ہوجائیں پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت فرمائیں تو یقیناً گناہگار لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا اور بخشنے والا پائیں گے۔ (وفاءالوفا ج۲ص ۱۳۷۶)

میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا

مدینہ منورہ کا اموی گورنر مروان بن الحکم روضہ منورہ کے پاس حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ ایک شخص قبر انور سے چمٹا ہوا پڑا ہے مروان نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھایا اور کہا کہ اے شخص! تجھے کچھ خبر ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟

تو اس شخص نے سر اٹھا کر جواب دیا کہ ہاں! میں خوب جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں اے مروان! میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ میں رسول اللہ کے دربار میں حاضر ہوں۔ اے مروان! جب دیندار لوگ والی بنیں تو رونے کی ضرورت نہیں ہے لیکن جب نااہل لوگ دین کے والی بنیں تو رونا چاہئے۔ مروان یہ گرم گرم جملے سن کر خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔

مطلب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ جنہوں نے مروان گورنر کو جھنجھوڑ کر ڈانٹ دیا ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(وفاء الوفاء ص ۱۴۰۲ھ)

جنگ کرنے والوں کے ساتھ حسن سلوک

عہد نبوی ﷺ اور اس کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کے میدان میں جنگ کرنے والوں کے ساتھ جو حسن سلوک اور جن اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا تھا اس کے کچھ نمونے گذشتہ صفحوں میں پڑھے ہیں آیئے اس عہد زریں کے بعد بھی چند عبرت آموز واقعات بطور مثال پڑھ لیجئے:

لبنان کے گورنر حضرت علی ابن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے کسی بات پر عیسائی باشندوں نے بغاوت کردی اور بڑا ہنگامہ برپا کیا اس کے نتیجہ میں خاصے نقصانات ہوئے، گورنر نے بغاوت فرو کرنے کے لئے جنگ کی اور حالات پر قابو پا گئے انہوں نے مناسب خیال کیا کہ ان فتنہ پردازوں میں سے کچھ لوگوں کو دوسرے علاقوں اور گاؤں میں منتقل کردیں تاکہ اکھٹارہ کر پھر دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں، آج کی ترقی یافتہ دنیا میں یہ بہت معمولی سزا تصور کی جاتی ہے گورنر کے اس اقدام کی اطلاع شام کے امام وفقیہ اور عالم امام اوزاعی کو پہنچی تو

انہوں نے گورنر کے نام ایک خط میں ان کے اس اقدام پر سخت نکتہ چینی کی اور لکھا کہ:
''لبنان کی پہاڑیوں سے زمیوں (پناہ میں رکھے گئے غیر مسلموں) کی جلاوطنی کے بارے میں معلوم ہوا ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو اس بغاوت میں شریک نہیں ہوئے کچھ لوگ قتل کئے گئے اور کچھ لوگوں کو گاؤں بھیج دیا گیا مگر ان لوگوں کا کیا قصور ہے جو بغاوت میں شریک نہیں ہوئے اور وہ اپنے گھروں اور جائدادوں سے بے دخل کر دیئے گئے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ولا تزر وازرة وزر اخری'' کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ اس پر عمل درآمد کرنا ضروری امر تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''جس نے معاہدہ کئے جانے والے شخص پر ظلم کیا یا اس کی بساط سے زیادہ اس سے کام لیا یا ذمہ داری سونپی تو میں اس سے قیامت کے دن جھگڑوں گا۔''
''اس نصیحت پر عمل کرنا ضروری تھا۔'' گورنر لبنان کو جس وقت یہ خط ملا وہ پریشان ہو گیا اور ان سب کو اپنے گھروں اور علاقوں میں فوراً واپسی کا حکم دیا اور اسے اس وقت تک اطمینان نہ ہوا جب تک کہ ایک ایک فرد اپنے گھر پر واپس نہ آ گیا۔ آج کتنے مسلمان دنیا کے مختلف ملکوں میں پناہ گزیں اور ملک بدری اور جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ فلسطینیوں کا مسئلہ زیر بحث اور دادرسی کا طلب گار تھا ہی کہ افغانستان کے بے گناہ مسلمان اسی طرح کے ظلم و جور کا شکار ہو رہے ہیں اور بوسینا ہرزیگوینا پر پوری مغربی دنیا جو ظلم ڈھا رہی ہے اس کے قصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

حضرت قتیبہ بن مسلم کا فاتح لشکر ایران و خراسان کو فتح کرتا ہوا ترکستان میں داخل ہو رہا ہے اور اس کے مشہور و ناقابل فتح شہر بخاری و سمرقند کی جانب بڑھ رہا ہے چند لمحوں میں دونوں شہر ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور مسلمان قبضہ کر لیتے ہیں اور احکام نافذ کرتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا عہد خلافت ہے دنیا کے طول و عرض میں ان کے عدل و انصاف کا شہرہ ہو چکا ہے، رات کی خاموشی میں اہل سمرقند جو غیر مسلم تھے ان کا ایک منتخب وفد دربار خلافت میں شکایت کے لئے دمشق روانہ ہو جاتا ہے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے وفد کا سربراہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کے سردار قتیبہ بن مسلم اس کے شہر میں ظالمانہ طور پر داخل ہوئے ہیں انہوں نے مسلمانوں کو آباد کرنا شروع کر دیا ہے۔

انہوں نے اسلامی اصول کے مطابق اسلام کی دعوت یا جزیہ کی ادائیگی اور انکار کی صورت میں اعلان جنگ کا اعلانیہ نہیں دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز وہاں کے گورنر کو ایک چھوٹے سے پرزے پر لکھتے ہیں مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ سمرقند کی فتح میں اسلامی اصول پر عمل نہیں کیا گیا ہے اس معاملہ میں غور کرنے کے لئے قاضی مقرر کرو اگر وہ مسلمانوں کو سمرقند سے نکل جانے کا فیصلہ کرتا ہے تو مسلمان سمرقند سے باہر نکل آئیں۔

گورنر نے جمیع بن حاضر الباجی کو قاضی مقرر کیا انہوں نے تحقیق کی اور فیصلہ دیا (قاضی مسلمان تھے) کہ مسلمانوں کو سمرقند سے نکل جانے کا حکم دیا جائے اور اس کے بعد مسلمان اہل سمرقند باشندوں نے ایک ہی جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو واپس لائے اور فتح یاب کرے خدا کی قسم آپ کی حکومت اور آپ کا انصاف رومیوں کے ظلم و ناانصافیوں کے مقابلہ میں ہمیں زیادہ عزیز و محبوب ہے، خدا کی قسم وہ ظالم اگر آپ کی جگہ پر ہوتے تو ایک پیسہ نہ واپس کرتے بلکہ جو اور جتنا مال اپنے ساتھ لے جاسکتے اپنے ساتھ لے جاتے۔

آج اس مہذب دور میں ترقی یافتہ دانشور حکمراں اگر کسی جگہ سے منتقل ہونے پر مجبور ہوتے ہیں تو اس کو نیست و نابود کردیتے ہیں تاکہ اصل باشندے کوئی فائدہ نہ اٹھاسکیں اور آرام و سکون کے ساتھ زندگی نہ گذار سکیں۔

تاتاری دنیا کے لئے مصیبت بن کر نازل ہوئے ملکوں کو تباہ و برباد اور زیر نگیں کرتے ہوئے ملک شام میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی قید کرلیا اس دور کے سب سے بڑے عالم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تاتاریوں کے سربراہ کے پاس ان قیدیوں کی رہائی کے سلسلہ میں گفتگو کے لئے گئے اس نے پہلے تو انکار کیا اس کے بعد مسلمانوں کو رہا کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی اور عیسائیوں اور یہودیوں کو رہا کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ آپ کا ان سے کیا تعلق آپ تو صرف مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں ان کے بارے میں گفتگو کیجئے میں ان کو رہا کردیتا ہوں۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ: وہ بھی ہمارے شہر کے باشندے ہیں اور ہم پر ان کی ذمہ داری ہے اس لئے ان سب کے سامنے اسلام کے تینوں اصول پیش کریں نہ ماننے کی صورت میں جنگ کا اعلان کریں تاکہ اہل سمرقند جنگ کی تیاری کرسکیں اور اچانک حملہ نہ کیا جائے۔

اہل سمرقند یہ فیصلہ سن کر حیران و ششدر رہ گئے انہوں نے سمرقند کی تاریخ میں ایسا فیصلہ نہ سنا تھا نہ دیکھا تھا اور ایسے انصاف پسند گورنر ولشکر اور قاضی سے نہ ان کا واسطہ پڑا تھ انہوں نے بیک آواز کہا کہ اس جیسی قوم سے جنگ نہیں کی جاسکتی اور ان کی حکمرانی وسلطانی بڑی اعزاز اور فخر ومسرت سے قبول کرلی۔

اسلامی فوجوں نے دمشق، مصر اور شام کے دیگر شہر فتح کئے اور وہاں کی عیسائی آبادی سے حمایت اور حفاظت کے بدلے کچھ مال ورقمیں لیں کچھ ہی عرصہ کے بعد مسلمان سپہ سالاروں کو خبر ملی کہ بادشاہ روم ہرقل ان کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے فوجیں جمع کررہا ہے تو ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ سب مل کر رومی لشکر کا مقابلہ کریں اس کے لئے انہیں فتح کئے ہوئے شہر خالی کرنے پڑیں گے۔

چنانچہ دمشق وحمص اور دوسرے شہروں سے ہماری فوجیں نکل آئیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمص والوں کو اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دمشق کے باشندوں کو اور دیگر شہر والوں کو ان کی سربراہوں نے اکٹھا کیا اور کہا کہ ہم نے آپ کی حمایت وحفاظت کے لئے کچھ مال اور رقمیں لی تھیں ہم اس وقت جارہے ہیں اور آپ کی حفاظت نہیں کرسکتے اس لئے یہ رقم واپس لے لیجئے۔ تمام کو رہا کرنا ہوگا ہم ہر ایک کی رہائی چاہتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہو یا عیسائی ہو یا یہودی باشندے ہوں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تک واپس نہ ہوئے جب تک کہ مسلمانوں کے ساتھ عیسائی اور یہودی قیدیوں کو بھی رہا کرا کے اپنے ساتھ نہ لے آئے۔ تاتاری سردار حیرت زدہ تھا کہ غیر مذہب والوں کے ساتھ مسلمانوں کا اتنا بڑا مذہبی پیشوا کس طرح رحم وکرم اور حسن اخلاق کا برتاؤ کررہا ہے مسلمانوں نے اپنی پوری تاریخ میں دوسری قوموں کے ساتھ اسی طرح کی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے اور جنگی قیدیوں کے ساتھ جنگ کے میدان میں جنگ کرنے والوں کے ساتھ عفوودرگذر کے ایسے ایسے نمونے چھوڑے ہیں کہ تاریخ انگشت بدنداں ہے۔

قارئین کرام یہ برتاؤ اسلام کے عہد واول میں کیا گیا، کہا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اس عہد کے لوگوں میں رحم وکرم رگ وپے میں سمویا

ہوا تھا اس لئے انہوں نے اپنی طبیعت اور مزاج سے مغلوب ہو کر ایسا کیا مگر اس کے بعد کے زمانوں میں صلیبی خون آشام جنگوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی، ملک مظفر، ظاہر شاہ، بیبرس، اندلس کے سلاطین، عثمانی خلفاء، ہندوستان کے امراء اور بادشاہوں کی جنگی تاریخ اس طرح کے واقعات اور کارناموں سے مالا مال ہے۔

فقیر کی آہ وفغاں سے عرش لرز اٹھا

ایک مرتبہ حضرت ابوعلی قلندر کا ایک مرید جو کہ مست اور بے خود تھا بازار سے گزر رہا تھا۔ آگے سے حاکم شہر کی سواری آرہی تھی۔ ہٹو بچو کا شور تھا مگر مست و سرشار مرید نے شاہی سواری کی آمد کو کوئی اہمیت نہ دی۔ حاکم کے چوبداروں نے اس کو راستے سے ہٹ جانے کے لئے کہا مگر اسنے ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا۔ اب چوبداروں نے اس کی اتنی پٹائی کی کہ ادھ موا کر کے رکھ دیا۔ وہ روتا سسکتا ہوا بوعلی قلندر کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت بوعلی قلندر کو بڑا دکھ ہوا انہوں نے فوراً جلال میں آ کر بادشاہ وقت سلطان علاء الدین خلجی کو خط تحریر کیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل تھا:

''علاء الدین خوطۂ دہلی! تمہیں بھلائی، نیکی اور بندگانِ خداوند کی فلاح کی میں نے نصیحت کی تھی مگر آج تیرے ایک حاکم کے کارندوں نے میرے مرید کو مار مار کے بے حال کر دیا ہے۔ اس کی آہوں نے عرش ہلا کر رکھ دیا ہے۔ تمہیں میں حکم دیتا ہوں کہ اپنے حاکم مذکور کو سزا دے اور کوتاہی نہ کرو ورنہ عذاب الٰہی کے لئے تیار رہ۔ اگر تو سزا دینے میں ناکام رہا تو تو حکومت کے لائق نہیں۔''

سلطان علاء الدین خلجی حضرت بوعلی قلندر کا خط پڑھ کر سناٹے میں آ گیا۔ فوراً مذکورہ حاکم کو پابہ جولاں پیش ہونے کا حکم جاری کیا۔ جب حاکم کو زنجیروں میں جکڑا ہوا سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے مرید کو مارنے کی تفصیل پوچھی۔ حاکم نے کہا جہاں پناہ! بلاشبہ میرے چوبداروں نے حضرت بوعلی قلندر کے مرید کو مارا ہے مگر اِس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہ تھا۔ چوبداروں نے میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا عمل از خود کیا ہے۔

بادشاہ نے کہا اگرچہ تو نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن تیرے چوبدار جس وقت مارنے والی نامعقول حرکت کر رہے تھے تو دیکھ رہا تھا تو ان کو روک سکتا تھا اور تمہاری خاموشی اور تماشہ بینی کا صریحاً مطلب یہ ہے کہ تو نے جان بوجھ کر اپنے چوبداروں کو ایسا کرنے دیا اور اس میں تیری ایما اور رضامند باقاعدہ شامل تھی۔ حاکم بادشاہ کے ارادوں کو بھانپ گیا اور رونے لگا کہ میں بے گناہ ہوں۔

سلطان نے کہا تو میری نظر میں، حضرت بوعلی قلندر کی اور ان کے مرید کی نظر میں گناہگار ہے اور ان کا گنہگار خدا اور اس کے رسول ﷺ کا بھی گنہگار ہے اور ایسے گنہگار کو معاف کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ ہزاروں منتوں کے باوجود بھی بادشاہ نے حکم دیا کہ حاکم شہر کی اتنی ہی پٹائی کی جائے اور اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے اور آئندہ ہمیشہ کے لئے اس کے خاندان کے ہر فرد کو شاہی ملازمت کا نااہل قرار دے دیا جائے۔

اس کے بعد بادشاہ امیر خسرو کی وساطت سے حضرت بوعلی قلندر سے معذرت کا طلب گار ہوا۔ حضرت بوعلی قلندر بولے، سلطان نے انصاف کا بول بالا کیا ہے ورنہ اس مرید کی آہ وفغاں سے تو عرش بھی لرز گیا تھا۔ اب میں سلطان کو معاف کرتا ہوں اللہ بھی سلطان کو معاف کرے۔

جسم کے وزن کے برابر سونا تقسیم

ایک دفعہ امیر بخت الملقب بشرف الدین الخراسانی سلطان ہند کے دربار میں بیمار ہوگئے۔ سلطان ان کی عیادت کے لئے آیا۔ جب ان کے پاس آیا تو انہوں نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا۔ سلطان نے قسم دلائی کہ بستر سے نہ اترو۔ سلطان کے لئے ایک مونڈھا ڈال دیا گیا۔ یہ اس پر بیٹھا پھر سونا اور ترازو منگوایا۔ چنانچہ لایا گیا۔ مریض سے کہا کہ ترازو کے ایک پلڑہ میں بیٹھو۔ چنانچہ اس کے وزن کے برابر سونا خیرات کر دیا۔

ہشام اور حضرت طاؤس کی ملاقات

خلیفہ ہشام ابن عبدالملک جب مدینہ منورہ میں پہنچا۔ تو اس نے حکم دیا کہ صحابہ کرام رضی

اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ تمام صحابہ کرام انتقال فرما چکے ہیں۔ کہا کہ تابعین میں سے کسی کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت طاؤس کو خلیفہ کے پاس لے گئے۔ انہوں نے اندر جا کر جوتا اتارا۔ اور کہا ''السلام علیکم یا ہشام''۔

ہشام سخت غضبناک ہوا اور انہیں قتل کر ڈالنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ جگہ حرم رسول اللہ ﷺ ہے۔ اور یہ شخص اکابر علماء میں سے ہے۔ اس ارادہ سے باز آ۔

اس سے پوچھا۔ اے طاؤس! تم نے یہ کیا دلیری اور گستاخی کی؟

فرمایا میں نے کیا کیا؟

یہ سن کر ہشام اور بھی برافروختہ ہوا۔ اور کہنے لگا۔ تم نے چار بے ادبیاں کی ہیں:

۱...... جوتا لب فرش اتارا۔ (یاد رہے کہ ہشام کے نزدیک یہ امر معیوب تھا۔ بلکہ اس کے سامنے موزہ اور جوتا پہنے ہوئے بیٹھنا چاہئے تھا۔)

۲...... مجھے امیر المومنین نہ کہنا۔

۳...... میرا نام لے کر پکارا۔ میری کنیت نہ کہی (اس بات کو بھی عرب بنظر استحسان نہیں دیکھتے۔)

۴...... میری اجازت کے بغیر بیٹھ گئے۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے ان چار باتوں کا یہ جواب دیا۔

۱...... تیرے سامنے جوتا اتارنے کا سبب یہ ہے۔ کہ میں ہر روز پانچ بار اس رب العزت کے سامنے جو سب کا مالک اور احکم الحاکمین ہے۔ جوتا اتار کر ہی جاتا ہوں۔ اور اس حرکت سے وہ کبھی مجھ سے خفا نہیں ہوتا۔

۲...... تجھے امیر المومنین اس لئے نہیں کہا کہ تیری امارت پر سب لوگ راضی نہیں۔ اسی لئے قول الزور سے محترز رہا۔

۳...... تجھے نام لے کر پکارا اور کنیت سے نہیں پکارا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو نام لے کر پکارا ہے۔ یا داؤد، یا یحییٰ، یا عیسیٰ وغیرہ۔ اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے یاد فرمایا ہے۔ جیسے تبت یدا ابی لھب.

۴...... تیرے سامنے جو بغیر اجازت کے بیٹھ گیا ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے تو اسے کہہ دو۔ کہ ایسے شخص کو دیکھ لے جو خود تو بیٹھا ہو۔ اور بندگان خدا اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں۔

ہشام کو یہ باتیں بے حد پسند آئیں۔ کہا مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ دوزخ میں پہاڑ کے برابر سانپ اور اونٹ کے برابر بچھو ہیں۔ وہ سب ایسے امیر کی راہ دیکھا کرتے ہیں۔ جو رعایا پر رحم نہ کرے۔ یہ فرمایا اور چلے گئے۔

(مغنی الواعظین ص ۳۱۷)

حضرت محبوب الٰہی کے عظیم کارنامے

علاء الدین خلجی کے عہد میں محبوب الٰہی کے فیوض و برکات سے ملک میں عام انقلاب پیدا ہوا۔ آپ کی نظر کیمیا اثر سے خواص وعوام میں خاص غیر معمولی تبدیلیاں بھی پیدا ہوئیں ایک دنیا آپ کے انفاس متبرکہ سے روشن ہوئی۔ ایک عالم نے آپ کی بیعت کی ان کے ہاتھ پر ستر۷۰ گناہگاروں نے توبہ کی بے نمازی ہمیشہ کے لئے نماز کے پابند بن گئے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ اور ترک دنیا کے معاملات کے دیکھنے سے لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت وحوص وہوس کم ہوگئی۔ آپ کی عبادت اور محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند کریم کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی۔

آپ سے متاثر ہوکر سلطان علاؤالدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام نشہ آور چیزوں اور فسق وفجور کے سامان کو نہایت سختی سے روک دیا۔ حضرت محبوب طبی نے بیعت کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ گنہگاروں کو خرقہ سے نوازتے اور ان سے توبہ کراتے تھے اور خاص و عام غریب ودولت مند بادشاہ وفقیر عالم وجاہل شریف اور ذیل شہری اور دیہاتی، غازی ومجاہد آزاد وغلام سب کو توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے۔

لوگ نوافل کے اس قدر پابند ہوگئے تھے۔ مساجد میں نفل پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ بادہ کے محل میں بہت سے امراء لشکری حضرت کے مرید ہوتے تھے اور چاشت واشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے۔ عام لوگ ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے۔ ہر محلہ میں صلحاء کا اجتماع ہوتا۔

عہد علائی کے آخر چند سالوں میں شراب معشوق فسق وفجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام تک لوگوں کی زبان پر نہ آتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ کو جنید بغدادی اور بایزید بسطامی کے مثل پیدا کیا تھا۔

یہ الفاظ میرے نہیں بلکہ مشہور معتبر تاریخ فیروز شاہی کے ہیں۔لوگ بزرگوں کی کرامات سننے کے شوقین ہوتے ہیں اس سے بڑی کرامت کیا ہوگی کہ قوم کی اصلاح ہوجائے اور خیر غالب ہوجائے اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کے بموجب لوگ اپنی زندگیوں کے نقشہ بنائیں۔آپ نے اور آپ کے نامور خلفاء نے اشاعت اسلام میں بہت زیادہ حصہ لیا۔

آپ کے خلیفہ خواجہ برہان الدین غریب نے دکن میں اور حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر نے پانی پت کے علاقہ میں ہزاروں غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔آپ کا فیض ہندوستان تک محدود نہ رہا بلکہ چین بھی اس چشمہ خیر سے سیراب ہوا چین میں بھی یہ سلسلہ قائم رہا۔چین میں حضرت کے پہلے خلیفہ خواجہ سالار ہین بن تھے۔

صنعتی دیانت

قدیم مسلماں صنعت کار مضبوط اور پائیدار چیزیں بنانے کے عادی تھے۔ان کا آج کل کی طرح ناپائیدار چیزیں بنانے کی طرف کبھی دھیان بھی نہ گیا تھا۔

چوتھی صدی ہجری میں بقول ابن حوقل:

عدن یمن اور ایران کے مختلف شہروں میں ایسے کپڑے بنے جاتے تھے۔جن کی بقاء کی مدت پانچ برس سے بیس برس تک ہوتی تھی۔

سمرقند میں جوایسا کپڑا تیار ہوتا تھا۔وہ دینداری کہلاتا تھا اس کی خوبی یہ تھی کہ کارخانے سے نکلنے کے بعد دھوئے بغیر لوگ اسے پہنتے تھے۔

خراسان میں نہ کوئی امیر ہے۔نہ وزیر ہے۔نہ قاضی ہے نہ دفتری کارندہ۔نہ عامی ہے۔ نہ فوجی آدمی جوان ویذاری کپڑوں کو استعمال نہ کرتا ہو۔

میں نے خداس کے ایک سے زائد کپڑے پانچ پانچ سال تک استعمال کئے ہیں۔بیس بیس سال تک کام دینے والے کپڑے ان سے ذرا اچھی قسم کے تھے۔''

عمدہ ونفیس ہونے کی وجہ سے یہ کپڑے امراء ووزراء کے زیر استعمال تھے سستے اور پائیدار ہونے کے سبب غربا بھی استعمال کرتے تھے۔ایک ساٹھ سالہ انسان کے لئے عمر بھر میں تین جوڑے کافی ہوجاتے تھے متوسط نرخ پر اس قدر پائیدار کپڑے تیار کرنے کے بعد اس وقت کے پارچہ باف خوش حال تھے۔

جیسا بادشاہ ویسی رعایا

عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار میں ایک مرتبہ افریقہ کا ایک قاضی جو اس کا ہم سبق بھی رہ چکا تھا حاضر ہوا۔خلیفہ نے دریافت کیا تمہیں میری حکومت اور اموی حکومت میں کیا فرق نظر آیا۔

قاضی نے جواب دیا۔امیر المومنین میں نے بداعمالیوں اور ظلم وجور کی کثرت دیکھتی ہے۔پہلے تو میرا گمان یہ تھا کہ اس کا سبب آپ کا ان علاقوں سے دور ہونا ہے لیکن دارالخلافہ کے جوں جوں نزدیک آتا گیا معاملہ اسی قدر نازک ہوتا گیا۔خلیفہ نے شرمندہ ہوکر کہا پھر میں کیا کرسکتا ہوں۔

قاضی نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم نہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا تھا کہ لوگ بادشاہ کے تابع ہوتے ہیں اگر بادشاہ نیک ہوگا تو رعایا نیک اور اگر بادشاہ بد ہوگا تو رعایا بھی بد ہوگی۔یہ سن کر منصور کو ندامت ہوئی اور خاموش ہوگیا۔

اخلاص والے شخص کے اخلاص کا انوکھا واقعہ

حضرت ابن نجید رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور کے رہنے والے بہت بڑے عالم گزرے ہیں یہ بہت ہی نیک اور عبادت گزار تھے۔اللہ نے مال بھی خوب دے رکھا تھا۔باپ دادا سے بہت سا مال میراث میں پایا تھا۔ان کا سارا مال دین کا علم حاصل کرنے اور غریبوں پر خرچ کرنے میں کام آیا۔

ان کے ایک استاد حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سرحد پر لڑنے والے مجاہدوں کے لئے ان کے استاد حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے چندے کی اپیل کی،

لیکن بہت کم چندہ ہوا۔ایک دن جب بہت سے لوگ ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خوش وخرم بیٹھے تھے،تو حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ مجاہدوں کی بھوک پیاس اور تکلیفیں یاد کر کے زور زور سے رونے لگے۔ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کے رونے کا حضرت ابن نجید رحمۃ اللہ علیہ پر اتنا اثر ہوا کہ فوراً گھر گئے اور دو ہزار کی ایک تھیلی لا کر چپکے سے اپنے استاد حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کو دی۔استاد بہت خوش ہوئے اور وہیں سب کے سامنے ابن نجید رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کی کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا شوق ہو۔

ابن نجید رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اس بات کا لوگوں کو پتہ چل گیا۔بہت رنجیدہ ہوئے اور وہیں سب کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا:۔

استاد محترم! میں یہ مال اپنی والدہ سے مشورہ کئے بغیر لے آیا تھا۔اب معلوم نہیں کہ اتنی بڑی رقم دینے کے لئے وہ راضی ہوں گی یا نہیں۔آپ یہ رقم مجھے واپس فرما دیجئے۔حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر کسی پس و پیش کے فوراً رقم واپس کر دی۔

ابن نجید رحمۃ اللہ علیہ وہ رقم سب کے سامنے اپنے گھر لے گئے،جب رات ہو گئی اور ابن نجید رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھ لیا کہ اب لوگ چلے گئے ہوں گے تو فوراً اٹھے،تھیلی ہاتھ میں اٹھائی اور اپنے استاد کے مکان پر پہنچے۔استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ تھیلی پیش کرتے ہوئے فرمایا:حضرت میں یہ نہیں چاہتا کہ میری نیکی کی لوگوں کو خبر ہو۔میں لوگوں کی تعریف سے بے نیاز ہو کر صرف خدا کی خوشنودی چاہتا ہوں۔اس لئے آپ خدا کے لئے کسی کو اس کی خبر نہ دیں۔

ابن نجید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ باتیں سن کر حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے اور اتنا روئے کہ ہچکی بند گئی۔جب ذرا سکون ہوا۔تو ابن نجید رحمۃ اللہ علیہ کو گلے سے لگایا۔دعائیں دیں اور فرمایا:

خدا نے تجھے بڑی ہمت دی ہے۔

اسلامی حکومتوں کی آمدنی

محمد بن عبدوس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا دارالحکومت بغداد تھا تو صرف

دمشق کے ایک شہر میں بیت المال کی آمدنی چار لاکھ بیس ہزار دینار تھی، اور مدائنی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں صرف دمشق کی آمدنی سے فوجوں اور گورنروں کی تنخواہ، فقہاء۔ مؤذنین اور قاضیوں کے وظائف اور دیگر ضروری اخراجات کے بعد چار لاکھ دینار بیت المال میں بچ جایا کرتے تھے۔ (تہذیب ابن عساکر ص۵۴ ج۱۔ روضۃ الشام ۱۳۲۹ھ)

اس قوم کے خلاف لڑنا خودکشی ہے

ایک موقعہ پر رومیوں نے ایک جاسوس بھیجا کہ وہ عربی فوج کے حالات معلوم کرے۔ اس نے پلٹ کر خبر دی کہ یہ لوگ رات کو زاہد و عابد اور دن کو شہسوار بن جاتے ہیں۔ اگر ان کا بادشاہ بھی کوئی چیز چرائے تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں اور اگر وہ جرم زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سنگسار کر ڈالتے ہیں! رومی سپہ سالار یہ سن کر کہنے لگا اس قوم کے خلاف لڑنے سے خود کشیاں بہتر ہے! (طبری)

موسیٰ بن نصیر کے والد نصیر، امیر معاویہ کے مصاحبین میں شامل تھے لیکن جب امیر معاویہ حضرت علی سے لڑنے کے لئے گئے تو نصیر نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ بعد میں امیر معاویہ نے پوچھا تمہیں میری معاونت کرنے سے کس چیز نے روکا؟

وہ بولے مجھ میں یہ طاقت نہ تھی کہ آپ کے شکر کرنے کے بدلے میں میں آپ سے زیادہ شکریہ کے حق دار کے سامنے کفر کی حالت میں پیش ہوں۔

امیر معاویہ نے پوچھا وہ کون ہے۔

نصیر بولے۔ اللہ عزوجل۔

انوکھی دلیل

بعض لوگوں نے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے آ کر مامون الرشید سے کہا کہ کھڑے ہو کر میری بات سن لیں تو مامون نے انکار کر دیا۔ پھر اس شخص نے مامون سے کہا کہ:

اے مامون! اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد کو ایک چیونٹی کی بات سننے کے لئے کھڑا کیا تھا اور اللہ کی نزدیک میں چیونٹی سے کم درجہ کا

نہیں اور آپ حضرت سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر شان وشوکت والے نہیں ہیں۔

مامون نے جواب دیا کہ تم نے سچ کہا۔ پھر کھڑے ہو کر اس کی بات سنی اور اس کی حاجت پوری کر دی۔

فائدہ:

علامہ فخر الدین رازی نے "حتیٰ اذا تو اعلی و ادالنمل" کی تفسیر کے تحت میں لکھا ہے کہ "و ادا لنمل" سے مراد شام میں ایک وادی ہے جہاں چیونٹیاں بہت ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل احقر کی کتاب "انبیاء کے مثالی واقعات" میں موجود ہے۔

یہودیوں نے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالا

زمانہ اسلام سے پہلے جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تو روم کے نصاریٰ نے ان سے انتقام لینے کی خاطر عراق کے ایک مجوسی بادشاہ کے ساتھ مل کر اپنے بادشاہ طیطوس کی سرکردگی میں شام کے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان کو قتل و غارت کیا اور تورات کے نسخے جلا ڈالے، بیت المقدس میں نجاسات اور خنزیر ڈال دیئے، اس کی عمارت کو خراب و ویران کر دیا، بنی اسرائیل کی قوت وشوکت کو بالکل پامال اور ختم کر دیا، آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک تک بیت المقدس اسی طرح ویران و منہدم پڑا تھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب شام و عراق فتح ہوئے تو آپ کے حکم سے بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر کرائی گئی، زمانہ دراز تک پورا ملک شام و بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔

، پھر ایک عرصہ کے بعد بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا، اور تقریباً سو سال یورپ کے عیسائیوں کا اس پر قبضہ رہا، یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اس کو فتح کیا۔

مجاہد بادشاہ کی عاشقانہ موت

پوپ کے حکم سے تمام عیسائی بادشاہوں نے جنگ کا اعلان کردیا۔ انگلینڈ، فرانس، سسلی، آسٹریا، برگنڈی کے ڈیوک اور فلانڈرس کا کاؤنٹ۔ فلسطین کے بادشاہ اور اس کے شہزادے، غرض سب نے ہزاروں عیسائی جمع کئے۔ ایک بے پناہ لشکر ترتیب دیا۔ مگر سلطان نے جو ناقابل شکست دیوار کھڑی کررکھی تھی اس کا توڑنا بچوں کا کھیل نہ تھا۔ عیسائی اپنی انتہائی کوشش کے باوجود ناکام رہے۔ بیت المقدس سلطان کے قبضہ میں رہا۔

طوفان چھٹ چکا تو سلطان امن کے دن گزارنے لگا۔ اب ان کی خواہش تھی کہ حج کیا جائے مگر اس سال حج کا وقت گزر چکا تھا اور لوگ واپس آرہے تھے۔ اس نے سوچا اگر وہ حج نہیں کرسکتا تو کم از کم ان لوگوں کی خدمت تو کرسکتا ہے جو حج سے واپس آرہے ہیں۔

یہ سوچ کر وہ دمشق سے باہر آیا۔ اس کا جسم نحیف وکمزور ہوچکا تھا۔ موسم خشک تھا۔ بارش کی وجہ سے راستے سیلاب زدہ تھے۔ ہوا تیز تھی۔ اس کے بدن پر گرم کپڑے نہ تھے۔ اسے پچھلی رات بخار رہا تھا۔ راستے میں اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ آخر حالت تشویش ناک ہوگئی۔ اس نے تلاوت قرآن کی آواز سنی۔ جب یہ آیت پڑھی گئی:

''وہ اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ غائب اور حاضر کردیکھتا ہے۔ وہ رحمان ورحیم ہے۔''

سلطان بڑبڑایا...... ''یہ سچ ہے۔''

قرأت جاری رہی: ''میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں......''

سلطان کے ہونٹ ہلنے لگے۔ ان پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کا چہرہ چمک اٹھا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

سلطان کو اسی دن دفن کردیا گیا۔ وہ اپنا سب کچھ خیرات کرچکا تھا۔ کفن کے لئے ادھار لینا پڑا۔ تجہیز وتکفین کے سامان سے یوں لگتا تھا کہ کسی مسکین ولاوارث لاش کے دفن کے لئے انتظام ہورہا ہے۔ لاش کو ڈھانپنے کے لئے کپڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ کسی شاعر نے قصیدہ نہ پڑھا۔ کوئی تعزیتی مجلس منعقد نہ ہوئی۔

جب جنازہ شہر کے دروازے پر پہنچا تو ہر طرف آہ و بکا کی آوازیں آ رہی تھی۔ اس سلطان کا نام صلاح الدین ایوبی تھا۔

نوشیرواں اور غریب بڑھیا

بیان کرتے ہیں کہ ایک مقدمہ میں حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدل وانصاف سے فیصلہ فرمایا، لوگ تعریف کرنے لگے تو آپ نے فرمایا لوگو! نوشیرواں اگرچہ کافر تھا مگر عدل وانصاف میں وہ بڑھ کر تھا، اس نے عدل کے ساتھ عمدہ زندگی بسر کی، اس نے اپنا ایک عالی شان محل بنوایا۔ امراء ووزراء اور درباریوں کو وہاں بلایا گیا، دیکھا کہ ایک کونہ غیر مناسب ہے۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا اگر یہ سیدھا ہوتا تو کیا خوب تھا۔

نوشیرواں نے کہا یہ کونا اس لئے ٹیڑھا ہے کہ اس کے ساتھ ایک بوڑھی خاتون کا مکان ہے وہ اپنا مکان قیمتاً بھی دینے پر رضامند نہ ہوئی تو میں نے اسی طرح کونے کو ٹیڑھا ہی رہنے دیا کیونکہ اس کی جگہ پر قبضہ کرنا عدل وانصاف کے منافی تھا۔

انا اللّٰہ یحب المقسطین

عدل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔

حجاج بن یوسف بحیثیت گورنر کوفہ

خلیفہ عبدالملک کا زمانہ تھا۔ کوفے کے کئی ایک سپاہی جرنیل معلب کی فوج کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کوفے کے لوگوں میں بغاوت کے آثار پائے جاتے تھے۔ خلیفہ نے حجاج بن یوسف کو کوفے کا گورنر بنایا تاکہ حالات کو سدھارے۔

حجاج نے اپنے ساتھ بارہ آدمی لئے۔ کوفے پہنچ کر سیدھا مسجد میں گیا جہاں لوگ جمع تھے۔ وہ مسجد میں اس انداز میں داخل ہوا کہ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے میں کمان۔ اس کا آدھا چہرہ پگڑی کی لپیٹ میں چھپا ہوا تھا۔

وہ منبر پر چڑھا اور کوئی لفظ کہے بغیر لوگوں کو دیکھنے لگا۔ جب کافی وقت گزر گیا اور خاموشی طاری رہی تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ شخص مارے خوف کے کچھ بول نہیں سکتا۔ لوگ برہم ہوئے

کہ خلیفہ نے کیا عجیب وغریب آدمی گورنر بنا کر بھیج دیا ہے۔اس نے اپنی پگڑی چہرے سے ہٹائی اور ایک قدیم شاعری کی زبان میں یوں خطاب کیا:

''میں چڑھتا ہوا سورج ہوں۔ میں تمام رکاوٹوں کو پار کرلیا کرتا ہوں۔ یہ دکھانے کے لئے کہ میں کیا ہوں،صرف چہرے سے نقاب اٹھانا ہی کافی ہے۔''

پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:''مجھے معلوم ہے کب فصل پک جاتی ہے، کب کاٹے جانے کے لائق ہوتی ہے۔ اور کاٹنے والا...... میں ہوں کاٹنے والا۔ پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان جو چھاتیوں پر لہرا رہی ہیں ان میں خون دیکھ رہا ہوں،خون!''

اب اس کی آواز بلند سے بلندتر ہوتی جارہی تھی۔

''واللہ، اے اہل عراق! میں وہ نہیں ہوں جو تمہاری آنکھ کی گھرکی دیکھ کر خوف کھا کر بھاگ جاؤں۔ میں ایسا اونٹ نہیں ہوں جو خالی مشک کے ڈھول کی آواز سے بھاگ جائے۔ گھوڑے کی عمر اور اس کی طاقت کا اندازہ اس کے دانت دیکھ کر کیا جاتا ہے۔ میرا منہ اور میری عقل کا دانت دیکھا جاچکا ہے۔خلیفۃ المسلمین اپنی ترکش سے تیر نکال چکا ہے۔اس نے اپنے تیروں کو پھیلا کر نچھا دیا ہے کہ ان کا معائنہ کرے۔اس نے اپنے تیروں میں سے سب سے زیادہ تیز تیر نکال لیا ہے۔وہ تیر میں ہوں۔اس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔تم ایک عرصہ سے فساد اور بغاوت میں مصروف ہو۔

مگر اب میری سنو!

میں تم سے وہ سلوک کروں گا جو چرواہا اس اونٹ سے کرتا ہے جو اپنی نکیل کی رسی توڑ کر گلے سے الگ ہو جاتا ہے۔

خوب سن لو!

میں جو کہا کرتا ہوں اسے کر دکھاتا ہوں۔ میں جو تجویز کرتا ہوں اس پر عمل کرتا ہوں۔خلیفۃ المسلمین نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہاری تنخواہیں ادا کروں اور تمہیں میدان جنگ میں مہلب کی کمان میں جا کر لڑنے کا حکم دوں۔میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس مہلت میں جو شخص فوج میں شامل نہ ہوا،اس کا سر کاٹ دیا جائے گا۔''

پھر ایک نوجوان ساتھی سے مخاطب ہو کر بولا:''اے نوجوان!اب تم خلیفۃ المسلمین کا حکم

پڑھ کر سنا دو۔''

نوجوان نے خلیفہ کا حکم یوں پڑھ کر سنانا شروع کیا: ''عبدالملک خلیفۃ المؤمنین کوفے کے مسلمانوں کی خدمت میں سلام بھیجتا ہے۔''

حاضرین میں سے کسی نے اس سلام کا جواب نہ دیا۔ سب خاموش رہے۔ حجاج نے نوجوان کو روک دیا اور گرج کر کہا: ''خلیفۃ المومنین تم لوگوں کو سلام بھیجتا ہے اور تم جواب تک نہیں دے رہے۔ کیا مجھے اب تمہیں اخلاق کا سبق بھی دینا پڑے گا۔ نوجوان پھر شروع کرو۔''

نوجوان نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ حجاج ایسی خوفناک صورت بنائے ہوئے تھا کہ جب خلیفہ کا پیغام دوبارہ پڑھا گیا تو فوراً تمام حاضرین پکار اٹھے: ''اور خلیفۃ المومنین پر سلام ہو۔''

امیر تیمور لنگ کو نصیحت

جب امیر تیمور لنگ نے سمرقند میں قیام کیا تو ایک قاصد کے ذریعہ حضرت خواجہ شمس الدین امیر کلال علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ یہاں قدم رنجہ فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔ کیونکہ ہمارا آنا دشوار ہے۔

حضرت خواجہ نے فرمایا: ''ہم امیر کے پاس جانے سے معذور ہیں۔ ہم یہیں رہ کر اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے۔''

پھر آپ نے اپنے صاحبزادے امیر عمر علیہ الرحمۃ سے فرمایا: ''قاصد کے ہمراہ جاؤ اور ہماری طرف سے معذرت کردو۔ اور اگر امیر تیمور کوئی ہدیہ یا نذر پیش کرے تو اسے ہرگز قبول نہ کرنا، یا پھر ہمارے پاس واپس نہ آنا۔''

امیر عمر نے امیر تیمور کے پاس پہنچ کر حضرت خواجہ کی طرف سے معذرت پیش کردی۔

امیر تیمور نے کہا: ''ہم نے تم کو ملک ''بخارا'' عطا کیا۔

امیر عمر کلال نے فرمایا: ''ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

امیر تیمور نے التجا کی: ''اگر سارا نہیں تو کچھ حصہ ہی قبول کرلیں۔''

امیر عمر کلال نے جواب دیا: ''ہم کچھ بھی قبول نہیں کرسکتے۔''

امیر تیمور نے پوچھا: ''میں حضرت خواجہ کے مناسب حال کیا بھیجوں کہ مجھے ان کا تقرب

حاصل ہو؟''

سید امیر عمر کلال نے فرمایا: ''اگر تم چاہتے ہو کہ درویشوں کے دل میں تمہارا تقرب ہو جائے۔ تو تقویٰ اور عدل کو اپنا شعار بناؤ۔ کیونکہ حق تعالیٰ اور خاصان حق کے قرب کا ذریعہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔''

تلوار سے ظالم کے دو ٹکڑے کر دیئے

سلطان محمود غزنوی کا زمانہ تھا۔ تگین آباد سے ایک امیر شخص دارالحکومت آ رہا تھا تگین آباد سردار کو ایک خچر کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ اس کے ملازم ایک فقیر کا خچر میگا میں پکڑ لائے اور اس پر بوجھ لاد کر روانہ ہو گئے۔

سلطان محمود غزنوی کو خبر رسانوں کے ذریعے اس واقعے کی اطلاع ملی تو بہت ناراض ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ سردار دربار میں آیا۔ سلطان نے حاجیوں کے سردار کو مخاطب کر کے کہا: اس سردار سے پوچھو کہ اس کی یہ مجال کیسے ہوئی کہ ہماری رعایا کے جانور بیگار میں پکڑے؟ اس کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ مجرم حاجب کو خسرو آباد لے جایا جائے اور عامۃ الناس کے سامنے اس کے جرم کا اعلان کیا جائے پھر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

گورنر محمد بن عاص کا کبوتر کو تکلیف سے بچانے کا واقعہ

گورنر مصر حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اسکندریہ کی فتح کی خبر پہنچی۔ انہوں نے اسکندریہ جانے کی تیاری کی۔ تو ضروری سامان جمع کرتے ہوئے آپ نے اپنا خیمہ بھی اکھاڑنے کا حکم دیا۔ سپاہی خیمہ اکھاڑ رہے تھے کہ حضرت عمرو بن العاص کی نظر خیمہ کے اندر ایک گھونسلہ پر پڑی جو ایک کبوتر کا آشیانہ تھا۔ آپ کی نظر جب اس پر پڑی۔ تو آپ نے سپاہیوں کو خیمہ اکھاڑنے سے روک دیا۔ اور فرمایا کہ اس خیمہ کو نہ گراؤ۔ تاکہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہو۔

چنانچہ صرف ایک کبوتر کے آرام و آسائش کی خاطر اسے بے گھر نہ کرنے کے لئے اس خیمہ کو وہیں چھوڑ دیا گیا۔ اور پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی پر اس جگہ

شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ جس کا نام اس کبوتر کے اس خیمے کی نسبت سے "فسطاط" مشہور ہو گیا۔ فسطاط عربی زبان میں خیمہ کو کہتے ہیں۔ یہ شہر فسطاط آج تک مسلمانوں کے حسن اخلاق کی گواہی دے رہا ہے۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا چور بننے کا واقعہ

ایک رات حضرت سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ شاہی لباس اتار کر عام لباس میں رعیت کی نگرانی کے لئے تنہا گشت فرما رہے تھے کہ اچانک چوروں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ آپس میں کچھ مشورہ کر رہا ہے۔ چوروں نے سلطان محمود کو دیکھ کر دریافت کیا کہ اے شخص تو کون ہے؟

بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تم ہی میں سے ایک ہوں۔ وہ لوگ سمجھے کہ یہ بھی کوئی چور ہے اس لئے ساتھ لے لیا۔ پھر آپس میں باتیں کرنے لگے اور یہ مشورہ ہوا کہ ہر ایک اپنا اپنا ہنر بیان کرے تا کہ وہی کام اس کے سپرد کر دیا جاوے۔

ایک نے کہا صاحبو! میں اپنے کانوں میں ایسی خاصیت رکھتا ہوں کہ کتا جو کچھ اپنی آواز میں کہتا ہے میں سب سمجھ لیتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

دوسرے نے کہا کہ میری آنکھوں میں ایسی خاصیت ہے کہ جس شخص کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا ہوں اس کو دن میں بلا شک وشبہ پہچان لیتا ہوں۔

تیسرے نے کہ میرے بازوؤں میں ایسی خاصیت ہے کہ میں ہاتھ کے زور سے نقب لگا لیتا ہوں یعنی گھر میں داخل ہونے کے لئے مضبوط دیوار میں بھی ہاتھ سے سوراخ کر دیتا ہوں۔

چوتھے نے کہا کہ میری ناک میں ایسی خاصیت ہے کہ مٹی سونگھ کر معلوم کر لیتا ہوں کہ اس جگہ خزانہ مدفون ہے یا نہیں۔ جیسے مجنون نے بغیر بتلائے ہوئے خاک سونگھ کر معلوم کر لیا تھا کہ اس جگہ لیلیٰ کی قبر ہے۔

ہمچو مجنوں بو کنم ہر خاک را
خاک لیلیٰ را بیابم بے خطا

پانچویں شخص نے کہا کہ میرے پنجہ میں ایسی قوت ہے کہ محل خواہ کتنا ہی بلند ہو لیکن میں اپنے پنجہ کے زور سے کمند کو اس محل کے کنگرہ میں مضبوط لگا دیتا ہوں اور اس طرح مکان

میں آسانی سے داخل ہو جاتا ہوں۔

پھر سب نے مل کر بادشاہ سے دریافت کیا کہ اے شخص تیرے اندر کیا ہنر ہے جس سے چوری کرنے میں مدد مل سکے۔ بادشاہ نے جواب دیا:

مجرماں راچوں بجلاّ داں وہند
چوں بجنبد ریش من ایشاں رہند

ترجمہ: میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ پھانسی کے مجرموں کو جب جلادوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے اس وقت اگر میری داڑھی مل جاتی ہے تو سب اسی وقت رہائی پا جاتے ہیں یعنی جب میں ترحم سے داڑھی ہلا دیتا ہوں تو مجرمین کو قتل کی سزا سے فی الفور نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ سنتے ہی چوروں نے کہا:

قوم گفتندش کہ قطب ماتوئی
روز محنت ہا خلاص ماتوئی

ترجمہ: اے ہمارے قطب! چونکہ یوم مشقت میں خلاصی کا ذریعہ آپ ہی ہیں یعنی اگر ہم پکڑے جاویں تو آپ کی برکت سے چھوٹ جائیں گے اس لئے اب ہم سب کو بے فکری ہوگئی کیونکہ اوروں کے پاس تو صرف ایسے ہنر تھے جن سے چوری کی تکمیل ہوتی تھی لیکن سزا کے خطرہ سے بچانے کا ہنر کسی کے پاس نہ تھا یہی کسر باقی تھی جو آپ کی وجہ سے پوری ہوگئی اور سزا کا خطرہ بھی ختم ہو گیا۔ بس اب کام میں لگ جانا چاہئے۔

اس مشورہ کے بعد سب نے قصر شاہ محمود کی طرف رخ کیا اور شاہ خود بھی ان کے ہمراہ ہو گیا۔ راستہ میں کتا بھونکا تو کتے کی آواز سمجھنے والے نے کہا کہ کتے نے کہا ہے کہ تمہارے ساتھ بادشاہ بھی ہے لیکن اس کی بات کی طرف چوروں نے دھیان نہ دیا کیونکہ لالچ ہنر کو پوشیدہ کر دیتا ہے:

صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد
چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد

ایک نے خاک سونگھی اور بتا دیا کہ شاہی خزانہ یہاں ہے ایک نے کمند پھینکی اور شاہی محل

میں داخل ہو گیا۔نقب زن نے نقب لگا دی اور آپس میں خزانہ تقسیم کر لیا اور جلدی جلدی ہر ایک نے مال مسروقہ پوشیدہ کر لیا۔ بادشاہ نے ہر ایک کا حلیہ پہچان لیا اور ہر ایک کی قیام گاہ کے راستوں کو محفوظ کر لیا اور اپنے کو ان سے مخفی کر کے محل شاہی کی طرف واپس ہو گیا۔

بادشاہ نے دن کو عدالت میں شب کا تمام ماجرا بیان کر کے سپاہیوں کو حکم دیا کہ سب کو گرفتار کر لو اور سزا قتل سنا دی۔ جب وہ سب کے مشکیں کسی ہوئی عدالت میں حاضر ہوئے تو تخت شاہی کے سامنے ہر ایک خوف سے کانپنے لگا لیکن وہ چور جس کے اندر یہ خاصیت تھی کہ جس کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا دن میں بھی اس کو بے شبہ پہچان لیتا وہ مطمئن تھا۔اس پر خوف کے ساتھ رجاء کے آثار بھی نمایاں تھے۔یعنی ہیبت سلطانی اور قہر انتقامی سے ترسان اور لطف سلطانی کا امیدوار تھا کہ حسب وعدہ جب مراحم خسروانہ سے داڑھی ہل جاوے گی تو فی الفور خلاصی ہو جائے گی اور حسب وعدہ میں اپنے تمام گروہ کو بھی چھڑا لوں گا کیونکہ غایت مروت سے بادشاہ اپنے جان پہچان والے سے اعراض نہ کرے گا بلکہ عرض قبول کر کے سب کو چھوڑ دے گا۔

اس شخص کا چہرہ خوف اور امید سے کبھی زرد کبھی سرخ ہو رہا تھا کہ بادشاہ محمود نے جلالت خسروانہ کے ساتھ حکم نافذ فرمایا کہ ان سب کو جلادوں کے سپرد کر کے دار پر لٹکا دو اور چونکہ اس مقدمہ میں سلطان خود شاہد ہے اس لئے کسی اور کی گواہی ضروری نہیں۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے دل کو سنبھال کر ادب سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اجازت حاصل کر کے اس نے کہا حضور! ہم میں ہر ایک نے اپنے مجرمانہ ہنر کی تکمیل کر دی اب خسروانہ ہنر کا ظہور حسب وعدہ فرما دیا جائے۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ اگر کرم سے ہل جاوے تو مجرم خلاصی پا جاوے۔لہذا اے بادشاہ! اب اپنی داڑھی ہلا دیجئے تا کہ آپ کے لطف کے صدقہ میں ہم سب اپنے جرائم کی عقوبت و سزا سے نجات پا جائیں۔ ہمارے ہنروں نے تو ہمیں دار تک پہنچا دیا اب صرف آپ ہی کا ہنر ہمیں اس عقوبت سے نجات دلا سکتا ہے۔آپ کے ہنر کے ظہور کا یہی وقت ہے۔ ہاں کرم سے جلد داڑھی ہلائیے کہ خوف سے ہمارے کلیجے منہ کو آرہے ہیں۔اپنی داڑھی کی خاصیت سے ہم سب کو جلد مسرور فرما دیجئے۔

سلطان محمود اس گفتگو سے مسکرایا اور اس کا دریائے کرم مجرمین کی فریاد و نالہ اضطرار سے جوش میں آ گیا ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نے اپنی اپنی خاصیت دکھادی حتیٰ کہ تمہارے کمال اور ہنر نے تمہاری گردنوں کو مبتلا قہر کر دیا بجز اس شخص کے کہ یہ سلطان کا عارف تھا اور اس کی نظر نے رات کی ظلمت میں ہمیں دیکھ لیا تھا اور ہمیں پہچان لیا تھا پس اس شخص کی اس نگاہ سلطان شناس کے صدقہ میں تم سب کو رہا کرتا ہوں۔ مجھے اس پہچاننے والی آنکھ سے شرم آتی ہے کہ میں اپنی داڑھی کا ہنر ظاہر نہ کروں۔

فائدہ: اس حکایت میں عبرت و نصیحت ہے کہ جس وقت تم جرائم کا ارتکاب کرتے ہو شہنشاہ حقیقی تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور تمہارے کرتوتوں سے باخبر ہوتا ہے۔

وھو معکم این ما کنتم

ترجمہ: اور سلطان حقیقی تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

بندہ جب کسی نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے تو گویا کزانہ حدود الٰہیہ میں خیانت کرتا ہے۔ اللہ کے حقوق کی خیانت ہو یا بندوں کے حقوق کی یہ سب اللہ کے خزانے کی چوریاں ہیں اس لئے ہر وقت یہ خیال رہے کہ شہنشاہ حقیقی ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس کے سامنے خزانہ لوٹا جا رہا ہے ذرا سوچو تو سہی تم کس کی چوری کر رہے ہو۔ وہ بادشاہ حقیقی کہہ رہا ہے کہ ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ ہمارا قانون تو نازل ہو چکا آج تم قانون شکنی کرلو۔ آج دنیا میں تو میں تمہاری ستاری کرتا ہوں کہ شاید تم راہ پر آ جاؤ لیکن اگر ہوش میں نہ آئے تو کل قیامت میں جب مشکیں کسی ہوئی میرے سامنے حاضر ہو گئے اس وقت میرے قہر و غضب سے تمہیں کون بچا سکے گا۔

اس حکایت سے یہ نصیحت بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی سزا فی المآل یعنی آخرت میں دیں گے اگرچہ دنیا میں فی الحال نظر انداز فرمادیں جیسے خزانہ شاہی کی چوری کے وقت سلطان اگرچہ چوروں کو دیکھ رہا تھا اور ان کے پاس ہی تھا لیکن اس حال میں انہیں سزا نہ دی بلکہ انجام کار گرفتار کرالیا۔ اگر ہر روز یہ مراقبہ کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعمال کو دیکھ رہے ہیں تو گناہ کے ارتکاب سے خوف محسوس ہوگا۔

تیسری نصیحت یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی ہنر کام نہ دے گا۔ بلکہ وہ تمام اعمال جو اللہ

تعالیٰ کی مرضی کے خلاف انسان سے سرزد ہورہے ہیں قیامت کے دن اس کی گردن بندھوادیں گے گو دنیا میں ان کو ہنر سمجھا جاتا ہو۔ جس طرح چوروں نے اپنے فن کو موقع کمال میں پیش کیا تھا لیکن ان کمالات ہی نے ان کی مشکیں کسوادیں۔:

ہر یکے خاصیتے خود وانمود
ایں ہنر ہا جملہ بد بختی فزود

ترجمہ:۔ ہر ایک نے اپنی خاصیت دکھائی اور اپنا کمال ہنر پیش کیا لیکن ان تمام ہنروں سے ان کی بد بختی اور بڑھ گئی۔

جو ہنر جان کو خالق جان سے آشنا نہ کردے اور دل کا رابطہ حق تعالیٰ سے قائم نہ کردے اور اللہ کی یاد کا ذریعہ نہ ہوجاوے وہ ہنر نہیں ہے، وبال ہے۔ انسان کی جو قوتیں اللہ سے بغاوت سرکشی اور غفلت میں صرف ہورہی ہیں وہ ایک دن اس کو مجرم کی حیثیت سے اللہ کے حضور میں پیش کریں گی۔

آج دنیا کی جو قومیں سائنسی ترقی کے ذریعہ تسخیر ماہتاب کو اپنا کمال سمجھ رہی ہیں اور اللہ سے منہ موڑ کر اپنی زندگی کے ایام گزار رہی ہیں انہیں کل قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ ان کا یہ کمال ہنر قابل انعام ہی یا مورد قہر وغضب:

تسخیر مہر و ماہ مبارک تجھے مگر
دل میں اگر نہیں تو کہیں روشنی نہیں

پس معلوم ہوا کہ کوئی ہنر کام آنے والا نہیں ہے سوائے ایک ہنر کے اور وہ یہ ہے کہ اس دنیا کے ظلمت کدہ میں اللہ کو پہچاننے والی نظر پیدا کی جائے جیسے کہ وہ شخص جس کی نگاہ سلطان شناس تھی کہ اپنے اسی ہنر کی وجہ سے قہر وانتقام شاہی سے خود بھی بچ گیا اور دوسروں کے لئے بھی سفارش کی۔ ساری خاصیتیں آلہ سزاوعقوبت ہوگئیں۔

شاہ جہاں کی سلطنت کے زوال کا سبب

شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ بزرگ آدمی تھے شاہجہاں اس قسم کے باکمال لوگوں کو اپنے یہاں رکھنا چاہتے تھے چنانچہ شاہجہاں نے ان کی تحقیق کے لئے دو آدمی (سعد اللہ خاں

اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی) کو بھیجا جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو شیخ آدم مصروف تھے ان کو آتے ہوئے دیکھنے کے باوجود یہ اپنی مصروفیت چھوڑ کر ان کی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوئے۔ تو اس پر سعد اللہ خاں نے کہا کہ میں تو دنیا کا کتا ہوں اگر آپ نے میری تعظیم نہیں کی تو کوئی اشکال نہیں لیکن یہ (مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی) جو میرے ساتھ ہیں یہ تو عالم دین ہیں ان کی تو تعظیم کرنا ضروری تھا۔ اس پر شیخ آدم نے فرمایا کہ:

العلماء امناء الدین اذآ خالطوا السلاطین فھم الصوص

اس کے بعد سعد اللہ خاں نے ان سے پوچھا کہ آپ سید ہیں تو فرمایا کہ جی ہاں! البتہ میری والدہ افغان میں سے ہیں اس لئے افغانوں سے میرے تعلقات ہیں یہ بھی پوچھا کہ آپ سے کرامت صادر ہوتی ہے تو فرمایا کہ ہاں کبھی کرامت بھی صادر ہوتی ہے وہاں سے واپس آ کر سعد اللہ خاں نے شاہ جہاں کو رپورٹ پیش کی کہ ایک پٹھان ہے جو سید ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور کرامات کا بھی مدعی ہے اس کے تعلقات پٹھانوں سے بہت ہیں جس کی وجہ سے آپ کی سلطنت کو اندیشہ ہے مناسب ہے کہ ان کو حج کے بہانے حدود حکومت سے باہر نکال دیا جائے۔

چنانچہ شاہجہاں نے حکم نامہ بھیجا کہ آپ حج کی تیاری کریں اس زمانہ میں حج کے لئے جہاز سورت کی بندگارہ سے جایا کرتے تھے چنانچہ فوراً حج کے ارادے سے سورت پہنچے وہاں کا حاکم آپ کا مرید تھا اس نے بہت روکنا چاہا لیکن شیخ آدم نے فرمایا کہ میرے ساتھ خیر خواہی یہی ہے کہ مجھے جلد یہاں سے روانہ کر دیا جائے ان کے روانہ ہونے کے بعد شاہجہاں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ شیخ آدم کا تمہاری حدود سلطنت سے نکل جانا تمہاری سلطنت کے زوال کا سبب ہے۔ شاہجہاں نے بیدار ہو کر فوراً حکم نامہ بھیجا کہ ان کو فوراً روک لیا جائے لیکن وہ جا چکے تھے۔ چنانچہ شاہجہاں اس کے چالیسویں دن گرفتار کر لیا گیا تھا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والا بوڑھا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم کے باب الامر بالمعروف ونہی عن

المنکر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے:

صبر وقناعت کرنے والا ایک بوڑھا راہ چلتے چلتے کوئی کھجور کی گٹھلی نظر آتی تو اسے اٹھالیتا کہ یہی اس کا رات کا کھانا ہوتا تھا۔ ایک دن اس بوڑھے کو ایک نوجوان ملا جس کے پاس ایک آلہ موسیقی تھا۔ اس پر ہارون الرشید کی لونڈی گایا کرتی تھی۔ بوڑھے نے اس آلے کو توڑ دیا۔

ہارون کو خبر پہنچی تو غضب ناک ہوگیا اور بوڑھے کو بلا بھیجا۔ جب وہ ہارون کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: بڑے میاں! آپ کو یہ کام کرنے پر کس چیز نے مجبور کیا؟

بوڑھے نے پوچھا کون سا کام؟

اب ہارون یہ تو نہ کہہ سکتا تھا کہ تو نے مغنیہ کا آلہ موسیقی توڑ دیا ہے وہ بار بار اپنا ہی سوال دہراتا چلا گیا۔ بوڑھا خلیفہ کی کمزوری سمجھ گیا اور کہنے لگا: جناب! آپ کے باپ دادا منبر رسول ﷺ پر خطبہ جمعہ کے دوران یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

(ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی اور بے حیائی سے روکتا ہے اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ (النحل ۹۰)

سو حضور والا میں نے ایک برائی دیکھی اور اسے مٹا دیا اب آپ کو اعتراض کس چیز پر ہے؟

اس پر ہارون کو بھی کہنا پڑا کہ اسے تو مٹا ہی دینا چاہئے تھا۔ واقعہ کا راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد بوڑھا اٹھا اور دربار خلافت سے نکل گیا۔ ہارون نے اس کے پیچھے ایک آدمی کو دس ہزار درہم کی ایک تھیلی دے کر بھیجا کہ اگر بوڑھا لوگوں سے اس بات کا ذکر نہ کرے تو اسے یہ تھیلی دے دینا۔ بصورت دیگر واپس لے آنا۔ چنانچہ وہ آدمی بوڑھے کے تعاقب میں نکلا۔ تھوڑی دور جا کر اس نے دیکھا کہ وہ بوڑھا زمین پر دھنسی ہوئی ایک گٹھلی کو نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اسے تھیلی کی پیش کش کی اور کہا کہ امیر المومنین کی طرف سے اسے قبول فرمائیے۔ بوڑھے نے جواب دیا: خلیفہ سے کہو۔ یہ رقم جہاں سے لی ہے وہیں لوٹا دے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اور دوبارہ تھیلی کے ساتھ مشغول ہوگیا اور یہ اشعار گنگنانے لگا:

اری الدنیا لمن فی بدیئہ
ھموما کلما کثرت لدیہ

تھین المکرمین لھہ بصغر
وتکرم کل من ھانت علیہ
اذا استغنیث عن شرفدعہ
وکذ ماانت محتاج الیہ

میں دیکھ رہا ہوں جس کے ہاتھ میں بہت زیادہ مال و دولت اور دنیا ہو اسے بکثرت غم وافکار لاحق رہتے ہیں اور جو لوگ دنیا کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں دنیا انہیں ذلیل کرتی ہے۔ اور جو اسے ہیچ سمجھتے ہیں یہ انہیں معزز ٹھہراتی ہے۔ جب تجھے ایک چیز کی ضرورت نہیں تو اسے حاصل کرنے کی فکر چھوڑ! ہاں جس چیز کی تجھے حاجت ہے اسے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

رومی فوج کی مسلمانوں سے شکست کا اسباب

روم کی شکست خوردہ فوج (انطاکیہ) شہر واپس پہنچی تو روم کے بادشاہ (ہرقل) نے فوج کے اعلیٰ افسران کو بلوا بھیجا...... اور جب وہ آ گئے تو نہایت غصہ سے پوچھا: کیا تم لوگ مجھے بتانا پسند کرو گے کہ آخر تم کن لوگوں سے جنگ کرتے ہو؟ کیا وہ تم لوگوں کی طرح انسان نہیں ہیں؟

تو وہ لوگ بولے: بالکل ہیں۔

ہرقل پھر گویا ہوا: تعداد میں کون زیادہ ہے۔ تم یا وہ لوگ؟

تو وہ بولے: ہم ان سے کئی گنا زیادہ ہیں!

اس پر ہرقل جھلا کر بولا: تو پھر کیا وجہ ہے۔ جو تم لوگ جب بھی ان سے جنگ کرتے ہو۔ شکست سے دو چار ہو کر آتے ہو؟

ان لوگوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور وہ سب خاموش رہے۔ مگر ان میں سے ایک بزرگ آدمی بولا: حضور میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

تو ہرقل اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوا بولا: بتاؤ! وہ آدمی کہنے لگا: دراصل بات یہ ہے کہ جب ہم لوگ ان پر حملہ کرتے ہیں تو وہ لوگ صبر و ہمت سے کام لیتے ہیں اور جب وہ لوگ ہم

پر حملہ کرتے ہیں۔ تو پوری سچائی اور دلجمعی کے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ جب کہ ہم لوگ بڑی بے دلی کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور جب وہ لوگ ہم پر حملہ کرتے ہیں تو ہم سے صبر نہیں ہوتا۔

تو ہرقل بولا: اس کی وجہ کیا ہے کہ تم لوگ ایسے ہو۔ جب کہ وہ لوگ ایسے نہیں ہیں؟ تو وہ آدمی بولا: حضور میرا خیال تھا کہ آپ کو یہ راز معلوم ہوگا۔

ہرقل سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا: کیسا راز؟!

تو وہ بولا: حضور وہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ رات میں تہجد پڑھتے ہیں۔ عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں گناہوں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ اور آپس میں عدل وانصاف کا معاملہ کرتے ہیں۔ جب کہ ہم لوگ، شراب پیتے ہیں۔ زنا کرتے ہیں۔ ظلم کرتے ہیں۔ حرام کاری کرتے ہیں۔ ناراض کرنے والی چیزوں کا حکم دیتے ہیں۔ اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔

ہرقل اس کی بات سن کر بولا: تم نے سچ کہا!

قسم خدا کی میں اس بستی کو چھوڑ کر نکل جاؤں گا۔ تم لوگ ایسے ہو تو تمہاری صحبت میں میرے لئے کوئی بھلائی نہیں۔

تو وہ لوگ سب بولے: حضور...... ہم خدا کو گواہ بنا کر کہتے ہیں۔ کہ آپ سوریا کو چھوڑ کر جارہے ہیں۔ جب کہ دنیا میں اگر کہیں جنت ہے تو وہ یہیں ہے۔ اور آپ کے گرد کنکر، مٹی اور آسمان کے ستاروں کی برابر۔ آپ کے چاہنے والے رومی باشندوں کا جمگھٹا ہے؟

مگر بادشاہ واپس نہیں آیا؟ (عیون الاخبار: ۱۲۶/۲)

منحوس آدمی

عبدالملک بن مروان کے پاس ایک آدمی لایا گیا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے اس کے خلاف بغاوت کی تھی۔ عبدالملک نے اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! مجھے اہل سزا کی آپ سے توقع نہیں تھی۔ عبدالملک نے کہا یہ نہیں، تو پھر اور کیا توقع تھی؟ اس نے کہا: قسم بخدا! میں باغیوں کے ساتھ صرف اس لئے مل گیا تھا کیونکہ میں

ایک منحوس آدمی ہوں۔ میں جس گروہ کے ساتھ مل جاؤں وہ شکست کھاجاتا ہے۔اس لئے میرا ان کے ساتھ ملنا آپ کے لئے بہتر تھا۔ یہ بات سن کرعبدالملک ہنسنے لگااوراسے چھوڑ دیا۔

حسن اخلاق نے مسلمان کردیا

خنجر چمکا، موتی کی سی آب تھی۔تازہ تازہ باڑ رکھی ہوئی دھار ایسی تھی کہ فولاد کو بھی کاٹ دے۔ایک ظالم نے بڑی احتیاط سے اسے اپنی آستین میں چھپایا اور گھر سے نکل پڑا۔آہستہ آہستہ وہاں پہنچا جہاں اسے پہنچنا تھا۔ دیکھا کہ لوگ بیٹھے تھے محفل جمی ہوئی تھی۔ باتیں ہورہی تھیں...... باتیں کیا تھیں۔ اللہ رسول کی باتیں! صاحب محفل اونچے پورے آدمی تھے لیکن جسم سوکھ کر کانٹا ہورہا تھا اور کیوں نہ ہوتا؟ غذا تھی ہی کیا سوکھی روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر کھالیتے وہ بھی روز نہیں اکثر تو روزہ ہوتا۔ یہ نہیں کہ ناداری تھی۔ گھر پر پکوان نہ ہوتا تھا۔ پکوان تو اتنا ہوتا کہ دیگیں پکتیں اور کئی دیگیں یہ روز کا معمول تھا۔ آس پاس ہی کا نہیں دور دور کا کوئی آدمی ایسا نہ بچتا جوان کے دستر خوان سے نہ کھاتا ہو لیکن خود وہ اللہ کے نیک بندے روکھی سوکھی پر گذارہ کر لیتے ان کا کہنا یہ تھا کہ...... اللہ دیتا ہے تو اس کے بندوں کو کھلانا اور ان کی خدمت کرنا چاہئے۔ خود کھالینا کوئی کمال نہیں۔

قرآن نے اللہ کے نیک بندوں کی ایک علامت یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے رزق میں سے دوسروں کو حصہ دیتے ہیں۔ اور دل کھول کر اللہ کی راہ میں بانٹتے ہیں۔ سب مسلمانوں کو حکم ہے:

یآیھا الذین امنوا انفقو مما رزقنکم

"اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے تم (اپنے بھائی بندوں میں) بانٹو!"

ایسے اچھے ایسے نیک بزرگ کی محفل میں وہ خونی خنجر چھپائے پہنچا اور اس ارادے سے کہ بزرگ کا سر اتار لے۔ قصور کچھ نہیں بس تعصب نے آنکھوں پر پردے ڈال رکھے تھے۔ جہاں یہ بزرگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ ریگستانی علاقہ تھا اس علاقے کا مالک ایک راجہ تھا راجہ بھی ایسا کہ راجوں کا راجہ۔ اس نے دیکھا کہ یہ حضرت جو اس علاقے میں آبسے ہیں، بڑی صاف ستھری سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو کہتے ہیں خود اس پر عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ ان کا

ظاہر اور باطن ایک ہے خود نہیں کھاتے دوسروں کو کھلاتے ہیں۔ لوگ ان کے گرویدہ ہوتے جارہے ہیں۔ اور ان کے عمل کو دیکھ کر ان کے دین کی سچائی کے قائل ہورہے ہیں تو اس سے رہا نہ گیا اس نے اپنے ایک راز دار کو بلا کر کہا...... جاؤ ان کا کام تمام کردو! ذات پات کی تمام تمیزیں مٹا کر یہ شخص راجہ پر جا کر اونچ نیچ سب ختم کر رہا ہے۔ کہتا ہے جو کلمہ پڑھے اور مسلمان ہو جائے وہ دوسرے مسلمان کا بھائی ہے چاہے ایک عالم دوسرا جاہل، ایک امیر دوسرا فقیر ایک مشرق کا دوسرا مغرب کا ہو۔ یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ اگر ایسا ہو جائے تو پھر ہمارا کوئی مقام ہی نہ ہوگا جاؤ! اور اس شخص کو قتل کردو کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ہماری رعایا بڑی تیزی سے اس کی باتوں میں آرہی ہے۔

راجہ کے حکم سے وہ جلاد آستین میں خنجر چھپائے چلا اور ان بزرگ کی محفل میں پہنچا۔ کہتے ہیں لوگ خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر یہ تو اللہ والے تھے۔ اللہ والے بڑے صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ یہ ظالم محفل میں پہنچا اور اپنی جگہ بنانے کی فکر کرنے لگا۔ تو حضرت نے پکار کے فرمایا...... بھائی یہاں آؤ دور کہاں بیٹھتے ہو! وہ بڑا سٹپٹایا لیکن موقع بڑا نازک تھا۔ کچھ کہہ نہ سکا چپکے سے آگے بڑھ کر ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھنے لگا۔

بزرگ نے فرمایا، نہیں بالکل پاس بیٹھو میرے ساتھ! بڑی عزت بڑی مہربانی بڑی محبت سے انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھلایا۔ کچھ دیر تو لوگ اجنبی کی طرف متوجہ رہے پھر ان کی توجہ ہٹ گئی۔ کچھ معلوم نہیں کہ قوالی کی محفل تھی لوگ عارفانہ کلام سننے لگ گئے یا ذکر کا موقع تھا یاد خدا میں مصروف ہوگئے۔

بہر حال ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کوئی اجنبی کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ بزرگ نے اس موقع پر آہستہ سے کہا: عزیز من! موقع غنیمت ہے کب تک انتظار کرو گے۔ اب کوئی تمہاری طرف متوجہ نہیں جلدی سے خنجر نکالو اپنا کام کر جاؤ!

بزرگ تو یہ کہہ کے خاموش ہوگئے ادھر اس موذی کے ہوش اڑ گئے چپکے سے خنجر نکال کر سامنے رکھ دیا۔ بولا: اب اس سے میرا کام تمام کروا دیجئے۔

جواب ملا: نہیں دوست نہیں سزا دینا اور بدلہ لینا مسلمان کا طریقہ نہیں اور تم نے تو کوئی جرم بھی نہیں کیا۔ آرام سے اپنے گھر جاؤ اور خوش رہو! سیر الاقطاب میں ہے اس شخص نے توبہ

کی اور ایمان لے آیا۔ یہ بزرگ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی میں محبت اور شفقت سے اپنے دشمن کا دل جیت لیا خواجگان چشت حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

تاتاریوں کے ہاتھوں خواجہ فرید الدین عطارؒ کی موت

۶۲۵ھ میں تاتاریوں نے تمام عالم اسلام کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ وحشی تاتاری ۶۲۷ھ میں بلاد اسلام کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے نیشاپور بھی آ پہنچے۔ خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ وہیں مقیم تھے۔

ایک تاتاری سپاہی نے ان کو بھی پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے چلا۔ برابر سے ایک دوسرے سپاہی نے کہا کہ اس بڈھے کو ہار روپے میں میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے سپاہی سے کہا کہ اتنی قیمت پر مجھے مت بیچنا میری قیمت ہزار روپے سے کہیں زیادہ ہے۔

سپاہی انہیں کھینچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ راستے میں ایک اور سپاہی نے اس سپاہی سے کہا کہ اس بڈھے کو گھاس کے ایک گٹھے کے عوض مجھے دے دو۔ اب خواجہ صاحب نے سپاہی سے کہا کہ بھئی اب مجھے ضرور بیچ دو۔ میری قیمت تو اس گھاس کے گٹھے سے بھی کم ہے۔ سپاہی یہ سن کر جھلا اٹھا اور اس نے تلوار کے ایک وار سے خواجہ صاحب کو شہید کر ڈالا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ تاتاری نیشاپور کی اینٹ سے اینٹ بجاتے جب خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں گھسے تو آپ ستر درویشوں کے ہمراہ یاد الٰہی میں مشغول تھے۔ تاتاریوں نے بے گناہ درویشوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ خواجہ صاحب کا دل ان کی مظلومی پر تڑپ اٹھا اور وہ پکار اٹھے یہ کیسی تیغ قہاری ہے! یہ کیسی تیغ قہاری ہے؟ جب تاتاری خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بڑھے تو آپ نے **مسکرا کر فرمایا**۔ سبحان اللہ! یہ کتنا بڑا کرم، عزت افزائی اور احسان ہے۔ یہ کہہ کر تلوار کے نیچے سر رکھ دیا اور جام شہادت نوش فرمایا اس وقت آپ کی عمر ایک سو چودہ برس کی تھی۔

میں تمہیں خوشیاں دینے کے لئے اپنی آخرت خراب نہیں کرسکتا

حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالعزیز نے اپنی ساری موروثی جاگیر اور گھر کا ایک ایک تنکا بیت المال میں واپس کر دیا تھا اور آپ کی وفات کے وقت اولاد کی معاش کا کوئی سامان باقی نہ رہ گیا تھا۔ وفات سے کچھ دیر پہلے آپ سے مسلمہ بن عبدالمالک نے عرض کیا: ''امیر المومنین! آپ نے مال و دولت سے اپنی اولاد کو ہمیشہ خشک رکھا اور انہیں اب خالی ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق مجھے یا خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ وصیت فرمائیے!''

یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''تم کہتے ہو میں نے مال و دولت سے اولاد کا منہ خشک رکھا، خدا کی قسم! میں نے ان کا کوئی حق نہیں مارا، البتہ جس مال میں ان کا کوئی حق نہ تھا، وہ انہیں نہیں دیا۔ تم کہتے ہو کہ میں ان کے متعلق کسی کو وصیت کرتا جاؤں، سو اس معاملہ میں میرا وصی اور ولی خدا تعالیٰ ہے، جو نیکوکاروں کا دوست ہے۔ میرے بچے اگر خدا سے ڈریں گے تو وہ ان کے لئے کوئی نہ کوئی راہ نکال دے گا۔ اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کے لئے مال چھوڑ کر انہیں گناہ پر دلیر اور طاقتور بناؤں گا۔''

اس کے بعد انہوں نے اپنی اولاد کو اپنے سامنے بلایا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا: ''میری جان تم پر قربان جنہیں میں خالی ہاتھ چھوڑے جا رہا ہوں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تمہیں ایسی حالت میں چھوڑا ہے کہ کسی مسلمان یا ذمی کا تم پر کوئی حق نہیں ہے جس کے لئے وہ تم سے مطالبہ کر سکے۔ میرے بچو! تمہارے باپ کے اختیار میں دو باتوں میں سے ایک بات تھی۔ پہلی بات یہ کہ تم خوب دولت مند ہو جاؤ اور باپ دوزخ میں جائے۔ دوسری بات یہ کہ تم خالی ہاتھ رہ جاؤ اور تمہارا باپ جنت میں جائے۔ پیارے بچو! تمہارے باپ نے دوسری بات پسند کی ہے۔ تمہارا خدا حافظ ہے۔ وہی تم کو اپنی

حفاظت اور امان میں رکھے گا!''

ہارون رشید اور زبیدہ کا جھگڑا اور امام ابو یوسف کی ذہانت

ہارون رشید نے غصے میں زبیدہ سے یہ کہہ دیا کہ:

''اگر آج ہی تو میری مملکت سے نہ نکل جائے تو تجھ پر طلاق ہے۔''

جب غصہ کافور ہوا، حواس ٹھکانے لگے تو دونوں نادم ہوئے، مگر اس کا اب کیا تدارک ہو، بڑے سٹپٹائے، بالآخر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دانائی کام آئی، انہوں نے فرمایا کہ:

''خلیفہ کی حکومت شرقاً غرباً پھیلی ہوئی ہے اس سے باہر جانا تو ممکن نہیں،
ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مل کر زبیدہ خانہ خدا (مسجد) میں چلی جائے کہ وہ
(خلیفہ کی) سلطنت میں نہیں آتا۔''

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تدبیر پر عمل کیا گیا الجھا ہوا مسئلہ سلجھ گیا، اس جواب سے خلیفہ اور ملکہ دونوں نہال ہوگئے اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو بیش بہا تحائف سے مالا مال کیا گیا۔

بھانجے کا دلیر ملازم کے ہاتھوں عبرتناک انجام

شیر شاہ کا بھانجا مبارز خاں الہ داد سنبھل کی بیٹی پر کہ حسن و جمال میں بے نظیر تھی۔ عاشق ہوا اور الہ داد کو شادی کا پیغام بھجوایا۔ ہر چند وہ بادشاہ کا بھانجا تھا مگر الہ داد نے صاف انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ ہم اور آپ ہم کفو نہیں ہیں۔ مبارز خاں کو بادشاہ کا بھانجا اور جاگیر دار ہونے کی وجہ سے اس جواب کی توقع نہ تھی۔ اس نے الہ داد کے رشتہ داروں کو تنگ کرنا شروع کیا، کئی لوگ لوٹے گئے، کئی قید ہوگئے۔

الہ داد سنبھلیوں کی ایک جماعت لے کر اس کے پاس گیا اور کہا ہم نے اب تک تیرا اور بادشاہ کا لحاظ کیا ہے ہم پر زیادہ ظلم نہ کر اور عورتوں کے ننگ و ناموس کا لحاظ رکھ اور جو مظلوم تیری قید میں ہیں انہیں چھوڑ دے۔

مبارز خاں نے حکومت کے نشہ میں الہ داد کو دو چار صلواتیں سنا دیں بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ تم

لوگ ہو کیا چیز! چاہوں تو ابھی تمہاری بیٹی کو بھی منگوالوں۔ الہ داد نے پھر کہا۔ اپنی جاں پر رحم کر، اپنی حد سے آگے قدم نہ رکھ اور وہ کام کر جو بادشاہوں اور شہزادوں کو رعایا کے فلاح و بہبود کے لئے کرنے چاہئیں۔

مبارز خاں نے یہ جواب سن کر اپنے آدمیوں کو حملہ کا حکم دیا لیکن سبھلیوں نے نہ صرف اس کے کئی آدمی مار دیئے بلکہ مبارز خاں کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔

پاؤں کی تلاش

یرموک کے میدان جنگ میں دولاکھ عیسائیوں کا صرف ۳۰۔۳۵ ہزار عربوں نے مقابلہ کیا تھا۔ جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیں ہزار عیسائیوں نے پیچھے نہ ہٹنے کی قسم کھا کر پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں اور مسلمانوں کو پیچھے ہٹنے سے روکنے کے لئے عورتوں کو خیموں کی چوبیں سنبھالنی پڑی تھیں۔ یہ بڑے معرکے کی جنگ تھی جسے جیتنے کے لئے فریقین نے اپنی قوت و طاقت کا آخری داؤ لگا رکھا تھا۔ ایک ایک سپاہی شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھا رہا تھا۔ دولاکھ سے ۳۰۔۳۵ ہزار کا مقابلہ ایک بہت بڑی جسارت تھی۔

رومیوں نے کئی مرتبہ مسلمانوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ مگر انہوں نے ہر مرتبہ اپنی پوزیشن سنبھالنے میں حیرت انگیز جرأت کا ثبوت دیا۔ بالآخر فتح و نصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس جنگ میں طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ کے قریب رومی مارے گئے اور مسلمانوں کا صرف تین ہزار جانوں کا نقصان ہوا۔

مسلمانوں کے جم کر لڑنے اور ''فنافی الجنگ'' ہونے کا صحیح اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ تو کسی نے اسلام کے بہادر اور جانباز سپاہی حباش بن قیس کے پاؤں پر اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا پاؤں کٹ کر دور جا پڑا۔ لیکن اسے مقابلہ کے جوش اور محویت کے عالم میں اس کا احساس تک نہ ہوا کچھ دیر بعد جب لڑائی کا زور کم ہوا اور یہ جانباز ہوش میں آیا تو پکارا کہ میرا پاؤں کہاں ہے۔

یہ کہہ کر وہ اپنے پاؤں کی تلاش میں ادھر ادھر ایسے پھرنے لگا جیسے کوئی گرے ہوئے

روپے پیسے کی تلاش کرتا ہے دوران تلاش بھی اسی پاؤں کے کٹنے کی تکلیف کا ذرہ بھر احساس نہ تھا۔ جیسے وہ فی الواقعہ کٹا ہی نہ ہو۔ ان کے قبیلہ کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔

مگر اس زمانہ میں تو ہمارے نوجوان اس قدر نازک واقع ہوئے ہیں کہ کوئی کانٹا چبھ جائے تو دراز ہو جاتے ہیں۔

اتفاق کی برکات

اکبر بادشاہ جب ضعیف ہوگیا اور اس نے جانا کہ میں اب نہیں جیوں گا۔ سب امیروں کو جمع کیا اور ریشمی ڈوری سے تیروں کا بڑا مٹھا ایک جگہ کر کے باندھا اور باری باری سب کو دیا کہ اس کو توڑو۔ سب نے لیا اور اپنی ساری طاقت ان کے توڑنے میں صرف کی مگر وہ ایسا مضبوط تھا کہ کوئی بھی اس کو نہ توڑ سکا۔ سب کی قوت کارکردگی ضائع ہوئی۔

اس کے بعد بادشاہ نے اس کی ریشمی دوڑی کو جس سے وہ تیروں کا مٹھا بندھا ہوا تھا چاقو سے کاٹ کر علیٰحدہ کر دیا اور سب کو ایک ایک تقسیم کر کے حکم دیا کہ انہیں توڑ ڈالو۔ امیروں نے بات کی بات میں سب تیروں کو توڑ ڈالا۔ ایک بھی باقی نہ چھوڑا۔

یہ دیکھ کر بادشاہ ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا اور سب کو اپنی طرف متوجہ کر کے کہنے لگا۔ میرے معزز امیرو! اتفاق کی طاقت تم نے دیکھی۔ جب تک یہ تیر ایک دوسرے سے اکٹھے بندھے ہوئے تھے تم میں سے کوئی بھی نہ توڑ سکا۔ جب ڈوری توڑ دی گئی تو وہ جدا جدا ہو گئے تو تم نے ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا اب تیر توڑ ڈالے۔ اسی طرح اگر تم بھی اتفاق کی دوڑی سے بندھے رہو گے تو کسی دشمن کی یہ طاقت نہ ہوگی کہ تم پر غالب آسکے اور سلطنت کو نقصان پہنچا سکے۔ لیکن جب الگ الگ ہو جاؤ گے تو سلطنت تباہ ہو جائے گی۔

ہارون رشید کے بیٹے کی بہادری

علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ ہارون رشید نے اپنے پیچھے کئی اولادیں چھوڑیں۔ جن میں نو لڑکے تھے۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: محمد، معتصم۔ جن میں بڑا امین تھا۔ ہارون رشید کی وفات کے بعد امین بن زبیدہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت لی گئی۔ اس کی ابتدا تو ہارون رشید

کے وقت سے ہوئی ۱۹۳ھ میں۔ امین نے اپنے بھائی کو خراساں کا عامل مقرر کر دیا۔ ان کے بعد مامون نے خلافت کو سنبھالا۔ تمام رواۃ اس پر متفق ہیں کہ امین انتہائی خوبصورت لمبے قد والا طاقتور نوجوان تھا۔ فصیح و بلیغ صاحب مرتبہ اور فضیلت والا دیندار تھا۔

ایک مرتبہ اس نے خالی ہاتھ ایک شیر کو مار ڈالا۔ اس طرح کہ ایک لوہے کے پنجرے میں شیر کو لے کر آئے اور میدان میں اس کو رکھ دیا۔ امین نے پنجرے کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا تو سارے نوجوان جو محمد امین کے ساتھ تھے بھاگ گئے۔ لیکن امین کھڑا رہا۔ جب شیر اس کی طرف بڑھا تو اس نے شیر کے کان پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا تو شیر کے پیٹ میں پتہ پھٹ گیا اور وہ اسی وقت مر گیا۔ ادھر امین کے دونوں کندھے اپنی جگہ سے نکل گئے۔ تو فوراً حکیموں کو بلایا۔ انہوں نے واپس اپنے جگہ لگا دیئے۔ بعض کتابوں میں اس طرح قصہ نقل کیا ہے کہ محمد امین نے شیر کو پیچھے سے پکڑا اور زور سے جھٹکا دیا۔ جس سے شیر کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ وہیں گر کر مر گیا۔ امین کی انگلیاں اپنی جگہ سے نکل گئی۔ (نھایۃ الادب للنومیری ج ۲۲ ص ۱۸۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور محمد امین کے علاوہ کوئی ہاشمیہ عورت کا ہاشمی بیٹا خلافت کا ولی عہد نہیں ہوا۔

زوجہ معاویہؓ کا شوہر سے زیادہ گاؤں سے محبت کرنا

میسون فصاحت اور بیان میں شہرت رکھتی تھیں اور باوجود اس کے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی بہت عزت و احترام کرتے تھے مگر یہ سب کچھ میسون کو اپنی بچپن کی دیہاتی پرورش کی یادوں اور لگاؤ کو نہ روک سکا۔ وہ اپنے گھر والوں کو، ان کی کھلی اور صاف زندگی کو، اور مکدر کرنے والی چیزوں سے ان کی دوری کو بہت یاد کرتی تھیں۔ اور اونچے محلوں، اونچے لگے ہوئے تخت، رکھے ہوئے آب خوروں اور ترتیب سے لگے ہوئے گدوں، تکیوں اور خوب بچھے ہوئے قالینوں اور ہر شہری آسائشوں میں رہتے ہوئے بھی وہ گوشہ نشین رہتیں اور شہری تمدن اور شہری رہائش کو ناپسند کرتی تھیں۔

دلچسپ اور پرلطف کتاب ''کتاب الحیوان'' میں علامہ دمیری نے واقعہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے ایک عالی شان محل بنوایا جو ''غوطہ'' (شام کا شہر جو

اپنے فطری قدرتی حسن میں مشہور ہے) کہ رخ پر تھا اور اس محل کو مختلف چیزوں (جواہرات) وغیرہ سے مزین کیا۔ اس میں چاندی اور سونے کے برتن رکھے اور وہاں پر خوب ریشمی رنگدار و منقش رومی کپڑے بھجوائے جو میسون کے لائق تھے۔ پھر انہیں وہاں ٹھہرایا۔ ان کی ان صفات کی وجہ سے کہ وہ ''حورعین'' کی طرح خوبصورت تھیں۔

ایک مرتبہ میسون نے بہترین لباس زیب تن کیا اور خوب بناؤ سنگھار کر کے خوب زیور و نایاب جواہرات وغیرہ سے آراستہ ہو کر محل کے کنگرہ میں جا بیٹھیں اور ان کے گرد خوبصورتی تھی تو انہوں نے ''غوطہ'' اور کے فطری حسن یعنی لہلہاتے درختوں کی طرف دیکھا اور پرندوں کی گھونسلوں میں چہچہاہٹ سنی، پھولوں کی خوشبو سونگھی اور ہواؤں کے تازہ جھونکے کھائے تو انہیں اپنا گاؤں اور اپنی ہمجولیاں اور سہیلیاں یاد آ گئیں وہ اپنی جائے پیدائش کو یاد کر کے رونے اور آہیں بھرنے لگیں تو ان کی بعض پیاری باندیوں نے کہا کہ تم کیوں روتی ہو حالانکہ تم ایسے محلوں کی مالک ہو جو ملکہ بلقیس کے محل کو شرما دیں تو انہوں نے لمبی سانس بھری اور یہ اشعار پڑھے:

لبيت تخفق الارواح فيه

میں نے جواب دیا کہ ہواؤں کا اس گھر میں چلنا

احب الى من قصر منيف

مجھے بلند محل سے زیادہ محبوب ہے

وبكر يتبع الاظعان سقبا

ہودج اٹھا کر چلنے والے جوان اونٹ

احب لى من بغل زفوف

مجھے تیز دوڑتے ہوئے خچر سے زیادہ محبوب ہیں۔

و كلب ينبح من الطراق عنى

رات کو آنے والے پر بھونکنے والا کتا۔

احب الى من قط اليف

مجھے مانوس بلی سے زیادہ محبوب ہے

ولبس عباء ھو تقر عینی

چغہ پہننا اور آنکھوں کا ٹھنڈا ہونا

احب الی من البس الشفوف

مجھے باریک کپڑا پہننے سے زیادہ محبوب ہے

واکل کسیرہ فی کسر بیتی

پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو لونڈی نے ان کو وہ سب بتلایا جو میسون کہہ رہی تھیں اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ سن لیا تھا جو وہ اشعار کہہ رہی تھیں تو انہوں نے کہا کہ بحدل کی بیٹی اس وقت تک خوش نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ مجھے پالتو گدھا بنا دے۔ وہ طلاق گالی ہے (یعنی میں نے اسے طلاق دی) جو کچھ محل میں ہے اس کا ہے وہ سب لے جائے۔

پھر انہوں نے میسون کو ان کے گھر روانہ کر دیا وہ اپنے ساتھ اپنے بیٹے یزید کو لے گئیں اور پھر یزید نے دیہات میں پرورش پائی اور فصیح بنے۔

علامہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ''خزانۃ الادب'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب انہیں طلاق دی تو انہیں کہا، تو پیاری تھی اب آزاد ہے تو انہوں نے جواب دیا جب ہم اکٹھے تھی تو کوئی خوشی نہ تھی اور اب جب کہ جدا ہیں تب بھی کوئی غم نہیں۔

وعدہ وفا مسلمان سپہ سالار

فتح عراق کی خونریز جنگوں میں جب جاپان کے مقابلہ کے لئے حضرت ابوعبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر عراق پہنچ گئے، نمارق مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، رستم کی ایرانی فوج جان توڑ کر لڑی لیکن آخرکار ایرانی فوج کو شکست ہوئی اور رستم کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور رستم کے جرنیل جاپان کو ایک مسلمان سپاہی نے گرفتار کر لیا، یہ سپاہی جاپان کو پہچانتا نہ تھا، جاپانی نے اس مسلمان سپاہی سے کہا: تم میرا کیا کرو گے! میں ایک بوڑھا سپاہی ہوں! اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں ایک معقول معاوضہ دے دوں گا۔

مسلمان سپاہی نے منظور کر لیا، جاپان نے کہا، اچھا اب اس معاملہ کی پختگی تمہارے

سردار کے سامنے ہونی چاہئے، مجھے اس کے پاس لے چلو! جاپان کو سب مسلمانوں کے سردار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمہ میں لے جایا گیا تو وہاں پہچان لیا گیا، بعض مسلمانوں نے کہا، اس نے دھوکہ دے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی ہے، لہذا یہ معاہدہ ختم کر دیا جائے مگر مسلمانوں کے سردار حضرت ابو عبید ثقفی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ نہیں ہوسکتا، جب ایک مسلمان نے اسے امان دے دی ہے تو ساری مسلمان قوم کو یہ معاہدہ تسلیم کرنا ہوگا اور اسے امان دینا ہوگی۔ یاد رکھو! اسلام میں وعدہ خلافی کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔''

چنانچہ جاپان کو چھوڑ دیا گیا۔ یہ ہے اسلام کی صداقت وحقانیت اور سچائی جس کا دشمن بھی اعتراف کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔

پہچانئے! ہم کون ہیں؟

کہتے ہیں کہ ایک شیرنی کا بچہ پیدا ہوتے ہی ایک گڈریئے کے ہاتھ لگ گیا گڈریئے نے شیر کے اس بچہ کو بھیڑ کے بچوں کے ساتھ ہی پالنا تھا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑا ہو کر بھی وہ بچہ شیر کی بجائے اپنے آپ کو بھیڑ ہی سمجھتا رہا۔

تقریباً یہی فریب نفسی ہے جس کا شکار آج مسلمان ہو چکے ہیں۔ امانت و دیانت، ہمدری و خیرا خواہی، عبادت و اطاعت کا وہ کردار جو کہ ایک مسلمان کی پہچان تھی وہ ہم نے کھو دی جب کہ ہمارے اکابر کا شیوہ یہ رہا ہے وہ جہاں بھی رہے اعلیٰ اخلاق وکردار کے اپنے خصوصی امتیاز کے ساتھ ہی رہے۔ خواہ وہ کسی بادشاہ کے دربار میں ہوں یا کوچہ و بازار میں انہوں نے اپنے مذہب کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں چھوڑا۔

دیکھئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خلیفہ تھے تقویٰ اور امانت کا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو طبیب نے اس بیماری کے علاج کے لئے شہد تجویز کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر کہنے لگے ''اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو میں بیت المال میں رکھے ہوئے شہد میں سے کچھ شہد لے لوں اور اگر آپ اجازت نہیں دیتے تو یہ مجھ پر حرام ہے۔''

ایک اور واقعہ سنئے خلیفہ مہدی بڑا شاہی جاہ وجلال رکھتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کے خوف اور اپنی عاجزی کا یہ عالم تھا کہ اس کے دور خلافت میں ایک مرتبہ جب سخت طوفان آیا تو لوگوں نے امیر المومنین کو دیکھا کہ وہ اپنے رخساروں کو زمین پر رکھ کر دعا مانگ رہا ہے۔

''اے خدا! امت محمد یہ کی حفاظت فرما، خدایا ہمارے دشمنوں کو ہماری تباہی پر ہنسنے کا موقع نہ دے، خدایا اگر تو نے میرے گناہوں کی پاداش میں عالم کی گرفت کی ہے تو یہ پیشانی تیرے حضور میں حاضر ہے۔''

بس تھوڑی ہی دیر گذری کہ طوفان تھم گیا۔

عرب کی بات نہیں اسی برصغیر کی بات ہے کہ سلطان سکندر لودھی ایک دفعہ مسجد میں نماز کے لئے دیر سے پہنچا۔ جماعت ہوچکی تھی۔ ایک وزیر نے امام صاحب سے کہا آپ لوگ تھوڑی دیر انتظار نہ کر سکے۔ امام صاحب نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھنی تھی پڑھ لی ہے، بادشاہ کی نہیں پڑھنی تھی۔ بادشاہ نے وزیر کو خاموش کراتے ہوئے امام صاحب سے کہا آپ نے اچھا کیا کہ جماعت بروقت کرادی۔ کوتاہی تو میری ہی ہے۔

ایک مرتبہ بلغ میں قحط ہوا اور اتنا شدید کہ لوگ ایک دوسرے کو مار کر کھانے لگے اس حالت میں بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک غلام کو دیکھا کہ وہ خوش وخرم پھر رہا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ اے غلام یہ کون سا خوشی کا موقعہ ہے؟ تو لوگوں کو بھوک سے مرتے ہوئے نہیں دیکھ رہا؟

غلام نے کہا مجھے کیا فکر میں ایک ایسے شخص کا غلام ہوں جس کی ملکیت میں ایک گاؤں ہے اور اس کے پاس غلے کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں وہ مجھے بھوکا نہیں مرنے دے گا۔

یہ سن کر آپ کے دل پر چوٹ لگی عرض کیا الٰہی! یہ ایک امیر شخص کا غلام اس قدر خوش ہے اور اسے کوئی فکر نہیں تو تو مالک الملک اور روزی رساں ہے تیرے ہوتے ہوئے ہم کیوں فکر کریں۔

اسی وقت آپ نے تمام دنیاوی دھندوں کو خیر باد کیا اور سچی توبہ کر کے راہ حق کی جستجو میں لگ گئے اور پھر کمال کو پہنچے۔ دنیا کے حالات کیا سے کیا ہوتے جارہے ہیں۔ قومیں اجڑ رہی ہیں۔ ماحول زیر بنتا جارہا ہے ہر طرف سے گویا ہمارے لئے تنبیہ اور بیداری کی آوازیں آرہی

ہیں مگر ہم تو ایسے مست ہیں جیسے کہ قسم کھا رکھی ہو کہ ہم نے کبھی کسی آواز پر کان ہی نہیں دھرنا۔ پچھلے دور کے مسلمان ایسے تھے؟ ہر گز نہیں۔ خدارا اپنے آپ کو پہچانئے! ہم کون ہیں۔

اے وزیر تمہاری گواہی قبول نہیں! فرمان قاضی ابو یوسف

عدالت میں گواہ پیش ہوا۔ یہ بڑا معزز گواہ تھا۔ وہ تنہا نہیں آیا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے حاشیہ بردار بھی آئے تھے لیکن یہ سب عدالت کے وقار کو سمجھتے تھے۔ اس لئے کمرہ عدالت سے باہر ہی کھڑے رہے۔ قاضی صاحب کے آگے گواہ پیش ہوا تو قاضی صاحب نے ایک نظر اسے دیکھا اور فرمایا کہ اس کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی! گواہ عدالت کے کمرے سے لوٹ گیا لیکن اس کے طیش کا عالم دیکھنے کا تھا۔ زخمی ناگن کا غصہ بھی اس کے آگے کچھ نہ تھا۔ جس شخص کی گواہی قاضی صاحب نے رد کر دی تھی وہ اس مملکت کا وزیر اعظم تھا۔ اسے الٹے پاؤں واپس کرنے والے ابو یوسف تھے۔ عباسی حکومت کے پہلے چیف جسٹس! امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں وہ بہت ممتاز تھے۔ محمد شیبانی، زفر اور داؤد طائی کے علاوہ کوئی ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے شاگرد رشید کو عدالت کی کرسی سنبھالنے کی اجازت اس لئے دی تھی کہ ان کا یہ ذی علم اور متقی شاگرد اللہ کا قانون جانتا اور دل کو پہچانتا تھا۔

• بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں سے ان کے دور کے عالموں کے تعلقات اچھے تھے۔ اختلافات کے افسانے سبائی منافقین نے جوڑے ہیں، کیونکہ ان کی سازشوں کو دونوں ادوار میں بری طرح کچل دیا گیا تھا۔ ان منافقوں نے عبا و قبا ہی پہن کر اپنے بھیانک جرائم کے داغ چھپانے چاہے تھے۔ ان کا مقصد اسلامی مملکت کا تختہ الٹنا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پورا ہونے نہ دیا۔ شیخ الصحابہ حضرت عبد اللہ بن عمر، حبر الامت حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت محمد بن علی، حضرت زین العابدین، حضرت سعید بن مسیّب، حضرت سعید بن جبیر، امام ابو حنیفہ، امام مالک، فضیل بن عیاض، ابن المبارک، ابو معاویہ اور یحییٰ بن اکثم نے بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں سے تعاون کیا اور انہیں سیدھے راستے پر چلایا۔

قاضی ابو یوسف نے فضل بن ربیع وزیر اعظم کی گواہی قبول نہ کی تو وہ سیدھا ہارون رشید کے پاس پہنچا اور اس کے آگے قاضی صاحب کی زیادتی اور اپنی رسوائی اور بے عزتی پر سخت

احتجاج کیا۔ فضل بن ربیع معمولی حیثیت سے ترقی کر کے ابوجعفر منصور کے زمانے میں حاجب اور پھر ہارون رشید کے دور میں وزیراعظم بنا۔ وہ بڑا حاسد اور کینہ توز آدمی تھا۔ جوڑ توڑ کا خوب ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بڑا خودغرض بھی واقع ہوا تھا۔ فضل بن ربیع کے کہنے پر ہارون رشید نے قاضی امام ابویوسف کو طلب کیا تاکہ صورت حال معلوم کرے۔ عدالت کا وقت ختم ہوا تو قاضی صاحب سیدھے ہارون کے پاس پہنچے۔

تجربہ اور اصول یہ بتاتا ہے کہ عدلیہ اور انتظامیہ کو ہمیشہ الگ الگ ہونا چاہئے جبھی اختیارات میں توازن قائم رہ سکتا ہے اور عدل پر آنچ نہیں آتی۔

امام ابویوسف کے نوسال امام ابوحنیفہ کے ساتھ کٹے تھے۔ وہ بھی اس حال میں کہ صرف رات میں سونے کے لئے وہ اپنے گھر جاتے تھے۔ ورنہ استاد ہی کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ہارون رشید کی فرمائش پر انہوں نے ایک کتاب الخراج لکھی تھی اس لئے ہارون رشید ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ وہ آئے تو ہارون نے پوچھا کہ کیا آپ نے فضل کو گواہی دینے سے روک دیا؟

قاضی صاحب نے کہا: ہاں! ایک بار میں نے سنا وہ آپ سے کہہ رہا تھا کہ آپ کا غلام ہے۔ وہ اپنے قول میں سچا تھا تو غلام کی گواہی معتبر نہیں ہیں۔ اور اگر جھوٹا تھا تب بھی اس کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی۔ جوشخص آپ کے دربار میں بے باکی سے جھوٹ بول سکتا ہے وہ میرے سامنے کیونکر باز رہے گا:

مردان خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

اللہ کے نیک بندے خدا نہیں لیکن خدا سے جدا نہیں ہوتے۔ ان کی زبانوں سے حق ہی جاری ہوتا ہے۔ ہارون نے قاضی صاحب کی بات سنی تو معذرت کے ساتھ انہیں رخصت کر دیا اور فضل وزیراعظم ہونے کے باوجود منہ دیکھتا رہ گیا۔

حکمرانوں کے لئے چار کام کی باتیں

غیاث الدین بلبن بائیس سال ہندوستان پر حکومت کرتا رہا۔ تخت پر بیٹھتا تو ہمیشہ باوضو

رہا کرتا تھا۔نمازوں کی پابندی کا یہ حال تھا کہ تہجد، چاشت اور اشراق بھی اس سے نہ چھوٹتی تھیں۔کھانا کبھی اکیلا نہ کھاتا تھا۔امیروں، وزیروں کو اپنے دسترخوان پر نہ بلاتا تھا۔ہمیشہ کوشش یہ کرتا کہ علماء کے ساتھ کھانا کھائے۔ان کی موجودگی میں کسی چیز کی طرف خود پہلے ہاتھ نہ بڑھاتا تھا۔جمعہ کی نماز پڑھ کر ان کے گھر جاتا، ان سے استفادہ کرتا دیندار عالموں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا، کہتا تھا: یہ ریاکار اور سودے باز ہوتے ہیں! اپنے امراء اور وزراء کو بھی ان سے دور رہنے کی تاکید کرتا تھا۔

ایک دن اس نے اپنے بیٹے بغرا خان اور خان شہید کو بلایا۔بولا سلطان شمس الدین التمش فرماتے تھے کہ انہوں نے شہاب الدین غوری کی محفل میں دو بار سید مبارک غزنوی کو دیکھا۔وہ پائے کے عالم اور بڑے اللہ والے تھے۔شہاب الدین غوری بڑے ادب سے ان کی باتیں سنتا تھا۔سلطان شہاب الدین نے یہ باتیں سلطان التمش کو بتائیں۔ان سے قطب الدین ایبک اور میں نے سنیں۔محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں یہ تفصیل دی ہے۔

سید مبارک غزنوی فرماتے تھے کہ: حکمرانوں کے اکثر کام شرک کی حدوں کو چھو لیتے ہیں۔وہ بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو سنت نبوی کے خلاف ہوتے ہیں۔ان کے وزیر امیر اور حاشیہ بردار کبھی انہیں ٹوکتے نہیں۔وہ ہمیشہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔میرے بیٹو! حکومت کرنے والے کے لئے چار باتوں کا خیال ضروری ہے۔بغرا خان اور خان شہید باپ کی باتیں غور سے سن رہے تھے۔امراء اور وزراء بھی بیٹھے تھے۔انہوں نے پوچھا کہ وہ چار باتیں کیا ہیں؟

بلبن نے کہا کہ:

(۱)......شان وشوکت اور رعب داب کی فکر کرنے والے حکمراں کو اللہ سے ڈرنا اور اللہ کے بندوں کی بھلائی کا سب سے پہلے خیال رکھنا چاہئے!

(۲)......دوسری بات یہ ہے کہ حکمران کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ اس کے ملک میں بدکاری نہ پھیلے اور بے ایمان، بددیانت، منافق لوگوں اور بے غیرتوں کو ہمیشہ ذلیل ورسوا کرنا چاہئے اگر سرکار دربار میں بدکاروں اور حرام خوروں کو جگہ مل جائے تو حکومت کے اہل کار اور فوج وسپاہی نہیں پورا معاشرہ بگڑ جائے گا۔

(۳)......تیسرا کام جو حکمراں کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ اس کے صوبہ دار اور وزیر و مشیر تعلیم یافتہ مہذب اور خدا ترس لوگ ہوں۔

اگر یہ شراب اور شہوت کے مارے ہوں گے تو ملک ٹوٹ جائے گا۔ اصول اور صداقتیں ہمیشہ باقی رہتی ہیں چاہے زمانہ پہلے کا ہو، موجودہ دور ہو یا آنے والا عہد ہو فطرت کے اصول بدلتے نہیں۔ اب چاہے وہ محمد شاہ رنگیلا ہو واجد علی ہو یا آج کے دور کے فاسق و فاجر حکمراں جو بھی دنیا کے سامنے دستاویز شرافت کو پھاڑ کر اس کی دھجیاں بکھیر دے گا اس کا ملک ٹوٹ جائے گا۔ مملکتوں کو سب سے زیادہ نقصان دہرے معیار سے پہنچتا ہے۔

جب کوئی حکمران یہ کہہ دے کہ وہ اچھے، مہذب اور با اصول لوگوں کو حکومت کے کاروبار سونپنا چاہتا ہے تو اسے یہی کرنا چاہئے۔ اگر وہ اپنے صوبہ داروں اور حاشیہ برداروں کے کہنے میں آ کر انہیں گرگوں کو ملک پر پھر مسلط کر دیتا ہے جو اس سے پہلے کے حکمرانوں کے زمانے میں بھی حکومت پر فائز رہے اور عوام انہیں ناپسند کرتے رہے تو اللہ کا قانون اسے معاف نہیں کرے گا۔

سیاست ایک دینی علم ہے۔ جب کسی مملکت کے نظم و نسق کی بات ہوتی ہے تو یہ اصل میں مملکت کے عوام کے ظاہر و باطن کی بات ہے۔ سیاست کا ماخذ ہمیشہ سے دینی احکام رہے ہیں۔ سیاست کی داغ بیل ڈالنے والے بھی اللہ کے پیغمبر ہیں۔ آج بھی دنیا کے کسی خطے کی کسی بڑی یا چھوٹی مملکت کو لے لیجئے۔ اس کے اصول و قوانین کی چھان بین کے لئے تو ایک ہی بات سامنے آئے گی۔ ان کا مقصد اس مملکت کے عوام کے ظاہر و باطن کو ٹھیک کرنا ہے! انسان مل کر رہنے کا عادی ہے اس لئے اسلام نے خاص طور پر امور سیاست پر توجہ دی ہے۔

دین اور نظام دین کو غالب کرنے کے لئے نبی آخر الزماں کو مدینے میں ایک مملکت قائم کرنا ضروری تھا۔ تاکہ دنیا کے سامنے ایک نمونہ آ جائے۔

(۴)......بلبن نے اپنی اولاد سے کہا کہ آخری اور چوتھی بات یہ ہے کہ حکمران کو چاہئے کہ وہ عدل سے کام لے! ماتحتوں کا کارگذاری کا سختی اور انصاف سے جائزہ لیتا رہے تا کہ ملک سے ظلم و ستم کا نام و نشان مٹ جائے۔

تاریخ اصل میں دوسروں کے تجربات کی کہانی ہے۔ فراست اور بصیرت یہ ہے کہ آدمی

دوسروں کے مشاہدات سے فائدہ اٹھائے۔

مثالی بادشاہ رونے والا

انتالیس برس کی عمر میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انتقال کیا۔ دو برس پانچ ماہ تک ان کی خلافت رہی وہ دبلے پتلے لیکن خوشرو انسان تھے، کھلتا ہوا رنگ تھا، اچھی داڑھی تھی بال سفید ہوگئے تھے مگر خضاب لگانا پسند نہ تھا خلیفہ بننے سے پہلے وہ بڑے خوش پوش آدمی تھے۔ روز کئی جوڑے بدلتے، ایک سے ایک قیمتی کپڑا بدن پر ہوتا تراش خراش اور سلائی ایسی ہوتی کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے، مدینے کے گورنر بن کر گئے تو سو اونٹوں پر لد کر تو صرف ان کے کپڑے لگے تھے لیکن مسلمانوں کے امیر منتخب ہوئے تو ان کا حال ہی بدل گیا۔

رجا بن حیوۃ نے جب ان کی بیعت لینی چاہی تو بہت روکا کہتے تھے: خلافت بہت بڑی آزمائش ہے۔ اس میں نہ ڈالئے! اس منصب کے لئے انتخاب ہوا تو ان کی زبان سے بھی وہی باتیں نکلیں جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمائی تھیں۔ کہا:

میں کمزور ہوں اور کام بہت بڑا ہے۔ جو اس منصب پر مامور ہوتا ہے اس کی پرسش بھی بہت سخت ہوتی ہے۔ جیسی سوچ ویسا ہی ان کا عمل بھی تھا۔ اپنے تایا عبدالملک کی طرح وہ بھی بڑے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ ذہانت اور دیانت کا ایسا جوڑ ان میں تھا کہ کم کسی میں دیکھنے میں آتا ہے۔ برسہا برس تخت وتاج سنبھال کر بھی صاحبان اقتدار کچھ نہیں کر پاتے۔ ڈھائی برس میں انہوں نے وہ کچھ کر دکھایا کہ سدا یاد رہے گا۔

خلیفہ بنے تو جو کچھ زر و مال اپنے پاس تھا بیت المال میں داخل کرا دیا۔ بیوی کے زیورات بھی داخل کرا دیئے۔ اپنی جاگیریں اور باغ واپس کر دیئے۔ فرمایا: صحیح طریقہ یہی ہے!

بیوی سے کہا کہ: فقر و فاقے کی زندگی میں شریک ہونا ہے تو ساتھ رہو ورنہ تمہاری مرضی! وہ بھی اللہ کی ایک ہی بندی تھیں۔ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی تھیں لیکن امیر المومنین کی بیوی بن کر مملکت کی خاتون اول ہونے کے باوجود زمین پر سوتیں اور اکثر فاقے کرتی تھیں۔ میاں کے پاس کپڑے کا ایک ہی جوڑا تھا۔ بیوی کے پاس بھی ایک جوڑا تھا۔ جب

میلا ہو جاتا دھو کر سکھاتیں اور پھر پہن لیتیں۔ کہاں تو عمر بن عبدالعزیز کے وہ کپڑے کہ سینکڑوں دینار (اشرفی) ان پر اٹھ جاتے تھے، کہاں یہ حال کہ جسم کے کپڑے اور جوتوں کو ملا کر کل چودہ درہم کی مالیت بنتی تھی۔ کپڑوں اور جوتوں میں کئی کئی پیوند ہوتے تھے۔

اقتدار کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ پاکستان جیسی نہ جانے کتنی مملکتیں ان کی ایک مملکت میں سما جاتی تھیں بیت المال سے اپنے خرچ کے لئے وہی لیتے تھے جو ایک عام آدمی کی ضرورت کے لئے کافی ہوتا۔ یہ وہ معیار تھا جو صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم قائم کر گئے تھے۔ انہیں کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے۔ اور حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے نور بصیرت حاصل کرتے تھے۔ عدل وانصاف میں ویسے ہی بے نظیر تھے جیسے صدیق اکبر اور فاروق اعظم!

سرکاری کام ختم ہو جاتا تو سرکاری چراغ بجھا دیا کرتے تھے۔ اگر ایک لمحہ بھی اس کی روشنی گھر میں باقی رہتی تو اس کو خیانت سمجھتے۔ ایک مرتبہ ان کے کسی دوست نے کہا: دس دوست دس دشمن حفاظت کے لئے پہرے چوکی کا انتظام کر لیجئے!

مشورہ دینے والے سے تو کچھ نہ کہا لیکن نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور بولے: اے اللہ! سوائے روز قیامت کے کوئی اور خوف رکھتا ہوں تو اپنی امان میں نہ رکھ!

ایک مرتبہ قیامت کا ذکر ہوتو خوب روئے حتّٰی کہ غشی طاری ہوگئی۔ آنکھ کھلی تو مسکرانے لگے۔ حاضرین نے پوچھا: ہنستے کیوں ہو؟

فرمایا...... قیامت کا حال دیکھا، میزان عدل کے سامنے ابوبکر صدیق بلائے گئے۔ ان کا حساب آسان نکلا۔ سیدھے جنت گئے۔ پھر عمر، عثمان اور علی آئے۔ ان کے حساب بھی آسان نکلے اور وہ جنت سدھارے۔ پھر ایک وقت آیا کہ میری پکار ہوئی۔

پوچھا گیا: آپ کا معاملہ کیسا رہا؟

بولے: آسان رہا، اس لئے کہ میں نے اقتدار کو ہمیشہ امانت سمجھا!

خلفائے راشدین کی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سامنے رکھ کر ہمارے مفکرین نے معیاری مملکت کے اصول مرتب کئے ہیں۔ اسلامی مملکت کا تصور فلاحی اور شورائی طرز کا ہے۔ اس لئے آج کی اصطلاح میں اشتراکی اور جمہوری بھی کہا جا سکتا ہے لیکن بنیادی فرق یہ ہے کہ مغربی جمہوریتیں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتیں۔ اس کی جگہ ایک

منطقی مادیت کو دیتی ہیں۔ اسی طرح ان کے پاس حرام وحلال کے دوٹوک اخلاقی ضابطے نہیں ہیں۔

اسلام اپنے نظریہ حیات کی صداقت پر یقین رکھتا ہے لیکن انصاف کا تقاضا اسے قرار دیتا ہے کہ طاقت سے دیگر نظریات حیات کو کچلا نہ جائے۔ اسلام کا وسیع تر نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں مختلف تصورات حیات کام کر سکتے ہیں بشرط یہ کہ وہ ظلم وزیادتی کو نہ اپنائیں۔ اسلام فساد اور فتنے کو برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ امن وامان برقرار رکھنا اسلامی مملکت کی اولین ذمہ داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقلیتیں اسلامی مملکت میں ہمیشہ مطمئن اور خوش حال ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور اسی لئے مثالی سمجھا جاتا ہے۔

تیمور بادشاہ اور بوڑھی عورت کے آنسو

امیر تیمور بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ رات کے وقت گھوڑے پر پورے شہر کا گشت کر کے اپنی رعایا کا حال معلوم کیا کرتا تھا اور دوسرے روز ان کے متعلق فیصلے صادر کیا کرتا تھا۔ ایک روز وہ حسب معمول شہر میں چکر لگا رہا تھا کہ اس نے ایک غمناک آواز سنی۔ وہ آہ وبکا کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک بڑھیا رو رہی تھی اور بارگاہ ایزدی میں فریاد کر رہی تھی: "اے رب العالمین! ہمارے بادشاہ اور وزیر کو موت دے دے اور قاضی شہر کی عمر دراز کر۔"

بادشاہ اس حیرت انگیز دعا کو سن کر بڑا پریشان ہوا۔ کافی دیر وہ سوچتا رہا کہ بڑھیا سے کس طرح معلوم کرے کہ وہ بادشاہ اور وزیر سے کیوں اس قدر نالاں ہے کہ ان کی موت چاہتی ہے اور قاضی سے اتنی خوش کیوں ہے جو اس کی لمبی عمر کے لئے دعا گو ہے۔ کافی دیر بعد اس نے بڑھیا کے دروازے پر دستک دی۔ جب بڑھیا نے دروازہ کھولا تو بادشاہ نے نہایت بیچارگی اور مسکینی سے پوچھا کہ اے نیک عورت! میں ایک مسافر ہوں لیکن میں نے تمہاری عجب وغریب دعا سنی ہے۔ کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم بادشاہ وقت اور وزیر سے اتنی زیادہ رنجیدہ کیوں ہو جو ان کی موت چاہتی ہو اور قاضی سے اتنی خوش کیوں ہو کہ اس کی درازی عمر کی دعا کر رہی ہو؟

اس بڑھیا نے کہا اجنبی! میں بادشاہ کی بیماری کی اس لئے خواہش مند ہوں کہ اگر بادشاہ بیمار ہوگا تو وہ وافر مقدار میں صدقہ وخیرات کرے گا اور اس کی خیرات سے میں اپنے غریب

بھوکے بچوں کی روٹی کا سامان کروں گی۔ ہمارے چند دن بہتر گزر جائیں گے وزیر کی موت کی اس وجہ سے خواہش مند ہوں کہ وہ نہایت نیک سیرت انسان ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اس کا خاتمہ نیک اعمال پر ہو جائے اور وہ رب العالمین کے دربار میں اعلیٰ مقام پائے اور نجات حاصل کرے اور قاضی شہر کی درازی عمر اس لئے چاہتی ہوں کہ وہ اپنی بداعمالیاں زیادہ سے زیادہ کر سکے تا کہ اس کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ کوئی نہ ہو اور قیامت کے روز اس کو زیادہ سے زیادہ عذاب ملے۔

بادشاہ تیمور جو مسافر کے روپ میں تھا، نے آبدیدہ ہو کر اس بڑھیا سے کہا اے نیک عورت! میں اس وقت تو تنگ دست ہوں، میرے پاس صرف ایک تسبیح ہے، تم وہ مجھ سے لے لو اور اس کو فروخت کر کے اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کا سامان کرو۔ اور اگر وقت نے مہلت دی تو میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔

یہ کہہ کر اجنبی مسافر (بادشاہ) چلا گیا۔ لالچ نے موت کے منہ میں پہنچا دیا ادھر بڑھیا وہ تسبیح لے کر اپنے ہمسائے کے پاس گئی تا کہ اس کو فروخت کر سکے۔ اس ہمسائے نے جو یوں تو سید تھا مگر پرلے درجے کا بخیل انسان تھا جب تسبیح کو دیکھا تو اس کی رال ٹپ پڑی۔ بڑھیا تسبیح کی قیمت سے ناآشنا تھی کیونکہ تسبیح یاقوت اور لعل و مرجان کی تھی اور مذکورہ ہمسایہ کسی طرح اس سے وہ تسبیح ہتھیانا چاہتا تھا۔ اس نے بڑھیا کے ساتھ الٹی چال چلی کہ یہ تسبیح تو میری ہے۔ اس کو کل کسی نے چرایا ہے اور میں اس کی تلاش میں تھا۔ اب مجھے پتہ چلا کہ یہ تم نے چرائی ہے۔ میں اب تم پر مقدمہ دائر کروں گا۔

بڑھیا گھبرا گئی اور بولی میں بالکل بے قصور ہوں۔ یہ تسبیح تو مجھے ایک اجنبی نے دی تھی میں نے ہرگز نہیں چرائی۔ اب اس سید ہمسائے نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور کہنے لگا، اچھا اگر تو نے تسبیح نہیں چرائی تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔ میں تم پر اتنا ترس کھالیتا ہوں کہ تمہیں عدالت میں نہیں کھینچتا۔ بڑھیا نے اسی میں عافیت جانی اور اجنبی کو کوستی اپنے گھر چلی گئی۔

اگلی رات امیر تیمور پھر حسب معمول گشت پر نکلا اور قصداً بڑھیا کے محلے میں آیا اور اس نے بڑھیا کے گھر سے پھر وہی دعا سنی جس میں بادشاہ کی بیماری، وزیر کی موت اور قاضی وقت کی درازی عمر کا ذکر تھا بادشاہ نے بڑھیا کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ بڑھیا اس کو دیکھتے ہی اس پر

برس پڑی اور اس کے منہ میں جو آیا کہتی چلی گئی۔ جب اس کا غصہ فرو ہوا تو بادشاہ نے اس سے اصل واقعہ سنانے کو کہا۔ بڑھیا نے بلاکم وکاست اپنے سید پڑوسی والا سارا قصہ سنادیا۔

بادشاہ کو بہت غصہ آیا۔ اس نے بڑھیا کو بتایا کہ میں اجنبی نہیں، بلکہ بادشاہ وقت ہوں اور میں نے تمہاری ضرورت پوری کرنے کی غرض سے اپنی قیمتی تسبیح تمہیں دی تا کہ تم اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کا سامان مہیا کرسکو مگر تمہارے ساتھ تمہارے بخیل پڑوسی نے بڑی زیادتی کی ہے۔ اس کی سزا اس کو ضرور ملے گی۔

اگلے روز بادشاہ نے بڑھیا اور اس کے بخیل سید پڑوسی کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ دربار میں تمام وزراء امراء اور دیگر مصاحب تشریف فرما تھے۔ بادشاہ نے بڑھیا کو حکم دیا کہ ساری روداد سناؤ۔ بڑھیا نے شروع سے آخر تک ساری بات دربار میں بیان کردی۔

فیصلہ یہ کیا گیا کہ بڑھیا کو خاطر خواہ انعام دیا جائے جس سے وہ باقی زندگی آسانی سے اٹھا سکے اور اپنے بچوں کی کفالت بہتر طریقے سے کر سکے اور اس کے بخیل سید ہمسائے کو سزائے موت دے دی۔ اسی پر بس نہ کی گئی بلکہ اس علاقے میں جتنے سادات گھرانے تھے ان کو بھی نیست ونابود کرنے کا فرمان جاری کردیا گیا۔ اسی طرح بہت سے سید گھرانے لقمہ اجل ہو گئے۔

چور پادری کی شکل میں

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک فوجی شام کے علاقے میں ایک بستی کی طرف جارہا تھا۔ جب اس نے چند فرسخ کا راستہ طے کرلیا تو وہ تھک گیا۔ اس کے پاس ایک خچر یا تھی جس کے اوپر سفر کا ضروری سامان لدا ہوا تھا۔ شام کا وقت بھی قریب آرہا تھا اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا گرجا گھر ہے اور اس میں ایک راہب ہے۔ راہب نے اسے دیکھ کر اس کا استقبال کیا اور اس نے اپنے پاس رات گزارنے کے متعلق پوچھا تا کہ وہ کسی سے مہمان نوازی کا انتظام کر سکے۔ چنانچہ اس فوجی نے رات میں قیام کے بارے میں حامی بھرلی۔

فوجی کہتا ہے کہ جس وقت میں گرجا گھر میں داخل ہوا تو مجھے پادری کے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ اتنے میں پادری نے میری خچر یا کو ایک طرف لے جا کر باندھ دیا اور اس کا گھاس

چارہ کیا اور میرا اسباب ایک کمرے میں لے جا کر رکھا۔ گرم پانی لایا، سردی کڑا کے کی پڑ رہی تھی۔ برف گرنے کا زمانہ تھا۔ آگ جلائی اور بہت عمدہ کھانا میرے لئے لایا۔ چنانچہ میں نے کھانا کھایا۔

جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو سونے کی تیاری کرنے سے پہلے میں نے اس سے یہ معلوم کیا کہ بیت الخلا کدھر ہے؟

اس نے بتایا کہ بیت الخلا اوپر ہے اور اس کا راستہ مجھے دکھلایا۔ جب میں رفع حاجت کے لئے اوپر پہنچا اور بیت الخلاء کے دروازے پر قدم رکھا تو ایک بڑی سی چٹان پر نظر پڑی اور میں نے اس پر جیسے ہی قدم رکھا دھم سے میدان میں گرجا گھر سے باہر آ گرا۔ گویا اس بدبخت نے وہ چٹائی چھت سے باہر اس طرح لٹکائی تھی کہ اس پر ذرا سا بوجھ پڑے تو فوراً آدمی جا گرے۔ میں نے گرنے کے ساتھ شور مچانا شروع کیا مگر پادری نے کوئی جواب نہ دیا۔

خیر مجھے چوٹ تو ضرور آئی مگر کوئی ہڈی وغیرہ نہیں ٹوٹی تھی۔ اس برف باری کے عالم میں جاڑے سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ آخر کار برف سے بچنے کے لئے گرجا گھر کے دروازے کی محراب میں کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اوپر سے ایک وزنی پتھر آ کر گرا۔ اگر مجھ پر گرتا تو تو پیس کر رکھ دیتا۔ میں وہاں سے نکل کر بھاگا۔ وہ پادری مجھے گالیاں دیتا رہا جس سے میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو اسی پادری بدبخت کی شرارت ہے جو مجھے لوٹنے اور جان سے مارنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔

جب میں محراب سے باہر آیا تو برف باری کے عالم میں کھلے آسمان کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔ میرا سارا بدن اور کپڑے بھیگ گئے۔ تب میں نے سوچا جان بچانے کی کوئی صورت اختیار کرنی چاہئے۔ ورنہ میں صبح تک اکڑ کر مر جاؤں گا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ ایک دو تین دھڑی کا پتھر ڈھونڈ کر اسے اپنے کندھے پر رکھ کر اِدھر سے اُدھر میدان میں بھاگوں۔

چنانچہ میں نے یہی تدبیر اختیار کی جس کی وجہ سے جسم میں گرمی آ گئی۔ پھر پتھر اتار کر کچھ دیر کے لئے آرام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر سردی نے پریشان کیا تو پھر پتھر اٹھا کر یہی ورزش کی۔ غرض کہ میں صبح تک یہ کرتا رہا۔ سورج نکلنے سے پہلے میں نے گرجا گھر کے

دروازے کھلنے کی آواز سنی۔ میں نے جو آگے بڑھ کر غور سے دیکھا تو پادری باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔اس نے وہاں مجھے تلاش کیا جہاں میں رات کو بلائی منزل سے نیچے گرا تھا۔ جب اس نے وہاں نہ پایا تو پادری نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ارے آخر وہ مسافر کہاں گیا۔

میں نے پادری کی بات سن لی۔ اتنے میں پادری آگے چلا اور میں اس کے پیچھے سے آہستہ سے گرجا کے دروازے میں داخل ہوگیا اور کواڑ کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ پادری مجھے تلاش کر کے تھوڑی دیر کے بعد لوٹ آیا اور آکر دروازہ بند کرنے لگا۔ میں ایک طرف چھپا کھڑا ہی تھا۔ جوں ہی وہ پلٹا اور میری طرف اس کی نگاہ اٹھنے ہی والی تھی کہ میں نے خنجر نکال کر اس کو نیچے گرا کر اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا اور اسے ختم کر کے میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

پھر گرجا کا دروازہ بند کر کے میں اوپر گیا۔آگ جو پہلے سے سلگ رہی تھی اسے اور مزید لکڑیاں ڈال کر روشن کیا اور خوب سینک کر اپنے بدن میں گرمی پیدا کی۔ اس کے بعد گیلے کپڑے اتار کر اپنے سامان میں سے دوسرے کپڑے نکال کر پہنے اور پادری کی چادر اوڑھ کر سوگیا۔ رات کا جاگا ہوا تھا۔ چنانچہ مجھے خوب نیند آئی۔ عصر کے وقت تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو بھوک لگ رہی تھی۔ اٹھ کر گرجا میں گھوما پھرا۔ باورچی خانہ میں گیا تو کھانے پینے کا اچھا خاصہ ذخیرہ ملا۔ سیر ہوکر کھانا کھایا تو جان میں جان آئی اور طبیعت میں نشاط پیدا ہوا۔

سونے کا ڈھیر:

وہیں مجھے گرجا کے دیگر کمروں کی چابیاں مل گئیں اب میں نے سکون کے ساتھ ایک ایک کمرہ کھول کر دیکھا تو وہاں ہر طرح کے سامان کے انبار لگے ہوئے تھے۔ قیمتی چیزیں، سونا اور چاندی سواریوں کے کجاوے قسم قسم کے آلات طرح طرح کے اسباب سے بھرے پڑے تھے جس سے میں نے خوب سمجھ لیا کہ پادری ایک قسم کا راہزن تھا جو کسی مسافر کو تنہا ادھر سے گزرتے دیکھتا تو جس طرح اس نے میرے ساتھ معاملہ کیا ایسا ہی معاملہ دوسروں کے ساتھ بھی کرتا ہوگا اور اسے دھوکہ سے مار کر اس کے سامان پر قبضہ کر لیتا ہوگا۔

اب میں نے سوچا اتنے بڑے ذخیرے کو کس طرح یہاں سے منتقل کروں اور اپنے بارے میں ادھر سے گزرنے والوں کو شبہ نہ پیدا ہونے دوں۔ تو اچانک یہ تدبیر ذہن میں آئی

کہ صبح کو پادری کا لباس پہن لیا اور اسے پہن کر گرجا کے اوپر جاتا اور چھت پر ٹہلنے لگتا۔ نیچے سے گزرنے والے دور سے یہ سمجھتے کہ وہی پادری ہے اور جانے والے قریب آئے تو میں پشت کر کے دوسری طرف چلا جاتا۔

اسی طرح چند روز گزارے کسی کو میری حالت کا پتہ نہ چل سکا۔ اس کے بعد میں نے تلاش کر کے دو خرجیاں نکالیں ان پر بہت قیمتی اور اچھا اچھا سامان بھر لیا۔ پھر پادری کا لباس اتار کر اپنے کپڑے پہن کر اور یہ خرجیاں اپنے خچر پر لاد کر پاس کی بستی میں گیا اور ایک مکان کرایہ پر لے کر اس میں ٹھہر گیا اور موقع بہ موقع اس گرجا کے سامان کو اس مکان میں خچر یا پر لاد کر منتقل کرتا رہا۔

چونکہ سامان بہت تھا اس لئے خچر یا پر شروع شروع میں وہی چیزیں منتقل کیں جو اپنے سائز اور وزن کے لحاظ سے تو کم مگر قیمتی اور عمدہ تھیں۔ البتہ وزنی اور بڑی چیزیں وہیں چھوڑ دیں۔ آخر ایک دن میں نے اس کا بھی بندوبست کیا۔ بہت سے خچر اور گدھے کرائے پر حاصل کئے اور کچھ مزدور لئے اور یہ سب سامان لاد کر ایک قافلہ کے ہمراہ وہاں سے چل پڑا اور تمام مال غنیمت لے کر اپنے گھر آ گیا۔ سامان کافی قیمتی تھا اور کافی تعداد میں تھا چنانچہ اسی ہزار دراہم اور کافی اشرفیاں اور بہت ہی نفیس وقیمتی سامان میرے ہاتھ آیا اور میں نے اس میں سے قیمتی قیمتی سامان زمین میں دفن کر کے چھوڑ دیا جس کی کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔

ایک انوکھا واقعہ

علامہ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' میں مذکور ہے کہ یحیٰی بن عبدالحمید نقل کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سفیان ابن عیینہ کی مجلس میں تھا اور اس وقت وہاں پر کم وبیش ایک ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ پس ابن عیینہ نے ایک شخص سے جو کہ اس کی داہنی جانب آخر صف میں بیٹھا تھا کہ ذرا اٹھ کر حاضرین کو سانپ کا وہ قصہ تو سناؤ جو تم کو معلوم ہے۔

اس شخص نے جواب دیا کہ بہت اچھا لیکن پہلے مجھے کمر ٹیکنے کے لئے کوئی چیز عنایت فرما دیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے اٹھ کر ان کی کمر کے پیچھے ایک بڑا تکیہ لگا دیا۔ اس کے بعد

حاضرین کواس نے مخاطب کر کے فرمایا کہ میرے والد نے میرے دادامرحوم کی زبانی سنا تھا کہ ان کے زمانہ میں ایک شخص جس کا نام ابوالحمیر تھا اور بہت ہی متقی پرہیزگار شخص تھا اکثر روزے رکھتا اور مستقل تہجد پڑھتا۔ اس کو شکار کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ ایک دن وہ شکار کرنے کے لئے جنگل کی طرف گیا اور جنگل میں پہنچ کر شکار کی تلاش شروع ہی کی تھی کہ دفعتاً ایک سانپ ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے محمد بن حمیر مجھے خدا کے واسطے پناہ دو اللہ تعالیٰ تم کو اپنی پناہ میں رکھے گا۔

ابن حمیر نے پوچھا کہ تمہارا دشمن کہاں ہے؟

سانپ نے جواب دیا کہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔

پھر ابن حمیر نے پوچھا کہ تم کس امت سے تعلق رکھتے ہو؟

سانپ نے جواب دیا کہ محمد ﷺ کا امتی ہوں۔

ابن حمیر نے یہ جواب سن کر اس کے لئے اپنی چادر کھول دی اور کہا کہ اس میں گھس جاؤ۔

مگر سانپ نے جواب دیا کہ اس میں تو وہ مجھے دیکھ لے گا۔

تب ابن حمیر نے اپنی چادر کھول دی اور کہا کہ اس کے اندر آ جاؤ اور اس پوستین اور میرے سینہ کے درمیان چھپ کر بیٹھ جاؤ۔

لیکن سانپ نے وہی جواب دیا اور کہا کہ وہ یہاں بھی مجھ کو دیکھ لے گا۔

تو ابن حمیر نے کہا کہ آخر پھر تم کو کہاں چھپاؤں؟

تو سانپ نے جواب دیا کہ اگر تم میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہتے ہو تو اپنا منہ کھول دو۔ میں اس میں گھس جاؤں گا۔

ابن حمیر نے کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں تم مجھ کو ہلاک نہ کر دو۔

سانپ نے جواب دیا کہ میں خداوند کریم اور اس کے رسولوں، فرشتوں اور حاملین عرش اور آسمان پر رہنے والوں کو شاہد بناتا ہوں کہ میں تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا اور دشمن کے جانے کے بعد فوراً باہر جاؤں گا۔

چنانچہ ابن حمیر نے اپنا منہ کھول دیا اور سانپ اس کے منہ میں گھس گیا اور ابن حمیر اس کو لے کر آگے بڑھ گیا۔ ابھی کچھ قدم چلا تھا کہ ایک شخص ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے دوڑتا ہوا آیا

اور مجھ سے پوچھا کہ کیا تو نے میرے دشمن کو دیکھا ہے؟

ابن حمیر نے جواب دیا کہ کیسا دشمن؟

اس نے جواب دیا کہ وہ ایک سانپ ہے جو ابھی اس طرف آیا ہے۔

میں نے جواب دیا کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا اور پھر اس دروغ گوئی پر فوراً سو مرتبہ استغفار پڑھی اور اس شخص کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد سانپ نے اپنا سر باہر نکالا کر پوچھا کہ ذرا دیکھو تو وہ میرا دشمن ہے یا چلا گیا؟

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ اس لئے میں نے سانپ سے کہا کہ تمہارا دشمن چلا گیا ہے اور اب تم باہر آ جاؤ۔

اس سانپ نے جواب دے اے ابن حمیر اب تم اپنے لئے دو باتوں میں سے ایک بات پسند کرلو۔

میں نے کہا، وہ کیا؟

تو سانپ نے کہا کہ میں دو جگہ ڈسنا پسند کرتا ہوں، ایک جگر کو اور دوسرے دل کو۔ اب یہ تمہیں اختیار ہے کہ اگر تم کہو تو میں تمہارے جگر کو پاش پاش کر دوں یا تمہارے دل کو جھلس دوں تا کہ تمہارا جسم بغیر روح کے رہ جائے۔

ابن حمیر نے جواب دیا کہ سبحان اللہ، کیا خوب وعدہ کا ایفا کیا ہے اور کیا خوب قسموں اور حلیفہ بیان کا نتیجہ ہے۔ ابھی جو تم نے مجھ سے لمبے چوڑے وعدے کئے تھے اور جن کے حوصلے میں، میں نے تم کو پناہ دی تھی، کیا تم اس بھلائی کا ایسا ہی بدلہ دینا چاہتے ہو۔

سانپ نے جواب دیا کہ اے ابن حمیر میں نے تجھ سے زیادہ احمق شخص نہیں دیکھا۔ کیا تجھ کو وہ عداوت یاد نہیں جو میرے اور تیرے باپ کے درمیان تھی۔ اور جس کی وجہ سے میں نے ان کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کس وجہ سے تم نے میرے ساتھ نیکی کی؟

ابن حمیر نے کہا کہ تو نے مجھے مارنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔

سانپ نے جواب دیا کہ ہاں۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

تو ابن حمیر نے کہا کہ جب تیرا قصد ایسا ہی ہے تو تو مجھ کو اتنی مہلت دے کہ میں اس پہاڑ

تک پہنچ جاؤں اور اپنے مرنے کرنے کے لئے کوئی جگہ تجویز کرلوں۔

چنانچہ سانپ نے کہا کہ ٹھیک ہے، چلو اس پہاڑ تک جانے اور جگہ تجویز کرنے کی تمہیں رعایت ہے۔

چنانچہ اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہوکر پہاڑ کی طرف چل دیا اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگنی شروع کی:

یالطیف یالطیف الطف بلطفک الخفی یالطیف یاقدیر
اسئالک بالقدرة التی استویت بها علی العرش فلم یعلم
العرش این مستفرک منه یاحلیم یا علیم یا علی یاعظیم
یاحیی یا قیوم یاالله الا ماکفیتنی شر هذه الحیة

اور ابھی میں نے دوسری دفعہ یہ دعا پڑھی ہی تھی کہ دفعتاً ایک شخص جو بے حد خوبصورت، خوش پوشاک اور خوشبو سے معطر تھا میرے سامنے آیا اور کہا السلام علیک۔ میں نے جواب دیا وعلیک السلام یا اخی (اے میرے بھائی) سلام کا جواب سننے کے بعد اس نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہارا رنگ بدلا اور تجھ کو پریشان دیکھ رہا ہوں۔

میں نے جواب دیا کہ ایک دشمن نے مجھ کو ستا رکھا ہے۔اس کی وجہ سے پریشان حال ہوں۔

اس نے پوچھا کہ تمہارا دشمن کہاں ہے؟

میں نے جواب دیا کہ میرے پیٹ کے اندر۔

اس پر اس نے کہا کہ اچھا ذرا منہ کھولو۔

چنانچہ میں نے منہ کھول دیا تو اس نے ایک بڑا سا پتہ جو برگ زیتون کے مشابہ تھا میرے منہ میں رکھ دیا اور کہا کہ اس کو چبا کر نگل جاؤ۔

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ پتہ چبا کر نگلنا تھا کہ میرے پیٹ میں مروڑ ہونا شروع ہوا اور وہ سانپ میرے پیٹ میں گھومنے لگا۔ اس کے بعد اس کو نیچے کی طرف سے ٹکڑوں کی شکل میں نکال دیا اور اس کے نکلتے ہی میرے دل میں جو خوف چھایا ہوا تھا وہ زائل ہوگیا۔

اس کے بعد میں نے اس شخص سے مخاطب ہوکر کہا کہ برادرم محترم آپ کی تعریف کیا ہے؟ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر زبردست احسان کیا ہے اور مجھے اس موذی سے

نجات دے دی، اس لئے مجھے بتلائیے کہ آپ کون ہیں؟
یہ سن کر وہ شخص مسکرایا اور کہا کہ تم مجھ کو نہیں پہچانتے۔
میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔
تو اس شخص نے تفصیل سے بتایا کہ جس وقت تمہارے اور سانپ کے درمیان گفتگو ہو چکی اور پھر تم نے اس سے مہلت مانگ کر آسمان کی طرف نگاہ کر کے دعا مانگنی شروع کی تو ساتوں آسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے مجھے اپنی عزت اور جلال کی جو کچھ اس سانپ نے میرے بندے کے ساتھ کیا وہ سب مجھ پر آشکارا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا کہ جنت سے شجر طوبیٰ کا ایک پتا توڑ کر لاؤ اور اس کو لے کر میرے بندے ابن حمیر کے پاس پہنچ جاؤ۔ چنانچہ میں نے جنت سے شجر طوبیٰ کا پتہ لیا اور لا کر تجھ کو کھلا دیا۔ اس اثر جو کچھ ہوا وہ تم دیکھ چکے ہو اور میرا نام معروف ہے اور میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں۔
پھر معروف نے مجھ کو کہا کہ اے محمد حسن سلوک کو لازم پکڑلو۔ کیونکہ نیکی بدی کے حملوں سے بچاتی ہے۔ اگر چہ وہ شخص جس کے ساتھ نیکی کی گئی ہو اس کی ناقدری کر کے اس کو ضائع کر دے مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ کبھی ضائع نہیں ہوتی۔
فائدہ:۔ حاکم نے ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من الھدم و التردی و اعوذبک من الحرق و الغرق و اعوذبک من ان یتخبطنی الشیطان عندالموت و اعوذبک من ان اموت فی سبیلک مدبرا و اعوذبک ان اموت لدیغا

''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں گرنے اور تباہ ہونے سے، جلنے اور ڈوب جانے سے اور اس سے کہ شیطان مجھ کو گمراہ کر دے بوقت موت اور اس سے کہ میدان جہاد میں فرار اختیار کروں اور اس سے کہ ڈسنا میری موت کا باعث ہو۔''

علماء نے اس دعا کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ چونکہ شیطان ملعون اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا دشمن ہے اس وجہ سے وہ مردِ مومن کو موت کے وقت بہکانا اور ڈگمگانا چاہتا ہے تا کہ مردِ مومن کا خاتمہ بالخیر نہ ہو سکے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے شیطان کے شر سے پناہ مانگی ہے اور یہ پناہ گیری امت کے لئے تھی۔ کیونکہ حضور ﷺ شیطان کے نرغہ سے قطعی مامون اور محفوظ ہیں۔

سانپ اور بچھو کے کاٹے ہوئے کو ملسوع اور ملدوغ کہتے ہیں۔

لالچ کا برا انجام

مسعودی بن زبیر بن بکار سے نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو بھائی سفر کے لئے نکلے اور راستہ میں ایک درخت کے سایہ میں جو سڑک کے کنارے تھا دم لینے کے لئے رکے۔ اس پیڑ کے نیچے ایک پتھر بھی پڑا تھا۔ جب کچھ دیر بعد انہوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو اس پتھر کے نیچے سے ایک سانپ ایک دینار لئے ہوئے نکلا اور اس نے وہ دینار ان دونوں بھائیوں کے سامنے ڈال دیا۔

اس دینار کو پا کر وہ دونوں بھائی آپس میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو یہاں پر کوئی خزانہ مدفون ہے۔ لہٰذا انہوں نے تین دن تک وہاں پر قیام کیا اور وہ سانپ روزانہ ایک دینار لا کر ان کے سامنے ڈالتا رہا۔ لیکن چوتھے دن ان بھائیوں میں سے ایک کہنے لگا کہ بھائی ہم کب تک یہاں بیٹھے ہوئے ایک ایک دینار حاصل کرتے رہیں گے، کیونکہ نہ اس سانپ کو مار کر خزانہ کو نکال لیا جائے۔

لیکن دوسرے بھائی نے اس کو منع کیا اور کہا کہ:

اگر اس میں خزانہ نہ نکلا تو ہماری ساری محنت بیکار ہو جائے گی۔

مگر اس نے اس کی بات نہ مانی اور ایک کلہاڑی لے کر سانپ کے انتظار میں بیٹھ گیا اور جیسے ہی سانپ نے پتھر سے سر نکالا اس نے کلہاڑی سے اس پر وار کر دیا۔ مگر حملہ پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا اور سانپ صرف زخمی ہو گیا، مرا نہیں۔ سانپ نے تیزی سے پلٹ کر جوابی حملہ کیا اور اس کلہاڑی سے حملہ کرنے والے کو ڈس کر ہلاک کر دیا اور واپس پتھر کے اندر گھس گیا۔

دوسرے بھائی نے اپنے ہلاک شدہ بھائی کو دفن کر دیا اور وہیں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سانپ اگلے دن پھر نکلا۔ مگر اس کے منہ میں کوئی دینار نہیں تھا اور اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سانپ نکلتے ہی اس کی طرف لپکا مگر اس نے فوراً کہا کہ تجھ کو معلوم ہی ہے کہ میں نے اپنے بھائی کو اس اقدام سے منع کیا تھا اور تیرے قتل کرنے پر اس کا ہم خیال نہیں تھا مگر اس کم بخت نے میرا کہنا نہ مانا اور تم پر حملہ کر بیٹھا جس کے نتیجے میں اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ان حالات کے تحت کیا یہ ممکن نہیں کہ تو مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اور نہ میں تجھ کو کوئی نقصان پہنچاؤں اور تم اسی طرح مجھ پر مہربان ہو جاؤ جو تم نے چار دن تک ہم پر مہربانی کی تھی۔ لیکن سانپ نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ اس شخص نے پوچھا کہ انکار کی وجہ کیا ہے؟

سانپ نے جواب دیا کہ انکار کی وجہ یہ ہے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیرا دل میری طرف سے کبھی صاف نہ ہوگا کیونکہ میں نے تیرے بھائی کو مار ڈالا ہے اور تو اس کی قبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور میرا دل بھی تیری طرف صاف نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ میرے سر کا زخم مجھ کو صدمہ کی یاد دلاتا رہے گا جو تیرے بھائی کے ہاتھوں مجھ کو اٹھانا پڑا۔ پھر اس سانپ نے جو (جو اصل میں جن تھا) نابغہ جعدی کا یہ شعر پڑھا:

وما لفيت ذات الصفا من حليفها
وكانت تربه المال زعبا وظاهره

ترجمہ:۔ اور میں اپنے حلیف سے کوئی نیک معاملہ نہیں دیکھ سکا، حالانکہ میرا مال اس کی پرورش کرتا تھا اور اس کے ظاہر کا خبر گیر تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو طاؤس رحؒ کی نصیحت

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز منصب خلافت پر فائز ہوئے تو طاؤس نے ان کو لکھا کہ آپ اپنے تمام کاموں کو خیر کے سانچے میں ڈھالنا چاہیں تو امور سلطنت اہلِ خیر ہی کے سپرد کر دیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ نصیحت پڑھ کر فرمایا کہ میرے لئے یہ نصیحت کافی اور وافی ہے۔

اورنگزیب عالمگیرؒ کی فراست ایمانی

اورنگزیب عالمگیرؒ کے پاس دو بندے لائے گئے۔ان دونوں نے ایک جیسا ہی گناہ کیا تھا۔اورنگزیب عالمگیرؒ نے ان میں سے ایک کے بارے میں فرمایا کہ اس کو دس جوتے لگاؤ۔ چنانچہ اس کو جوتے لگائے گئے۔ پھر دوسرے کو بلا کر اس کی طرف غصے کی نظر سے دیکھا اور فرمایا، آپ نے بھی یہ کیا......اس کے بعد فرمایا کہ چلے جاؤ یہاں سے۔وہ چلا گیا۔

بعد میں لوگوں نے اورنگزیب عالمگیرؒ سے کہا کہ آپ کا عدل تو بڑا مشہور ہے۔ان دونوں کا ایک جیسا جرم تھا مگر آپ نے ایک کو تو جوتے لگوائے اور دوسرے کو فقط تنبیہ کر کے بھیج دیا۔ آپ کا یہ عمل ایسا ہے کہ جس میں ظاہراً انصاف نظر نہیں آتا۔

انہوں نے فرمایا کہ اچھا ایسا کرو کہ تم ان دونوں کے گھر جاؤ اور دیکھو کہ ان دونوں کا کیا حال ہے۔

جو دس جوتے کھا کے گیا تھا جب اس کے گھر گئے تو دیکھا کہ وہ گھر میں بیٹھے قہقہے لگا رہا ہے تھا، اسے بالکل پرواہ ہی نہیں تھا۔اور جس کو فقط غصے کی نظر سے دیکھا تھا اس کی طبیعت حساس تھی۔وہ بخار کے ساتھ بستر پر پڑا ہوا تھا۔

مشائخ بھی بندے کی طبیعت کو دیکھ کر علاج کرتے ہیں۔کسی کو غصے سے دیکھ لینا کافی ہوتا ہے اور کسی کو اچھی طرح ڈانٹ پلانی پڑتی ہے۔

ملکہ ہندا اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی اور گھر کے کام کاج کرتی ہے:

اس زمانہ میں بادشاہوں کی کئی بیگمات ہوتی تھیں۔لیکن ناصر الدین ان بادشاہوں میں نہ تھا جو بادشاہ قرآن شریف اور دیگر کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنی روزی کماتا ہو بیگمات، لونڈیاں اور باندیاں اس کثرت سے کس طرح رکھ سکتا ہے؟ اس کی ایک ہی بیگم سلیمہ نام کی تھی۔جس کے پاس نہ کوئی لونڈی تھی نہ باندی۔علاوہ گھر کے کام کاج کے وہ بھی کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتی تھی۔ایک دن روٹی پکاتے پکاتے اس کا ہاتھ جل گیا۔اس نے بادشاہ سے کہا کہ کم سے ایک ماما تو رکھ دو کہ روٹی پکانے سے بچت ملے، باقی گھر کے کام میں

خود کر لیا کروں گی۔

بادشاہ نے کہا: بیگم! گو میں بادشاہ ہوں، لیکن سلطنت کی روپیہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے کہ وہ رعایا کا مال ہے اور رعایا کی بہبودی میں صرف ہونا چاہئے۔ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میری آمدنی جیسا کہ تم سے مخفی نہیں ہے بہت قلیل ہے، اتنی گنجائش نہیں کہ ایک خادمہ رکھ سکوں۔ آخر غریب آدمیوں کی بیویاں بھی اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی ہیں۔ دنیا میں یہ چندروزہ تکلیف ہے اس کو برداشت کرلو، خدائے پاک تم کو اس کا اجر دے گا۔

اللہ اکبر! ایسا نیک دل، رعایا پرور، امین، خدا کا خوف رکھنے والا مرنج ومرنجاں بادشاہ کہاں نصیب ہوتا ہے؟ یہ بادشاہ درحقیقت انسان کے قالب میں ایک فرشتہ تھا۔ ۶۶۳ ہجری میں یہ عدل پرور بادشاہ بیمار اور ۱۱ جمادی الاول ۶۶۴ ہجری ۱۲۶۶ء کو دہلی میں انتقال کر گیا۔

بادشاہ کی طرف سے جاگیر کا تحفہ

سلطان ناصر الدین ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن جس کا نام اس وقت الف خاں تھا کے ساتھ اوچھ اور ملتان کی طرف گیا۔ جب پاک پتن میں پہنچا تو الف خاں کے ہاتھ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے پاس کچھ زرنقد معہ فرمان معافی جاگیر وعطیہ بھیجا اور زبانی یہ پیغام دیا کہ جو کچھ حاضر خدمت کیا جاتا ہے وہ آپ کے لئے نہیں بلکہ آپ کے متعلقین اور مسافروں کے لئے ہے جو اکثر آپ کے پاس فیض حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ زرنقد تو فقراء کو تقسیم کر دو اور مصائب وآفات کا یہ پیش خیمہ یعنی یہ فرمان جاگیر واپس لے جاؤ۔

کیا استغنا تھا کیا بے غرضی تھی جو کام کرتے تھے خلوص سے کرتے تھے۔ نہ ستائش کی پرواہ تھی نہ صلہ کی تمنا۔

چار آسمانی کتابوں کا خلاصہ

تاریخ ابن خلکان میں عبداللہ شامی سے منقول ہے کہ میں طاؤس کے پاس آیا تو میرے سامنے ایک بوڑھا شخص آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا آپ ہی طاؤس ہیں؟

اس شخص نے کہا کہ نہیں، میں طاؤس کا بیٹا ہوں۔

میں نے کہا کہ اگر تو حضرت طاؤس کا بیٹا ہے تو حضرت طاؤس تو اتنے بوڑھے ہو چکے ہوں گے کہ بڑھاپے کے باعث ان کی عقل خراب ہوگئی ہوگی۔

اس نے کہا، نہیں...... علماء کی عقل خراب نہیں ہوتی۔

پس میں ان کے بیٹے کے ہمراہ حضرت طاؤس کی خدمت میں پہنچ گیا۔ حضرت طاؤس نے مجھ سے کہا کہ کیا تو یہ پسند کرے گا کہ میں تیرے سامنے انجیل، توریت، زبور اور قرآن کریم کی تعلیمات کا نچوڑ پیش کروں؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

تو حضرت طاؤس نے فرمایا کہ تو اللہ سے اتنا ڈر کہ اس سے زیادہ کسی کا خوف تیرے دل میں نہ ہو اور اس سے اتنی شدید امید رکھ جو اس کے خوف سے بھی زیادہ ہو اور اپنے بھائی کے لئے وہ پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

ایک سبق آموز کہانی

مسجد تیار ہو چکی تھی!

دریا کے کنارے ایک خوبصورت اور دلکش عمارت تھی جس کی منقش دیواروں سے شان و شوکت ٹپکتی تھی۔ اس عمارت کی مشرقی جانب یہ مسجد تھی۔ جس کے دونوں مینار بڑے وقار سے سر اٹھائے کھڑے تھے۔ مسجد کی تعمیر میں نفاست کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔

آج اس مسجد میں غیر معمولی ہجوم تھا۔ بڑے بڑے علماء کرام، سرکاری امراء اور اہم شخصیات بھی موجود تھیں۔ آج اس مسجد کا باقاعدہ افتتاح ہونا تھا۔

نماز کا وقت ہوا تو نمازیوں نے صفیں باندھ لیں۔ اس موقع پر یہ تجویز سامنے آئے کہ آج مسجد کے افتتاح کے دن وہ شخص جماعت کی امامت کروائے جو صاحب ترتیب ہو یعنی جس کی کوئی نماز قضا نہ ہوئی ہو اور اس نے تمام نمازوں کو ترتیب سے وقت مقررہ پر ادا کیا ہو۔

یہ سننا تھا کہ سناٹا چھا گیا۔ شاید کوئی بھی اس کڑے معیار کے مطابق خود کو امامت کا اہل نہیں پاتا تھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ایک جواں سال شخص آگے بڑھا۔ گندمی رنگت کے حامل اس دراز قد شخص کا جسم مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ اس کے بھرے بھرے چہرے پر قدرے خمدار ناک بڑی بھلی محسوس ہوتی تھی اور اس کی بڑی بڑی روشن آنکھوں سے ذہانت جھلکتی تھی۔ اس شخص نے انکسار سے کہا: ''الحمدللہ میں صاحب ترتیب ہوں۔''

تمام حاضرین کی ستائشی اور رشک بھری نظریں اس شخص کی جانب اٹھ گئیں۔ یقیناً امامت ایسے ہی شخص کو کرنا چاہئے تھی۔ وہ شخص وقار کے ساتھ آگے بڑھا اور امام کی جگہ پر کھڑا ہوگیا۔ امامت پڑھی گئی اور اس شخص نے تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لئے۔

سرنگا پٹم کی مسجد اعلیٰ میں نماز کی امامت کرنے والا یہ جواں سال رہنما تھے عالم اسلام کے عظیم اولوالعزم، جرأت مند اور صاحب تدبیر بطل جلیل ٹیپو سلطان...... جن کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ ٹیپو سلطان کو عموماً لوگ محض ایک جنگجو سپہ سالار کی حیثیت سے جانتے ہیں جو بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ لیکن ٹیپو سلطان محض ایک جنگجو سپہ سالار نہ تھے بلکہ وہ ایک ذی علم اور علم دوست شخصیت کے بھی مالک تھے۔ وہ بہترین انتظامی صلاحیتوں کے بھی حامل تھے۔ انہوں نے نہ صرف جنگی نقطہ نظر سے پانی سلطنت کو مستحکم بنایا اور اس کا دفاع کیا بلکہ فلاحی اعتبار سے بھی نہایت اہم اور منفرد اقدامات کئے۔ وہ غیر معمولی خداداد ذہانت کے مالک تھے اور ہر شعبے میں ان کی جدت اور اختراع پسندی کے باعث نت نئی راہیں کھلتی چلی گئیں اور ان کی رعایا پر آسودگی اور خوشحالی کے دَر وا ہوتے گئے۔

ٹیپو سلطان وسیع النظر اور دوربین شخصیت تھے۔ انہوں نے عالم اسلام کو متحد اور یکجا کرنے کی ہر ممکن کوشش بھی کی اور اس غرض سے مسلم ممالک کے ساتھ صرف جنگی روابط قائم نہیں کئے بلکہ ان کے ساتھ تجارتی مراسم کو بھی فروغ دیا۔ یقیناً ٹیپو سلطان ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔

ٹیپو سلطان کا پورا نام فتح علی ٹیپو سلطان ہے۔ ان کے والد کا نام حیدر علی اور والدہ کا نام فخر النساء (فاطمہ) ہے۔ ٹیپو سلطان کے نام ''فتح علی'' میں ان کے والد حیدر علی اور دادا فتح محمد دونوں کے نام شامل ہیں۔ ان کے والد حیدر علی نے ان کے نام میں ''ٹیپو سلطان'' کا اضافہ ارکاٹ کے ایک بزرگ حضرت ٹیپو مستان ولی سے عقیدت کے باعث کیا۔

بیشتر مورخین کا خیال ہے کہ ٹیپو سلطان کی درست تاریخ پیدائش ۱۳ صفر المظفر ۱۱۶۵ ہجری (۲۱ دسمبر ۱۷۵۱ء) ہے۔

عالم اسلام کے اس عظیم جرنیل کی پیدائش بنگلور سے تقریباً ۲۲ میل دور ایک قصبے دیوان ہلی میں عمل میں آئی۔ اس مقام کا نام بعد میں ٹیپو سلطان نے یوسف آباد رکھ دیا تھا۔ ٹیپو سلطان کے آباء واجداد کے متعلق راویت ہے کہ وہ قریشی النسل تھے اور غالباً ۱۶ ویں صدی عیسوی کے اواخر میں برصغیر (پاک وہند) میں پہنچے۔ اس خاندان کے ایک فرد شیخ ولی محمد گلبرکہ (جنوبی ہند) آئے۔ شیخ ولی محمد کے بیٹے محمد علی تھے جو ٹیپو سلطان کے پردادا تھے۔ محمد علی کے بیٹوں نے جن میں ٹیپو سلطان کے دادا فتح محمد بھی شامل تھے فوج کی ملازمت کا پیشہ اختیار کیا۔ جب فتح محمد کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے شہباز اور حیدر علی (ٹیپو سلطان کے والد) کمسن تھے۔ ان بچوں کی والدہ بنگلور اور پھر سرنگا پٹم منتقل ہو گئیں۔

حیدر علی نے بھی بڑے ہو کر فوج کی ملازمت اختیار کی۔ ان کے جوہر خاص طور پر ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۹ء) میں (۲۸ برس کی عمر میں) کھلے جب انہوں نے ایک جنگ میں غیر معمولی شجاعت کا ثبوت دیا۔ اس جنگ کے تقریباً دو برس بعد ٹیپو سلطان کی پیدائش ہوئی۔

حیدر علی نے اپنے پیارے فرزند کی تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام کیا۔ ننھے ٹیپو کو قرآن کریم، فقہ، عربی، فارسی، فرانسیسی، انگریزی اور کنٹری (مقامی زبان) کی تعلیم دی گئی۔ اس زمانے میں اردو بھی رائج ہو رہی تھی، اس کا بھی علم حاصل کیا۔ ٹیپو کے اساتذہ میں علی حسین (بعد میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے عہد میں ملک الشعراء مقرر ہوئے) اور نصیر الدین اختر ترک شامل ہیں۔

دینی اور دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ فنون حرب کی تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کیا گیا۔ ان تمام علوم وفنون کے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان اساتذہ کی خصوصی توجہ اور لگن اور محنت کے نتیجے میں ٹیپو نے بہت جلد شہ سواری، تیغ زنی، نیزہ بازی، تیراندازی، بندوق چلانے، بانک، بنوٹ لکڑی (گتکا) پیراکلی، کشتی اور دوبدہ جنگ لڑنے میں مہارت حاصل کر لی۔ بعد کے ادوار میں ٹیپو سلطان نے فن حرب میں مزید کمال حاصل کیا۔ حتیٰ کہ فنون حرب پر "فتح المجاہدین" جیسی جامع کتاب لکھی۔ ٹیپو سلطان نے خطاطی کے فن پر بھی عبور

حاصل کیا تھا اور علم و حکمت ۔ کے اعتبار سے بھی ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ان کے کتب خانے سے ایک کتاب ''رسالہ درطرز خط محمدی'' کے نام سے ملی جس میں خطاطی کے بارے میں خود ٹیپو سلطان کے وضع کردہ اصول درج تھے۔ سلطان فن مصور کے بھی ماہر تھے۔علم نجوم پر بھی سلطان نے ایک کتاب ''زبرجد'' کے نام سے تصنیف کی تھی۔

ٹیپو سلطان نے ایسے عہد میں ہوش سنبھالا جب برصغیر پاک و ہند کی عظیم اسلامی مملکت سیاسی خلفشار کا شکار ہو چکی تھی۔ مغل حکمران اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد جگہ جگہ خود مختار ریاستیں وجود میں آ چکی تھیں۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر انگریز ایک تجارتی ادارے ایسٹ انڈیا کمپنی کے بھیس میں اپنا جال پھیلا چکے تھے۔

۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ء) میں بنگال سے اودھ تک انگریزوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ ٹیپو سلطان کے والد حیدر علی کی دور رَس نظروں نے اس مہیب خطرے کو بھانپ لیا تھا جو بعد میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا باعث بنا اور جس کے نتیجے میں انگریز برصغیر کے سیاہ سفید کے مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ انہوں نے نو آبادیت پسند سامراج کی راہ روکنے کے لئے خود بھی جدوجہد شروع کر دی تھی اور اپنے باصلاحیت فرزند ٹیپو سلطان کو بھی اس عظیم مقصد کے لئے تیار کر رہے تھے۔ ٹیپو سلطان کی عمر صرف ۱۵ برس تھی۔ حیدر علی نے بڈنورے جنوب میں کوہستانی علاقے بالم پر حملہ کیا، وہاں کے حکام کو شکست ہوئی لیکن اس نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور گھنے جنگل میں پناہ لے لی۔ اس موقع پر ٹیپو سلطان صرف دو ہزار سپاہی لے کر گھنے اور تاریک جنگل میں بے دھڑک داخل ہوگئے اور بالم کے حاکم اور اس کے ساتھیوں کو جالیا۔ یہ لوگ ''پالیگار'' کہلاتے تھے۔ پالیگاروں نے مجبوراً اطاعت کا یقین دلایا۔ ان کی دیکھا دیکھی مالابار کے دیگر جاگیرداروں نے بھی حیدر علی کو اپنا فانروا تسلیم کر لیا۔ حیدر علی اپنے بہادر فرزند کی اس کارکردگی سے اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے نوجوان ٹیپو سلطان کو دو سو سواروں کا کمانڈر مقرر کر دیا۔ بہت جلد انہوں نے ان سواروں کی تعداد پانچ سو کر دی۔

انگریز حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت سے سخت خائف تھے۔ انہوں نے مرہٹوں اور نظام الدین حیدر آباد دکن کو ساتھ ملا کر سلطنت میسور پر چڑھائی کر دی۔ پہلی اینگلو میسور جنگ کا آغاز ۱۱۸۱ھ (۱۷۶۷ء) میں ہوا۔ حیدر علی مرہٹوں کو اس اتحاد ثلاثہ سے الگ کرنے میں

کامیاب ہو گئے۔ پھر انہوں نے محرم ۱۱۸۱ھ (جون ۱۷۶۷ء) میں ٹیپو سلطان کو نظام الدین ملک حیدر آباد دکن کے پاس تحائف دے کر بھیجا۔ ٹیپو سلطان نے اتنے سلیقے سے گفتگو کی کہ نظام، حیدر علی کے ساتھ مل کر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ٹیپو کو مدراس کی طرف پیش قدمی کا حکم ملا۔ وہ مدراس پہنچ کر مخالفوں کی سرکوبی کر رہے تھے کہ انہیں ان کے والد نے واپس بلالیا۔ ترپاتور اور وانم باڑی کو فتح کرنے کی مہم اور انبور کے محاصرہ میں بھی وہ اپنے والد کے ساتھ رہے۔ جب انگریزوں نے بندر کوڑیال (بنگلور) پر قبضہ کرلیا تو ٹیپو سلطان کو ان کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا گیا۔ پھر حیدر علی بھی پہنچ گئے۔ دونوں بہادر باپ بیٹے نے مل کر پوری قوت سے حملہ کیا۔ ٹیپو سلطان کے حملوں میں ایسی شدت تھی کہ انگریز توپیں چھوڑ بھاگے اور قلعہ میں محصور ہو گئے۔ ٹیپو سلطان ان کا تعاقب کرتے ہوئے قلعے میں جا پہنچے۔ انگریز قلعہ چھوڑ کر ساحل کی طرف بھاگے اور راستے میں ٹیپو سلطان کی فوج کے ہاتھوں یا تو مارے گئے یا قیدی بنا لئے گئے۔

انگریزوں سے لڑائی ختم ہوئی تو مرہٹوں نے رجب ۱۱۸۳ھ (نومبر ۱۷۶۰ء) میں میسور پر حملہ کر دیا۔ حیدر علی نے ٹیپو سلطان کو حکم دیا کہ دشمن کو زچ کر دیا جائے۔ چنانچہ ٹیپو سلطان نے مرہٹوں کی رسد کے راستے بند کر دیئے۔ دشمن کو نہ پانی مل سکا نہ گھوڑوں کے لئے چارہ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ لیکن شوال ۱۱۸۳ھ (فروری ۱۷۷۰ء) میں حیدر علی نے مرہٹوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے ٹیپو سلطان کو واپس بلالیا۔ مرہٹوں نے جنگ شروع کر دی۔ حیدر علی ملکوٹہ میں تھے، وہ سرنگا پٹم پہنچ گئے۔ لیکن افراتفری میں ٹیپو سلطان ان سے الگ ہو گئے۔ حیدر علی سرنگا پٹم میں سخت بے چین تھے کہ ٹیپو سلطان کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ لیکن آخر کار ٹیپو سلطان ایک مفلس سبزی فروش کے بھیس میں سرنگا پٹم پہنچ گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان موقع کی مناسبت سے کس قدر درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

مرہٹوں نے ۳۳ دن تک سرنگا پٹم کا محاصرہ کیا۔ آخر مرہٹے رسد کی کمی کی وجہ سے محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ شعبان ۱۱۸۶ھ (نومبر ۱۷۷۲ء) میں مرہٹوں کے پیشوا ماھو راؤ کی وفات کے بعد حیدر علی نے ٹیپو کو مرہٹوں سے مقابلے کے لئے پھر بھیجا۔ ٹیپو سلطان نے مرہٹوں سے سیرا، مداگری، کوام کونڈا، چھنارایادرگا، ہوسکوٹ، بلاری وغیرہ چھین لئے۔

۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ء) میں انگریزوں سے پھر جنگ چھڑ گئی جو دوسری اینگلو میسور جنگ کہلاتی ہے۔ حیدر علی ۹۰ ہزار سپاہیوں کے ساتھ کرناٹک پہنچ گئے۔ ٹیپو سلطان ساتھ تھے۔ انگریز سپہ سالار ہیکٹر منرو، کانجی درم پہنچ کرنل بیلی کی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ حیدر علی نے ٹیپو کو دس ہزار سپاہی دے کر کرنل بیلی کی فوج پر حملے کے لئے بھی دیا۔ ٹیپو سلطان نے کانجی درم سے پندرہ میل پہلے ہی، کرنل بیلی کی فوج پر حملہ کر دیا اور اس قدر شدید گولہ باری کی کہ کرنل بیلی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ چار ہزار یورپی سپاہیوں میں سے صرف دوسو سپاہی زندہ بچے جنہیں قیدی بنالیا گیا۔ انگریزوں نے اعتراف کیا کہ اس وقت تک انگریزوں کو ہندوستان میں لگنے والی یہ شدید ترین ضرب تھی۔ ٹیپو سلطان نے انگریز قیدیوں سے بڑا نرم سلوک کیا۔ ہر قیدی کو کپڑا اور رقم دی۔ پھر انہیں سرنگا پٹم بھیج دیا۔ انگریز سالار ہیکٹر منرو نے مایوس ہو کر مدراس واپسی کا فیصلہ کیا۔ بھاری توپیں اور گولہ بارود واپس لے جانا مشکل تھا۔ چنانچہ انگریز یہ سامان ایک بڑے تالاب میں پھینک گئے۔

اس کے بعد ٹیپو سلطان نے ارکاٹ، ست گڑھ، تیاک گڑھ فتح کئے۔ اس اثناء میں مغربی محاذ پر مالابار میں انگریزی فوج کی کامیابیوں کی خبریں ملیں۔ ٹیپو سلطان کو اس محاذ پر بھیج دیا گیا۔ ٹیپو سلطان نے انگریزوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔ وہ انگریزوں پر دن بھر گولہ باری کرتے رہے۔ حتیٰ کہ شام کو دریائے پونانی پر پہنچ گئے۔ انگریز دریا عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ٹیپو سلطان نے بھی دریا پار کیا اور شہر پونانی کی ناکہ بندی کر دی۔ اسی دوران ٹیپو سلطان کو اپنے والد حیدر علی کی وفات کی اندوہناک اطلاع ملی۔ ۳۰ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ (۶ دسمبر ۱۷۸۲ء) کو حیدر علی کا انتقال ہوا۔ ٹیپو سلطان اطلاع ملنے پر خاموشی کے ساتھ چمکلور پہنچ گئے جہاں حیدر علی کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ ٹیپو سلطان نے خود ہدایت کی تھی کہ ان کا رسمی استقبال نہ کیا جائے۔ ۲۰ محرم ۱۱۹۷ھ (۲۶ دسمبر ۱۷۸۲ء) کو ٹیپو سلطان کی مسند نشینی عمل میں آئی۔ اب وہ وسیع السلطنت کے حکمران تھے جسے ان کے والد حیدر علی نے بڑے تدبر، حوصلے اور جرأت کے ساتھ حاصل کیا تھا۔

ٹیپو سلطان نے اقتدار سنبھالتے ہی حکم دیا کہ فوجیوں کی تنخواہیں اور واجبات فوراً ادا کر دیئے جائیں۔ انہیں اس بات کا خوب احساس تھا کہ ابھی انہیں بہت سے حریفوں سے

برسر پیکار ہوتا ہے اور آئندہ تمام معرکوں میں کامیابی کے لئے انہیں مضبوط فوج درکار ہوگی۔ چنانچہ ٹیپو سلطان نے ایک فرانسیسی افسر کو خصوصی ذمہ داری سونپی کہ وہ ان کی فوج کو جدید خطوط پر منظم کرے۔ ٹیپو سلطان نے ایک اور اہم فیصلہ کیا کہ سامان خورد ونوش اور دیگر اشیاء کی قیمتیں ازخود مقرر کرنے کا پرانا دستور منسوخ کردیا۔ اس کے نتیجے میں فوج کو رسد کی فراہمی افراط کے ساتھ ہونے لگی۔

مشرقی محاذ پر انگریزوں نے پیش قدمی کی تو ٹیپو سلطان خود فوج لے کر روانہ ہوئے اور زبردست حملہ کرکے دشمن کو ونڈی واش اور کرتگولی سے پسپائی پر مجبور کردیا۔ انگریزوں نے تیاری کر کے بڈنور کے قلعے پر قبضہ کرلیا۔ شعبان ۱۱۹۷ھ (جولائی ۱۷۸۳ء) میں ٹیپو سلطان ایک بڑی فوج کے ساتھ آندھی اور طوفان کی مانند بڈنور کی سرحد پر جا پہنچے۔ انہوں نے حیدر گڑھ اور کیول درگ پر قبضہ کرلیا۔ پھر بڈنور شہر پر تسلط قائم کر کے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ تیرہ مقامات پر توپیں نصب کردیں اور گولہ باری شروع کردی۔ چند ہی دنوں میں انگریز فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔

انگریزوں نے ایک معاہدہ کر کے قلعہ چھوڑنا چاہا، لیکن خود ہی اس معاہدے کی خلاف ورزی کی، جس پر فوج نے دشمن کو گھیر کر مارنا شروع کیا۔ آخر انگریز فوج معافی کی خواستگار ہوئی۔ لیکن انگریزوں نے چالاکی یہ دکھائی کہ قلعہ میں جتنا خزانہ تھا اسے بھیڑ، بکریوں، مرغوں اور کتوں تک کے جسموں میں چھپا کر لے جانے کی کوشش کی۔ ٹیپو سلطان کو یہ اطلاعات مل گئیں۔ انہوں نے تلاشی لینے کا حکم دیا اور تقریباً چالیس ہزار (سونے کے سکے) صرف افسروں ہی کے پاس سے برآمد کر لئے گئے۔ انگریزوں نے معاہدے کی پھر خلاف ورزی کی اور عوامی ذخائر لوٹ لئے۔ سرکاری دستاویزات جلادیں اور میسور کے جنگی قیدیوں کو آزاد نہ کیا۔ چنانچہ ٹیپو سلطان نے انہیں ہتھکڑیاں لگا کر چیتل درگ بھیج دیا۔

باڈنو سے ٹیپو بنگلور پہنچے۔ وہاں انگریزوں نے خود کو قلعے میں محصور کرلیا۔ قریب تھا کہ یہ قلعہ بھی فتح ہوجاتا کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ بندی ہوگئی۔ چنانچہ فرانسیسی فوج ٹیپو سلطان کی مدد سے دست کش ہوگئی۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۱۹۸ھ (۱۱ مارچ ۱۷۸۴ء) کو ٹیپو سلطان اور انگریزوں کے مابین صلح کا معاہدہ ہوا۔ ایک ذمہ دار افسر لارڈ میکارٹنی نے خود اعتراف کیا

کہ اگر یہ معاہدہ نہ ہوتا تو ہم اپنے مصارف کے بوجھ تلے ڈوب جاتے۔ معاہدے کے مطابق فریقین نے مفتوحہ علاقے واپس کردیئے۔

ادھر انگریزوں سے جنگ ختم ہوئی، ادھر مرہٹوں کے مذہبی پیشوا نانا فرنولیس نے میسور پر حملے کے لئے نظام الدین حیدرآباد کو ترغیب دینا شروع کردی۔ ٹیپو سلطان نے نانا فرنولیس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمیں تو مل کر انگریز کا مقابلہ کرنا چاہئے لیکن وہ نہ مانا۔ ادھر نظام حیدرآباد نے مرہٹوں سے اتفاق کرلیا کہ حیدرعلی نے جتنے علاقے پر قبضہ کیا تھا وہ سب واپس لے لیا جائیں۔

ٹیپو سلطان نے ان دونوں رہنماؤں کو بہت کچھ سمجھایا۔ لیکن انہوں نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا۔ مجبور ہوکر ٹیپو سلطان کو بھی فوج لے کر مقابلے کے لئے نکلنا پڑا۔ چند معرکوں کے بعد آخرکار جمادی الاولیٰ ۱۲۰۱ھ (فروری ۱۷۸۷ء) میں صلح نامے پر دستخط ہوگئے۔ جن کی رد سے ٹیپو سلطان اپنے بعض علاقوں سے دستبردار ہوگئے اور کچھ نئے علاقے انہیں مل گئے۔

ٹیپو سلطان نے اسی زمانے میں خطبے میں مغل بادشاہ کی جگہ اپنا نام شامل کیا اور نیا روپیہ جاری کیا جسے ''امامی'' کہتے تھے۔ سنہ ہجری کی جگہ سنہ محمدی اسی زمانے میں رائج کیا۔ یہ سنہ ولادت رسول اللہ ﷺ سے شروع ہوتا تھا۔ ٹیپو سلطان کے حکم پر ہر شہر، قصبے اور قلعے سے ایک ایک فرسنگ (تین تین میل) کے فاصلے خاردار تاروں کا انتظام کردیا گیا۔

ٹیپو سلطان نے ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ء) میں عثمانی خلیفہ سے اپنی حکمرانی کی توفیق حاصل کی اور اپنا سفارت خانہ قسطنطنیہ میں قائم کیا۔ اس غرض سے ٹیپو سلطان نے جو سفارتی وفد قسطنطنیہ روانہ کیا اس کے ارکان کے ساتھ بڑی پیمانے پر تجارتی اشیاء بھی تھیں، جن میں کپڑا، صندل کی مصنوعات، مسالے، سونے چاندی کے میسوری سکے، ملبوسات، جواہرات اور ہاتھی شامل تھے۔ گویا اس سفر سے ہر ممکن مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ سفراء نے راستے میں کچھ سامان فروخت کیا۔

وفد کے ارکان کو ٹیپو سلطان نے ہدایت کی تھی کہ خلیج فارس سے گزرتے ہوئے بوشہر میں اتریں اور شاہ فارس سے تجارتی مراعات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ جن مقامات سے گزریں وہاں کے جغرافیائی، سماجی اور معاشی حالات کا مطالعہ کریں اور اپنے

تجربات کو قلم بند کرتے رہیں۔ ٹیپو سلطان نے یہ ہدایت بھی کی کہ عثمانی حکومت سے ترکی مقبوضات میں کارخانوں کے قیام کا معاہدہ کرنے کی کوشش کریں اور عثمانی حکومت سے معاہدہ کریں کہ عثمانی حکومت ٹیپو کی مدد کے لئے فوج بھیجے اور ایسے صنعتکار بھی بھیجے جو صندوقیں اور توپیں ڈھال سکیں۔ شیشے اور چینی کے برتن بنا سکیں۔ ان کے بدلے ٹیپو اپنے ایسے کاریگر بھیجیں جن کی عثمانی خلیفہ کو ضرورت ہوگی۔ تاہم وفد ٹیپو کی حکومت کے لئے یہی اسنا حاصل کر سکا کہ عثمانی حکومت نے ٹیپو کو خود مختار بادشاہ تسلیم کیا اور انہیں اپنے سکے جاری کرنے اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوانے کا حق حاصل ہوگیا۔

ادھر انگریز بڑی شدت سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ برصغیر میں ان کی توسیع پسندی کی راہ میں اگر کوئی موثر قوت حائل ہے تو وہ ٹیپو سلطان کی میسوری ریاست ہے۔ چنانچہ انگریزوں نے مرہٹوں اور نظام حیدر آباد دکن کے ساتھ مل کر ٹیپو سلطان کے خلاف اتحاد قائم کرلیا۔ فریقین کے درمیان لڑائی کے تین دور ہوئے۔ آخر جمادی الثانی ۱۲۰۶ھ (فروری ۱۷۹۲ء) میں سرنگاپٹم کا محاصرہ کرلیا گیا اور صلح نامے پر دستخط ہوگئے۔ اس صلح نامے کی رو سے ٹیپو سلطان کو اپنی نصف مملکت سے دستبردار ہونا پڑا۔ یوں جنگوں کے اس سلسلے کا اختتام ہوا جس کا آغاز ۱۰ رمضان المبارک ۱۲۰۴ھ (۲۴ مئی ۱۷۹۰ء) کو ہوا تھا۔

ٹیپو سلطان کو تین کروڑ ۳۰ لاکھ روپے کا تاوان ادا کرنا پڑا۔ مخالفین کے قیدی رہا کرنے پڑے۔ معاہدہ کی ضمانت کے طور پر ٹیپو سلطان کو دو کمسن بیٹوں عبدالخالق اور معزالدین کو یرغمال بنایا گیا۔ جب دونوں شہزادے پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ انگریز سالار کارنوالس کے کیمپ میں پہنچے تو انہیں ۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی اور کارنوالس نے انہیں گلے لگایا۔

ٹیپو سلطان کی شکست ان کی ریاست پر انگریزوں، مرہٹوں اور نظام کے اتحاد کی یہ بڑی کاری ضرب تھی۔ تاہم ٹیپو سلطان نے معاہدے کی شرائط کی پوری پابندی کی اور مطلوبہ رقم مقررہ وقت پر اتحادیوں کو ادا کردی۔ شعبان ۱۲۰۸ھ (مارچ ۱۷۹۴ء) میں ٹیپو سلطان کے یرغمالی شہزادے رہا ہوکر واپس آ گئے۔

ٹیپو سلطان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید بقیہ نصف مملکت بھی جلد گنوا بیٹھتا، لیکن ٹیپو ایک نئے عزم کے ساتھ اپنے نقصانات کی تلافی میں مصروف ہوگئے۔ یہ ان کی غیر معمولی خداداد

ذہانت، لیاقت، تدبر اور حسن انتظام کی صلاحیت تھی کہ صرف چھ سال کے عرصے میں ٹیپو سلطان نے اپنی مملکت کو پھر سے خوشحال بنا دیا۔ اس غرض سے انہوں نے زراعت کو خصوصی ترقی دی۔ جنگی محاذ پر انہوں نے تمام قلعوں کی مرمت کروائی۔ فوج کی تنظیم نو کی۔ اس کے علاوہ اس عرصے میں ٹیپو سلطان نے اسلامی ممالکت کو متحد کرنے کی غرض سے زمان شاہ والی کابل، سلطان روم، شاہ ایران اور خود برصغیر کے تمام حکمرانوں کے پاس سفیر اور خطوط ارسال کیے۔

لارڈ ویلزلی ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۸ء) میں گورنر جنرل مقرر ہو کر برصغیر آیا۔ ٹیپو سلطان کے اس قدر کم مدت میں سنبھالا لینے پر اسے شدید تشویش تھی۔ ادھر انگریزوں کو یہ بھی فکر تھی کہ فرانسیسی سالار نپولین بوناپارٹ مصر فتح کر چکا ہے اور دراصل جس بات نے انگریزوں کو ٹیپو سلطان کی طرف سے سخت پریشان اور خوفزدہ کر دیا تھا وہ یہ تھی کہ نپولین بوناپارٹ نے ٹیپو سلطان کے نام چند خطوط لکھے تھے اور بدقسمتی سے یہ خطوط ٹیپو تک پہنچنے کے بجائے انگریزوں کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ ان میں ایک خط نپولین نے ۱۹ شعبان ۱۲۱۳ھ (۲۶ جنوری ۱۷۹۹ء) کو قاہرہ سے ٹیپو سلطان کے نام بھیجا تھا۔ اس خط میں نپولین نے لکھا:

''بنام جلیل القدر سلطان ہمارے عزیز ترین دوست ٹیپو! ایک لاتعداد اور ناقابل شکست فوج کے ساتھ آپ کو انگلستان کے آہنی پنجے سے نجات دلانے کی خواہش کے ساتھ بحیرہ احمر کے کنارے آیا ہوں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا سیاسی مؤقف کیا ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے کسی قابل اعتبار آدمی کو سویز جلد روانہ کر دیں جس سے گفتگو کر سکوں۔''

لارڈ ویلزلی نے آتے ہی جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ ساتھ ساتھ وہ مرہٹوں اور نظام سے اتحاد قائم کرنے کی کوششیں بھی کرتا رہا۔ دوسری جانب اس نے ٹیپو سلطان کو بے دست و پا کرنے اور انہیں ہر قسم کی امداد سے محروم کرنے کی کوششوں کا بھی آغاز کر دیا۔ داخلی طور پر بھی سازشوں کا ایک جال بچھایا گیا اور عوام کو یہ باور کروایا گیا کہ انگریز اسلامی رسوم کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اس غرض سے ان غیر ضروری رسوم کا انگریزوں نے بڑا احترام کیا جنہیں غیر اسلامی قرار دے کر ٹیپو سلطان نے ممنوع قرار دے دیا تھا۔

دوسری طرف سب سے زیادہ افسوسناک اور سنگین بات یہ ہوئی کہ انگریزوں کی ترغیب

کے نتیجے میں کچھ مسلمان امراء اور ایک ہندو افسر درپردہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ان باغیوں میں سرفہرست میر صادق تھا جو مجلس (پارلیمنٹ جسے "جماعت خاص" کہتے تھے) کا صدر اعظم تھا۔دیگر باغیوں میں میر غلام علی، میر قمر الدین، میر قاسم علی، بدرالزماں اور ہندو وزیر مالیات و دیوان پورنیا شامل تھے۔

لارڈ ویلزلی نے ٹیپو سلطان سے مذاکرات شروع کر دیئے کہ وہ نیا معاہدہ کریں جس کی شرائط نہایت توہین آمیز تھیں۔آخر لارڈ ویلزلی نے ۲۷ شعبان ۱۲۱۳ھ (۳ فروری ۱۷۹۹ء) کو جنرل ہیرس کو حکم دیا کہ وہ سلطان سے مذاکرات ختم کر کے میسور پر حملہ کر دے۔اس نے الزام لگایا کہ ٹیپو سلطان فرانسیسیوں سے مل کر برصغیر میں انگریزوں کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔اس نے وضاحت کے لئے ٹیپو سلطان کو صرف ۲۶ گھنٹے کا وقت دیا اور جواب کا انتظار کئے بغیر اعلان جنگ کر دیا۔اس سے قبل وہ ٹیپو سلطان سے دوستانہ ماحول میں بات چیت کر رہا تھا جو اس کی ایک چال تھی۔درپردہ وہ گزشتہ کئی ماہ سے جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔

جنرل ہیرس کی قیادت میں ۲۱ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج نے ۹ رمضان المبارک ۱۲۱۳ھ (۱۴ فروری ۱۷۹۹ء) کو میسور کی طرف کوچ کیا۔ ۲۸ رمضان (۵ مارچ) کو جنرل ہیرس میسور میں داخل ہوا اور ۷ شوال کو بنگلور پر قبضہ جمالیا۔ٹیپو سلطان نے انگریزوں کی اس پیش قدمی کے پیش نظر مقابلے کی تیاری شروع کر دی تھی۔وہ پورنیا اور سید غفار کی قیادت میں کچھ فوج چھوڑ کر مشرق کی سمت بڑھے۔انگریزوں کی فوج میں جانوروں کی کثرت تھی۔جنرل ہیرس کی فوج میں ۶۰ ہزار بیل تھے اور نظام کی فوج میں ۳۶ ہزار۔نجی افراد کے بیلوں، اونٹوں اور ہاتھیوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔نتیجہ یہ کہ چارے کی کمی کی وجہ سے بیل مرنے لگے۔ٹیپو سلطان کی فوج دشمن کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتی تھی۔لیکن چونکہ اس کے اعلیٰ افسر انگریزوں سے جا ملے تھے، اس لئے انہوں نے انگریزوں پر ضرب لگانے کے موقع سے جان بوجھ کے فائدہ نہ اٹھایا۔

جنرل ہیرس نے ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ (۲۲ اپریل ۱۷۹۹ء) کو دوسرا مسودہ مصالحت ٹیپو سلطان کے حوالے کیا۔اس کی شرائط پہلے سے زیادہ سخت تھیں۔یعنی یہ کہ نصف سلطنت سے دستبردار ہو جاؤ، دو کروڑ روپے تاوان ادا کیا جائے، چار بیٹے اور چار جرنیل بطور یرغمال دیئے

جائیں۔ٹیپو سلطان نے ان شرائط کو مسترد کر دیا۔

۲۳ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ (۱۲۸اپریل ۱۷۹۹ء) کو سرنگا پٹم کے باہر توپیں نصب کر دی گئیں اور گولہ باری شروع ہوگئی۔۳ مئی کو قلعے کی فصیل میں چھوٹا شگاف پڑ گیا۔جنرل ہیرس نے فوراً حملے کا فیصلہ کیا کیونکہ رسد کی کمی کی وجہ سے اس کی فوج فاقے کر رہی تھی اور مزید انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ایسے موقع پر غداران ملت انگریزوں کے کام آئے۔میر صادق نے صلاح دی کہ ۴ مئی کی دوپہر حملہ کیا جائے۔

میر صادق نے تنخواہیں دینے کے بہانے ان سپاہیوں کو واپس بلا لیا جو قلعے کی فصیل کے شگاف کی حفاظت پر متعین تھے۔چنانچہ انگریز فوج بلا تکلف اور مزاحمت شگاف کے راستے قلعے میں داخل ہوگئی۔البتہ ایک اور سمت سے حملہ کرنے والی انگریز فوج کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

ٹیپو سلطان دفاعی انتظامات میں بھرپور طریقے سے مصروف تھے۔۲۹ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ (۴ مئی ۱۷۹۹ء) کو دوپہر کا کھانا ان کے سامنے لایا گیا۔انہوں نے لقمہ اٹھایا ہی تھا کہ انہیں اپنے نہایت وفادار افسر سید غفار کی شہادت کی اطلاع ملی۔وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا ''ہم بھی عنقریب جانے والے ہیں۔''

ٹیپو سلطان پا پیادہ دوڑے اور اپنی منتشر فوج کو مجتمع کرنے کی سرتوڑ کوشش کی۔لیکن سپاہی اپنی قوت کھو بیٹھے۔اب ٹیپو سلطان گھوڑے پر سوار ہوئے اور ڈڈی دروازے (پانی کے دروازے) کی طرف بڑھے۔اسے میر صادق نے بند کروا دیا تھا تاکہ ٹیپو سلطان باہر نہ جا سکیں۔میر صادق یہ کہتے ہوئے نکلا کہ میں کمک لاتا ہوں لیکن سلطان کے وفادار ساتھی میر صادق کی غداری کو بھانپ چکے تھے۔انہوں نے تلواروں کے وار کر کے اس قابل نفرین شخص کو اسی وقت موت کی گھاٹ اتار دیا۔

ٹیپو سلطان اس دروازے کی طرف بڑھے جہاں سے قلعے کے اندرونی حصے کو راستہ جاتا تھا۔اس دروازے سے گزرنے کی کوشش میں وہ تین بار زخمی ہوئے۔ان کے گھوڑے نے بھی زخمی ہو کر دم توڑ دیا۔ٹیپو سلطان اب بھی مردانہ وار لڑ رہے تھے۔اتنے میں چند انگریز سپاہیوں کا ادھر سے گزر ہوا۔ایک نے ٹیپو سلطان کی تلوار کی قیمتی پیٹی چھیننے کی کوشش کی۔زخمی سلطان نے

تلوار کا وار کیا، ایک انگریز زخمی ہوا۔ انگریز سپاہیوں نے گولی چلادی۔ ٹیپو سلطان ایک تنگ جگہ میں لڑتے رہے اور تین افراد کو ہلاک کیا۔ اس اثناء میں ان کی کنپٹی پر گولی لگی اور یہ عظیم دلیر مرد مومن مقام شہادت پر فائز ہو گیا۔ عینی شاہدوں کے مطابق ٹیپو سلطان کے چہرے پر غیر معمولی طمانیت تھی اور کسی قسم کے جذباتی ہیجان یا غضب کا تاثر نہ تھا۔

دوسرے دن سہ پہر کو محل سے اس دلیر و جانباز جرنیل کا جنازہ اٹھایا گیا۔ کسی ردعمل کا مقابلہ کرنے کے لئے چار یورپین کمپنیاں ساتھ ساتھ تھیں۔ جنازے کا جلوس جس راستے سے گزرتا وہاں دونوں جانب کھڑے شہریوں کا جم غفیر دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ لال باغ کے مقبرے میں ٹیپو سلطان کو ان کے والد حیدر علی کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

تاریخ اسلام کے مشکل مقامات

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ حق و باطل کی آویزش اور پیروان اسلام کی داخلی کشاکش کی تاریخ ہے۔ اس میں بارہا مشکل مقامات آئے، جن میں کبھی تو اہل اسلام سرخرو رہے اور کبھی ناکامیوں سے دوچار ہوئے۔

میں تاریخ کے ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے اسلامی تاریخ کے بعض مشکل مقامات کی صرف نشاندہی کرنے کی اشارات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

قارئین کرام! میں دانست میں اسلامی تاریخ میں پہلا مشکل مقام ۶۲۴ء، یعنی رمضان ۲ ہجری میں آیا، جب کفار مکہ نے دین اسلام اور مسلمانوں کی نوخیز ریاست مدینہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے اس پر یلغار کی تھی۔ کفار کا ایک ہزار کا لشکر ہر طرح کے مروجہ سامان جنگ سے مسلح تھا، جبکہ مقابلے میں نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں ۳۱۳ مسلمان تھے، جن میں سے بیشتر نسبتاً غیر مسلح تھے۔ اسی لئے سرور کونین ﷺ نے اللہ کے حضور سجدے میں گر کر دعا کی تھی:

"اے اللہ! تو نے مجھ سے نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ آج پورا کر۔ اے اللہ! اگر تیرے نام لینے والے یہ چند نفوس مٹ گئے تو قیامت تک تیری عبادت کرنے والا پیدا نہ ہوگا۔"

اور جب جنگ ہوئی تو حق، کفر پر غالب آیا اور چودہ مسلمانوں کی شہادت اور ستر کافروں

کی ہلاکت کے نتیجے میں صدر اسلام کی پہلی بڑی فتح حاصل ہوئی اور تاریخ میں یہ نظیر قائم ہوئی کہ مسلمان جب کبھی جذب و اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں نکلیں گے تو وہ قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود بڑے بڑے لشکروں پر غالب آئیں گے۔ فتح بدر سے قرآن حکیم کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی جو چند برس پہلے الہامی مذہب عیسائیت کے پیروکار رومیوں پر آتش پرست سامانیوں کی فتح کے بعد کی گئی تھی کہ معدودے چند برسوں میں رومی غالب آئیں گے۔ چنانچہ جب مدینے میں مسلمان بدر کی فتح پر خوشی منا رہے تھے، عین انہی دنوں خبر ملی کہ رومیوں نے فارس والوں کو شکست فاش دی ہے۔

عہد نبوی میں دوسرا مشکل مقام وہ تھا جب شمع رسالت کے چودہ سو پروانے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ عمرے کی نیت سے آئے تھے اور حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہوئے تھے۔ یہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ کفار مکہ کی جنگی تیاریاں اور بیعت رضوان کے بعد جب صلح کا معاہدہ لکھا جانے لگا تو قریش مکہ کے سفیر سہیل بن عمرون نے اس میں ایسی شرائط رکھوائیں جن میں بظاہر مکہ والوں کی حیثیت غالب نظر آتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ محو حیرت تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کعبہ کا مقصد حاصل کئے بغیر مدینہ واپسی، اگلے سال تلواریں نیام میں ڈالے مکہ میں صرف تین دن کے قیام اور اس طرح کی شرائط تسلیم کیوں کر لیں کہ مکہ کا کوئی مسلمان یا بت پرست مدینے چلا جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا، لیکن مدینہ سے کوئی مسلمان مکہ آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

بہرحال معاہدہ حدیبیہ کے مطابق اہل اسلام مدینہ لوٹ گئے اور قرآن مجید نے اس صلح نامہ کو فتح مبین قرار دیا۔ چنانچہ اس کے بعد حضور ﷺ نے شاہان عالم کو دعوتی خطوط لکھے۔ اطراف واکناف میں تبلیغ اسلام کی راہ ہموار ہوگئی اور دو سال بعد قریش مکہ نے مجبور ہو کر خود ہی صلح حدیبیہ کی منسوخی کا اعلان کر دیا۔ اس کے نتیجے میں دس ہزار کا اسلامی لشکر رسول کریم ﷺ کی قیادت میں مکہ کی طرف بڑھا اور بغیر جنگ کے مکہ فتح ہوگیا۔ اس طرح ثابت ہوگیا کہ صلح حدیبیہ فتح مبین ہی تھی۔

عہد نبوی کا تیسرا اہم واقعہ غزوہ تبوک تھا۔ ۹ ہجری میں بوجوہ بے سروسامانی کے باوجود نبی اکرم ﷺ حفظ ماتقدم کے طور پر تیس ہزار کا لشکر لے کر سرحد شام کی طرف گئے جہاں مسیحی

غسانی قبائل اور قیصر روم کی افواج کے اجتماع کی خبریں ملی تھیں، مگر تبوک جا کر معلوم ہوا کہ وہ خبریں صحیح نہ تھیں، تاہم اس پر پیش رفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرحد شام کے قبائل ریاست اسلامی کے زیر اثر آ گئے اور مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔

۱۲ ربیع الاول میں سن ۱۱ ہجری مطابق ۸ جون ۶۳۲ء کو نبی کریم ﷺ نے وفات پائی تو جانشینی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے ایسی نازک صورت اختیار کر لی کہ قریش اور انصار میں سے الگ الگ امیر منتخب کرنے کی بات بھی ہوئی۔ انصار ثقیفہ بنی ساعدہ میں جمع تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے ہمراہ وہاں پہنچے اور انصار کو سمجھایا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ امیر مہاجرین میں سے ہو۔ بات انصار کے سمجھ میں آ گئی اور سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور پھر دیگر حاضرین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آپ خلیفۃ الرسول کے منصب پر فائز ہو گئے۔ اس طرح ایک بڑا فتنہ ٹل گیا اور مخصوص نوعیت کی اسلامی جمہوریت خلافت راشدہ کا قیام عمل میں آیا جو آج تک اہل اسلام کے لئے دلیلِ راہ ہے۔

فتنۂ ارتداد اور جھوٹے مدعیان نبوت کا استیصال عہد صدیقی کے دو بڑے کارنامے ہیں، طلیحہ، مسلیمہ کذاب اور اسود عنسی جیسے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے خلاف یکے بعد دیگرے مہمات کامیاب رہیں اور انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ پھر مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی تادیب عمل میں آئی۔ منکرین زکوٰۃ کے خلاف تلوار اٹھانا صحابہ رضی اللہ عنہم میں متنازع فیہ مسئلہ بن گیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دینی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس معاملے میں استقامت دکھائی اور فوجیں بھیج کر ایک ایک سے مقررہ زکوٰۃ وصول کی کیونکہ اگر اس وقت منکرین زکوٰۃ سے رعایت برتی جاتی تو رفتہ رفتہ لوگ صوم وصلوٰۃ اور دیگر ارکانِ دین کے بھی منکر ہو جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۶۳۵ء میں قادسیہ کی سہ روزہ جنگ فیصلہ کن ثابت ہوئی، جس میں لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بے پناہ جنگی فراست کا مظاہرہ کیا۔ فارس کا سپہ سالار رستم مارا گیا۔ پھر ساسانی دارالحکومت مدائن پر مسلمانوں کے قبضے سے فارس کی سپر طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ شہنشاہ یزدگرد وسط ایشیاء کی طرف فرار ہو گیا اور عراق اور موجودہ ایران جو اس وقت فارس کہلاتا تھا خلافت اسلامیہ

کا حصہ بن گئے۔

ادھر شمالی محاذ پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیامت میں جنگ یرموک میں رومیوں کو شکست فاش دی گئی اور قیصر روم ہرقل شام کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر قسطنطنیہ واپس چلا گیا۔ چند ماہ کے اندر سارے شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ نیز اگلے سال بیت المقدس اور پھر مصر کی فتوحات کی راہ ہموار ہوگئی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ۶۳۷ء میں فلسطین میں بیت المقدس کا سخت محاصرہ کر رکھا تھا۔ جب شہر کے عیسائیوں نے صلح کی درخواست کی مگر شرط یہ لگائی کہ امیر المومنین خود آ کر معاہدہ لکھیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے وہاں تشریف لے گئے۔ عیسائیوں کو جان و مال اور گرجوں کے تحفظ کا عہد دیا گیا۔ یوں بیت المقدس جہاں مسلمانوں کا قبلہ اول ہے اور جو تقریباً تین سو سال سے عیسائیوں کے تسلط میں تھا، مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں شام، فلسطین اور مصر کی فتح سے رومی سلطنت اپنے اہم ایشیائی اور افریقی صوبوں سے محروم ہوگئی۔ یاد رہے بیت المقدس مسلمانوں کے زیر حکومت آنے سے پہلے یروشلم کہلاتا تھا۔ اسے ۵۸۶ ق م میں بابل (عراق) کے بادشاہ نے تاراج کیا تھا۔ یہود کا ہیکل سلیمانی مسمار کر دیا تھا اور وہ دس لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر بابل لے آیا تھا، پھر تقریباً نصف صدی بعد شاہ فارس کورش کبیر نے بابل فتح کر کے یہودیوں کو رہائی دلائی تھی اور انہوں نے واپس یروشلم جا کر ہیکل سلیمانی از سر نو تعمیر کیا تھا۔

پھر ۷۰ء میں دوسری بار ہیکل سلیمانی کی تباہی رومیوں کے ہاتھوں عمل میں آئی اور ۱۳۵ء میں رومی شہنشاہ ہیڈریان نے یہودیوں کی بغاوت پر انہیں فلسطین سے جلاوطن کر دیا۔ چوتھی تا ساتویں صدی عیسوی یروشلم رومی عیسائیوں کے تسلط میں رہا مگر انہوں نے بھی بت پرست رومیوں کی طرح یہودیوں کو فلسطین میں بسنے نہ دیا۔ ۷۰ء میں ہیکل سلیمانی کی صرف ایک دیوار باقی بچی تھی، جسے ''دیوار گریہ'' کہتے ہیں۔ کیونکہ یہودی وہاں رویا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں سے یروشلم لیا تو یہاں مسجد اقصیٰ تعمیر کی اور معراج نبوی سے منسوب قبۃ الصخرہ پر گنبد بنا دیا۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت ۶۴۴ء تا ۶۵۵ء تک رہا۔ آپ کے پہلے

پانچ چھ سال امن وامان اور خوشحالی سے گزرے۔ پھر دشمنان اسلام نے ملت میں بغض ورقابت کے جذبات کو ہوادی اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائی۔ حتیٰ کہ کوفہ، بصرہ اور مصر سے آئے ہوئے فسادیوں نے خلیفہ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ اس پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے باغیوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت چاہی۔ مگر آپ نے خونریزی کی اجازت نہ دی۔ آپ نے مفسدین کو اپنی اسلامی خدمات یاددلاتے ہوئے ان سے کہا کہ اگر آج تم نے مجھے قتل کردیا تو پھر قیامت تک ایک ساتھ نماز نہ پڑھ سکو گے نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔

لیکن باغی کب ماننے والی تھے۔ انہوں نے مکان کے صدر دروازے کو آگ لگادی اور اندر داخل ہو گئے۔ بدبختوں نے دھاوا کرکے ذوالنورین کو اس حالت میں شہید کردیا کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کررہے تھے۔ اس حملے میں اپنے شوہر کو بچاتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نائلہ کی ہاتھوں کی انگلیاں کٹ گئیں۔

چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مسئلے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں کشمکش رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بوجوہ فوری طور پر قصاص لینے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو شام کے حاکم تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے اور اپنی معزولی کے احکام تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

اسی دوران ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو حج کے لئے مکہ گئی ہوئی تھیں اور وہیں انہیں شہادت عثمان کی اطلاع ملی تھی، وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بصرہ پہنچ گئیں تاکہ قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے۔ بصرہ میں بہت سے لوگ مجرم ثابت ہونے پر قتل کئے گئے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف روانگی ملتوی کی اور فوری طور پر عراق پہنچے۔ انہوں نے ام المومنین کے پاس پیغام بھیجا کہ امن وامان کی فضا پیدا کئے بغیر قصاص کی یہ روش خلاف مصلحت اور نقصان دہ ہے۔

قاصدوں کے ذریعے فریقین میں صلح کی باتیں طے ہوگئیں، مگر علوی فوج میں شامل سبائیوں نے رات کو اچانک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر پر حملہ کردیا۔ اس کے نتیجے میں

پہلی بار ایسا ہوا کہ مسلمانوں کے دو لشکروں میں خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور طرفین کے تقریباً دس ہزار آدمی کام آئے۔

اس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹنی پر سوار تھیں، اس لئے اسے جنگ جمل کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فوجیوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے تو وہ بلبلا کر بیٹھ گئی۔ یہ دیکھ کر بصری فوج بھاگ نکلی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام المومنین کو عزت سے مدینہ روانہ کیا اور مدینہ کے بجائے کوفہ کو دارالحکومت قرار دیا۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاکم شام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت لینے کی ایک اور کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ آخرکار دریائے فرات کے کنارے صفین کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ کئی ماہ تک ان میں خونریز جنگ کا سلسلہ رہا اور دونوں طرف کے ستر ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ جن میں ۴۵ ہزار صرف شامی تھے۔ پھر ثالثوں کا تقرر ہوا اور تحکیم کا واقعہ پیش آیا مگر جھگڑا طے نہ ہو سکا۔ اس دوران بارہ ہزار کے لگ بھگ ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گیا۔ یہ لوگ خوارج کہلائے۔ ان کا نہروان کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ٹکراؤ ہوا، جس میں چار ہزار خارجی مارے گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اب شام پر فوج کشی کرنا چاہتے تھے، مگر ان کی فوج کے حوصلے اس قدر پست ہو چکے تھے کہ ان کے ہمراہ صرف ایک ہزار آدمی رہ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کوفہ لوٹ آئے۔ ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج نے پیش قدمی کر کے مصر پر قبضہ کر لیا۔ آخرکار حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے باہم صلح کر لی، جس کی رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور شام و مصر اور مغرب کا علاقہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حصے میں آیا۔ ۶۶۰ء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک خارجی نے شہید کر دیا تو اہل عراق نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ لیکن وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی کے پیش نظر چند ماہ بعد خلافت سے دستبردار ہو گئے اور پورے عالم اسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کر لی۔